U1
An32m

10

سلسلہ آصفیہ نمبر ۴

مراثی انیس

جلد دوم

جناب میر ببر علی صاحب انیس لکھنوی مرحوم و مغفور کی متوسط عمر کا کلام

مرتبہ

مولانا سید علی حیدر صاحب طباطبائی نظم لکھنوی المخاطب بہ نواب حیدر یار جنگ

وظیفہ خوار پروفیسر نظام کالج حیدرآباد دکن

باہتمام نظام الدین حسین نظامی بدایونی

نظامی پریس بدایوں میں طبع ہوا

۱۹۲۴ء

بار اول

۵۰۰ جلد

ط ۱۲۱

۱۱

۲۳۴۵

عمودن

تذییل ص ۲۸

سلسلہ آصفیہ نمبر ۲

مراثی انیس جلد دوم

خدا کا شکر ہے کہ میر انیس[1] کے کلام کی آج دوسری جلد حامیان اردو ادب کے ہاتھوں تک پہنچتی ہے۔ پہلی جلد میں میر صاحب کی ہاف ٹون تصویر اور ایک مقدمہ بھی شامل ہے۔ لیکن یہ جلد اس سے محروم ہے۔ البتہ اس جلد کے آخر میں مولینا طباطبائی صاحب کا لکھا ہوا ایک خاتمہ ہے جس کو "ختام المسک" کے عنوان کے ذیل میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔ اُس نے اس جلد دوم کی قدر و قیمت کو بڑھا دیا ہے۔ میر صاحب نے کم و بیش ۷۳ سال کی عمر پائی تھی۔ مولینا طباطبائی نے ان کے کلام کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ سب سے پہلی جلد میں سب سے آخری زمانہ کا مشتاقانہ کلام شائع ہو چکا ہے۔ اس دوسری جلد میں متوسط عمر کا کلام آپ کے ملاحظہ سے گزریگا۔ یہ کلام ۱۸۳۰ء سے ۱۸۵۴ء تک کے زمانہ کا ہو سکتا ہے۔ تیسری جلد میں جو زیر ترتیب ہے ابتدائی دس سال یعنی سولھویں سال سے پچیسویں سال تک کی عمر کا کلام ہوگا۔ بہرحال یہ متوسط عمر کا کلام جو اس دوسری جلد میں شامل ہے ۱۸۵۶ء سے پہلے کا کلام ہے اور یہ زمانہ وہ زمانہ تھا۔ جب کہ واجد علی شاہ اور اُن سے قبل امجد علی شاہ اودھ کے تخت کو رونق دے رہے تھے اور اردو شاعری کا دور دورہ تھا۔ اگر اس وقت لکھنؤ میں انیس و دبیر جیسے استادان فن اُردو کو چار چاند لگا رہے تھے تو اُدھر دہلی میں غالب اور ذوق و مومن جیسے قادر الکلام شعرا اردو ادب کی محفلوں کو گرما رہے تھے۔ آج جب کہ اس زمانہ کو ساٹھ ستر سال گزر چکے ہیں وہ محاورات جو میر انیس کے زمانہ تک فصحا کے کلام میں داخل تھے مثلاً۔ جاگہہ۔ جائے۔ جایا۔ بھنا۔ تلے۔ ہات۔ لال۔ روکیو۔ جانیو۔ کیجو۔ دیجو۔ کہیو۔ ڈوباؤ۔ جیوں۔ سو۔ ہیگا۔ اسواری۔ سسرا۔ بن۔ وغیرہ فصیح اردو کے لیے موجب عار سمجھے جاتے ہیں۔ لیکن کون جانتا ہے کہ آج کے فصیح محاوروں پر کل کیا گزرے گی ہمیں سچّے دل سے یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ میر صاحب نے اردو پر جو احسان کیا ہے اس سے موجودہ اور آیندہ نسلیں سبکدوش نہیں ہو سکتیں۔

---

[1] میر انیس ۱۲۱۶ھ (۱۸۰۱ء) میں پیدا ہوئے ۲۹ شوال ۱۲۹۱ھ مطابق دسمبر ۱۸۷۴ء میں انتقال ہوا۔

نظم رزمی کے سب سے زبردست کارنامے زبان فارسی میں شاہ نامہ فردوسی وسکندر نامہ نظامی ہیں۔ لیکن میر صاحب کا ہر ہر مرثیہ اس میدان میں سب سے گوئے سبقت لے گیا ہی۔ میر صاحب کے ان جواہر پاروں کو اس خوبصورتی اور اہتمام کے ساتھ اردو داں پبلک کے سامنے پیش کرنے کی ہمت افزائی اور سرپرستی اعلیٰ حضرت بندگانعالی حضور نظام آصف جاہ سابع خلد اللہ ملکہ کی سرکار کی طرف سے ہوئی ہی۔ جس کے لیے ہم جسقدر بھی منت پزیر ہوں کم ہی۔

عالی جناب سید راس مسعود صاحب المخاطب بہ نواب مسعود یار جنگ بہادر ناظم تعلیمات سرکار آصفیہ کی ذات بھی قابل شکریہ ہی کہ اُنھوں نے میر انیس کے بیش بہا کلام کو اپنے اردو ادب کی اسکیم کے تحت میں شامل کرکے اس کی تصحیح وتدوین کا انتظام فرمایا اور آج وہ اس آب وتاب کے ساتھ زیور طبع سے آراستہ ہو کر آپ کے مبارک ہاتھوں تک پہنچ سکا۔ فقط

خاکسار

نظامی۔ بدایونی

بدایوں۔ ۱۱ مارچ ۱۹۳۵ء

فہرست مراثی

فہرستِ مراثی

جلدِ دوم

صفحہ	مرثیہ کا پہلا مصرع	نمبر شمار
۲۹۷	دشمن کو بھی خدا نہ دکھائے پسر کا داغ	۱۵
۳۰۳	حضرت سے جب برادرِ خوشخو جدا ہوا	۱۶
۳۲۰	برہم ہُوا مرقعِ چمنستانِ جہاں کا	۱۷
۳۳۴	جب دولتِ سرور پہ زوال آگیا رن میں	۱۸
۳۵۲	جب رن میں آمد آمدِ سلطانِ دیں ہوئی	۱۹
۳۶۴	جب دشتِ مصیبت میں علی کا پسر آیا	۲۰
۳۸۹	جب قطع ہوئے نخلِ گلستانِ علی کے	۲۱
۴۰۷	شمشادِ بوستانِ رسالت حسین ہے	۲۲
۴۲۹	کیا بحر ہے وہ بحر کنارا نہیں جس کا	۲۳
۴۴۷	رطب اللسانِ مدحِ شہ خاص و عام ہیں	۲۴
۴۷۱	جب نوجواں پسر شہِ دیں سے جدا ہوا	۲۵
۴۹۹	ہوتے ہیں بہت رنج مسافر کو سفر میں	۲۶

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مرثیہ (١)

یارب چمنِ نظم کو گلزارِ ارم کر
توفیض کا مبدا ہی توجہ کوئی دم کر
جب تک یہ چمک مہر کے پرتو سے نہ جائے
اس باغ میں چشمے ہیں ترے فیض کے جاری
ہر نخل برومند ہی یا حضرتِ باری
وہ گل ہوں عنایت چمنِ طبعِ نکو کو
غواصِ طبیعت کو عطا کر وہ لآلی
ایک ایک لڑی نظم ثریا سے ہو عالی
سب ہوں دُرِ یکتا نہ علاقہ ہو کسی سے
بھر دے دُرِ مقصود سے اس دُرجِ دہاں کو
آگاہ کر اندازِ تکلم سے زباں کو
تحسین کا سمٰوات سے غل تا بسمک ہو
تعریف میں چشمے کو سمندر سے ملا دوں
ذرے کی چمک مہرِ منور سے لڑا دوں
گلدستۂ معنی کو نئے ڈھنگ سے باندھوں

ای ابرِ کرم خشک زراعت پہ کرم کر
گمنام کو اعجاز بیانوں میں رقم کر
اقلیم سخن میرے قلمرو سے نہ جائے
بلبل کی زباں پہ ہی تری شکر گزاری
پھل ہم کو بھی مل جائے ریاضت کا ہماری
بلبل نے بھی سونگھا نہ ہو جن پھولوں کی بو کو
ہو جن کی جگہ تاجِ سرِ عرش پہ خالی
عالم کی نگاہوں سے گرے قطبِ شمالی
نذر اُن کی یہ ہوں گے جنھیں نشّہ ہی مے سے
دریائے معانی سے بڑھا طبعِ رواں کو
عاشق ہو فصاحت بھی وہ دے حسنِ بیاں کو
ہر گوش بنے کانِ ملاحت وہ نمک ہو
قطرے کو جو دوں آب تو گوہر سے ملا دوں
خاروں کو نزاکت میں گل تر سے لڑا دوں
اک پھول کا مضموں ہو تو سو رنگ سے باندھوں

گر بزم کی جانب ہو توجہ دمِ تحریر
کھنچ جائے ابھی گلشنِ فردوس کی تصویر
دیکھے نہ کبھی صحبتِ انجم فلکِ پیر
ہو جائے ہوا بزمِ سلیماں کی بھی توقیر
یوں تختہ چیبنانِ معانی اُتر آئے
ہر چشم کو پریوں کا اکھاڑا نظر آئے

ساقی کے کرم سے ہو وہ دور اور چلیں جام
جس میں عوضِ نشہ ہو کیفیتِ انجام
ہر مست فراموش کرے گردشِ ایّام
صوفی کی زباں بھی نہ رہے فیض سے ناکام
ہاں بادہ کشو پوچھ لو میخانہ نشیں سے
کوثر کی یہ موج آگئی ہی خلدِ بریں سے

آؤں طرف رزم ابھی چھوڑ کے جب بزم
خیبر کی خبر لائے مری طبع اولوالعزم
قطع سرِ اعدا کا ارادہ ہو جو بالجزم
دکھلائے یہیں سب کو زباں معرکۂ رزم
جل جائیں عدو آگ بھڑکتی نظر آئے
تلوار پہ تلوار چمکتی نظر آئے

مصرع ہو صف آرا صفتِ لشکرِ جرّار
الفاظ کی تیزی کو نہ پہونچے کوئی تلوار
نقطے ہوں جو ڈھالیں تو الف خنجرِ خونخوار
مد آگے بڑھیں برچھیوں کو تول کے اک بار
غل ہو کبھی یوں فوج کو لڑتے نہیں دیکھا
مقتل میں رن ایسا کبھی پڑتے نہیں دیکھا

ہو ایک زباں ماہ سے تا مسکنِ ماہی
عالم کو دکھا دے برشِ سیفِ الٰہی
جرأت کا دھنی تو ہی یہ چلائیں سپاہی
لاریب ترے نام پہ ہی سکۂ شاہی
ہر دم یہ اشارہ ہو دوات اور قلم کا
تو مالک و مختار ہی اس طبل و علم کا

تائید کا ہنگام ہی یا حیدرِ صفدر
امداد ترا کام ہی یا حیدرِ صفدر
تو صاحبِ اکرام ہی یا حیدرِ صفدر
تیرا ہی کرم عام ہی یا حیدرِ صفدر
تنہا ترے اقبال سے شمشیر بکف ہوں
سب ایک طرف جمع ہیں میں ایک طرف ہوں

ناقدریِ عالم کی شکایت نہیں مولا
کچھ دفترِ باطل کی حقیقت نہیں مولا
باہم گل و بلبل میں محبت نہیں مولا
میں کیا ہوں کسی روح کو راحت نہیں مولا
عالم ہی مکدر کوئی دل صاف نہیں ہی
اس عہد میں سب کچھ ہی پر انصاف نہیں ہی

نیک و بدِ عالم میں تامّل نہیں کرتے
عارف کبھی اتنا بھی تجاہل نہیں کرتے
خاروں کے لیئے رُخ طرفِ گل نہیں کرتے
تعریف خوش الحانیِ بلبل نہیں کرتے
خاموش ہیں گو شیشۂ دل چور ہوئے ہیں
اشکوں کے ٹپک پڑنے سے مجبور ہوئے ہیں

اَلماس سے بہتر یہ سمجھتے ہیں خذف کو
دُر کو تو گھٹاتے ہیں بڑھاتے ہیں صدف کو
اندھیر یہ ہی چاند بناتے ہیں کلف کو
کھو دیتے ہیں شیشے کے لیئے دُرِ نجف کو
ضائع ہیں دُر و لعل بدخشاں و عدن کے
مٹّی میں ملاتے ہیں جواہر کو سخن کے

ہی لعل و گہر سے یہ دہن کانِ جواہر
ہنگامِ سخن کھلتی ہی دُکانِ جواہر
ہیں بند مرصّع تو ورق خوانِ جواہر
دیکھے اسے ہاں ہی کوئی خواہانِ جواہر
بنیاے رقومات ہنر چاہیئے اس کو
سودا ہی جواہر کا۔ نظر چاہیئے اس کو

کیا ہو گئے وہ جوہریانِ سخن اکبار
ہر وقت جو اس جنس کے رہتے تھے طلبگار
اب ہی کوئی طالب نہ شناسا نہ خریدار
ہی کون دکھائیں کسے یہ گوہرِ شہوار
کس وقت یہاں چھوڑ کے ملکِ عدم آئے
جب اُٹھ گئے بازار سے گاہک تو ہم آئے

خواہاں نہیں یاقوتِ سخن کا کوئی گو آج
ہی آپ کی سرکار تو یا صاحبِ معراج
اے باعثِ ایجادِ جہاں خلق کے سرتاج
ہو جائے گا دم بھر میں غنی بندۂ محتاج
اُمید اسی گھر کی وسیلہ اسی گھر کا
دولت یہی میری یہی توشہ ہی سفر کا

میں کیا ہوں مری طبع ہی کیا اے شہِ شاہاں
حسّان و فرزدق ہیں یہاں عاجز و حیراں
شرمندہ زمانے سے گئے وائل و سحباں
قاصر ہیں سخن فہم و سخن سنج و سخنداں
کیا مدح کفِ خاک سے ہو نورِ خدا کی
لُکنت یہیں کرتی ہیں زبانیں فصحا کی

لاعلم و لاعلم کی کیا سحر بیانی
حضرت پہ ہویدا ہی مری ہیچمدانی
نہ ذہن میں جودت نہ طبیعت میں روانی
گویا ہوں فقط۔ ہی یہ تری فیض رسانی
میں کیا ہوں فرشتوں کی طاقت ہی تو کیا ہی
وہ خاص یہ بندے ہیں کہ مداح خدا ہی

تھا جوش کچھ ایسا ہی جو دعویٰ کیا میں نے
خود سر بہ گریباں ہوں کہ یہ کیا کیا میں نے
اک قطرۂ ناچیز کو دریا کیا میں نے
تقصیر بحل کیجیے بیجا کیا میں نے
ہاں سچ ہے کہ اتنی بھی تعلی نہ روا تھی
مولا یہ کلیجے کے پھپھولوں کی دوا تھی

مجرم ہوں کبھی ایسی خطا کی نہیں میں نے
بھولے سے بھی آپ اپنی ثنا کی نہیں میں نے
دل سے کبھی مدحِ اُمرا کی نہیں میں نے
تقلیدِ کلامِ جہلا کی نہیں میں نے
نازاں ہوں محبت پہ امامِ ازلی کی
ساری یہ تعلی ہے حمایت پہ علیؑ کی

ہر چند زباں کیا مری اور کیا مری تقریر
دن رات وظیفہ ہے ثنا خوانیٔ شبیر
منظور ہے اک باب میں دو فصل کی تحریر
مولا کی مدد کا متمنی ہے یہ دلگیر
ہر فصل نئے رنگ سے کاغذ پہ رقم ہو
اک بزم ہو شادی کی تو اک صحبتِ غم ہو

شعباں کی ہے تاریخ سوم روزِ ولادت
اور ہے دہم ماہ عزا یومِ شہادت
دونوں میں بہر حال ہے تحصیلِ سعادت
وہ بھی عملِ خیر ہے یہ بھی ہے عبادت
مداح ہوں کیا کچھ نہیں اس گھر سے ملا ہے
کوثر ہے صلا اس کا بہشت اس کا صلا ہے

مقبول ہوئی عرض، گنہ عفو ہوئے سب
امید بر آئی مرا حاصل ہوا مطلب
شامل ہوا افضالِ محمدؐ کرمِ رب
ہوتے ہیں علم فوجِ مضامیں کے نشاں اب
پشتی پہ ہیں سب رکنِ دینِ متیں کے
ڈنکے سے ہلا دیتا ہوں طبقوں کو زمیں کے

نازاں ہوں عنایت پہ شہنشاہِ زمن کی
بخشش ہے رضا جائزہ فوجِ سخن کی
چہرہ کی بحالی سے قبا چست ہے تن کی
لو برطرفی پڑ گئی مضمونِ کہن کی
اک فردِ پرانی نہیں دفتر میں ہمارے
بھرتی ہے نئی فوج کی لشکر میں ہمارے

ہاں اے فلکِ پیر نئے سر سے جواں ہو
اے ماہِ شبِ چاردہم نور فشاں ہو
اے ظلمتِ غم دیدہ تو عالم سے نہاں ہو
اے روشنیٔ صبحِ شبِ عید عیاں ہو
شادی ہے ولادت کی ید اللہ کے گھر میں
خورشید اترتا ہے شہنشاہ کے گھر میں

ای شمس و قمر اور قمر ہوتا ہی پیدا

مخدومۂ عالم کا پسر ہوتا ہی پیدا

ہر جسم میں جان آتی ہی مذکور سے جس کے

ای کعبۂ ایمان تری حرمت کے دن آئے

ای بیتِ مقدس تری عزت کے دن آئے

ای سنگ حرم جلوہ نمائی ہوئی تجھ میں

ای یثرب و بطحا ترے والی کی ہی آمد

عالم کی تغیری یہ بجالی کی ہی آمد

یہ خانۂ کعبہ کی مباہات کے دن ہیں

ای ارضِ مدینہ تجھے فوق اب ہی فلک پر

خورشید ملا تیرا ستارہ ہی چمک پر

پر جس پہ فرشتوں کے بچھیں فرش وہی ہی

یا ختمِ رسل گوہرِ مقصود مبارک

یا شاہِ نجف شادیِ مولود مبارک

رونق ہو سدا نور دوبالا رہے گھر میں

ای اُمیتو ہی یہ دمِ شکر گزاری

اللہ نے حل کر دیا مشکل کو تمہاری

لکھے گئے بندوں میں ولی ابنِ ولی کے

ای ماہِ معظم ترے اقبال کے صدقے

اُتری برکت فاطمہ کے لال کے صدقے

قربان سحرِ عید اگر ہو تو بجا ہی

نخلِ چمن دیں کا ثمر ہوتا ہی پیدا

جو عرش کی ضو ہی وہ گہر ہوتا ہی پیدا

تو نور خدا ہوں گے عیاں نور سے جس کے

ای رکنِ یمانی تری شوکت کے دن آئے

ای چشمۂ زمزم تری چاہت کے دن آئے

ای کوہِ صفا اور صفائی ہوئی تجھ میں

لے رتبۂ اعلیٰ شہ عالی کی ہی آمد

کہتے ہیں چمن ماہ جلالی کی ہی آمد

یعقوب سے یوسف کی ملاقات کے دن ہیں

رونق جو سما پر ہی وہ اب ہوگی سمک پر

صدقے گلِ تہمیں ترے پھولوں کی مہک پر

جس خاک پہ ہو نور خدا عرش وہی ہی

یا نورِ خدا رحمتِ معبود مبارک

یا خیرِ نسا اخترِ مسعود مبارک

اس ماہِ دو ہفتہ کا اوجالا رہے گھر میں

ہر بار کرو سجدۂ شکریۂ باری

فردیں عملِ زشت کی اب چاک ہیں ساری

ناجی ہوئے صدقے سے حسینؑ ابنِ علی کے

شوکت کے فدا عظمت و جلال کے صدقے

جس سال یہ پیدا ہوئے اس سال کے صدقے

نوروز بھی اس شب کی بزرگی پہ فدا ہی

قربانِ شبِ جمعہ شعبانِ خوش انجام
پیدا ہوا جس شب کو محمد کا گل اندام
قایم ہوا دین اور بڑھی رونقِ اسلام
ہم پلۂ صبحِ شبِ معراج تھی وہ شام
خورشید کا اجلال و شرف بدر سے پوچھو
کیا قدر تھی اُس شب کی شبِ قدر سے پوچھو

وہ نورِ قمر اور درافشانیِ انجم
تھی جس کے سبب روشنیِ دیدۂ مردم
وہ چہچہے رضواں کے وہ حوروں کا تبسم
آپس میں وہ ہنس ہنس کے فرشتوں کا تکلم
میکال شگفتہ ہوئے جاتے تھے خوشی سے
جبریل تو پھولوں نہ سماتے تھے خوشی سے

روشن تھا مدینہ کا ہر اک کوچہ و بازار
جو راہ تھی خوشبو۔ جو محلہ تھا وہ گلزار
کھولے ہوئے تھا آہوئے شب نافۂ تاتار
معلوم یہ ہوتا تھا کہ پھولوں کا ہی انبار
گردوں کو بھی اک رشک تھا زینت پہ زمیں کی
ہر گھر میں ہوا آتی تھی فردوس بریں کی

کیا شب تھی وہ مسعود و ہمایون و معظم
رخ رحمتِ معبود کا تھا جانبِ عالم
جبریل و سرافیل کو مہلت تھی نہ اک دم
بالائے زمیں آتے تھے اور جاتے تھے باہم
باشندوں کو یثرب کے خبر بھی نہ گھروں کی
سب سنتے تھے آواز فرشتوں کے پروں کی

تھیں فاطمہ بےچین اُدھر دردِ شکم سے
مُنہ فق تھا اور آنسو تھے رواں دیدۂ نم سے
وابستہ تھی راحت جو اسی بی بی کے دم سے
مضطر تھے علیؑ بنتِ پیمبرؐ کے الم سے
آرام تھا اک دم نہ شہِ قلعہ شکن کو
پھرتے تھے لگائے ہوئے چھاتی سے حسن کو

کرتے تھے دعا بادشہِ یثرب و بطحا
راحم ہی تری ذاتِ مقدس مرے مولا
زہراؑ ہی کنیز اور مرا بچہؑ ترا بندہ
آسان کر اک بار خدا مشکلِ زہراؑ
نادار ہی اور فاقہ کش و زار و حزیں ہی
مادر بھی تشفّی کے لیئے پاس نہیں ہی

ناگاہ درِ حجرہ ہوا مطلعِ انوار
دکھلانے لگے نورِ تجلّی در و دیوار
اسمانے علیؑ سے یہ کہا دوڑ کے اکبار
فرزند مبارک تمہیں یا حیدرِ کرار
اسپند کرو فاطمہ کے ماہ جبیں پر
فرزند نہیں چاند یہ اُترا ہی زمیں پر

دیکھا نہیں اس طرح کا چہرہ کبھی پیارا
ماتھے پہ چمکتا ہے جلالت کا ستارا
تصویرِ رسولِ عربی دیکھ رہے ہیں
مژدہ یہ سنا احمدِ مختار نے جس دم
آئے طرفِ خانۂ زہرا خوش و خرم
چہرہ مجھے دکھلا دو مرے نورِ نظر کا
کی عرض یہ اسما نے کہ اے خاصۂ داور
ارشاد کیا احمدِ مختار نے ہنس کر
اس چاند کو تاجِ سرِ افلاک کیا ہے

OCTOBER 8
TUESDAY
9
10
11
12
13
14
15
Page No 7 -
سراپا - دیکھی تھی —

مُنہ ملنے لگے منہ سے بہت پیار جو آیا
دل ہل گیا۔ کی جب کہ نظر سینہ و سر پر
جوش آیا تھا رونے کا مگر تھام کے رقت
حیدر سے یہ فرمایا کہ اے شاہِ ولایت
پُر نور ہے گھر تم کو ملا ہے قمر ایسا

نقشہ ہے محمدؐ سے شہنشاہ کا سارا
اللہ نے اس گھر میں عجب چاند اُتارا
آنکھوں کی ہے گردش کہ نبی دیکھ رہے ہیں
پس شکر کے سجدے کو جھکے قبلۂ عالم
فرمایا مبارک پسر اے ثانیِ مریم
ٹکڑا ہے یہ فرزند محمدؐ کے جگر کا
نہلا لوں تو لے آؤں اُسے حجرے سے باہر
لے آ کہ نواسا ہے مرا طاہر و اطہر
یہ وہ ہے خدا نے جسے خود پاک کیا ہے
یہ نورِ الٰہی ہے یہ ہے طیب و طاہر
یہ آیتِ ایماں ہے یہ ہے حجت باہر
کے قصے کو یہی پاک کرے گا
اسماؑ اُسے اک پارچۂ نرم پہ لائی
ہنسنے لگے سرخیِ رخِ پر نور پہ آئی
لپٹا لیا چھاتی سے نواسے کو نبی نے
قرآں کی طرح رحلِ دو زانو پہ بٹھایا
بوسے لیے اور ہاتھوں کو آنکھوں سے لگایا
چوما جو گلا چل گئی تلوار جگر پر
اس کان میں فرمائی اذاں اس میں اقامت
کیوں تم نے بھی دیکھی مرے فرزند کی صورت
دُنیا میں کسی نے نہیں پایا پسر ایسا

کیوں کر نہو تم سا پدر اور فاطمہ سی ماں
کی عرض یہ حیدر نے کہ ای قبلۂ ایماں
اعلیٰ ہی وہ سب سے جو مقامِ شہِ دیں ہی
عالم میں ہی یہ سب برکت آپکے دم سے
تا عرش پہونچ جاتا ہی سر فیضِ قدم سے
کچھ اس میں نہ زہرا کا ہی باعث نہ علی کا
فرمانے لگے ہنسکے شہِ یثرب و بطحا
کی عرض یہ حیدر نے کہ ای سیدِ والا
فرمایا کہ موقوف ہی یہ ربِ علا پر
بس اتنے میں نازل ہوئے جبریلِ خوش انجام
پیارا ہی نہایت ہمیں زہرا کا گل اندام
یہ حسن میں سردارِ حسینانِ زمن ہی
ح سے ہی اشارا کہ یہ ہی حامیِ اُمت
ی اس کی بزرگی میں ہی یٰسٓ کی آیت
ناجی ہی وہ اس نام کو لیگا جو دہن سے
دو نور کے دریا کو جو ہم نے کیا اک جا
تو قیر میں نے مثل شجاعت میں ہی یکتا
ہم جانتے ہیں جو نہیں ظاہر ہی کسی پر
فیاض نے کونین کی دولت اسے دی ہی
صبر اس کو عنایت کیا ہمت اسے دی ہی
اعلیٰ ہی معظم ہی مکرم ہی ولی ہی

دو شمس و قمر کا ہی یہ اک نیرِ تاباں
حق اس پہ رکھے سایۂ پیغمبرِ ذی شاں
بندہ ہوں میں اور یہ بھی غلامِ شہِ دیں ہی
سر سبزیِ دنیا ہی اسی ابرِ کرم سے
عزت ہی غلاموں کی شہنشاہِ امم سے
سب ہی یہ بزرگی کہ نواسا ہی نبی کا
بھائی کہو فرزند کا کچھ نام بھی رکھا
سبقت کروں حضرت پہ یہ مقدور ہی میرا
میں بھی سبقت کر نہیں سکتا ہوں خدا پر
کی عرض کہ فرماتا ہی یہ خالقِ علام
یا ختمِ رسل ہم نے حُسین اس کا رکھا نام
مشتق تو ہی احسان سے تصغیرِ حسن ہی
سمجھیں گے اسی ہین کو سب سین سعادت
ہی نون سے ظاہر کہ یہ ہی نورِ نبوت
یہ حُسن میں دس حصہ زیادہ ہی حسن سے
تب اُس سے ہوا گوہرِ نایاب یہ پیدا
اب اور نہ ہوگا کوئی اس حسن کا لڑکا
کام اس سے جو لینا ہی وہ ہی ختم اسی پر
دی ہی جو علی کو وہ شجاعت اسے دی ہی
ان سب کے سوا اپنی محبت اسے دی ہی
ہادی ہی وفادار ہی زاہد ہی سخی ہی

جب کر چکے ذکرِ کرم مالکِ تقدیر

کی وصل علی کہکے محمدؐ سے یہ تقریر

جب کی ہی زیارت پی تسلیم جھکے ہیں

ہی اس پہ ازل سے نظرِ رحمتِ معبود

ہی ذاتِ خدا صاحبِ فیض و کرم وجود

مظلومی و غربت ہی عجب نام پہ اس کے

ہی سبب تہنیت و تعزیت اِس دم

لپٹائے ہیں چھاتی سے جسے قبلۂ عالم

گر حشر بھی ہوگا تو یہ آفت نہ ٹلے گی

ہوگا یہ محرم میں ستم ای شہ ذی جاہ

تاریخِ دہم جمعہ کے دن عصر کے وقت آہ

کٹ جائے گا جب سر تو ستم لاش پہ ہوں گے

چلائے محمدؐ کہ میں بسمل ہوا بھائی

دل ہل گیا برچھی سی کلیجے میں در آئی

ممکن نہیں دنیا میں دوا زخمِ جگر کی

جس وقت سُنی فاطمہ نے یہ خبرِ غم

چلاتی تھی سر پیٹ کے وہ ثانیِ مریم

خنجر کے تلے چاند سی تصویر کی گردن

ہی ہی کئی دن تک نہ ملے گا اسے پانی

ہو جائیں گے اک جان کے سب دشمنِ جانی

پیراہن صد چاک کفن ہوئے گا اس کا

جبریل نے پاس آن کے دکھائی رخِ شبیر

یا شاہ یہ مہرو تو ہی صاف آپ کی تصویر

اس نور کو ہم عرش پہ بھی دیکھ چکے ہیں

ہاں پیشتر آدم سے بھی تھا عرش پہ موجود

تھا خلقِ دو عالم سے یہی مطلب و مقصود

سب روتے ہیں اور روئیں گے انجام پہ اس کے

ہی شادی و غم گلشنِ ایجاد میں توام

نے جرم و خطا ذبح کریں گے اسے ظالم

سجدے میں چھری حلق مبارک پہ چلے گی

چھپ جائے گا آنکھوں سے ای چاند بہ تیغ

نیزے پہ چڑھائیں گے سر پاک کو گمراہ

گھوڑوں کے قدم سینۂ صد پاش پہ ہوں گے

ای وائے اخی کیا یہ خبر مجھ کو سنائی

یہ واقعہ سُن کر نہ جیئے گی مری جائی

کیونکر کہوں زہرا سے خبر مرگِ پسر کی

شادی میں ولادت کی بپا ہو گیا ماتم

بیٹی پہ چھری چل گئی با سیدِ عالم

کٹ جائے گی ہی ہی مرے شبیر کی گردن

ہی ہی یہ سہے گا تعبِ تشنہ دہانی

ہی ہی مرا محبوب مرا یوسفِ ثانی

سر نیزے پہ اور خاک پہ تن ہوئے گا اس کا

صبر اپنا دکھانے کو یہ آئے ہیں جہاں میں
یوں خلق سے جانے کو یہ آئے ہیں جہاں میں
جنگل کے بسانے کو یہ آئے ہیں جہاں میں
اماں کے رلانے کو یہ آئے ہیں جہاں میں
ہم چاند سی صورت پہ نہ شیدا ہوئے ہوتے
اے کاش مرے گھر میں نہ پیدا ہوئے ہوتے

دُنیا مجھے اندھیر ہے اس غم کی خبر سے
شعلوں کی طرح آہ نکلتی ہے جگر سے
دامن پہ ٹپکتا ہے لہو دیدۂ تر سے
بس آج سفر کر گئی شادی مرے گھر سے
جس وقت تلک جیتی ہوں ماتم میں ہوں گی
مظلوم حسینؑ آج سے میں ان کو کہوں گی

بیٹی کو یہ معلوم نہ تھا یا شہِ عالم
بچھے گی زچہ خانے کے اندر صفِ ماتم
اب دن ہی چھٹی کا ہے مجھے عاشورِ محرم
تارے بھی نہ دیکھے تھے کہ ٹوٹا فلکِ غم
پوشاک نہ بدلوں گی نہ سر دھوؤں گی بابا
چلے میں بھی چہلم کی طرح روؤں گی بابا

حیدر ہیں کہاں آکے دلاسا نہیں دیتے
زہرا کا برا حال ہے سمجھا نہیں دیتے
اس زخم کا مرہم مجھے بتلا نہیں دیتے
ہے ہے مجھے فرزند کا پرسا نہیں دیتے
حجرے میں الگ بیٹھے ہیں کیوں چھوڑ کے گھر کو
آواز تو سنتی ہوں کہ روتے ہیں پسر کو

پھر دیکھ کے فرزند کی صورت یہ پکاری
اے میرے شہید اے مرے بیکس ترے واری
ہاں بعد مرے ذبح کریں گے تجھے ناری
بنتی ہوں ابھی سے میں عزادار تمہاری
دل اور کسی شغل میں مصروف نہ ہوگا
بس آج سے رونا مرا موقوف نہ ہوگا

مر جائے گا تو تشنہ دہن ہائے حُسینا
ہو جائے گا ٹکڑے یہ بدن ہائے حُسینا
اک جان پہ یہ رنج و محن ہائے حُسینا
کوئی تجھے دے گا نہ کفن ہائے حُسینا
گاڑیں گے نہ ظالم تنِ صد پاش کو ہے ہے
رہواروں سے روندیں گے تری لاش کو ہے ہے

فرمایا محمدؐ نے کہ اے فاطمہ زہرا
کیا مرضیِ معبود سے بندے کا ہے چارا
خالق نے دیا ہے اسے وہ رتبۂ اعلیٰ
جبرئیلؑ سوا کوئی نہیں جاننے والا
میں بھی ہوں فدا اس پہ کہ یہ فدیۂ رب ہے
یہ لال ترا بخششِ امت کا سبب ہے

اس بات کا غم ہی اگر ای جانِ پیمبر
نے دفن و کفن رن میں رہے گا ترا دلبر
جب قید سے ہووے گا رہا عابدِ مضطر
تربت میں وہی دفن کرے گا اسے آکر
ارواحِ رسولانِ زمن روئیں گی اس کو
سر پیٹ کے زینب سی بہن روئیں گی اس کو

جب چرخ پہ ہوئے گا عیاں ماہِ محرم
ہر گھر میں بپا ہوئے گی اک مجلسِ ماتم
آئیں گے ملک عرش سے واں رونے کو باہم
ماتم یہ وہ ماتم ہی کہ ہوگا نہ کبھی کم
پر نور سدا اس کا عزا خانہ رہے گا
خورشید جہاں گرد بھی پروانہ رہے گا

کیا اوج ہی کیا رتبہ ہی اس بزمِ عزا کا
غل عرش سے ہی فرش تلک صلِّ علیٰ کا
مشتاق ہی فردوسِ بریں یاں کی فضا کا
پانی میں بھی ہی یاں کے مزا آبِ بقا کا
دربارِ معلیٰ ہی ولی ابن ولی کا
جاری ہی یہ سب فیضِ حسینؑ ابنِ علی کا

لو یاں سے بس اب مجلسِ ماتم کا بیاں ہی
وہ فصلِ خوشی ختم ہوئی غم کا بیاں ہی
مظلومیِ سلطانِ دو عالم کا بیاں ہی
ہنگامۂ عاشورِ محرم کا بیاں ہی
ہاں دیکھ لے مشتاق جو ہو فوجِ خدا کا
لو بزم میں کھلتا ہی مرقع شہدا کا

مطلع

ای خضرِ بیابانِ سخن راہبری کر
ای نیرِ تابانِ خرد جلوہ گری کر
ای دردِ عطا لذتِ زخمِ جگری کر
ای خوفِ الٰہی مجھے عصیاں سے بری کر
بندوں میں لکھا جاؤں امامِ ازلی کے
آزاد ہوں صدقے سے حسین ابن علی کے

قدسی کو نہیں بار یہ دربار ہی کس کا
فردوس کو ہی رشک یہ گلزار ہی کس کا
سب جنسِ شفاعت ہی یہ بازار ہی کس کا
خود بکتا ہی یوسف یہ خریدار ہی کس کا
ملتی ہی کہاں مفت متاعِ حسن ایسی
دیکھی نہیں انجم نے کبھی انجمن ایسی

مجلس کا زہے نور خوشا محفلِ عالی
حیدر کے محبوں سے کوئی جا نہیں خالی
عاشق ہیں سب اس کے جو ہی کونین کا والی
اثنا عشری پنجتنی شیعۂ غالی
ششدر ہو نہ کیوں چرخ عجب جلوہ گری ہی
یہ بزمِ عزا آج ستاروں سے بھری ہی

اُن میں جو مُسن ہیں وہ پیمبر کے ہیں مہماں
اور جو متوسط ہیں وہ حیدر کے ہیں مہماں
جو تا نہ جواں ہیں علی اکبر کے ہیں مہماں
شیعوں کے پسر سب علی اصغر کے ہیں مہماں
ہر خُرد و کلاں عاشق شاہ مدنی ہیں
پانچ انگلیوں کی طرح یہ سب پنجتنی ہیں

ارشادِ نبی ہے کہ مددگار ہیں میرے
فرماتے ہیں حیدر کہ یہ غمخوار ہیں میرے
حضرت کا سخن ہے کہ عزادار ہیں میرے
میں ان کا ہوں طالب یہ طلبگار ہیں میرے
یہ آج اگر رو کے ہمیں یاد کریں گے
ہم قبر میں ان لوگوں کی امداد کریں گے

غم میں مرے بچوں کے یہ کرتے ہیں فریاد
اللہ سلامت رکھے ان لوگوں کی اولاد
بستی مرے شیعوں کی رہے خلق میں آباد
یہ حشر کے دن آتش دوزخ سے ہوں آزاد
مرتا ہے کوئی گر تو بکا کرتا ہوں میں بھی
اُن کے لیئے بخشش کی دعا کرتا ہوں میں بھی

مردم کے لیئے واجب عینی ہے یہ زاری
رونا ہی وسیلہ ہے شفاعت کا ہماری
ہے وقتِ معین پہ ادا طاعتِ باری
یہ خیر ہے وہ خیر جو ہر وقت ہے جاری
رو لو کہ یہ وقت اور یہ صحبت نہ ملے گی
جب آنکھ ہوئی بند تو مہلت نہ ملے گی

مہلت جو اجل دے تو غنیمت اسے جانو
آمادہ ہو رونے پہ سعادت اسے جانو
آنسو نکل آئیں تو عبادت اسے جانو
ایذا ہو جو محفل میں تو راحت اسے جانو
فاقے کیئے ہیں دھوپ میں لب تشنہ رہے ہیں
آقا نے تمہارے لیئے کیا ظلم سہے ہیں

تکلیف کچھ ایسی نہیں سایہ ہے ہوا ہے
پانی ہے خنک مروحہ کش بادِ صبا ہے
کچھ گرمیِ عاشورہ کا بھی حال سنا ہے
سر پیٹنے کا وقت ہے ہنگامِ بکا ہے
گزری ہے بیاباں میں وہ گرمی شہِ دیں پر
بھن جاتا تھا دانہ بھی جو گرتا تھا زمیں پر

لوں چلتی تھی ایسی کہ جلے جاتے تھے اشجار
تھا عنصرِ خاکی پہ گمانِ کرۂ نار
پانی پہ دد و دام گرے پڑتے تھے ہر بار
سب خلق تو سیراب تھی پیاسے شہ ابرار
خاک اُڑ کے جمی جاتی تھی زلفوں پہ قبا پر
اُس دھوپ میں سایہ بھی نہ تھا نورِ خدا پر

قطرے جو پسینے کے ٹپکتے تھے ہر بار
شاہد الم فاقہ سے ہی زردی رخسار
دنیا میں ترستے رہے وہ آب رواں کو
دنیا بھی عجب گھر ہی کہ راحت نہیں جس میں
وہ دوست ہی یہ دوست مروت نہیں جس میں
نے درد والم شام غریباں نہیں گزری
گودی ہی کبھی ماں کی کبھی قبر کا آغوش
سرگرم سخن ہی کبھی انسان کبھی خاموش
اک طور پہ دیکھا نہ جواں کو نہ مسن کو
شادی ہو کہ اندوہ ہو آرام ہو یا جور
ماتم کی کبھی فصل ہی عشرت کا کبھی دور
کس باغ پہ آسیب خزاں آ نہیں جاتا
ہی عالم فانی کی عجب صبح عجب شام
نازوں سے پلا فاطمہ زہرا کا گل اندام
راحت نہ ملی گھر کے تلاطم سے دہم تک
ریتی پہ عزیزوں کا مرقع تو ہی ابتر
فرزند نہ مسلم کے نہ ہمشیر کے دلبر
سب نذر کو دربار پیمبر میں گئے ہیں
منظور ہی پھر دیکھ لیں ہمشیر کی صورت
سجاد سے کچھ کہتے ہیں اسرار امامت
مطلوب یہ ہی زیب بدن رخصت کہن ہو

حال طفلان مسلم

ثابت یہی ہوتا تھا کہ ہیں اختر سیار
تشنہ آبی سے اودے تھے لب لعل گہر بار
جن ہونٹھوں نے چوسا تھا محمد کی زباں کو
وہ گل ہی یہ گل بوئے محبت نہیں جس میں
وہ شہد ہی یہ شہد حلاوت نہیں جس میں
دنیا میں کسی کی کبھی یکساں نہیں گزری
گل پیرہن اکثر نظر آئے ہیں کفن پوش
گہ تخت ہی اور گاہ جنازہ بسر دوش
شب کو تو چھپر کھٹ میں ہیں تابوت میں دن کو
دنیا میں گزر جاتی ہی انسان کی بہر طور
ہی شادی و ماتم کا مرقع جو کرو غور
گل کونسا کھلتا ہی جو مرجھا نہیں جاتا
گہ غم کبھی شادی کبھی ایذا کبھی آرام
واحسرت و دردا کہ وہ آغاز یہ انجام
مظلوم نے فاقے کیے ہفتم سے دہم تک
شہ کا ہی یہ نقشہ کہ ہیں تصویر سے ششدر
قاسم ہیں نہ عباس نہ اکبر ہیں نہ اصغر
رخصت کو اکیلے شہ دیں گھر میں گئے ہیں
پھر لیگئی ہی گھر میں سکینہ کی محبت
بانوئے دو عالم سے بھی ہی آخری رخصت
تا بعد شہادت وہی ملبوس بدن ہو

خیمہ میں مسافر کا وہ آنا تھا قیامت
ایک ایک کو چھاتی سے لگانا تھا قیامت
آنا تو غنیمت تھا پہ جانا تھا قیامت
تھوڑا سا وہ رخصت کا زمانا تھا قیامت
واں بین ادھر صبر و شکیبائی کی باتیں
افسانۂ ماتم تھیں بہن بھائی کی باتیں

حضرت کا وہ کہنا کہ بہن صبر کرو صبر
اُمّت کے لیئے والدہ صاحب نے سہے جبر
وہ کہتی تھی کیونکر نہ میں روؤں صفتِ ابر
تم پہنو کفن اور نہ بنے ہائے مری قبر
لٹتے ہوئے امّاں کا گھر ان آنکھوں سے دیکھوں
ہے ہے تہِ خنجر تمھیں کن آنکھوں سے دیکھوں

اس عمر میں تھوڑے غمِ جانکاہ اُٹھائے
اشک آنکھوں سے امّاں کے جنازے پہ بہائے
آنسو نہ تھمے تھے کہ پدر خوں میں نہائے
ٹکڑے دلِ شبّر کے لگن میں نظر آئے
حضرت کے سوا اب کوئی سر پہ نہیں بھائی
انساں ہوں کلیجہ مرا پتھر نہیں بھائی

ہر شخص کو ہے یوں تو سفر خلق سے کرنا
دشوار ہے اک آن مسافر کا ٹھہرنا
ان آنکھوں سے دیکھا ہے بزرگوں کا گزرنا
ہے سب سے سوا ہائے یہ مظلومی کا مرنا
صدقے گئی یوں رن کبھی پڑتے نہیں دیکھا
اک دن میں بھرے گھر کو اُجڑتے نہیں دیکھا

ہے ہے تمہیں لیکے میں کہاں چھپ رہوں بھائی
لٹتی ہے مرے چار بزرگوں کی کمائی
کس دشتِ پُر آشوب میں قسمت مجھے لائی
یارب کہیں مر جائے یداللہ کی جائی
زہرا کا پسر وقت جدائی مجھے روئے
سب کو تو میں روئی ہوں بھائی مجھے روئے

زینب کی وہ زاری وہ سکینہ کا بلکنا
وہ ننھی سی چھاتی میں کلیجے کا دھڑکنا
وہ چاند سا منہ اور وہ بندے کا چمکنا
حضرت کا وہ بیٹی کی طرف یاس سے تکنا
حسرت سے یہ ظاہر تھا کہ معذور ہیں بی بی
پیدا تھا نگاہوں سے کہ مجبور ہیں بی بی

وہ کہتی تھی بابا ہمیں چھاتی سے لگاؤ
فرماتے تھے شہ آؤ نہ جانِ پدر آؤ
ہم کڑھتے ہیں لو آنکھوں سے آنسو نہ بہاؤ
خوشبو تو ذرا گیسوئے مشکیں کی سنگھاؤ
کوثر پہ ہے تم بن نہیں آرام چچا کو
ہم جاتے ہیں کچھ دیتی ہو پیغام چچا کو

بی بی کہو کیا حال ہے اب ماں کا تمھاری — کس گوشے میں بیٹھی ہیں کہاں کرتی ہیں زاری
جب سے سوئے جنت گئی اکبر کی سواری — دیکھا نہ انھیں گھر میں ہم آئے کئی باری
تھی سب کی محبت انھیں بیٹے ہی کے دم تک — کیا آخری رخصت کو بھی آئینگی نہ ہم تک

کس جا ہیں طلب ہم کو کریں یا وہی آئیں — ممکن نہیں اب وہ ہمیں یا ہم انھیں پائیں
کچھ ہم سے سنیں کچھ ہمیں حال اپنا سنائیں — اک دم کے مسافر ہیں ہمیں دیکھ تو جائیں
بعد اپنے یہ لوٹا ہوا گھر اور لُٹے گا — افسوس کہ اک عمر کا ساتھ آج چھٹے گا

غش میں جو سنی بانوئے مضطر نے یہ تقریر — ثابت ہوا مرنے کو چلے حضرتِ شبیر
سر ننگے اُٹھی چھوڑ کے گہوارۂ بے شیر — چلائی مجھے ہوش نہ تھا یا شہِ دلگیر
[illegible] ہے آقا — یہ خادمہ رخصت کے لیئے آتی ہے آقا

[illegible] بال — قدموں پہ گری دوڑ کے وہ کھولے ہوئے بال
[illegible] ل — روتے تھے غضب آنکھوں پہ رکھے ہوئے رومال
[illegible] الم ہے — اُٹھو تمھیں روحِ علی اکبر کی قسم ہے

وہ کہتی تھی کیونکر میں اٹھوں اے مرے سرتاج — والی انھیں قدموں کی بدولت ہے مرا راج
سر پر جو نہ ہوگا پسرِ صاحبِ معراج — چادر کے لیئے خلق میں ہو جاؤں گی محتاج
چھوٹے جو قدم مرتبہ گھٹ جائے گا میرا — قربان گئی تخت الٹ جائے گا میرا

یاں آئی میں جب خانۂ کسریٰ ہوا برباد — وہ پہلی اسیری کی اذیت ہے مجھے یاد
کی عقدہ کشائے دو جہاں نے مری امداد — حضرت کے تصدق میں ہوئی قید سے آزاد
لونڈی سے بہو ہوگئی زہراؑ و علیؑ کی — قسمت نے بٹھایا مجھے مسند پہ نبی کی

چھبیس برس تک نہ چھٹا آپ کا پہلو — اب پھر ہے تقدیر میں یا سیدِ خوشخو
شب بھر رہے تکیہ سر اقدس کا جو بازو — ہی ہوکے سے اب رسّی سے باندھیں گے جفاجو
سر پر نہ ردا ہوگی تو مر جاؤں گی صاحب — چھپنے کو میں جنگل میں کدھر جاؤں گی صاحب

حضرت نے کہا کس کا سدا ساتھ رہا ہی
دارِ محن اِس دار کو داور نے کہا ہی
فرقت میں عجب حال تھا خالق کے ولی کا
سو سو برس اک گھر میں محبت سے رہے جو
کچھ مرگ سے چارہ نہیں ای بانوئے خوشخو
کس کس پہ زمانہ نے جفا کی نہیں صاحب
لازم ہی خدا سے طلبِ خیر بشر کو
آنا ہی تمھیں بھی وہیں جاتے ہیں جدھر کو
کھولے گا وہ رسّی سے بندھے ہاتھ تمھارے
زینب کو تو دیکھو کہ ہیں کس دکھ میں گرفتار
تنہا ہیں کہ بیجاں ہوئے دو چاند سے دلدار
بیٹے بھی نہیں گود کا پالا بھی نہیں ہی
یہ کہہ کے کچھ الفاظ کہے گوشِ پسر میں
اندھیر زمانہ ہوا بانو کی نظر میں
ٹھہرا نہ گیا واں شہِ والا نکل آئے
کچھ بڑھ کے پھرے جانب قبلہ شہ نے پر
تھرّاتے ہوئے ہاتھوں پہ عمامے کو رکھ کر
حرمت ترے محبوب کی دنیا میں بڑی ہی
یا رب یہ ہی سادات کا گھر تیرے حوالے
بیکس کا ہی بیمار پسر تیرے حوالے
عالم ہی کہ غربت میں گرفتارِ بلا ہوں

ہر عاشق و معشوق نے یہ داغ سہا ہی
ہر چشم سے خونِ جگر اس غم میں بہا ہی
ساتھ آٹھ برس تک رہا زہرا و علی کا
اس موت نے دم بھر میں جدا کر دیا اُن کو
ہی نقش فلک پر کہ رہیں ایک جگہ دو
اچھوں سے کبھی اس نے وفا کی نہیں صاحب
تھامے گا تباہی میں وہی رانڈ کے گھر کو
وارث کی جدائی میں پٹکتے نہیں سر کو
سجّاد سا بیٹا ہی جواں ساتھ تمھارے
ایسا کوئی اس گھر میں نہیں بیکس و ناچار
دنیا سے گیا اکبر ناشاد سا غمخوار
اُن کا تو کوئی پوچھنے والا بھی نہیں ہی
بیمار کے رونے سے قیامت ہوئی گھر میں
غش ہو گئی زینب یہ اٹھا درد جگر میں
تنہا گئے روتے ہوئے تنہا نکل آئے
کعبے کی طرف دوش پہ ہیں گردنِ انور
کی حق سے مناجات کہ ای خالقِ اکبر
کر رحم کہ آل اُن کی تباہی میں پڑی ہی
رانڈیں ہیں کئی خستہ جگر تیرے حوالے
سب ہیں ترے دریا کے گہر تیرے حوالے
ہیں تیری حمایت میں انھیں چھوڑ چلا ہوں

میرے نہیں، بندے ہیں ترے اے مرے خالق ۔ بستی ہو کہ جنگل تو ہی حافظ تو ہی رازق
باندھے ہیں کمر ظلم و تعدی پہ منافق ۔ نہ دوست ہے دنیا نہ زمانہ ہے موافق
حرمت ہے ترے ہاتھ امامِ ازلی کی ۔ دو بیٹیاں دو بہوئیں ہیں اس گھر میں علیؑ کی

میں یہ نہیں کہتا کہ اذیت نہ اٹھائیں ۔ یا اہلِ ستم آگ سے خیمہ نہ جلائیں
ناموس لٹیں قید ہوں اور شام میں جائیں ۔ مہلت مرے لاشے پہ بھی رونے کی نہ پائیں
بیڑی میں قدم طوق میں عابد کا گلا ہو ۔ جس میں تری محبوب کی اُمّت کا بھلا ہو

یہ کہہ کے گریبانِ مبارک کو کیا چاک ۔ اور ڈال لی پیراہنِ پُرنور میں کچھ خاک
میت ہوئے شبیر کفن بن گئی پوشاک ۔ بس فاتحۂ خیر پڑھا با دلِ غمناک
مڑ کر نہ کسی دوست نہ غمخوار کو دیکھا ۔ پاس آئے تو روتے ہوئے رہوار کو دیکھا

گردان کے دامن علی اکبر کو پکارے ۔ تھامو مرے گھوڑے کی رکاب اے مرے پیارے
لختِ دلِ شبّر کدھر اس وقت سدھارے ۔ بھائی ہیں کہاں ہاتھ میں دیں ہاتھ ہمارے
آتے نہیں مسلم کے جگر بند کہاں ہیں ۔ دونوں مری ہمشیر کے فرزند کہاں ہیں

تنہائی میں ایک ایک کو حضرت نے پکارا ۔ کون آئے کہ فردوس میں تھا قافلہ سارا
گھوڑے پہ چڑھا خود اسداللہ کا پیارا ۔ اونچا ہوا افلاکِ امامت کا ستارا
شوخی سے فرس پاؤں نہ رکھتا تھا زمیں پر ۔ غل تھا کہ چلا قطبِ زماں عرشِ بریں پر

شبدیز نے چھل بل میں عجب ناز دکھایا ۔ ہر گام پہ طاؤس کا انداز دکھایا
زیور نے عجب حسنِ خدا ساز دکھایا ۔ فتراک نے اوجِ پرِ پرواز دکھایا
تھا خاک پہ اک پانوں تو ایک چرخِ بریں پر ۔ غل تھا کہ پھر اترا ہے براق آج زمیں پر

اعدا کی زبانوں پہ یہ حیرت کی تھی تقریر ۔ حضرت یہ رجز پڑھتے تھے تولے ہوئے شمشیر
دیکھو نہ مٹاؤ مجھے اے فرقۂ بے پیر ۔ میں یوسفِ کنعانِ رسالت کی ہوں تصویر
واللہ تعلّی نہیں یہ کلمۂ حق ہے ۔ عالم کے مرقع میں حسین ایک ورق ہے

واللہ جہاں میں مرا ہمسر نہیں کوئی
محتاج ہوں پر مجھ سا تونگر نہیں کوئی

ہاں میرے سوا شافعِ محشر نہیں کوئی
یوں سب ہیں مگر سبطِ پیمبر نہیں کوئی

باطل ہے اگر دعویِ اعجاز کرے گا
کس بات پہ دنیا میں کوئی ناز کرے گا

ہم وہ ہیں کہ اللہ نے کوثر ہمیں بخشا
سرداریِ فردوس کا افسر ہمیں بخشا

اقبالِ علی خلقِ پیمبر ہمیں بخشا
قدرت ہمیں دی نور ہمیں زر ہمیں بخشا

ہم نور ہیں گھر طورِ تجلا ہے ہمارا
تختِ بن داؤد مصلا ہے ہمارا

نانا وہ کہ ہیں جن کے قدم عرش کے سرتاج
قوسین مکاں ختمِ رسل صاحبِ معراج

ماں ایسی کہ سب جس کی شفاعت کے ہیں محتاج
باپ ایسا صنم خانوں کو جس نے کیا تاراج

لڑنے کو اگر حیدرِ صفدر نہ نکلتے
بت گھر سے خدا کے کبھی باہر نہ نکلتے

کس جنگ میں سینے کو سپر کر کے نہ آئے
کس مرحلۂ صعب کو سر کر کے نہ آئے

کس فوج کی صف زیر و زبر کر کے نہ آئے
تھی کونسی شب جس کو سحر کر کے نہ آئے

تھا کون جو ایماں تہِ صمصام نہ لایا
اُس شخص کا سر لائے جو اسلام نہ لایا

اصنام بھی کچھ کم تھے نہ کفار تھے تھوڑے
طاقت تھی کہ عزیٰ کو کوئی لات سے توڑے

بدکیشوں نے سجدے بھی کیے ہاتھ بھی جوڑے
نے توڑے وہ بت حیدرِ صفدر نے نہ چھوڑے

کعبہ کو صفا کر دیا خالق کے کرم سے
نکلے اسد اللہ اذاں دے کے حرم سے

اس عہد میں مالک اسی تلوار کے ہم ہیں
جرار پسر حیدرِ کرار کے ہم ہیں

فرزند محمد سے جہاندار کے ہم ہیں
وارث شہِ لولاک کی سرکار کے ہم ہیں

کچھ غیر کفن ساتھ نہیں لیکے گئے ہیں
تابوتِ سکینہ بھی ہمیں دے کے گئے ہیں

یہ فرق پہ عمامۂ سردارِ زمن ہے
یہ تیغِ علی ہے یہ کمر بندِ حسن ہے

یہ جوشنِ داؤد ہے جو حافظِ تن ہے
یہ پیراہنِ یوسفِ کنعانِ محن ہے

دکھلائیں سند دستِ رسولِ عربی کی
یہ مہرِ سلیمان ہے یہ خاتم ہے نبی کی

دیکھو تو یہ ہی کون سے جرّار کی تلوار
کس شبیر کے قبضے میں ہی کرّار کی تلوار

دریا نے بھی دیکھی نہیں اس دھار کی تلوار
بجلی کہ تجلی ہی یہ تلوار کی تلوار

قہر و غضب اللہ کا ہی کاٹ نہیں ہی
کہتے ہیں اسے موت کا گھر گھاٹ نہیں ہی

دم لے کہیں رک کر وہ روانی نہیں اس میں
چلنے میں سبک تر ہی گرانی نہیں اس میں

جز حرفِ ظفر اور نشانی نہیں اس میں
جل جاؤ گے سب آگ ہی پانی نہیں اس میں

چھوڑے گی نہ زندہ اُسے جو دشمنِ دیں ہی
نا ہیں نہیں غصے سے اجل چیں بہ جبیں ہی

سب قطرے ہیں گر فیض کے دریا ہیں تو ہم ہیں
ہر نقطۂ قرآں کے شناسا ہیں تو ہم ہیں

حق جس کا ہی جامع وہ ذخیرا ہیں تو ہم ہیں
افضل ہیں تو ہم عالم و دانا ہیں تو ہم ہیں

تعلیم ملک عرش پہ تھا ورد ہمارا
جبریل سا اُستاد ہی شاگرد ہمارا

گر فیضِ ظہورِ شہِ لولاک نہ ہوتا
بالائے زمیں گنبدِ افلاک نہ ہوتا

کچھ خاک کے طبقے ہیں بجز خاک نہ ہوتا
ہم پاک نہ کرتے تو جہاں پاک نہ ہوتا

یہ شور اذاں کا سحر و شام کہاں تھا
ہم عرش پہ جب تھے تو یہ اسلام کہاں تھا

محسن سے بدی ہی یہی احساں کا عوض واہ
دشمن کے ہوا خواہ ہوئے دوست کے بدخواہ

گمراہ کے بہکانے سے روکو نہ مری راہ
لو اب بھی مسافر کو نکل جانے دو للہ

مل جائے گی اک دم میں اماں بچ و بلا سے
ہیں ذبح سے بچ جاؤ گے تم قہرِ خدا سے

بستی میں کہیں مسکن و ماوا نہ کروں گا
یثرب میں بھی جانے کا ارادہ نہ کرونگا

صابر ہوں کسی کا کبھی شکوا نہ کروں گا
اس ظلم کا ہیں ذکر بھی اصلا نہ کرونگا

رونا نہ چھٹے گا کہ عزیزوں سے چھٹا ہوں
جو پوچھے گا کہدونگا کہ جنگل میں لٹا ہوں

اعدا نے کہا قہرِ خدا سے نہیں ڈرتے
ناری تو ہیں دوزخ کی جفا سے نہیں ڈرتے

فریادِ رسولِ دوسرا سے نہیں ڈرتے
خاتونِ قیامت کی بکا سے نہیں ڈرتے

ہم لوگ جدھر دولتِ دنیا ہی اُدھر ہیں
اللہ سے کچھ کام نہیں بندۂ زر ہیں

حضرت نے کہا خیبر خبردار صفوں سے
آیا غضب اللہ کا ہشیار صفوں سے
بجلی سا گزر جاؤنگا ہر بار صفوں سے
کب پنجتنی رکتے ہیں دو چار صفوں سے
غربت کے چلن دیکھ چکے حرب کو دیکھو
لو بندۂ زر ہو تو مری ضرب کو دیکھو

یاں گوشۂ عزلت خم شمشیر نے چھوڑا
واں سہم کے چلّے کو ہر اک تیر نے چھوڑا
کس قہر سے گھر موت کی تصویر نے چھوڑا
ساحل کو صفِ لشکرِ بے پیر نے چھوڑا
عنقائے ظفر فتح کا در کھول کے نکلا
شہبازِ اجل صید کو پر تول کے نکلا

جلوہ کیا بدلی سے نکلکر مہِ نو نے
دکھلائے ہوا میں دو سر اک شمع کی لو نے
تڑپا دیا بجلی کو فرس کی تگ و دو نے
تا کا سپر مہر کو شمشیر کی ضو نے
اعدا تو چھپانے لگے ڈھالوں میں سروں کو
جبریل نے اونچا کیا گھبرا کے پروں کو

بالا سے جو آئی وہ بلا جانبِ پستی
بس نیست ہوئی دم میں ستمگاروں کی ہستی
چلنے لگی یکدست جو شمشیر دو دستی
معلوم ہوا الٹ گئی سب کفر کی بستی
زور اُن کے ہر اک ضرب میں اللہ نے توڑے
ٹوٹیں جو صفیں بت اسد اللہ نے توڑے

بجلی سی جو گر کر صفِ کفار سے نکلی
آواز بزن تیغ کی جھنکار سے نکلی
گہ ڈھال میں ڈوبی کبھی تلوار سے نکلی
در آئی جو پیکاں میں تو سوفار سے نکلی
تھے بند خطا کاروں پہ در امن و اماں کے
چلّے بھی چھپے جاتے تھے گوشوں میں کماں کے

افلاک پہ چمکی کبھی سر پر کبھی آئی
کوندی کبھی جوشن پہ سپر پر کبھی آئی
گہ پڑ گئی سینہ پہ جگر پر کبھی آئی
تڑپی کبھی پہلو پہ کمر پر کبھی آئی
طے کر کے پھری کونسا قصہ تھا فرس کا
باقی تھا جو کچھ کاٹ وہ حصہ تھا فرس کا

نے پاؤں جدھر ہاتھ سے چلتی ہوئی آئی
ندی اُدھر اک خوں کی اُبلتی ہوئی آئی
دم بھر میں وہ سو رنگ بدلتی ہوئی آئی
پی پی کے لہو لعل اُگلتی ہوئی آئی
ہیرا تھا بدن رنگ نہ مردے سے ہرا تھا
جوہر نہ کہو پیٹ جواہر سے بھرا تھا

زیبا تھا دمِ جنگ پریوش کے سے گہنا
اِس اوج پہ وہ سر کو جھکائے ہوئے رہنا
معشوق بنی سرخ لباس اس نے جو پہنا
جوہر تھے کہ پہنے تھی دلہن پھولوں کا گہنا
سیبِ چمنِ خلد کی بو باس تھی پھل میں
رہتی تھی وہ شبیر سے دولہ کی بغل میں

سر پٹکے تو موج اس کی روانی کو نہ پہنچے
بجلی کی تڑپ شعلہ فشانی کو نہ پہونچے
قلزم کا بھی دھارا ہو تو پانی کو نہ پہونچے
خنجر کی زباں تیز زبانی کو نہ پہونچے
دوزخ کے زبانوں سے بھی آنچ اس کی بُری تھی
برچھی تھی کٹاری تھی تبر وہی تھی چھری تھی

موجود بھی ہر غول میں اور سب سے جدا بھی
اک گھاٹ پہ تھی آگ بھی پانی بھی ہوا بھی
دم خم بھی لگاوٹ بھی صفائی بھی ادا بھی
امرت بھی ہلاہل بھی مسیحا بھی قضا بھی
کیا صاحبِ جوہر تھی عجب ظرف تھا اُس کا
موقع تھا جہاں جس کا وہیں صرف تھا اس کا

ہر ڈھال کے پھولوں کو اُڑاتا تھا پھل اس کا
ڈر جاتی تھی منہ دیکھ کے ہر دم اجل اُس کا
تھا لشکرِ باغی میں ازل سے عمل اُس کا
تھا قلعۂ چار آئنہ گویا محل اُس کا
اس در سے گئی کھول کے وہ در نکل آئی
گہ صدر میں بیٹھی کبھی باہر نکل آئی

تیروں پہ گئی برچھیوں والوں کی طرف سے
پھر آئی سواروں پہ رسالوں کی طرف سے
جا پہونچی کبھی زاروں پہ بھالوں کی طرف سے
منہ تیغوں کی جانب کبھی ڈھالوں کی طرف سے
بس ہو گیا دفتر نظری نام و نسب کا
لاکھوں تھے تو کیا دیکھ لیا جائزہ سب کا

پہونچی جو سپر تک تو کلائی کو نہ چھوڑا
شوخی کو شرارت کو لڑائی کو نہ چھوڑا
ہر ہاتھ میں ثابت کسی گھائی کو نہ چھوڑا
تیزی کو رکھائی کو صفائی کو نہ چھوڑا
اعضائے بدن قطع ہوئے جاتے تھے سب کے
قینچی سی زباں چلتی تھی فقرے تھے غضب کے

چار آئینہ والوں کو نہ تھا جنگ کا یارا
کہتے تھے زرہ پوش نہیں جنگ کا یارا
جو رنگ تھے سینے تو کلیجہ تھا دوپارا
بچ جائیں تو جانیں کہ ملی جان دوبارا
جوشن کو سنا تھا کہ حفاظت کا محل ہے
اس کی نہ خبر تھی کہ یہی دامِ اجل ہے

بدکیش لڑائی کا چلن بھول گئے تھے
ناوک فگنی تیر فگن بھول گئے تھے
سب حیلہ گری عہد شکن بھول گئے تھے
نے ہوش میں ترکش کا دہن بھول گئے تھے
معلوم نہ تھا جسم میں جاں ہے کہ نہیں ہے
چلاتے تھے قبضہ میں کماں ہے کہ نہیں ہے

ڈر ڈر کے قدِ رستم سنانوں نے جھکائے
دب دب کے سرِ عجز کمانوں نے جھکائے
ہٹ ہٹ کے علم رن میں جوانوں نے جھکائے
سر خاک پہ گر گر کے نشانوں نے جھکائے
غل تھا کہ پناہ اب ہمیں یا شاہ زماں دو
پھیلائے تھے دامن کو پھرے کہ اماں دو

شہ کہتے تھے ہے باڑھ پہ دریا نہ رکے گا
اس موج پہ آفت کا طمانچہ نہ رکے گا
نے فتح و ظفر دلبرِ زہرا نہ رکے گا
تا غرق نہ فرعون ہو موسیٰ نہ رکے گا
ہے بحرِ غضب نام ہے قہرِ صمد اس کا
رکنے کا نہیں شام تلک جزر و مد اس کا

اس صف سے گئے بیچ سے اس غول کے نکلے
جو فوج چڑھی منہ پہ اسے رول کے نکلے
انبوہ سے یوں تیغِ دوسر تول کے نکلے
گویا درِ خیبر کو علی کھول کے نکلے
دنیا جو بچی روحِ محمد کا سبب تھا
شبیر اگر رحم نہ کرتے تو غضب تھا

لڑتے تھے مگر غیظ سے رحمت تھی زیادہ
شفقت بھی نہ کم تھی جو شجاعت تھی زیادہ
نانا کی طرح خاطرِ امت تھی زیادہ
بیٹوں سے غلاموں کی محبت تھی زیادہ
تلوار نہ ماری جسے منہ موڑتے دیکھا
آنسو نکل آئے جسے دم توڑتے دیکھا

فرماتے تھے اعدا کو ترائی سے بھگا کر
کیوں چھوڑ دیا گھاٹ کو رو کو ہمیں جا کر
دعوت یوہیں کرتے ہیں مسافر کو بلا کر
ہم چاہیں تو پانی بھی پئیں نہر میں جا کر
پر صبر کے دریا ہیں ہمیں پیاس نہیں ہے
اب زہر یہ پانی ہے کہ عباس نہیں ہے

بھولی نہیں اکبر کی ہمیں تشنہ دہانی
وہ چاند سا رخ وہ قد و قامت وہ جوانی
وہ سوکھے ہوئے ہونٹ وہ اعجاز بیانی
دکھلا کے زباں مانگتے تھے نزع میں پانی
کس سے کہیں جو خونِ جگر ہم نے پیا ہے
بعد ایسے پسر کے بھی کہیں باپ جیا ہے

یہ کہہ کے سکینہ کے بہشتی کو پکارے — الفت ہمیں لے آئی ہی پھر پاس تمھارے
لڑتے ہوئے آپہونچے ہیں دریا کے کنارے — عباس غش آتا ہی ہمیں پیاس کے مارے
اِس سوکھے ہوئے ہونٹھوں سے ہونٹھوں کو ملادو — کچھ مشک میں پانی ہو تو بھائی کو پلادو

لیٹے ہوئے ہو ریت میں کیوں منہ کو چھپائے — اُٹھو کہ سکینہ کو یہاں ہم نہیں لائے
غافل ہو برادر تمھیں کِس طرح جگائے — ہی عصر کا وقت اے اسد اللہ کے جائے
خوش ہونگا میں آگے جو علم لیکے بڑھوگے — کیا بھائی کے پیچھے نہ نماز آج پڑھوگے

کہکر یہ سخن رونے لگا بھائی کو بھائی — تلوار سے مہلت ستم ایجادوں نے پائی
جس فوج نے رن چھوڑ دیا تھا وہ پھر آئی — دو روز کے پیاسے پہ گھٹا شام کی چھائی
بارش ہوئی تیروں کی ولی ابن ولی پر — سب ٹوٹ پڑے ایک حسین ابن علی پر

کی شہ نے جو سینے پہ نظر پونچھ کے آنسو — سب چھاتی سے تھے پہلوؤں تک تیر سہ پہلو
ہر سمت سے تیغیں جو لگاتے تھے جفا جو — سالم نہ کلائی تھی نہ شانہ تھا نہ بازو
برگشتہ زمانہ تھا شہِ تشنہ گلو سے — پھل برچھیوں کے سرخ تھے سینے کے لہو سے

جھک جاتے تھے ہرنے پہ غش میں شہِ ابرار — منہ پھیر کے آقا کی طرف تکتا تھا رہوار
چمکار کے فرماتے تھے شبیرِ دل افگار — اب خاتمۂ جنگ ہی اے اسپِ وفادار
اُترینگے بس اب تجھ سے چھٹا ساتھ ہمارا — نہ پاؤں ترے چلتے ہیں نہ ہاتھ ہمارا

زخمی ہی نہیں اب تری تکلیف گوارا — گرتے ہیں سنبھلنے کا ہمیں بھی نہیں یارا
کیا بات تری خوب دیا ساتھ ہمارا — آپہونچا ہی منزل پہ یداللہ کا پیارا
تو جس میں پلا ہی وہ گھر اک دم میں لٹے گا — بچپن کا ہمارا ترا اب ساتھ چھُٹے گا

گھیرے ہیں عدو خیمے تلک جا نہیں سکتے — کھوئی ہی جو طاقت اُسے اب پا نہیں سکتے
مشکل ہی سنبھلنا تجھے دوڑا نہیں سکتے — پہلو ترے مجروح ہیں ٹھکرا نہیں سکتے
حیواں کو بھی دُکھ ہوتا ہی زخموں کے تعب کا — ہیں درد رسیدہ ہوں مجھے درد ہی سب کا

کس طرح دکھاؤں کہ ترے زخم ہیں کاری
میں نے تو کسی دن تجھے قمچی نہیں ماری
گھوڑے نے سُنیں درد کی باتیں جو یہ ساری
دو ندیاں اشکوں کی ہوئیں آنکھوں سے جاری
حیواں کو بھی رقت ہوئی اس لطف و کرم پر
منھ رکھدیا مڑ کر شہِ والا کے قدم پر

گردن کو ہلایا کہ مسیحا نہ اُتریئے
دم ہی ابھی مجھ میں مرے آقا نہ اُتریئے
تلواریں لیئے گرد ہیں اعدا نہ اُتریئے
سب فوج چڑھی آتی ہی مولا نہ اُتریئے
ای وائے ستم صدر نشیں خاک نشیں ہو
حسرت ہی کہ مر جاؤں تو خالی مرا زیں ہو

شہ نے کہا تا چند مسافر سے محبت
وہ تو نے کیا ہوتا ہی جو حقِ رفاقت
بتلا تو سنبھلنے کی بھلا کون ہی صورت
نہ ہاتھ میں نہ پاؤں میں نہ قلب میں طاقت
بہتر ہی کہ اتروں نہیں تیورا کے گروں گا
پھٹ جائیں گے سب زخم جو غش کھا کے گروں گا

ہی عصر کا ہنگام مناسب ہی اُترنا
اس خاک پہ ہی شکر کا سجدہ ہمیں کرنا
گو مرحلۂ صعب ہی دنیا سے گزرنا
سجدے میں کٹے سر کہ سعادت ہی یہ مرنا
طاعت میں خدا کی نہیں صرفہ تن و سر کا
ذی حق ہیں ہمیں اس کے کہ ورثہ ہی پدر کا

اُترا یہ سخن کہہ کے وہ کونین کا والی
خاتم سے نگیں گر گیا زیں ہو گیا خالی
اس دکھ میں نہ یاور تھے نہ مولا کے موالی
خود ٹیک کے تلوار کو سنبھلے شہ عالی
کپڑے تنِ پرنور کے سب خوں میں بھرے تھے
اک ہاتھ کو رہوار کی گردن پہ دھرے تھے

منہ یال پہ رکھ رکھ کے یہ فرماتے تھے ہر بار
جا ڈیوڑھی پہ ای صاحبِ معراج کے رہوار
اب ذبح کرینگے ہمیں اک دم میں ستمگار
زینب سے یہ کہنا کہ سکینہ سے خبردار
رہنا وہیں جبتک مرا سر تن سے جدا ہو
لیجائیو بانو کو جدھر حکم خدا ہو

یہ کہہ کے جو سر کا اسد اللہ کا جایا
اک تیر جبیں پر بن اشعث نے لگایا
فریاد نے زہرا کی دو عالم کو ہلایا
پیکانِ سہ پہلو عقبِ سر نکل آیا
تڑپتے لیے نہ زہے صبر امامِ دو جہاں کا
سوفار نے بوسہ لیا سجدے کے نشاں کا

حضرت نے جبیں سے ابھی کھینچا تھا نہ وہ تیر
ابرو تک اُتر کر جو اُٹھی ظلم کی شمشیر
چلائے ملک دیکھ کے خوں سبطِ نبی کا
بیٹھے جو سوئے قبلہ دوزانو شہِ نے پر
تھے ذکرِ خدا میں کہ لگا تیر دہن پر
بہہ آیا لہو تا بہ زنخدانِ مبارک
نیزے کا بنِ وہب نے پہلو پہ کیا وار
ناوک بنِ کاہل کا کلیجے کے ہوا پار
تلوار سے وقفہ نہ ملا چند نفس کا
تھرا کے جھکے سجدۂ حق میں شہِ ابرار
خوش ہو کے پکارا پسرِ سعدِ جفاکار
آخر ہی بس اب کام امامِ ازلی کا
لکھتا ہے یہ راوی کہ بپا ہو گیا محشر
اک سیّدہ نکلی درِ خیمہ سے کھلے سر
چلائے لعیں خوف سے ہاتھ آنکھوں پہ دھر کے
ہلتا تھا فلک ہاتھوں سے جب پیٹتی تھی سر
فرماتی تھیں فضہ جو اُڑھا دیتی تھی معجر
سر ننگے یوں ہیں جاؤنگی روضہ پہ نبیؐ کے
اُس بھیڑ میں آکر وہ ضعیفہ یہ پکاری
گھوڑا تو ہی کوتل کدھر اتری ہے سواری
مر جاؤں گی حضرت کو جو پانے کی نہیں ہیں

جو سر پہ لگی تیغ بنِ مالکِ بے پیر
سر تھام کے بس بیٹھ گئے خاک پہ شبیر
تھا حال یہی مسجدِ کوفہ میں علی کا
جھکتے تھے کبھی غش میں اٹھاتے تھے کبھی سر
یاقوت بنے ڈوب کے خوں میں لبِ اطہر
ٹھنڈے ہوئے دو گوہرِ دندانِ مبارک
کاندھے پہ چلی ساتھ زرارہ کی بھی تلوار
بازو میں در آیا تبرِ خولی خونخوار
دم رُک گیا نیزہ جو لگا ابنِ انس کا
شورِ دہلِ فتح ہوا فوج میں اکبار
اک خو کی شیث و بن ذی الجوشن جرار
سر کاٹ لو سب مل کے حسینؑ ابن علی کا
بارہ ستم ایجاد بڑھے کھینچ کے خنجر
برقع تھا نہ مقنع تھا نہ موزے تھے نہ چادر
لو فاطمہؑ آتی ہے بچانے کو پسر کے
بجلی کی طرح کوندتے تھے کانوں کے گوہر
فریادی ہوں فریادی کو زیبا نہیں چادر
پردا تو گیا ساتھ حسینؑ ابن علیؑ کے
اے سبطِ نبیؐ ابن علیؑ عاشق باری
بھیا بہن آئی ہے زیارت کو تمہاری
نے آپکے دیکھے ہوئے جانے کی نہیں ہیں

اُس وقت شہِ دیں نے سُنی زاریِ خواہر
جس وقت کہ تھا حلقِ مبارک تہِ خنجر
فرمایا اشارے سے کہ اے شمرِ ستمگر
زینب نکل آئی ہے ٹھہر جا ابھی دم بھر
آخر تو سفر ہوتا ہے اس دارِ محن سے
دو باتیں تو کر لینے دے بھائی کو بہن سے

منہ پھیر لیا شمر نے خنجر کو ہٹا کے
دی شہ نے یہ زینب کو صدا اشک بہا کے
تڑپاتی ہو بھائی کو بہن بلوے میں آ کے
دیکھو گی کسے ہم تو ہیں پنجہ میں قضا کے
اُٹھ سکتے نہیں جسم پہ تلواریں پڑی ہیں
گھبراؤ نہ اماں مرے پہلو میں کھڑی ہیں

دوڑی یہ صدا سن کے ید اللہ کی جائی
چلائی کہ دیدار تو میں دیکھ لوں بھائی
پر ہائے بہن بھائی تلک آنے نہ پائی
یاں ہو گئی سید کے تن و سر میں جدائی
قاتل کو نہ گردن کو نہ شمشیر کو دیکھا
پہونچیں تو سناں پر سرِ شبیر کو دیکھا

سر دیکھ کے بھائی کا وہ بیکس یہ پکاری
دُکھ پائے بہن آپ کی مظلومی کے واری
خنجر سے یہ گردن کی رگیں کٹ گئیں ساری
تم مر گئے پوچھے گا خبر کون ہماری
آفت میں پھنسی آلِ رسولِ عربی کی
اب جائیں کہاں بیٹیاں زہرا و علی کی

ہے ہے پسرِ صاحبِ معراج حسینا
پردیس میں بیووں کا لٹا راج حسینا
گویا کہ علی آج ہوئے قتل حسینا
ہے ہے کفن و گور کے محتاج حسینا
پرسا بھی ترا دینے کو آتا نہیں کوئی
لاشا بھی زمیں پر سے اٹھاتا نہیں کوئی

قربان بہن اے مرے سرور مرے سید
مذبوحِ قفا کشتۂ خنجر مرے سید
اے فاقہ کش و بیکس و نیزے پہ مرے سید
پنجے میں ہے قاتل کے ترا سر مرے سید
دیتے ہو صدا کچھ نہ بلاتے ہو بہن کو
کس یاس سے تکتے چلے جاتے ہو بہن کو

بھیا مرا کوئی نہیں تم خوب ہو آگاہ
احمد ہیں نہ زہرا نہ حسن ہیں نہ ید اللہ
ڈھارس بھی بڑی آپ کی اے سید ذیجاہ
چھوڑا ہے مجھے جنگل میں یہ کیا قہر کیا آہ
چلتے ہوئے کچھ مجھ سے نہ فرما گئے بھائی
بھینا کو نجف تک بھی نہ پہنچا گئے بھائی

ای میرے شہید ای مرے ماں جائے برادر	کس سے ترا لاشہ بہن اٹھوائے برادر
کس طرح مرے دل کو قرار آئے برادر	پانی بھی نہ قاتل نے دیا ہائے برادر
انساں پہ ستم یوں کبھی انساں نہیں کرتا	حیواں کو بھی پیاسا کوئی بیجاں نہیں کرتا
خاموش انیس اب کہ ہی دل سینہ میں بیچین	لکھے نہیں جاتے ہیں جو زینب نے کیئے بین
اب حق سے دعا مانگ کے ای خالق کونین	حاسد ہیں بہت دل کو عطا کر مرے تو چین
ناحق ہی عداوت انھیں اس ہیچمداں سے	نے تیغ کٹے جاتے ہیں شمشیر زباں سے

رباعی میر انیس

غیر مطبوعہ

دھوپ آکے یہاں پہ زرد ہوجاتی ہی	آندھی آئے تو گرد ہوجاتی ہی
آہوں کے ہیں پنکھے اور آنسوؤں کا چھڑکاو	یاں گرم ہوا بھی سرد ہوجاتی ہی

رباعی

کیونکر دل غمزدہ نہ فریاد کرے	جب ملک کو چرخِ پیر برباد کرے
مانگو یہ دعا کہ پھر خداوندِ کریم	اُجڑی ہوئی مملکت کو آباد کرے

ایضاً

انساں ذی عقل و ذی ہوش ہوجاتا ہی	اور صاحب چشم و گوش ہوجاتا ہی
گر جاں نہیں سخن تو بتلائیے پھر	کیوں مر کے بشر خموش ہوجاتا ہی

مرثیہ (۲)

جب رات عبادت میں بسر کی شہِ دیں نے
سجدوں میں مہم عشق کی سر کی شہِ دیں نے
دیکھا جو سپیدی کو سحر کی شہِ دیں نے
مڑ کر رخ اکبرؑ پہ نظر کی شہِ دیں نے
فرمایا سحر قتل کی ظاہر ہوئی بیٹا
لو اُٹھ کے اذاں دو کہ شب آخر ہوئی بیٹا

سجدوں سے نمازوں سے یہ رفعت کی سحر ہے
رونے کی تذلل کی عبادت کی سحر ہے
پیارے یہ سحر رنج و مصیبت کی سحر ہے
عاشورِ محرم ہے شہادت کی سحر ہے
لٹنے کا تباہی کا پریشانی کا دن ہے
اولادِ پیمبرؐ کی یہ قربانی کا دن ہے

دنیا میں ازل سے سحر ایسی نہیں آئی
یہ صبح دکھائے گی بھرے گھر کی صفائی
دولت نہ رہے گی نہ بضاعت نہ کمائی
بیٹے سے جدا ہوگا پدر بھائی سے بھائی
آج احمدؐ و حیدرؑ کے گریبان پھٹینگے
اٹھارہ بنی فاطمہؑ کے حلق کٹیں گے

بندہ وہ ہے جو دکھ میں رہے صابر و شاکر
اک جاں ہے سو موجود ہے اک سر ہے سو حاضر
بہتر ہے اُٹھے جتنا سبکبار مسافر
یہ مرحلۂ عمر کی ہے منزلِ آخر
خلقت ہمیں سر پیٹ کے روئے گی جہاں میں
اب صبح کوئی ہم کو نہ ہوئے گی جہاں میں

جو اہل حرم پردۂ عصمت میں ہیں مستور
کھل جائیں گے انبوہ میں اُن کے سر پرنور
مسکن سے نئی رانڈ نہ نکلے یہ ہے دستور
ان رانڈوں کا خیمہ بھی جلادیں گے یہ مقہور
غش ہوگی کبھی اور کبھی اشتر سے گرے گی
زہرا کی بہو شام میں سر ننگے پھرے گی

مرتا ہے پدر جس کا اُسے دیتے ہیں پرسا
ہوئے گی یتیموں پہ مرے قید کی ایذا
آزار میں عابدؑ پہ ستم ہوئیں گے کیا کیا
لیجائیں گے تا شام اُسے کانٹوں پہ اعدا
اک حشر بپا تخت میں اور فوق میں ہوگا
بیڑی میں قدم ہوں گے گلا طوق میں ہوگا

یہ کہہ کے بڑھے بہرِ تیمم شہِ صفدر
جنگل میں اذاں دینے لگا دلبرِ سرور

وہ صوتِ حسن اور وہ خوش الحانیٔ اکبرؑ
ہر شخص کو یاد آگئی آوازِ پیمبرؐ

ہر نخل کو اک وجد تھا اس ظلم کے بن میں
تھا بلبلِ حق گو کہ چہکتا تھا چمن میں

اکبر کی صدا سُنتے ہی زینب یہ پکاری
تا حشر رہے خلق میں آواز تمھاری

قربان موذن کے نمازی کے میں واری
قایم یہ جماعت رہے یا حضرت باری

ہر شام یوہیں طاعتِ معبود ادا ہو
ہر صبح کو اس دین کے ڈنکے کی صدا ہو

آگے تھے عبا اوڑھے ہوئے شاہِ حجازی
پیچھے تھے صفیں باندھے ہوئے سارے نمازی

ابرارِ جہاں فخرِ زماں صفدر و غازی
تھی اُن پہ خدا کو نظرِ بندہ نوازی

دنیا میں یہ رُتبے نہ کبھی ہوں گے کسی کے
معراج میں تھے ساتھ حسینؑ ابن علیؑ کے

وہ چاند سے چہرے وہ سپید اُن کی عبائیں
وہ خشک زبانوں پہ اثر دار دعائیں

لہجے وہ عرب کے وہ خوش انداز صدائیں
مشتاق تھیں حوریں کہ یہ جلدی ادھر آئیں

اک جوشِ محبت انھیں دکھلاتا تھا کوثر
کیا سب کی ملاقات پہ لہراتا تھا کوثر

تسبیح و وظائف سے ہوئی جبکہ فراغت
حضرت نے پڑھی اُٹھ کے محمدؐ کی زیارت

بس ہو گئی اک مجلسِ ماتم وہ جماعت
فرما کے یہ اُن سب سے گئے خیمہ میں حضرت

باہر علمِ فوجِ خدا لاتے ہیں جلدی
سب لوگ مسلح ہوں کہ ہم آتے ہیں جلدی

یاں لشکرِ اسلام مسلح ہوا سارا
واں کفر کی فوجیں ہوئیں میداں میں صف آرا

تھا رانڈوں کے حلقے میں یداللہ کا پیارا
چلاتی تھیں سب ہائے مددگار ہمارا

پہلو سے پدر کے نہ سرکتی تھی سکینہ
لپٹی ہوئی دامن سے بلکتی تھی سکینہ

رخصت ہوئے رانڈوں سے جو شبیرؑ بصد یاس
کاندھے پہ علم رکھ کے بڑھے حضرت عباس

مولا کے جگر بند مسلح تھے چپ و راست
وہ رنگ وہ گلدستۂ شبیر کی بو باس

ڈوبا تھا بدن عطر میں ایک ایک حسیں کا
پردا جو اُٹھا کھل گیا در خلدِ بریں کا

گھوڑوں کو اڑاتے ہوئے پہنچے جو وہ صفدر
ہر چند وہ دو لاکھ جواں تھے یہ بہتر
اس فوج کا مالک پسرِ شاہِ نجف تھا
چلوں سے ملاتے تھے جو ناوک قدر انداز
تھا عشقِ جگر گوشۂ زہرا پہ انھیں ناز
پہلو سے جدا سرورِ نامی کے نہ ہوں گے
ناگاہ جفا کیشوں کی جانب سے چلے تیر
گھبرا کے بڑھے چند قدم حضرت شبیر
للہ کرو پاس رسولِ عربی کا
مہماں کو لگاتا ہے کوئی تیر بتا دو
کس امر پہ مجرم ہوا شبیر بتا دو
روئے گی اگر بنتِ نبی عرش ہلے گا
بیکس جو ہو چین اہل جہاں دیتے ہیں اُس کو
لب تشنہ جو ہو آبِ رواں دیتے ہیں اُس کو
مہماں سے یوں ترکِ مروت نہیں کرتے
کھانے کا نہ خواہاں ہوں نہ پانی کا طلبگار
یہ اس پہ تعدی جو بلا میں ہو گرفتار
ماتم ہے بپا آلِ رسولِ مدنی میں
بچوں کے تڑپنے کو گوارا کیا میں نے
دُکھ درد میں کیا پاس تمہارا کیا میں نے
صابر ہوں نظر جانبِ دریا نہیں کرتا

ٹھہرا گیا مقتل میں ستمگاروں کا لشکر
تھا رعبِ حق ایسا کہ صفیں ہو گئیں ابتر
کثرت تو اُدھر تھی پہ خدا ان کی طرف تھا
ہنستے تھے اِدھر چھاتیاں تانے ہوئے جانباز
غل تھا کہ زہے فوج زہے شاہ سرافراز
باہر کبھی حلقے سے غلامی کے نہ ہوں گے
شہ کے رفقا ہو گئے سب دست بہ شمشیر
فرمایا کہ کیا ظلم ہے اے فرقۂ بے پیر
آخر میں نواسا ہوں تمہارے ہی نبی کا
سرزد ہوئی ہے کونسی تقصیر بتا دو
شر رفع ہو ایسی کوئی تدبیر بتا دو
بربادیِ سادات سے کیا تم کو ملے گا
گھر چھوڑ کے جو آئے مکاں دیتے ہیں اس کو
طالب جو اماں کا ہو اماں دیتے ہیں اس کو
تم لوگ تو خالی بھی محبت نہیں کرتے
کیا وجہ جو تم سب ہو مرے درپئے آزار
حاجی بھی ہوں اور قبرِ نبی کا بھی ہوں زوار
پانی کو ترستا ہوں غریب الوطنی میں
اس گرمی میں دریا سے کنارا کیا میں نے
کچھ اپنے نہ آرام کا چارا کیا میں نے
دو روز کا پیاسا ہوں پہ شکوا نہیں کرتا

یہ سُن کے پکارا پسرِ سعدِ جفا کار
ہم حکم سے حاکم کے نہیں پھرنے کے زنہار
جلادوں سے خواہانِ اماں قبلۂ دیں ہیں
حضرت نے کہا خیر خوشی جس میں تمھاری
ہاں بیکس و بے پر تو ہوں اے فرقۂ ناری
اللہ نے چاہا تو کبھی شاد نہ ہوگے

اعدا سے یہ کہکر جو پھرے سیدِ خوشخو
یوں تو نہ رہا دل پہ کسی شخص کا قابو
مُنہ بھائی کا تکتا تھا کبھی گاہ پسر کا
کانپا جو کئی بار وہ مولا کا فدائی
بڑھکر کہا بھائی نے یہ کیا حال ہے بھائی
سیّد پہ جفا ہوتی ہے مرجانے کی جا ہے

شہزادۂ کونین ہے وہ صاحبِ توقیر
بیکس کے لیئے تیز ہیں تیغ و تبر و تیر
ڈورو نسے خاصانِ خدا تشنہ گلو ہیں
لڑتا ہوں تو بربادیِ عقبیٰ ہے سراسر
دشمن ہو یزیدِ ستم آرا نہ لڑوں گر
سب خوش ہیں مری جان پہ دو دن بنی ہے

کیا شور تھی قسمت کہ ہوئے کس کے نمکخوار
کچھ غم نہیں سر جائے کہ تاراج ہو گھر بار
ہوں قول کا صادق جو کہا ہے وہ کروں گا
نے سود یہ تقریر ہے یا سیدِ ابرار
بیعت نہیں منظور تو پھر کھینچیے تلوار
اس جنگ میں یا ہم نہیں یا آپ نہیں ہیں

کچھ جنگ سے فرزندِ پیمبر نہیں عاری
پر لے گا مرے خوں کا عوض حضرتِ باری
بستی کو مری لوٹ کے آباد نہ ہوگے
تھرا گئے مظلومیِ حضرت پہ جفا جو
آنکھوں سے مگر حُر کی ٹپکنے لگے آنسو
بسمل کا جو عالم ہو وہ نقشا تھا جگر کا

ثابت ہوا بیٹے پہ کہ سردی سے تپ آئی
تب حُرِ جری نے اُسے یہ بات سنائی
یہ خوفِ جہنم سے بدن کانپ رہا ہے
نے جرم نبیؐ زادے کے درپے ہیں یہ بے پیر
کس طرح بچاؤں کوئی بنتی نہیں تدبیر
مظلوم کی اِک جان ہے اور لاکھ عدو ہیں

قتلِ پسرِ فاطمہؑ ہے قتلِ پیمبر
بچّے ہوں مصیبت میں گرفتار لٹے گھر
مرجاؤں گلا کاٹ کے یہ دل میں ٹھنی ہے
اللہ کے محبوب کا دشمن ہے جو غدّار
حق جس کی طرف ہے میں اسی کا ہوں طلبگار
فرزندِ پیمبر کی رفاقت میں مروں گا

چہرہ مرا دفتر میں شہیدوں کے لکھا ہے
تم بھی جو نہ دو ساتھ تو پروا نہ مجھے کیا ہے
سب جیتے ہیں جی تک ہیں سوا آلِ نبی کے
بیٹے نے کہا آپ کو منظور ہے پھر کیا
ساتھ اُس کا میں دونگا کہ جو ہے بیکس و تنہا
یاں کفر ہے ایماں کی اُدھر جلوہ گری ہے
بیٹے نے کہا شہ کی غلامی ہے سعادت
بھائی نے کہا کفر ہے حاکم کی اطاعت
مظلوم سے دو روز کے پیاسے سے لڑیں ہم
سو سر ہوں تو زہرا کے جگر بند پہ واریں
سو بار جئیں مر کے تو ہمت کو نہ ہاریں
ہمراہیِ غدار و بد افعال پہ لعنت
عبدِ حُر غازی نے کہا تول کے شمشیر
دنیا میں نہ ہوگا عمرِ سعد سا بے پیر
حافظ ہے خدا زور سے تلوار کے چلیے
حُر نے کہا احسنت مرے عبدِ وفادار
تعجیل مناسب نہیں اے صفدر و جرار
پاک اپنے گناہوں سے جو ہولیں تو لڑیں گے
یہ کہہ کے گیا پاس عمر کے وہ دلاور
بولا وہ لعیں دستِ نجس پھیر کے منہ پر
کھولوں گا کمر لوٹ کے گھر سبطِ نبیؐ کا

بہکا ہوں مگر ابنِ علیؑ راہ نما ہے
ہر شخص کے اعمال جدا قبر جدا ہے
تربت میں کوئی کام نہ آئے گا کسی کے
بولا حرِ دیندار کہ خوشنودیِ زہراؑ
فرزندِ نبیؐ نورِ خدا سیدِ بطحا
تھوڑوں کا جو دے ساتھ وہ غازی جری ہے
آنکھوں سے چلیں گے کہ یہ ہے عین عبادت
کچھ ڈر نہیں بس آج سے کی ترکِ رفاقت
کیا خوب محمدؐ کے نواسے سے لڑیں ہم
سو بیٹوں کو صدقے شہِ والا پہ اتاریں
دنیا کے لیئے بندۂ مقبول کو ماریں
دیں کھو کے جو ہاتھ آئے تو اُس مال پہ لعنت
گر لاکھ ہوں جانیں تو نثارِ سرِ شبیرؑ
کہیئے تو کروں اس کے مٹا دینے کی تدبیر
اُس فوج میں چلیئے تو اسے مار کے چلیئے
آزاد ہے دوزخ سے غلامِ شہِ ابرار
لے توبہ ابھی تو ترا آقا ہے گنہگار
پھر آگ بھی ہوئے گی تو ہم کود پڑیں گے
پوچھا ترا کیا قصد ہے اے مالکِ لشکر
منظور ہے تاراجیِ گلزارِ پیمبرؐ
بچہ بھی نہ چھوڑوں گا حسینؑ ابنِ علی کا

ہیں جمع پئے دعوتِ فرزندِ پیمبر
بچکر مرے ہاتھوں سے کہاں جائنگے سرور
دوڑاؤں گا گھوڑے جسدِ شاہِ اُمم پر
تھرّا کے کہا حُر نے کہ ڈر قہرِ خدا سے
باز آ ستم و ظلم و تعدّی و جفا سے
شہزادوں سے اپنے کہیں دیندار لڑے ہیں
چھوڑا ہی پیمبر نے امانت اُنھیں ہم میں
اللہ ترحم میں خوشی ہی کہ ستم میں
سادات کے بدخواہ نہ پھولے نہ پھلیں گے
بس زرد ہوا سُن کے یہ باتیں وہ سیہ رو
ہیں خوب سمجھتا ہوں ہر اک بات کا پہلو
جابر ہی یزید اس کا بھی کچھ خوف نہیں ہی
صالح ہو کہ طالح ہو کسی سے ہمیں کیا کام
مٹ جائے گا دفتر سے شجاعوں کے ترا نام
فرقہ یہ پیادوں کا ہی آفت نہ بپا ہو
برسوں سے ہی تو شام کے حاکم کا نمکخوار
مانا کہ حسینؑ ابن علیؑ ہیں شہِ ابرار
جنگِ اُحد و بدر میں کیا کھیت پڑے ہیں
حُر نے کہا اب مجکو کسی کا نہیں کچھ دھیان
زہرا کے جگر بند پہ صدقے ہی مری جان
جنت ہی گھر اُس کا جو غلامِ شہِ دیں ہی

یہ تیر یہ نیزے یہ تبر اور یہ خنجر
پنجے میں ہی شیروں کے یہ سادات کا لشکر
چادر نہیں رہنے کی سر اہلِ حرم پر
بس بس کہیں بجلی نہ گرے تجھ پہ سما سے
کیا وجہ عداوت کی غریب الغربا سے
سادات ہیں یہ- ان کے حق امت پہ بڑے ہیں
روتے گئے دنیا سے نبیؐ آل کے غم میں
پیسے کے ستانے کا نہیں حکم حرم میں
چھد جائے گا دل کس کا جو تیر ان پہ چلینگے
بولا کہ تجھے کہتا ہی مردودِ خدا تو
اللہ یہ اوصاف یہ مدحِ شہِ خوشخو
ہیں لوگ یہ سالے کے کہیں آپ کہیں ہی
طالب ہیں کہ ہاتھ آئے زر و خلعت و انعام
سکتے میں ہی سن کر تری باتیں سپہ شام
دنگا ابھی لشکر میں جو ہو جائے تو کیا ہو
سرکار کا جو حکم مناسب نہیں تکرار
آ پڑتی ہی جب بات تو ہٹتے نہیں جرار
وہ کون تھے آخر جو پیمبر سے لڑے ہیں
سیّد پہ مرا ہاتھ اُٹھے یہ نہیں امکان
گھر شام میں لٹ جائے یہ ضایع نہ ہو ایمان
لیتا ہوں وہ دولت کہ فنا جس کو نہیں ہی

شیطاں تجھے سننے نہیں دیتا مری تقریر
بنیا وہ ہی سوجھے جسے انجام کی تدبیر
دوزخ ہی پہ منصب تو جہنم ہی یہ جاگیر
کھوتا ہی دو عالم سے تجھے حاکمِ بے پیر
گر سبطِ پیمبرؐ پہ ترا زور چلے گا
تو تا بہ ابد نارِ جہنم میں جلے گا

بے لعن نہ لے گا کوئی دنیا میں ترا نام
کام آئے گا خلعت نہ پس از مرگ نہ انعام
بربادیٔ عقبیٰ ہی اس آغاز کا انجام
بیکس کو ستا کر کبھی پائے گا نہ آرام
ناشاد و دل آزردہ و مغموم رہے گا
دنیا کی تمتع سے بھی محروم رہے گا

بیٹے نے کہا حُر سے کہ اب خلد میں چلیئے
ہوتی ہی بس اب دیر جہنم سے نکلیئے
آنکھیں قدمِ قبلۂ کونین پہ ملیئے
چلکر چمنِ فاطمہؑ میں پھولیئے پھلیئے
سامع سخنِ حق کا یہ مردود نہ ہوگا
جاہل کو نصیحت سے کبھی سود نہ ہوگا

بھائی نے کہا تول کے شمشیرِ شرربار
ہاں جہلِ مُرکب میں سیہ رو ہی گرفتار
یہ پند بھی بیجا ہی نصیحت بھی ہے بیکار
عقبیٰ سے غرض کیا سگِ دنیا ہی یہ غدار
بدخواہِ جگر بندِ رسولؐ مدنی ہی
یہ دشمنِ دیں خلق میں گردن زدنی ہی

چلایا قریب آکے غلامِ حُرِ غازی
عَوعَو یوہیں کرتا ہی یہ سگ چھیڑ کے تازی
ہم دوست ہیں یہ دشمنِ سلطانِ حجازی
اِن آنکھوں نے دیکھی ہی بہت شعبدہ بازی
منحوس نے بدنام کیا قومِ عرب کو
اس بوم کے سایہ سے حذر چاہیئے سب کو

تھے چار جواں ہاتھ میں تولے ہوئے شمشیر
سُنتا رہا چپکا سخنِ سخت وہ بے پیر
نعرہ کیا شیروں نے کہ یا حضرت شبیر
سیدھے کیئے گھوڑے کہ کمانوں سے چلے تیر
چاروں کے فرس بھر کے طرارے نکل آئے
بدلی سے چمکتے ہوئے تارے نکل آئے

اسلام کی سرحد میں جو پہونچے وہ نکوکار
رہواروں پہ چاروں نے رکھے کھول کے ہتھیار
بس باندھ کے ہاتھوں کو پکارا حُرِ دیندار
یا عقدہ کشا یا شہِ دیں یا شہِ ابرار
کشتی ترے مجرم کی تباہی میں پڑی ہے
ای نوحِ غریباں یہ حمایت کی گھڑی ہی

مشہورِ دو عالم ہی تری ہمّتِ عالی
سائل ترے در سے کوئی جاتا نہیں خالی

سر پر ہی گناہوں کی بلا چرخ نے ڈالی
توبہ کے لیئے آیا ہوں ای خلق کے والی

انصار نہیں قوم و قبیلہ نہیں رکھتا
میں تیرے سوا اور وسیلہ نہیں رکھتا

مولا ستمِ لشکرِ اظلم سے بچالے
انبوہِ جنودِ الم و غم سے بچالے

آقا غضبِ خالقِ عالم سے بچالے
ای مالکِ فردوس جہنم سے بچالے

یہ اہلِ جفا دشمنِ شاہِ مدنی ہیں
ان سب میں ہمیں چارہ جواں پنجتنی ہیں

ای خلق کے سرور ترا احسان ہی مجھ پر
ای خاصۂ داور ترا احسان ہی مجھ پر

ای سبطِ پیمبر ترا احسان ہی مجھ پر
ای مالکِ کوثر ترا احسان ہی مجھ پر

اُس دن بھی کرم قبلۂ عالم نے کیا تھا
میں وہ ہوں کہ پانی جسے حضرت نے دیا تھا

حضرت سے جو رخصت کو غلام آیا تھا اس رات
فرمایا تھا مولا نے بصد لطف و مدارات

باقی ہی اگر زیست تو پھر ہوگی ملاقات
ای مخبرِ صادق مجھے بھولی نہیں وہ بات

کیا وجہ جو خادم پہ تلطّف نہیں ہوتا
وعدے میں کریموں کے تخلّف نہیں ہوتا

ارشاد ہوا تھا مرے رونے پہ کہ بھائی
پھر بعدِ ملاقات نہووے گی جدائی

حضرت کی دعاواں سے یہاں تک مجھے لائی
کر دیجے بندھے ہاتھوں کی اب عقدہ کشائی

ہر چند گنہ ریگِ بیاباں سے سوا ہیں
پر آپ حمایت پہ جو آجائیں تو کیا ہیں

حضرت نے سُنا حر کا جو یہ نالۂ جانکاہ
خود ہاتھوں کو پھیلا کے پکارے شہِ ذیجاہ

آ ای مرے ہمدرد و مددگار و ہوا خواہ
بھائی میں بڑی دیر سے تکتا تھا تری راہ

استادہ ہی کیوں دور تردّد تجھے کیا ہی
پہلو میں جگہ ہی مرے دل میں تری جا ہی

جس حال میں ہو آ کہ مرا گھر ترا گھر ہی
ماتم کدۂ آلِ پیمبر ترا گھر ہی

کاشانۂ لختِ دلِ حیدر ترا گھر ہی
جنّت میں مرے گھر کے برابر ترا گھر ہی

فیاض ہیں صادق ہیں سخی ابنِ سخی ہیں
مہماں ہمیں پیارا ہی کہ ہم آلِ نبی ہیں

زندہ ہی جو مرتا ہی محبت میں ہماری
عفو و کرم و رحم ہی طینت میں ہماری
دشمن سے دل صاف میں کینہ نہیں رکھتے
اکبرؑ سے اشارہ کیا مہمان کو لاؤ
حیدر کے نواسے ہیں کدھر اُن کو بلاؤ
اس گھر کا کرم خلق میں مشہور ہی پیارو
ارشاد پدر سُن کے بڑھے فوج سے اکبرؑ
قاسم بھی چلے اسپ صبا دم سے اُتر کر
ہنستے ہوئے نزدیک جو وہ گلبدن آئے
پانچوں کے قدم چوم کے بولا وہ دلاور
چھاتی سے لگا کر اُسے بولے علی اکبرؑ
یہ عین عنایت ہی قسم ہم کو خدا کی
عباس نے فرمایا کہ ای حرِ وفادار
اللہ کی سرکار کے ہیں مالک و مختار
ممکن ہی کہ وہ دوست کو غمناک کریں گے
اکبر نے لیا ہاتھ میں دستِ حُرِ ذیجاہ
قاسم بھی برادر کے برابر صفتِ ماہ
اکرام سے توقیر سے تعظیم سے لائے
احسنت کی آئی جو صدا چار طرف سے
ممتاز ہوا قربِ شہِ دیں کے شرف سے
زردی جو گئی رنگِ سرور آگیا منہ پر

سب اجر ہی طاعت کا اطاعت میں ہماری
بگڑا ابھی سنور جاتا ہی صحبت میں ہماری
کچھ جس میں کدورت ہو وہ سینہ نہیں رکھتے
عباس سے فرمایا کہ تم لینے کو جاؤ
قاسمؑ سے کہا خلقِ حسنؑ اس کو دکھاؤ
مہمان کے لے آنے کا دستور ہی پیارو
ہمراہ ہوئے ماہِ بنی ہاشمِ صفدر
لینے کو پیادہ گئے زینب کے بھی دلبر
سمجھا وہ کہ لینے کو مرے پنجتن آئے
شہزادو گنہگار ہی یہ بندۂ احقر
گھبرا نہ عطا پوش و خطا پوش ہیں سرور
آنکھیں تری جانب ہیں امام دوسرا کی
تو اُن کے کرم سے ابھی واقف نہیں نہ کا
بخشتا ہیں ابھی تجھ سے اگر سو ہوں گنہگار
دم بھر میں گناہوں سے تجھے پاک کرینگے
عباس نے خود فرق پہ کھولا علمِ شاہ
زینب کے پسر دونوں چلے بیٹے کے ہمراہ
مہماں کو بڑی عزت و تکریم سے لائے
حضرت بھی بڑھے چند قدم فوج کی صف سے
لپٹا قدمِ لختِ دلِ شاہِ نجف سے
نعلین پہ سر رکھتے ہی نور آگیا منہ پر

چھاتی سے لگا کر اُسے بولے شہِ والا
خالق نے تجھے کفر کی ظلمت سے نکالا
اوج اُس کے لئے ہی جو جھکا جاتا ہی بھائی
کھولے جو بندھے ہاتھ حُر نے سروپا کے
صدقے ترے ای بندۂ مقبول خدا کے
عصیاں کی جو دہشت تھی وہ بالکل گئی مولا
توبہ سے فراغت حُرِ غازی نے جو پائی
مقبولِ خدا ہی جو کرے تجھ سے بھلائی
باعث یہ بڑا تھا کہ نہ جلا دوں ہیں لکھا
شہ بولے کہ تھا رنج و تردد ہمیں سحر سے
مہماں نے یہ کی عرض شہ جن و بشر سے
دم بھر میں درِ رحمتِ غفار کھلیں گے
فرمایا کہ مہمان کی دعوت کا ہی دستور
فاقہ بھی کئی دن سے ہی پانی سے بھی ہیں دور
محبوبِ الٰہی تری امداد کریں گے
دنیا جسے کہتے ہیں وہ اک راہ گزر ہی
دیکھا جسے اس میں وہ مہیائے سفر ہی
پہلے سے اُسے بھیجدے جو تجکو ملا ہی
ہمسایۂ محبوب خدا تجھ کو ملے گا
کُھل جائیں گی آنکھیں وہ صلہ تجکو ملے گا
سب جیتے ہی جی تک کا یہ قصہ ہی برادر

اب خوف ہی کیا دل ہی ترا کیوں تہ و بالا
غفار ہی راحم ہی گنہ بخشنے والا
یہ عجز ہی اللہ کو خوش آتا ہی بھائی
بولا وہ جری کانپتے ہاتھوں کو اُٹھا کے
سب ہیں ترے ناخن ہیں ہر عقدہ کشا کے
صدقے سے ترے دل کی گرہ کھل گئی مولا
اُس وقت صدا ہاتفِ غیبی کی یہ آئی
دی حق نے اُسے آتشِ دوزخ سے رہائی
حُر کو قلمِ عفو نے آزادوں میں لکھا
آرام کر اب کھول کے ہتیار کمر سے
اب چین یہی ہی کہ لڑوں لشکرِ شر سے
ہو جائے گی بند آنکھ۔ تو ہتیار کھلیں گے
شکوہ نہ مگر کیجو کہ ہم آج ہیں مجبور
خیرات وہیں ہو جائیگا جو ہی ہمیں منظور
ہم نعمتِ عقبیٰ سے تجھے شاد کریں گے
اک دم میں اُدھر ہی بشر اک دم میں اِدھر ہی
رہنا ہی جہاں تا بہ ابد گھر وہی گھر ہی
اُس گھر کا چراغ آلِ محمد کی ولا ہی
قربِ اسدِ قلعہ کشا تجکو ملے گا
کل آج کے فاقے کا مزا تجھ کو ملے گا
حصّے میں ہمارے ترا حصہ ہی برادر

کی دست ادب جوڑ کے مہماں نے یہ گفتار
باتیں یہ یہاں تھیں کہ بڑھی فوجِ ستمگار
ڈنکے پہ اُدھر چوب پڑی لشکرِ کیں میں
عباس نے کھولا علمِ فوجِ پیمبرؐ
کی عرض پدر سے علی اکبر نے یہ بڑھکر
فرمایا کہ اب کیا ہے لڑو لشکرِ شر سے
ہمشکلِ پیمبرؐ جو بڑھے سُن کے یہ احکام
کی عرض بہ منت کہ مدد کا ہے یہ ہنگام
دِلوا دو اجازت کہ غریب الغربا ہوں
فرمایا بہ شفقت علی اکبرؑ نے کہ اچھا
کی عرض کہ ای قبلۂ دیں سید بطحا
بھیجیں اسے گر حکمِ امامِ مدنی ہو
حضرت نے کہا رو کے یہ کیا کہتے ہو پیارے
بیکس کے عزیز و رفقا چھٹتے ہیں سارے
دم بھر نہیں گزرا کہ ملاقات ہوئی ہے
پہلے بھی ملاقات میں برپا تھا تلاطم
میں بھی متردد تھا حواس اس کے بھی تھے گم
دستے جو سپاہِ ستم و جور کے آئے
اب تو ہیں بلاشبہ ہم اس کے یہ ہمارا
پیاسا کہیں دریا سے بھی کرتا ہے کنارا
محجوب ہیں راحت کا سرانجام نہیں ہے

بھوکا اُسی نعمت کا ہے یہ عبدِ گنہگار
چلّوں سے ملے تیر علم کھل گئے اکبار
تکبیر کے نعرے ہوئے فوجِ شہِ دیں میں
جھومے صفتِ شیر جوانانِ دلاور
کیا حکم ہے تیر آتے ہیں اُس فوج سے سرور
بس دیر اسی کی تھی کہ سبقت ہو اُدھر سے
شہزادے کے قدموں پہ گرا حُرِ خوش انجام
خادم جو ہراول ہو تو ہو جائے بڑا نام
حسرت ہے کہ پہلے ہی میں آقا پہ فدا ہوں
ساتھ اُس کو لیئے آئے حضورِ شہِ والا
پہلے حُرِ غازی کو ہے رخصت کی تمنا
بہتر ہے کہ مہماں کی نہ خاطر شکنی ہو
تم ہم سے جدا کرتے ہو مہمان کو ہمارے
آیا ہے ابھی اور ابھی کہدو کہ سدھارے
باتیں نہ ابھی کچھ نہ مدارات ہوئی ہے
دونوں طرف آمادۂ پیکار تھے مردم
آپس میں نہ صحبت ہوئی دم بھر نہ تکلم
آئے بھی جو لب پر سخن اس طور کے آئے
پیارے جو ہم اس کو ہیں تو یہ ہے ہمیں پیارا
تکلیف کوئی دوست کی کرتا ہے گوارا
پانی نہیں کھانا نہیں آرام نہیں ہے

اللہ ری عجلت ابھی آنا ابھی جانا
مشتاقِ محبت کو ہنساتے ہی رلانا
نے تابِ تحصیلِ سعادت ہے یہ مانا
سوچو تو کہ کچھ بھی ابھی گزرا ہے زمانا
کیونکر ہو کہ تلواروں سے بیدم اسے دیکھیں
یہ دیکھ لے جی بھر کے ہمیں ہم اسے دیکھیں

یہ دوست اسی طرح مدینے میں جو آتا
خود اُٹھ کے حسین ابنِ علی ہاتھ دھلاتا
جس شے کی تمنّا اسے ہوتی وہی پاتا
سادات کے مسکن سے یہ محروم نہ جاتا
نے حسنِ طلب دیتے ہیں جو اہل سخا ہیں
خیر آج تو ہم آپ گرفتارِ بلا ہیں

کس پر ستمِ گردشِ دوراں نہیں ہوتا
دنیا میں کسے صدمۂ ہجراں نہیں ہوتا
کس کو المِ فرقتِ مہماں نہیں ہوتا
ہے کونسا مجمع جو پریشاں نہیں ہوتا
دو مر کے رہیں ایک جگہ یہ بھی نہیں ہے
اک دوست کی ہے قبر کہیں ایک کہیں ہے

حُر سے علی اکبر نے یہ فرمایا کہ بھائی
منظور ابھی شہ کو نہیں تیری جدائی
گر کر قدمِ شہ پہ یہ بولا وہ فدائی
مرجاؤں گا پہلے جو رضا ان کی نہ پائی
اولاد بھی فیاض ہے ماں باپ سخی ہیں
محروم نہ خادم کو رکھیں آپ سخی ہیں

نے مانگے تو سب طرح کی دولت مجھے بخشی
توقیر عنایت ہوئی عزت مجھے بخشی
حوریں مجھے دیں آپ نے جنت مجھے بخشی
حُر ہو گیا دوزخ سے وہ حُرمت مجھے بخشی
یہ سب تو ملا اذنِ وغا بھی مجھے دیجے
پھیلائے ہوں دامن کہ رضا بھی مجھے دیجے

مجھ سے کوئی پوچھے تو کہ کیا لیکے چلا ہوں
مقبولِ الٰہی کی دعا لیکے چلا ہوں
سید کی غلامی کا صلا لیکے چلا ہوں
کافی ہے ابد تک وہ عطا لیکے چلا ہوں
نام اس کا ہے بخشش یہ عنایت یہ مدد ہے
رخصت نہیں آزادیِ دوزخ کی سند ہے

مولا سے مجھے خلد کی جاگیر ملی ہے
غبطہ ہے ملائک کو وہ تقدیر ملی ہے
اکسیر غبارِ درِ شبیر ملی ہے
اس خاک پہ سونا ہے یہ توقیر ملی ہے
ہاتھ آئی وہ دولت جو زمانے میں نہیں ہے
یہ زر کسی خاقاں کے خزانے میں نہیں ہے

سرکار یہ وہ ہے کہ جو مانگا وہی پایا
ہونٹوں پہ کبھی حرف نہیں کا نہیں آیا
اللہ رکھے خلق میں تا حشر یہ سایا
فیاضِ دو عالم ہے یداللہ کا جایا
کسریٰ ہو کہ حاتم ہو یہ ہمت نہیں رکھتا
اس گھر سے کوئی بڑھ کے سخاوت نہیں رکھتا

ناجی ہے وہی آلِ پیمبر جسے بخشیں
فردوس میں قصر اس کو ملے گھر جسے بخشیں
عالم کا ہو سرتاج یہ افسر جسے بخشیں
سونے کا بنائے وہ محل زر جسے بخشیں
وہ کیا ہے جو محتاج کو حاصل نہیں ہوتا
اِس در کا گدا پھر کبھی سائل نہیں ہوتا

گھر ہو کہ زر و مال ہو یہ کیا نہیں دیتے
کس کشت پہ مینہ فیض کا برسا نہیں دیتے
دیتے ہیں یہ سب کچھ مگر ایذا نہیں دیتے
اس حُسن سے دیتے ہیں کہ گویا نہیں دیتے
کہدے کوئی یہ خیر کبھی اور روں نے کی ہے
اک ویٹ کے سائل کو قطار اونٹوں کی دی ہے

شاہی اُنھیں اللہ نے دی بعد نبیؐ کے
یہ بعد علیؑ کے ہیں علیؑ بعد نبیؐ کے
ایسا نہیں دنیا میں سخی بعد نبیؐ کے
ہوتے یہی ہوتا جو نبی بعد نبیؐ کے
وہ کونسی خوبی ہے جو پیدا نہیں ان میں
اک مہرِ نبوت کے سوا کیا نہیں ان میں

کی حُر نے فصاحت سے جو مداحیِ سرور
نیہوڑا لیا شرما کے سخی نے سرِ انور
اکبرؑ سے اشارے میں یہ فرمایا کہ دلبر
کہدو کہ خوشی تیری اسی میں ہے تو بہتر
مداح کو مہماں کو بہادر کو صلا دو
آؤ یہ عبا لیکے مری حُر کو اُڑھا دو

اکبر نے عبا لیکے جو مہماں کو اُڑھائی
شہ بولے کہ نانا کا تبرک ہے یہ بھائی
عباس پکارے کہ زہے عقدہ کشائی
لے خلعتِ رحمت تری اُمید بر آئی
کونین کا اقبال و حشم جانیو اس کو
فردوس کے حلے سے نہ کم جانیو اس کو

بولے یہ حبیب ابن مظاہر کہ خوشا حال
قسمت کے یہ معنی ہیں اسے کہتے ہیں اقبال
دم میں یہ ترقی و حشم اور یہ اقبال
کر دیتا ہے قطرے کو گہر فاطمہ کا لال
سید بھلا کون سا رُتبا نہ ملے گا
یہ گھر ہے سخی کا ابھی کیا کیا نہ ملے گا

رخصت ہوا جب سبطِ نبی سے حُرِ جرار
تسلیم ہو گئی جھک کے تو بولے شہ ابرار
چومے قدمِ شاہ پھرا گرد کئی بار
فرمایا خدا حافظ و ناصر مرے غمخوار
دنیا کے سعیدوں میں ترا نام ہو بھائی
عقبیٰ میں تجھے راحت و آرام ہو بھائی

خالق الم و صدمہ و آفت سے بچائے
رتبہ وہ جہاں قبر کی وحشت سے بچائے
غفارِ گنہ ہولِ قیامت سے بچائے
حافظ تجھے آہن کی جراحت سے بچائے
گھر خلد میں ہاتھ آئے یہاں سے جو سفر ہو
یہ آج کی منزل تجھے راحت سے بسر ہو

رو کر جو دعائیں اُسے دیتے تھے شہِ دیں
حور و ملک و جن و بشر کہتے تھے آمیں
گھوڑے پہ چڑھا جب وہ بصد عزّ و تمکیں
شادی سے ہوا وہ شگفتہ رخ رنگیں
اللہ ری ضیا اخترِ طالع کی جبیں پر
آئینۂ خورشید چمکتا تھا زمیں پر

وہ اوج وہ رفعت وہ جلال و حشم اُس کا
بڑھتا تھا سوئے گلشنِ جنت قدم اُس کا
مُنہ دیکھتے تھے جن و بشر دمبدم اُس کا
غل تھا کہ بڑھاوے جسے چاہے کرم اُس کا
تھا صبح ملک ناریوں میں نور ہوا تو
حُر فوجِ ستمگار میں تھا حور ہوا تو

اشعار رجز پڑھ کے وہ جرّار پکارا
آیا ہے غلام اُس کا علی کا ہے جو پیارا
آقا ہے مرا عرشِ معلیٰ کا ستارا
ہاں فوج سے نکلے جسے ہو جنگ کا یارا
بھیجا ہے نواسے نے رسولِ دوسرا کے
ای قوم ہر اول ہوں میں لشکر کا خدا کے

سُنتے ہی برسانے لگے تیر ستمگار
بھائی حُرِ غازی کا بڑھا تول کے تلوار
داہنی طرف آیا پسر صفدر و جرّار
اک شیر سا نیزوں میں دھنسا عبدِ وفادار
کفار کے سر تن سے گرے خاک پہ کٹ کر
مارے گئے لشکر کی صفیں دونوں اولٹ کر

لاشوں کو اُٹھا لے گئے جب قبلۂ عالم
چھیڑا حرِ جرّار نے شبدیزِ صبا دم
بھائی کا بھی اندوہ تھا بیٹے کا بھی تھا غم
پر صبر تو دیکھو کہ نہ آنکھیں ہوئیں پُرنم
چمکا کے فرس لڑنے لگا فوج گراں سے
مڑ کر بھی نہ دیکھا کہ گیا کون جہاں سے

اللہ رے مہمانِ شہِ دیں کی لڑائی
فرصت نہ سنبھلنے کی خطاکاروں نے پائی
اک برق گری تیغ چمک کر جدھر آئی
برباد کیا پھونک دیا آگ لگائی
پانی میں وہ آتش تھی کہ گھبراتے تھے اعدا
جلتے ہوئے دوزخ میں چلے جاتے تھے اعدا

چلّے سے اگر تیر کوئی جوڑ کے نکلا
انبوہ سے شبدیز کو یہ موڑ کے نکلا
چورنگ کے دو ہاتھ جدھر چھوڑ کے نکلا
جب شیر سا نکلا تو صفیں توڑ کے نکلا
تلوار چمکتی تھی صفِ لشکرِ کیں پر
گھوڑے کے کہیں پاؤں نہ لگتے تھے زمیں پر

لشکر سے جو نکلا وہ قریب آ کے نہ ٹھہرا
تلوار کا اک وار کوئی کھا کے نہ ٹھہرا
چہرے پہ سپہ کار سپر لا کے نہ ٹھہرا
نامرد لڑائی کی جگہ پا کے نہ ٹھہرا
جم جائے جہاں کوہ وہاں کاہ سے کیا ہو
جب شیر کو غیظ آئے تو روباہ سے کیا ہو

ششدر رہتے ستمگر کہ دو چار اس سے ہوں کیونکر
سر بر ہوں دغا میں تو سوار اس سے ہوں کیونکر
حلقے میں اجل کے ہیں فرار اس سے ہوں کیونکر
ہے پُلِ فنا بیچ میں پار اس سے ہوں کیونکر
جی ہے تو جہاں تیغوں میں نہایا نہیں جاتا
دھارا تو کجا گھاٹ پہ جایا نہیں جاتا

کس صف پہ چلی تیغ کہ آفت نہ دکھائی
کس غول پہ چمکی کہ قیامت نہ دکھائی
کس کس کو پری بن کے شرارت نہ دکھائی
جلوہ کیا سو بار پہ صورت نہ دکھائی
پھل اُس کا نظر بندیِ اعدا پہ تُلا تھا
اس میں کوئی پردہ نہیں منہ صاف کھلا تھا

ہر بار تھا حملہ عمرِ سعدِ نجس پر
اُڑ جاتا تھا سر تیغ چمک جاتی تھی جس پر
رعب اُس کا نہ چھایا ہوا تھا فوج میں کس پر
بھاگڑ میں یہ گرتا تھا جو اُس پر تو وہ اس پر
سر پاؤں تلے پستے تھے بیدادگروں کے
ٹکرانے سے بال آ گئے کاسوں میں سروں کے

غل تھا کہ شجاعت کا دھنی کہتے ہیں اس کو
تلوار یہ ہی تیغ زنی کہتے ہیں اس کو
دل توڑ دیئے صف شکنی کہتے ہیں اس کو
ششدر ہیں پرے پنجتنی کہتے ہیں اس کو
حیدر کے محبوں میں نیا ڈھنگ ہے اس کا
جو راکب و مرکب ہے وہ چورنگ ہے اس کا

نے سر نظر آیا وہ جسے پا گئی شمشیر
چمکی تو اُدھر اور اِدھر آ گئی شمشیر
سکتہ تھا ہر اک دل پہ عجب ضرب پڑی تھی
جو دشمنِ دیں تھا اُسے پہچانتی تھی وہ
چار آئنہ و خود کو کب مانتی تھی وہ
اژدر تھا کہ تلوار تھی دم تھا کہ ستم تھا
نے حال عدو ہول کے مارے نظر آئے
جب سن سے چلی صاف شرارے نظر آئے
اُس تیغ کا پھل کھا کے عدو خوں میں تپاں تھے
گہ حلق کے نزدیک کبھی دِل کے برابر
رَن میں کوئی زخمی کوئی ساحل کے برابر
سر پر تھی وہ جب تک کہ عدو راہ عدم لے
رہوار کی وہ چال وہ تلوار کا چلنا
غصّے میں وہ شبدیز کی آنکھوں کا اُبلنا
مارا تھا قدم اس نے شجاعت کے چلن پر
لڑنے میں سمجھتا تھا فرس دل کا اشارا
وہ جست وہ چھل بل وہ ڈپٹ اور وہ طرارا
ایسا تو سبک رو فرسِ برق سفر ہو
کھانے لگی گھونگٹ جو سپاہِ ستم آرا
جاتے ہو کہاں چھوڑ کے دریا کا کنارا
دو لاکھ جواں ایک کا سر لا نہیں سکتے

دم بھر میں لہو خاک پہ برسا گئی شمشیر
کیا منہ تھا کہ فولاد کو بھی کھا گئی شمشیر
پرزے کیا اُس کو بھی زرہ لاکھ کڑی تھی
مغفر کو حباب لب جو جانتی تھی وہ
ہر وار میں جوشن کا جگر چھانتی تھی وہ
ماہیں تھیں کہ گھر موت کا پانی تھا کہ سم تھا
جو گھاٹ پہ تھے گور کنارے نظر آئے
جوہر کبھی چمکے تو ستارے نظر آئے
جب سامنے ڈھال آ گئی سب پھول خزاں تھے
پانی میں اثر زہر ہلاہل کے برابر
بسمل بھی نظر آتا تھا بسمل کے برابر
کیا دخل جو لے دم لیئے دم بھر کہیں دم لے
بھاگڑ وہ پیادوں کی صفوں کا وہ کچلنا
کف منہ سے گرا کر وہ کنوتی کا بدلنا
یوں گھوڑے پہ جاتا تھا اسد جیسے ہرن پر
رہوار نے کچلا اُسے کُھر نے جسے مارا
مُڑنے میں نظر شوخ کی اُڑنے میں چکارا
پتلی پہ ہو پتلی تو نہ آنکھوں کو خبر ہو
بڑھ کر عمر سعد جوانوں کو پکارا
گھیر لو اسے نیزوں میں یہ دشمن ہے ہمارا
ہاں نیزے لگاؤ جو قریں جا نہیں سکتے

آواز یہ دی حُر نے کہ او ظالمِ غدّار
بتلا انھیں اندازِ وغا کھینچ کے تلوار
تو دشمنِ لختِ جگرِ شیرِ خدا ہے
بندہ ہوں میں اُن کا کہ جو شیروں سے لڑے ہیں
لوہے کو وہ مانے ہیں بہادر جو بڑے ہیں
شمشیرِ شہِ قلعہ شکن ہے اسی گھر میں
وہ قلب ہے جس قلب میں بغض اُن کا بھرا ہے
ہر طرح پرکھ لے گا جسے فہم ذرا ہے
بازار کے دن کوئی نہ فریاد سنے گا
کہکر یہ سخن قلب میں لشکر کے در آیا
رہوار تڑپ کر ادھر آیا اُدھر آیا
باندھے تھے کمر شمر و عمر خیرہ سری پر
پیہم جو لگے تیر فرس بن گیا طاؤس
سینہ ہے کہ تودا ہے نہ ہوتا تھا محسوس
رخ زرد تھا گلنار تھی پوشاک لہو سے
اس حال میں بھی رکتی نہ تھی شیر کی تلوار
پے کر دیا گھوڑے کو جفا کاروں نے اکبار
جب وقت برابر ہوا پھر ٹل نہیں سکتا
جب تک کہ جری پاؤں رکابوں سے نکالے
خود سنبھلے کہ گرتے ہوئے گھوڑے کو سنبھالے
دیکھا جو فرس نے مرا مالک نہیں زیں پر

غیرت ہے تو آ سامنے تو چھیڑ کے رہوار
کیوں صورتِ روباہ دبکتا ہے جفا کار
اس صف سے نکل کر جو ادھر آ تو مزا ہے
پتھر پہ نشاں دین کے لشکر کے گڑے ہیں
سکّے اسد اللہ کی ضربت کے پڑے ہیں
اس ضرب کے سکے کا چلن ہے اسی گھر میں
ٹکسال سے باہر ہے شقی دوسرا ہے
کھوٹا ہے سو کھوٹا ہے کھرا ہے سو کھرا ہے
وہ سامنے مالک کے جہنم میں پھنسے گا
سمٹا ہوا لشکر تہ و بالا نظر آیا
مضطر ہوئے سب ایک نہ صفدر سے بر آیا
بوچھار ہوئی دور سے تیروں کی جری پر
دم بھر میں لہو ہو گیا جرّار کا ملبوس
غش آنے لگے شیر ہوا جنگ سے مایوس
فوارۂ خوں چھوٹتے تھے ہر بنِ مو سے
جو آگیا زد پر اُسے بھیجا طرفِ نار
مجروح سے اب کیا ہو فرس ہو گیا بیکار
گھوڑے کا اشارا تھا کہ اب چل نہیں سکتا
مہمان کے سینے پہ کئی چل گئے آرے
مرکب سے جو کودا تو بڑھے برچھیوں والے
اللہ ری وفا مر گیا گرتے ہی زمیں پر

روتا تھا وفاداریِ مرکب پہ وہ صفدر
حضرت کو پکارا وہ جری خاک اُڑا کر
خادم نہیں بھائی نہیں پیارا نہیں میرا

آوازِ علیؑ آئی کہ ای حُرِ دلاور
بالیں پہ ترے ہیں تو ہوں شبیر نہیں گر
میں پاس ہوں پھر کس لیئے گھبراتا ہی بھائی

پیاسا ہی تو پانی تجھے کوثر کا پلائیں
مشتاق ہو گر اُن کا تو حوروں کو بلائیں
یہ ہاتھ کہیں بند نہیں عقدہ کشا ہیں

اعدا نے اُدھر فتح کے باجے جو بجائے
یہ زور سے حُر کو سخن طنز سنائے
اس وقت کوئی آکے حمایت نہیں کرتا

افسوس صد افسوس عبث جان گنوائی
بتلا مجھے وہ کونسی دولت ہی جو پائی
ہاں مرتبہ اُس وقت شہیدوں میں بڑھے گا

گردن کو اُٹھا کر یہ پکارا حُرِ دیندار
پاس آکے سخن کہہ تو سنوں میں تری گفتار
بڑھتا نہیں یہ خوف و خطر طاری ہی تجھ پر

رتبہ جو ملا ہی مجھے۔ تو کیا اُسے جانے
گھیرا ہی تجھے رحمتِ ربِ دوسرا نے
سرعرش پہ اُن کا ہی جو رتبے میں بڑے ہیں

جو فرق پہ پیچھے سے پڑا گرزِ گراں سر
مہماں کی خبر لیجئے یا سبطِ پیمبر
مولا کے سوا کوئی سہارا نہیں میرا

طیار ہی فردوسِ معلیٰ میں ترا گھر
سر رکھ لے کہ زانو مرا حاضر ہی برادر
رونا ہوا صاحب بھی ترا آتا ہی بھائی

بھوکا ہی تو فردوس کے میوے ابھی آئیں
جو باغ تجھے حق نے دیا ہی وہ دکھائیں
جس درد کا درماں نہیں ہم اس کی دوا ہیں

نکلا پسرِ سعدِ لعیں چھیڑ لگائے
کیوں ترکِ رفاقت کے مزے خوب اٹھائے
جاہل بھی کوئی ایسی حماقت نہیں کرتا

اب رونے کو لاشے پہ نہ بیٹھا ہی نہ بھائی
مہمانی میں تلوار پہ تلوار تو کھائی
جب نوکِ سناں پر ترا سر کٹ کے چڑھے گا

کیا ہرزہ درآئی ہی یہ او ظالمِ غدار
زخمی ہوں مگر ہاتھ سے چھوٹی نہیں تلوار
مرتا ہوں پہ مردہ بھی مرا بھاری ہی تجھ پر

خود کور ہی آنکھیں تجھے کب دی ہیں خدا نے
پہلو میں محمد ہیں ید اللہ سرہانے
ہدیئے لیئے ہاتھوں میں ملک گھیرے کھڑے ہیں

مجھسا بھی زمانے میں کوئی ہوتا ہی دانا
نعمت کے مزے دے گیا یہ جھپایی کھانا
بیٹا ہی تو خلعت کو نہ انعام کو دیکھے

فرعون کو کس طرح کیا غرق خدا نے
نمرود کو برباد کیا حرص و ہوا نے
گر کر کسی خودسر کو سنبھلتے نہیں دیکھا

ہنگامۂ محشر کی بھی کچھ تم کو خبر ہی
کیا غم ہی جو لاشے پہ نہ بھائی نہ پسر ہی
تو قبر شہیدوں میں مجھے آج ملے گی

غش ہو گیا یہ کہہ کے جو حُرِ جگر افگار
جلاد بڑھے تھے کہ ہوا شور یہ اکبار
اُٹھنے کی نہیں ضرب ولی ابن ولی کی

آمد جو سنی شیر کی پسپا ہوئے روباہ
ریتی پہ تڑپتا تھا وہ حضرت کا ہوا خواہ
ٹکڑے ہی بدن زخم عجب کھائے ہیں بھائی

کچھ مجھ سے وصیت تو کرو ای حُرِ دلاور
رکھ لے مرے زانو پہ سر ای حُرِ دلاور
پھر بعدِ ملاقات نہ صحبت ہوئی بھائی

کچھ بات کرو ای یار وفادار ہمارے
ای صف شکن ای صفدر و جرّار ہمارے
رتبہ ہی ترا سب سے دوبالا شہدا میں

اک جو کے برابر تری دنیا کو نہ جانا
صدقے ہوا اُس پر کہ نبی جس کے ہیں نانا
عاقل اُسے کہتے ہیں جو انجام کو دیکھے

شدّاد کو دم بھر کی نہ مہلت دی قضا نے
کیا ہو گئے قاروں کے وہ چالیس خزانے
موذی کو کبھی پھولتے پھلتے نہیں دیکھا

دوزخ ترا مسکن ہی تو جنت مرا گھر ہی
زانوئے مبارک پہ علیؑ کے مرا سر ہی
جب نیزے پہ سر ہوگا تو معراج ملے گی

سر کاٹ لو اس کا یہ پکارا وہ ستمگار
بھاگو کہ حسین آتے ہیں کھینچے ہوئے تلوار
دیکھو کہیں بجلی نہ گرے تیغِ علیؑ کی

لاشے پہ گیا راحتِ جانِ اسداللہ
مہماں سے لپٹ کر یہ پکارے شہِ ذیجاہ
لے ہوش میں آ لاش پہ ہم آئے ہیں بھائی

خوں ہی ترے غم سے جگر ای حُرِ دلاور
نزدیک ہی شاید سفر ای حُرِ دلاور
جی بھر کے نہ دیکھا تھا کہ فرقت ہوئی بھائی

ای عالمِ غربت کے مددگار ہمارے
تا حشر تجھے روئیں گے غمخوار ہمارے
اک دن ترے حصے کا ہی ایامِ عزا میں

خم ہو کے پکارے یہ حبیب ابن مظاہر
بیتاب ہی بھائی ترا صاحب تری خاطر
دیکھ اپنے شرف آنکھ کو کیوں بند کیئے ہی
سن کر یہ صدا حرُ نے جو آنکھوں کو کیا وا
جلدی قدمِ شاہ پہ منہ ملکے یہ بولا
تکیہ ترے زانو کا میسّر ہوا آقا
غش سے جو نہ کھلتے تھے مرے دیدۂ پرنم
ارشاد یہ فرماتے تھے خود سیّد عالم
شبیر کا جو دوست وہ پیارا ہی نبیؐ کا
مجھ پر حسنؑ و جعفرؑ و حمزہ کا ہی یہ پیار
ارشادِ علیؑ ہی ملک الموت سے ہر بار
زخمی ہی جدا کیجیو یوں روح بدن سے
غرفوں سے برابر ہیں یہ حوروں کے اشارے
ساماں ہیں مہیّا ترے آرام کے سارے
شبیرؑ کا مہماں ہی سب پر ترے حق ہیں
اک سیدہ ہیں سبز ردا چہرے پہ ڈالے
چلاتی ہیں مہماں کو لگے ظلم کے بھالے
شبیر پہ غربت میں ستم ہو گیا ہی ہی
ارشاد کیا شہ نے کہ سب کو ہی ترا غم
آتی ہی جو رونے کی صدا خیمہ سے اسدم
احوال یہ ہی زینبؑ آوارہ وطن کا

آ ہوش میں ای منزلِ جنت کے مسافر
کر نورِ الٰہی کی زیارت دمِ آخر
فرزندِ نبیؐ سر ترا گودی میں لیئے ہی
سر حضرتِ شبیرؑ کی آغوش میں دیکھا
صدقے ترے الطاف کے ای سید والا
ذرّہ تھا پہ اب مہرِ منور ہوا آقا
صحبت تھی مرے گرد عجب طرح کی اسدم
لے آئے ہیں ای حرُ ترے لینے کے لیئے ہم
تو آج سے مہماں ہی رسولِؐ عربی کا
جس طرح دمِ نزع لگاتے ہوں پرستار
ہاں رفق و مدارا کہ ہمارا ہی یہ غمخوار
جس طرح اٹھاتا ہی کوئی پھول چمن سے
ای شاہ کے مہمان اب آ پاس ہمارے
وہ جام بھرے رکھے ہیں کوثر کے کنارے
یہ حلۂ جنت ہیں یہ میووں کے طبق ہیں
وہ حوریں ہیں لٹکی ہوئی چادر کو سنبھالے
ہای ہای پسر فاطمہ کے چاہنے والے
اک دوست بڑھا تھا سو وہ کم ہو گیا ہی ہی
یہ میرے بزرگ آئے ہیں لینے تجھے باہم
ناموسِ محمدؐ ہیں بپا ہی ترا ماتم
جو بھائی کے مرجانے میں عالم ہو بہن کا

اشک آنکھوں سے ٹپکا کے پکارا حُرِ دیندار
نازاں نہ ہو کیوں اپنے شرف پر یہ گنہگار
رتبہ مرا افلاک سے برتر ہوا آقا
صدقہ ہی یہ سب آپ کا یا سیدِ ابرار
جس کے لیئے روئیں حرم احمدِ مختار
ہیں ثانیِ سلمان و ابا ذر ہوا آقا

یہ ذکر تھا ظاہر جو ہوئے موت کے آثار
دم بند ہوا کھول دیئے دیدۂ خونبار
بس دیکھ کے دیدار امامِ ازلی کا
تن سرد ہوا زرد ہوئے پھول سے رخسار
مُڑ کر سوئے شبیرؑ کرا ہا وہ نکوکار
رخصت ہوا مہمان حسینؑ ابن علیؑ کا

لاش اُس کی اُٹھا کر شہِ دیں ڈیوڑھی پہ لائے
حُر کے لیئے سیدانیوں نے اشک بہائے
پردے کے ادھر اہلِ حرم پیٹنے آئے
حضرت کی غلامی میں بڑے مرتبے پائے

عقبیٰ بھی سنور جاتی ہی جب کام ہوا ایسا
یوں عشق میں مرجائے تو انجام ہوا ایسا

خاموش انیسؔ آگے نہیں طاقتِ گفتار
جاں کاہ ہی افسانۂ حُرِّ جگر افگار
آقا سے یہ کر عرض کہ ای کُل کے مددگار
اب روضۂ اقدس پہ بلالیں شہ ابرار
بندہ درِ مولا سے کہیں دور نہ رہجائے
محروم زیارت سے یہ مہجور نہ رہ جائے

رباعی

حر جبکہ فدائے شہ ذی جاہ ہوا
اک غلغلۂ جزاکم اللہ ہوا
جنت میں نہ کس طرح پہنچتا وہ جری
شبیرؑ سا رہبر خضرِ راہ ہوا

ایضاً

ہر چند کہ خستہ و حزیں ہی آواز
پر تعزیہ دارِ شاہِ دیں ہی آواز
نکلے نہ اگر کنجِ دہن سے تو بجا
ماتم کے ہیں دن سوگ نشیں ہی آواز

مرثیہ (۳)

طے کر چکا جو منزلِ شب کاروانِ صبح
ہونے لگا افق سے ہویدا نشانِ صبح
گردوں سے کوچ کرنے لگے اخترانِ صبح
ہر سو ہوئی بلند صدائے اذانِ صبح
پنہاں نظر سے روئے شبِ تار ہوگیا
عالم تمام مطلعِ انوار ہوگیا

خورشید نے جو رُخ سے اٹھائی نقابِ شب
در کھل گیا سحر کا ہوا بند بابِ شب
انجم کی فرد فرد سے لیکر حسابِ شب
دفترکشائے صبح نے اُلٹی کتابِ شب
گردوں پہ رنگِ چہرۂ مہتاب فق ہوا
سلطانِ غرب و شرق کا نظم و نسق ہوا

پہونچا جو مہر مہر سے فرمانِ عزلِ شب
گردوں پہ عاملانِ سحر کا ہوا نصب
منشیِ آسماں سے دفتر ہوا طلب
بس جابجا سے اُٹھ گئی انجم کی فوج اب
تا صبح فرد فرد میں بیگانگی ہوئی
برخاست کی چراغوں کو پروانگی ہوئی

یوں گلشنِ فلک سے ستارے ہوئے رواں
چن لے چمن سے پھولوں کو جس طرح باغباں
آئی بہار میں گلِ مہتاب پر خزاں
مرجھا کے گر گئے ثمرِ شاخِ کہکشاں
دکھلائے طور بادِ سحر نے سموم کے
پژمردہ ہو کے رہ گئے غنچے نجوم کے

چُھپنا وہ ماہتاب کا وہ صبح کا ظہور
یادِ خدا میں زمزمہ پردازیِ طیور
وہ رونق اور وہ سرد ہوا وہ فضا وہ نور
خنکی ہو جس سے چشم کو اور قلب کو سرور
انساں زمیں پہ محو، ملک آسمان پر
جاری تھا ذکرِ قدرتِ حق ہر زبان پر

وہ سرخیِ شفق کی اُدھر چرخ پر بہار
وہ بارور درخت وہ صحرا وہ سبزہ زار
شبنم کے وہ گلوں پہ گُہرہائے آبدار
پھولوں سے سب بھرا ہوا دامانِ کوہسار
نافے کھلے ہوئے وہ گلوں کی شمیم کے
آتے تھے سرد سرد وہ جھونکے نسیم کے

تھی دشتِ کربلا کی زمیں رشکِ آسماں
تھا دور دور تک شبِ مہتاب کا سماں
چھٹکے ہوئے ستاروں کا ذروں پہ تھا گماں
نہرِ فرات بیچ میں تھی مثلِ کہکشاں
سرسبز جو درخت تھا وہ نخلِ طور تھا
صحرا کے ہر نہال کا سایہ بھی نور تھا

وہ سربلند خیمۂ زنگاریِ امام
جس میں خدا کے عرش کے تاروں کا تھا مقام
کم تھا نہ اس کا خانۂ کعبہ سے احترام
قدسی طواف کرنے کو آتے تھے صبح و شام
جلوہ تھا اس میں برجِ امامت کے ماہ کا
درباں تھا جبرئیل اسی بارگاہ کا

گیسوئے حورِ خلد کی ہمسر ہر اک طناب
دریا تھا وہ تو گنبدِ گردوں تھا اک حباب
وہ شان وہ شکوہ وہ رفعت وہ آب و تاب
شمسہ سے جس کے آنکھ چراتا تھا آفتاب
پڑھنا درود آکے ملائک کا وِرد تھا
سایہ کے بدلے نور قناتوں کے گرد تھا

وہ اوج اور وہ قبۂ پرنور کی جھلک
ضو نور کی زمین سے تھی آسماں تلک
دب دب کے سر جھکاتا تھا بے چوبہ فلک
اٹھ اٹھ کے دیکھتے تھے اسے عرش سے ملک
خوشبو سے ہر بشر کا معطر دماغ تھا
وسعت سے اس کے صحن کا دل باغ باغ تھا

تھا وہ سپہرِ دیں تو ہر اک چوب رکنِ دیں
چکر ہیں اس کے دور سے تھا چرخِ ہفتمیں
تھا در پہ بابِ گلشنِ فردوس کا یقیں
پردے تھے رشکِ پردۂ چشمانِ حورِ عیں
جلوے سے حسنِ روئے تہِ کائنات کے
آئینہ ہائے نور تھے نقشے قنات کے

اس کی زمینِ پاک کو تھا آسماں پہ ناز
ساتوں فلک جھکائے ہوئے تھے سرِ نیاز
طوبیٰ سے سربلند تو کیوں اس سے سرفراز
اور بیچ میں وہ مسندِ شاہنشہِ حجاز
کرسی ہیں یہ صفا نہ صباحت یہ عرش پر
دل عرش کا بھی لوٹ گیا اس کے فرش پر

حاضر درِ حضور پہ وہ خاصگانِ رب
ایک ایک جن میں فخرِ عجم زینتِ عرب
غربت زدہ و گرسنہ مظلوم و تشنہ لب
سن کر سحر کا شور اٹھے بستروں سے سب
کہتے تھے ہائے جاکے کدھر جستجو کریں
پانی نہیں کہ قبلۂ عالم وضو کریں

نکلے حرم سے کر کے تیمم امامِ پاک
اکبر نے دی اذاں جو بہ آوازِ دردناک
آگے سبھوں کے شاہِ حجازی کھڑے ہوئے
سجادے سب نے لا کے بچھائے بروے خاک
آنسو بھر آئے ہو گئے دل غم سے چاک چاک
پیچھے صفیں جما کے نمازی کھڑے ہوئے

آراستہ صفیں تھیں کہ قرآں کھلا ہوا
اور مقتدی تھے سب عقبِ شاہِ کربلا
جیسا امام ویسے ہی ابرار فوج تھی
بسم اللہ آگے جیسے ہو یوں تھا وہ مقتدا
مصحف کی جس طرح سے ہوں سطریں جدا جدا
ہر صف خدا کے نور کے دریا کی موج تھی

سیدھے کبھی الف کی طرح تھے وہ خوش خصال
خم ہو گئے سجود میں کہ صورتِ ہلال
حق سے دعا قنوت میں کوثر کے جام کی
جھک جاتے تھے رکوع میں گاہے بشکلِ دال
پیشانیوں سے صاف عیاں نورِ ذوالجلال
طاعت خدا کی تھی تو اطاعت امام کی

وہ چاند سے سفید عمامے رخوں پہ نور
دیندار و حق پرست و دل آگاہ و باشعور
لب پر درود اشکوں سے آنکھیں بھری ہوئیں
دیکھے سے جن کے سیر کبھی ہو نہ چشمِ حور
کمریں کسے جہاد پہ رحمت دلوں سے دور
تلواریں سجدہ گاہوں کے آگے دھری ہوئیں

حبِ حسینؑ دل میں زبانوں پہ ذکرِ حق
دیندار ایسے پھر نہ ہوئے زیرِ نُہ طبق
کس آفتِ عظیم میں ثابت قدم رہے
نہ فکر کچھ عیال کی نہ مرگ کا قلق
حقا کہ سب صحیفۂ ایماں کے تھے ورق
آقا کا دم بھرا کیے جب تک کہ دم رہے

اللہ نے دل ان کے وفا سے بنائے تھے
سینے خمیرِ صدق و صفا سے بنائے تھے
اور لکھ دیا تھا روزِ ازل سرنوشت میں
اور جسمِ پاک خاکِ شفا سے بنائے تھے
دستِ کرم سخا و عطا سے بنائے تھے
پہونچیں گے یہ حسینؑ سے پہلے بہشت میں

یاں تھیں صفیں نمازِ جماعت کی اور اُدھر
شکلِ ہلال چڑھتی تھیں تلواریں چرخ پر
غل تھا کہ آج خون کا دریا بہائیں گے
باندھی تھی فوجِ کیں نے صف آرائی پر کمر
نیزے بھی تیز ہوتے تھے اور خنجر و تبر
پیاسے نمازیوں کے گلے کاٹے جائیں گے

نیزوں کی نوکیں آج ہیں اور آلِ مصطفا
تلواروں سے کریں گے قلم باغِ مرتضا
تیروں سے چھان ڈالیں گے سینہ حسینؑ کا
خنجر ہے اور سیّدِ لب تشنہ کا گلا
مٹّی تلک نہ دیں گے تنِ پاش پاش کو
گھوڑوں سے روند ڈالیں گے سیّد کی لاش کو

یہ ذکر تھا کہ شاہ نے پھیرا اُدھر سلام
وہ آخری نمازِ جماعت ہوئی تمام
تسبیحِ فاطمہؑ کو ابھی پڑھتے تھے امام
بڑھ بڑھ کے جو لگانے لگے تیر اہلِ شام
اُٹھّے نہ شہ یہ محو تھے یادِ الٰہ میں
یاں تک کہ آئے تیر کئی خیمہ گاہ میں

گرمی کے دن تھے صحن میں تھے اہلِ بیت سب
دیکھے جو تیر آتے تو حالت ہوئی عجب
چلائیں بی بیاں کہ کدھر جائیں ہے غضب
چھپنے کو کوئی امن کا گوشہ نہیں ہے اب
گھبرا کے ننھّے بچوں کو سب نے اُٹھا لیا
اصغر کو ماں نے چھاتی کے نیچے چھپا لیا

بچوں کو لے کے چھپنے لگے سب ادھر اُدھر
چہروں کے رنگ اُڑ گئے تھرّا گئے جگر
گھبرا کے آئیں ڈیوڑھی پہ زینبؑ برہنہ سر
چلّاتی تھیں کوئی مرے بھائی کی لو خبر
شاید مسافروں پہ ستم بے سبب ہوا
کس پر چلے یہ تیر ارے کیا غضب ہوا

لوگو خبر تو لاؤ کدھر ہیں شہِ حجاز
دیکھو تو پڑھ چکے کہ نہیں پڑھ چکے نماز
ان تیروں سے بچائے اُنھیں ربِّ بے نیاز
اللہ مثلِ خضر کرے عمر کو دراز
جیتے رہیں وہ میری قضا کا بہانہ ہو
بھائی کے بدلے سینۂ زینبؑ نشانہ ہو

جا کے کہے کوئی کہ سکینہ ہے بے قرار
اور چونک پڑتا ہے علی اصغر بھی بار بار
آتے ہیں تیر لشکرِ اعدا سے بے شمار
گھر میں وظیفہ آ کے پڑھو تم پہ میں نثار
آئے نہ گر تو دھیان نہ پردے کا لاؤں گی
خیمے سے میں نکل کے سپر ہونے آؤں گی

یاں اہلِ بیت میں یہ تلاطم تھا اور وہاں
مصروفِ ذکرِ حق تھے شہنشاہِ دوجہاں
اُٹھ کر صفِ نماز سے عبّاسؑ نوجواں
بس جا کھڑے ہوئے عقبِ شاہِ انس و جاں
بھائی بھی تھے پناہ شہِ بحر و بر بھی تھے
تلوار بھی حسینؑ کی تھے اور سپر بھی تھے

مُڑ کر اشارہ شاہ نے عباسؑ سے کیا
دستِ ادب کو جوڑ کے اُس شیر نے کہا
خیمہ میں تہلکہ ہی حرم غل مچاتے ہیں
عباس سے یہ سُن کے اُٹھے قبلۂ اُمم
رونق فزا ہوئے طرفِ خیمۂ حرم
سب سے کہا کہ بہنوں سے رخصت کو جاتے ہیں
داخل ہوئے حرم میں جو حضرت بچشمِ تر
رو کر کہا سکینہ نے تم نے نہ لی خبر
لے جاکے ہم کو کون سی جاگہ چھپاؤ گے
سینے میں مارے ڈر کے دھڑکتا ہی دل مرا
بیٹی سے رو کے کہنے لگے شاہِ کربلا
دشمن تمہارے باپ کے سب اہلِ شام ہیں
چھاتی سے تب لپٹ کے یہ بولی وہ دلربا
اب پھر چلو وطن کی طرف تم پہ میں فدا
مظلوم ہیں غریب ہیں اور دردمند ہیں
شبّیر وعدہ گاہ سے کس سمت پھر کے جائے
عاشق وہ ہی جو راہِ الٰہی میں گھر لٹائے
خواہانِ مرگ زیست کی کیا آرزو کرے
یہ سُن کے اہلِ بیت میں محشر ہوا بپا
زینبؓ پکاری پیٹ کے سر وا محمدا
فرزندِ فاطمہؓ کی بلاؤں کو رد کرو

پیچھے کھڑے ہو کس لیئے کیوں کیا ہی ماجرا
ہی خیر بہت حضور کریں طاعتِ خدا
پیاسوں پہ تیر لشکرِ اعدا سے آتے ہیں
تسبیح جانماز پہ رکھ دی بچشمِ نم
ڈیوڑھی تک آئے ساتھ رفیقانِ ذی حشم
باندھو کمر جہاد پہ تم ہم بھی آتے ہیں
زینب نے لیں بلائیں برادر کی دوڑ کر
تیروں سے یاں خدا نے بچایا ہمیں پدر
قربان ہو گئی کہیں اب تو نہ جاؤ گے
یہ کس خطا پہ تیر لگاتے ہیں اشقیا
بی بی ہیں نے قصور ہوں آگاہ ہی خدا
قربان ہو پدر یہ اجل کے پیام ہیں
میں صدقے جاؤں مجھ کو تمہاری لگے بلا
شہ نے کہا کہیں نہیں امن و اماں کی جا
پانی بھی ہم پہ بند ہی رستے بھی بند ہیں
دیکھیں گے صبر و شکر سے جو کچھ خدا دکھائے
کٹ جائے تن سے سر یہ نہ وعدہ میں فرق آئے
نانا کے مُنہ سے مجھ کو خدا سُرخرو کرے
بانو کے سر سے گرنے لگی خاک پر رِدا
دُنیا سے آج کوچ ہی بھائی حسینؑ کا
زینبؓ تباہ ہوتی ہی نانا مدد کرو

یہ کہہ کے سر پٹکنے لگی وہ اسیرِ غم — چھاتی سے سر لگا کے یہ بولے شہِ امم
پیٹو نہ سر تمھیں سرِ شبیرؑ کی قسم — یہ کیا غضب ہے جیتے ہیں زینب ابھی تو ہم
لاشے پہ میرے آہ و بکا کرکے رویئو — مر جائے جب حسین تو جی بھر کے رویئو

مر جاؤ گی جو بھائی سے پہلے پٹک کے سر — لیگا بتاؤ کون یتیموں کی پھر خبر
چھاتی پہ ہاتھ مار کے بولی وہ نوحہ گر — مجھ کو نہ موت آئے گی یا شاہِ بحر و بر
ہر اک عزیز گنجِ شہیداں میں سوئے گا — بھیّا کوئی جنازے پہ میرے نہ روئے گا

زندہ رہوں گی آپ کے بعد اے شہِ زمن — کیا بازوؤں میں کس کے بندھے گی مرے رسن
یہی کہیں گی بی بیاں جاؤں گی جب وطن — بھائی تو قتل ہو گیا جیتی رہی بہن
بھائی کو کھو کے آئی ہے اجڑے مکان میں — ایسا نہ سخت جاں کوئی ہوگا جہان میں

طفلی میں ماں کے واسطے روئی بچھا کے صف — پیٹی پسِ جنازۂ شاہنشہِ نجف
زہرِ ستم سے ایک برادر ہوا تلف — تیروں سے ایک بھائی کا سینہ ہوا ہدف
دشتِ بلا سے شام تلک ننگے سر گئی — کیا کیا جوان مر گئے اور یہ نہ مر گئی

شہ نے کہا کہ اس میں بہن اختیار کیا — جو مصلحت کریم کی جو مرضیِ خدا
بھائی بہن کے سامنے مرتے نہیں ہیں کیا — ہو جاتے ہیں جوان پسر باپ سے جدا
ہم کب گئے جہاں سے نبی و علی کے ساتھ — دنیا میں کون مرتا ہے بی بی کسی کے ساتھ

توڑا ہماری گود میں بھائی حسنؑ نے دم — مرنا کچھ اُن کا باپ کے مرنے سے تھا نہ کم
اُن کی مفارقت کا ہمیں آج تک ہے غم — ہوتا جو اختیار، تو کیا مر نہ جاتے ہم
تڑپے بہت لحد پہ گریبان پھاڑ کے — آخر پھر آئے اُن کو بقیعہ میں گاڑ کے

فرما کے یہ امام پہننے لگے لباس — پٹکے کے ساتھ پھرتی تھی زینب بھی آس پاس
تھے اہلِ بیت مضطر و حیران و بے حواس — لب خشک رنگ زرد دلوں پر ہجومِ یاس
شہ دیکھتے تھے اُن کو جو غم کی نگاہ سے — بچے بلک بلک کے لپٹتے تھے شاہ سے

صف باندھے بھائی بند کھڑے تھے جھکائے سر
کوئی تو رشکِ مہر کوئی غیرتِ قمر
تن پر سجے سلاح، کسے جنگ پر کمر
گیسوئے پیچدار لٹکتے تھے دوش پر
منہ پھیر کر جو وہ میداں کو تکتے تھے
جن کے پسر تھے اُن کے کلیجے دھڑکتے تھے

اکبر کی شان دیکھ کے بانوے نامدار
خوش ہوتی تھی کبھی کبھی روتی تھی زار زار
لیکر بلائیں دور سے کہتی تھی بار بار
صدقے میں تیرے اور تری شان کے نثار
شان آخری شباب کی ماں کو دکھاتے ہو
دولہ بنے جوانی میں مرنے کو جاتے ہو

سب سے جدا تھی شوکتِ عباسؑ نوجواں
قبضہ میں تیغ بر میں زرہ دوش پر کماں
حمزہؑ کا رعب شوکتِ جعفرؑ علی کی شاں
رہ رہ کے دیکھتے تھے شہنشاہِ دوجہاں
شان و شکوہ ختم تھی اُس خوش نہاد پر
گویا کمر علیؑ نے کسی تھی جہاد پر

زینب سے رو کے کہنے لگے سرورِ زمن
لاؤ تبرکات کا صندوق اے بہن
قاسم کو تم پنھاؤ قبائے تنِ حسنؑ
اکبر کو دو عمامۂ محبوبِ ذوالمنن
ہم کو علیؑ کی تیغِ دودم لاکے دو بہن
عباسِؑ نامور کو علم لاکے دو بہن

اِس منصبِ بزرگ کا مختار ہے یہی
جعفر کے مرتبہ کا سزاوار ہے یہی
آلِ نبی کا مونس و غمخوار ہے یہی
روزِ ازل سے میرا علمدار ہے یہی
بھائی بھی ہے جری بھی ہے اہلِ وفا بھی ہے
حکمِ علی بھی ہے یہی حکمِ خدا بھی ہے

منہ ماں کا دیکھنے لگے زینبؑ کے گلعذار
یعنی کہ ہم ہیں جعفر و حیدر کے ورثہ دار
ماں نے کیا اشارہ کہ اس عزم کے نثار
حکمِ امام دیں ہیں مجھے کیا ہے اختیار
چپکے کھڑے رہو نہیں جا گہ کلام کی
واجب ہر امر میں ہے اطاعت امام کی

قابل علم اُٹھانے کے کب ہیں تمہارے سن
دو روز سے ضعیف ہو آب و طعام بن
ظاہر ہے تم پہ رتبۂ سلطانِ انس و جن
صدقے گئی، نہ پاؤ گے پھر اس طرح کا سن
جعفر کے ورثہ داروں میں تم لاکلام ہو
پر کیا شرف یہ کم ہے کہ شہ کے غلام ہو

ہیں آپ کہتی بھائی سے ہوتا جو کوئی اور
ہی تین دن سے بھائی پہ ظلم وجفا و جور
بچے ہو تم کو فکر ہی نام و نشان کی

سمجھا کے دونوں بیٹوں کو اپنے بچشم نم
قبضہ کو اُس کے شاہ نے چوما بدرد و غم
پنجہ کی تا بہ چرخ چہارم ضیا گئی

عباس کو امام نے آگے کیا طلب
بھائی سے رو کے کہنے لگے شاہِ تشنہ لب
یہ مرتبہ کسی کو مقدّر نے کم دیا

کی عرض اُس جری نے قدم پہ جھکا کے سر
مشہور ہوں غلامِ شہنشاہِ بحر و بر
ذرہ پہ کی یہ مہر کہ خورشید کر دیا

کس مُنہ سے شکرِ بندہ نوازی کروں ادا
سب بادشاہ اس درِ دولت کے ہیں گدا
طوبیٰ سے اس نشان کا سایہ بلند ہی

فرطِ خوشی سے سر کو اُٹھا کر وہ ذی وقار
زینبؑ بلائیں لیکے یہ بولی کہ میں نثار
ایذا ہو دھوپ سے نہ شہِ خوش خصال کو

گھر میں سلامت آئیں گے جب سرورِ امم
ہاتھوں کو جوڑتی ہی یہ بھینا اسیرِ غم
تم سے بڑی اُمید ہی زہرا کی جائی کو

عباس کوئی اور ہی پیارو کرو تو غور
شاید انھیں سے صلح کا بن جائے کوئی طور
مجھ کو پڑی ہی سبطِ پیمبرؐ کے جان کی

لے آئیں ذو الفقار ید اللہ اور علم
شانِ علم کو دیکھ کے روئے شہِ اُمم
بوئے علی علم کے پھریرے سے آگئی

نہوڑائے سر حضور میں آئے بصد ادب
اس عہدۂ جلیل کی تھے آرزو میں سب
لو ہم نے اپنی فوج کا تم کو علم دیا

بندہ پہ بچپنے سے عنایت کی ہی نظر
ہیں اور حاملِ علمِ سیدالبشر
دامن کو میرے دولتِ ایماں سے بھر دیا

مدِ نظر رہی ہی مری پرورش صدا
ای افتخارِ خلق دو عالم کے مقتدا
اس وقت عرش سے مرا پایہ بلند ہی

ہمشیر کے قدم پہ گرا باصد افتخار
بھیا خدا کے واسطے بھائی سے ہوشیار
رکھیو علم کے سایہ میں زہرا کے لال کو

تب دونگی تم کو تہنیتِ عہدۂ علم
کیجیو صلاحِ صلح کہ لشکر ادھر ہی کم
بھیا تمھیں سے لیگی بہن اپنے بھائی کو

عباس بولے بھائی نہیں ہیں تو ہوں غلام
بھر جائے دشمنوں سے جو روئے زمیں تمام
بچے فدا ہیں جان فدا گھر نثار ہے
اتنے میں پاس آکے سکینہ نے یہ کہا
عہدہ علم کا تم کو مبارک ہوا چچا
میداں کا رُخ کروگے کہ دریا پہ جاؤگے
بن پانی اینٹھی جاتی ہے اب تو مری زباں
مرجاؤں گی اگر تو نہ مجھے پاؤگے کہاں
سوئے فرات جاتے ہو شاہِ امم کے ساتھ
عباس نے کہا کہ مجھے خود ہے آرزو
سقّا تمھارا ہوں تو بڑھے اور آبرو
مشکیزہ خالی نہر سے لیکر نہ آؤں گا
ناگہ سُنا جو زوجۂ عباسؑ نے یہ حال
ہمراہ لیکے بیٹے کو اپنے وہ خوش خصال
پہلے تو بڑھ کے شاہِ اُمم کی بلائیں لیں
جھک کر قدم پہ شہ کے یہ بولی وہ خوش سیر
رکھتی نہیں کچھ اور میں یا شاہِ بحر و بر
قایم رکھے کریم محمد کی آل کو
خالق سے صبح و شام یہی ہے مری دعا
ہوں رانڈ ہم سی لاکھ کنیزیں اگر تو کیا
دعویٰ برابری کا نہیں گو عزیز ہوں

سُن لیجیے گا جنگ میں جو کچھ کرونگا نام
کیا مُنہ کوئی جو دیکھ سکے جانبِ امام
ہر موئے تن پہ شہ کے مرا سر نثار ہے
چہرے کی لوں بلائیں میں صدقے جھکو ذرا
میں نے دعائیں کی ہیں کہو مجھ کو دوگے کیا
کیا اب بھی تم نہ پیاس ہماری بجھاؤگے
ہونٹوں پہ دم ہے ہوں کوئی ساعت کی میہماں
صدقہ علم کا آج بچا لو ہماری جاں
چھوٹی سی ایک مشک بھی لے لو علم کے ساتھ
عزت ہوئی ملا علمِ شاہِ نیک خو
جب تک ہے دم کرونگا میں پانی کی جستجو
پانی نہ یاں ملے گا تو کوثر پہ جاؤنگا
مارے خوشی کے ہوگیا چہرہ کا رنگ لال
آئی حضورِ سرورِ ذی قدر و ذی کمال
پھر دونوں ہاتھ اٹھا کے علم کی بلائیں لیں
کونین میں کیا مرے والی کو نامور
آقا کنیز نذر کو لائی ہے یہ پسر
بچوں پہ صدقے کیجیے اِس نونہال کو
وارث مرا حضور کے قدموں پہ ہو فدا
بانوئے دو جہاں کو سہاگن رکھے خدا
یہ آپ کے غلام ہیں اُن کی کنیز ہوں

بولے پسر سے جھک کے یہ عباسِ نیک نام
تم بھی تو کچھ حضور میں بیٹا کرو کلام
ننھے سے ہاتھ جوڑ کے بولا وہ لالہ فام
لے چلیئے ہم کو ہم علی اصغرؑ کے ہیں غلام
چھوٹی سی ایک تیغ منگا دیجیے مجھے
پہلے سبھوں سے رن کی رضا دیجیے مجھے

حضرت کے آگے فوجِ ستم سے کریں جنگ
مردوں کا بیٹھنا ہے بڑا عورتوں میں ننگ
پیریں گے خوں میں بحرِ شجاعت کے ہیں نہنگ
ہم کو بھی آج لاکھوں سے لڑنے کی ہے اُمنگ
رشتہ تو رکھتے ہیں شہِ خیبر شکن سے ہم
بندھوائیں ہاتھ جان بچا کر رسن سے ہم

بولے گلے لگا کے اُسے شاہِ نامدار
کس نے تجھے سکھائیں یہ باتیں چچا نثار
آئی صدائے حضرت زہرا یہ ایک بار
ہوتا ہے لال اہلِ وفا کا وفا شعار
بچپن میں کس طرح نہ وہ بچہ دلیر ہو
دادا بھی جس کا شیر ہو بابا بھی شیر ہو

اتنے میں طبلِ جنگ کی آنے لگی صدا
رخصت حرم سے ہو کے چلے شاہِ کربلا
نکلے علم لیئے ہوئے عباسِ باوفا
تسلیم ساری فوج نے کی باندھ کر پرا
غل تھا کہ ہوں گے حشر میں اُس کی پناہ میں
یہ حیدری نشاں ہے حسینی سپاہ میں

تھا زینتِ سپاہِ پیمبرؐ یہی علم
حمزہ جہاد کرتے تھے لیکر یہی علم
ہے افتخارِ حضرتِ جعفر یہی علم
خود دوش پر اُٹھاتے تھے حیدر یہی علم
صدقے سے شہ کے ہم کو یہ عزت نصیب ہو
سایہ میں اس علم کے شہادت نصیب ہو

صلِ علیٰ زہے علم و حاملِ علم
ذرہ سے آفتابِ فلک ہے نظر میں کم
آتی ہے بوئے خلد پھریرے سے دم بدم
یہ شان یہ شکوہ یہ اقبال یہ حشم
ایسا علم ہو دوش پہ ایسے جوان کے
عباسؑ کے نثار تصدق نشان کے

نکلے حرم سرا سے امامِ فلک جناب
برجِ شرف سے جیسے نمایاں ہو آفتاب
گھوڑے پہ جلوہ گر ہوا فرزندِ بوتراب
در پر بلکتی رہ گئی زینبؑ جگر کباب
آنکھوں کے سامنے سے سواری نکل گئی
گویا چمن سے بادِ بہاری نکل گئی

یاں تھے کسی جگہ پہ پیادے کہیں سوار
خادم کسی مقام پہ باندھے ہوئے قطار
یک سو پرا جمائے رفیقانِ گلعذار
پھولے ہوئے چمن پہ خزاں آئی ایک بار
خالی بہادروں سے جلو خانہ ہو گیا
ڈیوڑھی اُداس ہو گئی ویرانہ ہو گیا

شبدیزِ طبع کا یہ اشارہ ہے اب کہاں
مولا کا کچھ جلوسِ سواری کروں بیاں
کیجے شمار گر تو اکائی ہیں سب جواں
ایک ایک جن میں فخرِ عرب زینتِ جہاں
چہروں کی روشنی سے خجل شمعِ طور ہے
لشکر نہیں حسینؑ کا دریائے نور ہے

جاتی تھی یوں سواریِ سلطانِ بحر و بر
انجم کی فوج لیکے چلے جس طرح قمر
کھولے علم کو حضرتِ عباسِ نامور
گھوڑوں پہ قاسم و علی اکبرؑ ادھر اُدھر
مرکب پہ بیچ میں خلفِ بوتراب ہے
دو چودھویں کے چاند ہیں اک آفتاب ہے

آہن میں مثل جوہرِ شمشیر سب ہیں غرق
شملے ہیں زیبِ دوش عمامے ہیں زیبِ فرق
نعرے جو مثل رعد تو گھوڑے مثالِ برق
جن کے قدم تلے ہے سدا سیرِ غرب و شرق
آہو کا اُن کی چال سے کیا زور چل سکے
جن سے سمندِ وہم نہ آگے نکل سکے

اک اک دلیر شیرِ نیستانِ کارزار
رستم کی روح خوف سے جن کے کرے فرار
دیندار سرفروش نودار نامدار
رانوں میں کوندتے ہوئے بجلی سے راہوار
للکاریں جو فوج کو نیزے سنبھال کے
بھاگیں عدو زمیں پہ ہتھیار ڈال کے

آگے پکارتے ہوئے جاتے تھے یوں نقیب
ہاں غازیو حسینؑ محمدؐ کا ہے حبیب
فدیہ ہو فاطمہؓ کے پسر کے زہے نصیب
جنت بھی اب قریب ہے مقتل بھی اب قریب
آداب و قاعدے سے دلیرو بڑھے چلو
تلواریں تولتے ہوئے شیرو بڑھے چلو

تھا کس شکوہ و شان سے وہ لشکرِ خدا
آگے پرا جمائے رفیقانِ باوفا
باندھے سلاح ادب سے ادھر خویش و اقربا
پیچھے تمام فوج کئے وہ گُل کا پیشوا
حلقے میں تھے امام کو قدسی لیئے ہوئے
تھے جبرئیل فرق پہ سایہ کیئے ہوئے

تھا زیبِ سر عمامۂ محبوبِ کبریا
پہنے قمیص حضرتِ یوسف تہِ قبا
داؤد کی زرہ شہِ والا کے بر میں تھی
بالائے دوش حضرتِ حمزہؓ کی تھی سپر
چار آئنہ پہ جا کے ٹھہرتی نہ تھی نظر
چہرہ عرق سے تر تھا جو سبطِ رسولؐ کا
پھیلا ہوا تھا دشت میں شاہِ زمن کا نور
اک چہرۂ حسین میں تھا پنجتن کا نور
گردوں پہ کس طرح مہ و اختر نہ ماند ہوں
پہونچے نہ تھے امام ابھی تا بہ قتل گاہ
قایم رہے شکوہِ شہنشاہِ دیں پناہ
ناوک فگن کہیں ہیں کہیں نیزہ دار ہیں
ذرّوں کی طرح فوج کا ممکن نہیں شمار
اُن سے اُدھر کو برچھیوں والوں کی ہے قطار
پانی سپاہِ شام سے پانا محال ہے
اس دم فسادِ لشکرِ اعدا میں ہے مگر
سردارِ فوج جمع ہیں باندھے ہوئے کمر
اک نوجوان ہے میں جسے پہچانتا نہیں
سردار ہے ہزار سواروں کا وہ دلیر
بگڑا ہوا کھڑا ہے الگ وہ بسانِ شیر
آہوں کے ساتھ آنکھوں میں آنسو بھر آتے تھے

مہتاب سے سفید تھی کاندھے پہ اک عبا
باندھے ہوئے کمر میں کمر بندِ مرتضیٰ
اور ذوالفقارِ حیدرِ صفدر کمر میں تھی
ہو جس طرح سے ابر کا ٹکڑا پسِ قمر
تھے دو غلامِ خاص مگس راں اِدھر اُدھر
رومال ہاتھ میں تھا جنابِ بتولؑ کا
حیدر کا فاطمہ کا نبی کا حسنؑ کا نور
چہرے کی ضو جبیں کی ضیا اور بدن کا نور
اک چاند کے شریک جہاں چار چاند ہوں
جاسوس نے یہ آ کے خبر دی میانِ راہ
آمادۂ نبرد ہے سب شام کی سپاہ
میداں سے تا بہ نہر ہزاروں سوار ہیں
اس گھاٹ پر فقط ہیں کماندار دس ہزار
نیزے ہلا رہے ہیں سوارانِ ہرزہ کار
دریا تلک نگاہ کا جانا محال ہے
مولا کمال فکر میں ہے شمرِ خیرہ سر
تاکیدِ جنگ کرتا ہے ایک ایک کو عمر
سب مانتے ہیں پر وہ جری مانتا نہیں
زور آورانِ فوج ہیں سب اُس کے ڈر سے زیر
ہر بار دیکھتا ہے اِدھر منہ کو پھیر پھیر
مانندِ بید عضوِ بدن تھرتھراتے تھے

کیا کیا خطا شعاروں کو اُس نے دیا جواب
تلواریں کھچ گئی ہیں اِدھر اے فلک جناب
جو ہے اُسے کسی کو یہ پاسِ ادب نہیں
سُنتا تھا میں کہ یہ عمرِ سعد نے کہا
شہرہ عرب میں تیری شجاعت کا ہے بڑا
ہم سبز ہونے دے تو نہ محمدؐ کے باغ کو
قبضے پہ ہاتھ رکھ کے یہ بولا وہ نیک نام
سیدؑ عیال ملول غریب الوطن کا امام
واجب ہے احترام محمدؐ کی آل کا
پیاسے سے تشنہ کام سے بے پر سے میں لڑوں
کافر نہیں جو دین کے رہبر سے میں لڑوں
اُمت کو چاہیئے مدد آلِ رسولؐ کی
فرمایا شہ نے اُس کو خدا دے جزائے خیر
روئیں گے اُس جری کو جن وانس وحش و طیر
اعدا میں تو ہماری محبت کی بو نہیں
یہ کہہ کے قتل گاہ میں آئے امام دیں
غرقِ سلاحِ حرب جوانانِ مہ جبیں
تلواریں تول تول کے اعدا کو تکتے تھے
عباس آگے فوج کے کھولے ہوئے علم
پیدا تھی شانِ شبیرِ خدا سر سے تا قدم
دریا کو تکنے لگتے تھے بھائی کو دیکھ کر

ہے یہ یقین کہ اُس سے نہ چھوٹے رہِ ثواب
یاں کی بُرائی سننے کی اُس کو نہیں ہے تاب
آپس میں جنگ ہو تو کچھ اس کا عجب نہیں
آتا ہے بہرِ جنگ محمدؐ کا لاڈلا
جا پہلے لڑ حسینؑ سے تو سوچتا ہے کیا
جلدی بُجھا مزارِ علی کے چراغ کو
مظلوم کو ستاؤں یہ میرا نہیں ہے کام
فاقے سے تین روز کے دو دن سے تشنہ کام
ہے کیا قصور فاطمہ زہرا کے لال کا
مختارِ کارخانۂ داور سے میں لڑوں
کھینچوں علی پہ تیغ پیمبر سے میں لڑوں
پاؤں گا کیا اُجاڑ کے کھیتی بتولؑ کی
بیٹوں سے ہے عزیز مجھے گو کہ ہے وہ غیر
لکھی ہے اُس کے بخت میں باغِ ارم کی سیر
وہ ہے تو حُرؑ ہے اور کی یہ گفتگو نہیں
کوسوں فروغِ حُسن سے روشن ہوئی زمیں
نعروں سے غازیوں کے لرزتی تھی فوجِ کیں
شملے چھُٹے تھے دوش پہ گیسو لٹکتے تھے
آنکھوں کو مل رہے تھے پھریرے سے دم بدم
حمزہؓ کا رعب جعفرِ طیار کا حشم
بڑھتے تھے مثلِ شیر ترائی کو دیکھ کر

آمادہ نبرد تھی دونوں طرف کی فوج ۔۔۔ نرغے میں نے لے قرار تھا شاہِ زناں کا زوج
لہراتا تھا ہوا سے پھریرا جو مثلِ موج ۔۔۔ تھا تا بہ چرخ رایتِ فوجِ خدا کا اوج
کثرت پہ اپنی فوج عدو کو غرور تھا ۔۔۔ ظلمت اُدھر تھی کفر کی یاں حق کا نور تھا

چلایا ابنِ سعدِ جفا پیشۂ و شریر ۔۔۔ ہاں ابنِ فاطمہ پہ چلیں ہر طرف سے تیر
کھینچے ہوئے کمانیں بڑھا لشکرِ کثیر ۔۔۔ بولا یہ حُر کہ قہرِ خدا سے ڈرو اے امیر
خوں کس کا ہوگا تیر یہ کس کو لگائے گا ۔۔۔ کیا سینۂ نبی کو نشانہ بنائے گا

اس نے کہا کہ ہاں یہی ہوئے گا لا کلام ۔۔۔ ہم سے تجھے علاقہ ہے یا دشمنوں سے کام
حُر نے کہا کہ او ستم آرا زباں کو تھام ۔۔۔ سبطِ رسولؐ ہے مرا محسن مرا امام
تو دشمنِ نبی ہے ترا کیا شریک ہوں ۔۔۔ جن کی طرف خدا ہے انھیں کا شریک ہوں

بولا عمر یزید سے کرتا ہے انحراف ۔۔۔ پکڑی تھی باگ واں بھی نہ ہوگی خطا معاف
اُس نے کہا یہ باتیں ہیں سب عقل کے خلاف ۔۔۔ واللہ حسین کا دل آئینہ سے صاف
ایسے نہیں کہ دوست کو اپنے خجل کریں ۔۔۔ تو بھی اگر چلے تو خطائیں بحل کریں

اُس نے کہا خلافِ شجاعت ہے یہ کلام ۔۔۔ تجھ کو بُرا کہیں گے شجاعانِ روم و شام
حُر نے کہا رہے گا ابد تک ہمارا نام ۔۔۔ عاقل ہیں جتنے مدح کریں گے مری مدام
اس کثرتِ سپاہ پہ تو ڈر سے زرد ہے ۔۔۔ تھوڑوں کا جو شریک ہو جا کر وہ مرد ہے

مجھ کو بُرا کہے تو کہے حاکمِ جہول ۔۔۔ مرنا قبول آگ میں جلنا نہیں قبول
اب سر مرا ہے اور قدم نائبِ رسولؐ ۔۔۔ نے دیں کی نے یقیں کی طاعت سے کیا حصول
نہ مال سے غرض ہے نہ اب زر سے کام ہے ۔۔۔ خوشنودیِ خدا و پیمبر سے کام ہے

دوزخ سے میں تو جاتا ہوں لے جانبِ امام ۔۔۔ روکے تو مجھ کو آ کے ترا لشکرِ ستم
چھیڑا فرس کو کہہ کے جو یا سیّدِ امم ۔۔۔ طاؤس کی طرح سے اُڑا اسپِ خوش قدم
ہاں ہاں کیا کیئے پہ وہ سن سے نکل گیا ۔۔۔ آئی صدا کہ چاند گہن سے نکل گیا

جب آدھی راہ کر چکا حُرِّ نامور
میں دستگیرِ خلق کا مجرم ہوں اے پسر
دستِ خدا پدر ہے شہِ کائنات کا
رو کر کہا پسر نے ابھی سے یہ کیا ضرور
آقا نہ تم سے دور رہیں نہ تم ہو ان سے دور
چل کر امامِ پاک کے دامن کو تھام لو
اُس نے کہا پسر سے کہ خیر اے نکو شعار
باندھے پسر نے دستِ پدر ہو کے بے قرار
میزانِ مغفرت میں گناہوں کو تول دو
واں سے چلا غلام اُدھر سے بڑھے امام
گھوڑے سے کود کر یہ پکارا وہ نیک نام
محجوب ہوں بہت شہِ والا صفات سے
پھیلا کے ہاتھ کہنے لگے شاہِ دیں پناہ
ہے تو تو دوست ہم تو ہیں دشمن کے خیر خواہ
تجھ کو نہ بخش دیں یہ رحیمی سے دور ہے
احسان مند بلکہ ہوں تیرا میں تشنہ لب
سوتی تھی تیری فوج کیا میں نے کوچ جب
جنگل میں رات پھرتے ہی پھرتے بسر ہوئی
یہ کہہ کے ہاتھ کھول دیئے اُس کے شاہ نے
پونچھا غبار چہرے کا شیرِ الٰہ نے
حُر کے قدم کی آ کے ملک خاک لے گئے

بیٹے سے تھم کے کہنے لگا وہ نکو سیر
تو کاٹ ڈال ہاتھ مرے تیغ کھینچ کر
ہاتھ آئے گا اسی میں وسیلہ نجات کا
پہلے چلو تو ابنِ یداللہ کے حضور
تب کاٹیو یہ ہاتھ نہ بخشیں گے جب قصور
فردوس ہاتھ آئے وہ ہاتھوں سے کام لو
رومال سے تو باندھ دے دستِ گنہگار
ہاتف نے دی صدا کہ ہوا اب یہ رستگار
باندھے ہیں اُس نے ہاتھ درِ خلد کھول دو
دیکھا جو حُر نے آتے ہیں شاہِ فلک مقام
صدقے ترے کرم کے میں اے قبلۂ انام
بندے کے ہاتھ قطع کرو اپنے ہات سے
لگ جا گلے سے روکی تو کی ہماری راہ
تیری نہ کچھ خطا ہے نہ ہاتھوں کا ہے گناہ
روکا تھا ہم کو موت نے تو نے قصور ہے
پھر جانے کی صلاح مجھے دی تھی وقتِ شب
لیکن مسافروں پہ تباہی پڑی عجب
مرنا تھا جس جگہ وہیں آ کر سحر ہوئی
لپٹا لیا گلے سے رسالت پناہ نے
ذرہ کو مہر کر دیا زہرا کے ماہ نے
مہماں کو اپنے پنجتنِ پاک لے گئے

جب سب سے مل چکا تو یہ حُر نے کیا کلام
رو کر یہ اُس سے کہنے لگے شاہِ تشنہ کام

ہم پہلے داغِ خویش و برادر کے دیکھ لیں
حُر نے کہا بہشت میں ہے آپ کا تو گھر

خادم کو اب نہ روکیئے یا شاہِ بحر و بر
بچھڑے جب ایسا دوست تو کیا دل کو کل پڑے

چڑھنے لگا فرس پہ جو با دیدۂ پُر آب
کی عرض حُر نے تب کہ یہ کیا اے فلک جناب

شیدا ئے جاں نثارِ امامِ انام ہوں
چڑھ کر سمند پر جو چلا وہ بصد حشم

گھبرا یا حُر تو کہنے لگے شاہ باکرم
زہرا ابھی تیرے ساتھ ہیں حیدر بھی ساتھ ہیں

حُر نے کہا کہ ہوتا ہے خادم گناہگار
یہ سُن کے واں سے روتے پھرے شاہِ نامدار

بازارِ حرب گرم جو تھا سرد ہو گیا
دیکھا سیاہ کاروں نے جب ڈیرے حُر کا نور

حُر نے کہا کہ عقل کا تم سب کے ہے قصور
ہے روشنی جو رُخ پہ فزوں مہر و ماہ سے

وہ لُٹ رہا ہے خلد جسے ہو طلب وہ جائے
لے جائے جان بیچ کے جو جس کے ہاتھ آئے

ہے دوست پر حلال عدو پر حرام ہے

اُمید وار حرب کی رخصت کا ہے غلام
اک دم تو گھر میں فاقہ کشوں کے بھی کر مقام

تو ہم کو دیکھ ہم تجھے جی بھر کے دیکھ لیں
ہوگا وہیں مقام کیا یاں سے جب سفر

شہ نے کمر کو ہاتھوں سے تھاما جھکا کے سر
رخصت تو دی پر آنکھوں سے آنسو نکل پڑے

عباسِ نامدار بڑھے تھامنے رکاب
عباس نے کہا تری خدمت تو ہے ثواب

تو جن کا میہماں ہے میں اُن کا غلام ہوں
پیچھے پیادہ روتے چلے سیّدِ امم

مجھ کو مشایعت کو تو چلنے دے دو قدم
تنہا نہیں حسین پیمبر بھی ساتھ ہیں

کیوں کر بڑھوں حضور پیادہ ہیں میں سوار
میداں میں حُر پہونچ گیا چمکا کے رہوار

دہشت سے ابنِ سعد کا مُنہ زرد ہو گیا
غُل پڑ گیا یہ حور ہے یا روشنی طور

حُر ہوں غلام شہ کا فرشتہ ہوں میں نہ حور
خلعت ملا ہے نور کا سرکارِ شاہ سے

ممکن نہیں کہ وقت پھر ایسا جہاں میں پائے
ایسا سخی نہیں جو کسی سے وہ مُنہ پھرائے

سرکارِ ابنِ فاطمہ میں فیضِ عام ہے

بھولے ہو راہِ راست تو رہبر کے پاس جاؤ
دُنیا محل فریب کا ہی دام میں نہ آؤ
دوزخ کی راہ چھوڑ کے گھر خلد میں بناؤ
بھوکے ہو نعمتوں کے تو پھل برچھیوں کے کھاؤ
زہرا کا نورِ عین تمہارا کفیل ہی
پیاسو چلو کہ چشمۂ کوثر سبیل ہی

کعبہ سے منہ پھرا کے نہ ہو ساکن کنشت
لازم ہی عاقلوں کے لیئے ترکِ فعلِ زشت
سرسبزیاں نہ ہوگی کبھی عاقبت کی کشت
دوڑو کہ لُٹ رہے ہیں اُدھر حلۂ بہشت
دینِ نبی میں آؤ نہ کافر کا ساتھ دو
دستِ خدا کے لال کے ہاتھوں میں ہاتھ دو

دیکھو مری طرف میں وہی ہوں جو تھا اُدھر
یوں نور تھا کبھی مرے چہرے پہ جلوہ گر
یہ دبدبہ یہ اوج یہ حشمت یہ کرّوفر
مولا کی اک نگاہ عنایت کا ہی اثر
پڑھتے ہوئے درود ملک ساتھ آئے ہیں
یہ سب شرف حسین کے صدقے سے پائے ہیں

اِس گفتگو سے حُر کی ہوئے اہلِ کیں خجل
کانپے بدن، لرزنے لگے چھاتیوں میں دل
کتنے جواں تو رونے لگے ہو کے منفعل
چلایا شمر آن کے ہر صف کے متصل
ماروا سے کچھ اس کے نہ ہونے کا غم نہیں
دشمن کا ہو جو دوست وہ دشمن سے کم نہیں

یہ سُن کے حُر پہ چلنے لگے تیر بے شمار
نیزہ ہلا ہلا کے صفوں سے بڑھے سوار
تیغیں ہوئیں بلند چلے برچھیوں کے وار
لشکر میں مثلِ شیر در آیا وہ نامدار
پہلے ہی جن کے وار چلے تھے سو چل گئے
دیکھی جو تیغِ حُر کی چمک دم نکل گئے

چہرے چھپائے پشت سے ڈھالوں کو کھل کے
پیچھے ہٹے بڑھے تھے جو تیغوں کو تول کے
بھاگے سوار پھر تو پیادوں کو رول کے
پہونچا وہ شیر بیچ میں اعدا کے غول کے
غل تھا کہ آج خاتمہ لشکر کا ہو گیا
اِک اِک قدم پہ ڈھیر تن و سر کا ہو گیا

ہر دم تھی جنگ میں برشِ تیغِ حُر دوچند
خوں گھٹ گئے تنوں کے بڑھا جس طرف سمند
دستِ اماں کیئے تھے اُدھر کے علم بلند
تھرا رہے تھے برچھیوں والوں کے بند بند
تیغوں کی کچھ خبر تھی نہ ڈھالوں کا ہوش تھا
نیزہ ہر اک سوار کو اِک بارِ دوش تھا

دہشت سے سہم کر قدر انداز مر گئے
رُخ پھر گئے کمانوں کے چلّے اتر گئے
ترکش سے تیر گر کے زمیں پر بکھر گئے
ہرگز ملا نہ گوشۂ راحت جدھر گئے
دانستہ سرکشوں نے جو کارِ خطا کیا
تقدیر نے نشانۂ تیرِ قضا کیا

گھوڑا وہ برق تھا کہ جو راکب سے چلائے
افلاک پر سمندِ نظر کی طرح سے جائے
اُس کے قدم کی گرد کو صرصر کبھی نہ پائے
پیکِ خیال و وہم یہ سرعت کہاں سے لائے
جس غول پر گرا تو اُڑا اس شکوہ سے
پرواز کبک کرتا ہے جس طرح کوہ سے

بجلی سی تیغ شعلہ فشاں چار سو پھری
میداں میں بھاگتی ہوئی فوجِ عدو پھری
دم میں ستم گروں کا بہا کر لہو پھری
سر کاٹ کر جدھر سے پھری سرخرو پھری
یہ اوجِ تیغ قدرتِ حق سے عیاں ہوا
گویا ہلال عید شفق سے عیاں ہوا

غلطاں تھے تن زمیں پہ جدا اور سر جدا
زخمی اُدھر پڑے تھے جدا اور ادھر جدا
گردن جدا تھی سینہ جدا اور سر جدا
شانے سے ہاتھ ہاتھ سے تیغ و سپر جدا
پستی پہ جب چمک کے بلندی سے آتی تھی
گاوِ زمیں زمیں کے تلے تھرتھراتی تھی

روکا سپر پہ جب تو سپر سے نکل گئی
دو کر کے خود کاسۂ سر سے نکل گئی
آئی اُدھر سے گر تو ادھر سے نکل گئی
سینہ کو چاک کر کے کمر سے نکل گئی
ضربت سے چار آئنہ والے بھی دنگ تھے
کہنے کو تھی وہ تیغ پہ بجلی کے ڈنگ تھے

تن سیکڑوں زمیں پہ نئے سر دکھا دیئے
اجزائے جسم خاک پہ ابتر دکھا دیئے
چشمِ غضب نے شیر کے تیور دکھا دیئے
ہاتھوں نے زورِ تیغ نے جوہر دکھا دیئے
یوں جست کی سمند نے لاشوں کو روند کر
بجلی فلک سے گرتی ہے جس طرح کوند کر

دہنی طرف گیا تو رسالے قلم ہوئے
ترکش سے جس نے تیر نکالے قلم ہوئے
آیا ادھر تو برچھیوں والے قلم ہوئے
حملہ کیا پلٹ کے تو بھالے قلم ہوئے
اعدا کے ہوش برقِ اجل نے اُڑا دیئے
ڈھالوں کے پھول تیغ کے پھل نے اُڑا دیئے

یوں تن سے سر گراتی تھی شمشیر آبدار
جیسے رگِ سحاب کبھی ہو تگرگ بار

دو ہو گیا وہ صاف، گیا جس پہ ایک وار
غلطاں لہو میں تھے کہیں پیدل کہیں سوار

ہر صف میں اُس جری کی لڑائی کا شور تھا
ہر غول میں نبیؐ کی دہائی کا شور تھا

چلائے تب حسین کہ بس ای دلیر بس
مقتل میں ہر طرف ہوئے لاشوں کے ڈھیر بس

اعدا دُہائی دیتے ہیں گھوڑوں کو پھیر بس
اُمت ہی یہ نبیؐ کی بس ای میرے شیر بس

شاباش حقِ دوستیِ پنجتن ہی یہ
غربت بھی اب دکھا کہ ہمارا چلن ہی یہ

یہ سُن کے ہاتھ روک لیا اُس جری نے جب
بولا یہ شمر ٹوٹ پڑو اس پہ مل کے سب

یاں غم سے بے قرار ہوئے شاہ تشنہ لب
تیغوں کے وار چلنے لگے حُر پہ ہی غضب

کاری جو زخم تن پہ لگے اُس دلیر کے
تکنے لگا حسینؑ کو منھ پھیر پھیر کے

سینہ سے جبکہ ہو گئی برچھی ستم کی پار
گھوڑے پہ ڈگمگانے لگا حُرِ نامدار

رکھ کر جگر پہ ہاتھ پکارا وہ دل فگار
ای فاطمہ کے لال یہ خادم ہوا نثار

اب شفقتِ امامِ حجازی کا وقت ہی
آقا یہی غلام نوازی کا وقت ہی

جس دم سنی امامِ اُمم نے صدائے حُر
چھاتی پہ ہاتھ مار کے بولے کہ ہائے حُر

رو کر کہا رفیقوں سے دیکھی وفائے حُر
خیمے میں پیٹنے لگی زینبؑ برائے حُر

کھینچی جو شہ نے آہ دلِ بے قرار سے
نکلی تڑپ کے فاطمہ زہرا مزار سے

دوڑے اُدھر سے رن کی طرف سیدِ اُمم
آئے نجف سے حیدرِ صفدر بچشمِ نم

آواز دی نبی نے کہ حُر کو لئے ہیں ہم
اُس وقت پہونچے شاہ کہ وہ توڑتا تھا دم

سر کاٹنے کی فکر میں جو تھے وہ ہٹ گئے
مہماں سے اپنے دوڑ کے حضرت لپٹ گئے

زانو پہ رکھ لیا سرِ حُر اور یہ کہا
بھائی حسین آیا ہی آ ہوش میں ذرا

آنکھیں قدم پہ مل کے یہ بولا وہ باوفا
مولا ہزار جان سے میں آپ پر فدا

جن کے لئے زمیں پہ فلک سر جھکائے ہیں
وہ لوگ خلد سے مرے لینے کو آئے ہیں

زانو پہ سر ہے آپ کے یا شاہِ بحر و بر
محبوبِ کبریا ہیں اِدھر شبیرِ حق اُدھر
یہ کون بی بی ہیں مرے پہلو میں نوحہ گر
شہ نے کہا کہ روتی ہیں اماں برہنہ سر
تو حشر تک امامِ دو عالم کے ساتھ ہے
ماتم ترا حسینؑ کے ماتم کے ساتھ ہے

یہ سنتے سنتے غیر ہوا اُس جری کا حال
زانوئے شاہِ دیں پہ کیا حُر نے انتقال
خیمے کے در پہ لاش کو لایا علی کا لال
سب بی بیوں نے کھول دیئے اپنے سر کے بال
زینب یہ روئی شہ کے فدائی کے واسطے
جیسے بہن تڑپتی ہے بھائی کے واسطے

بس اے انیسؔ مرثیہ ہوتا ہے اب طویل
مصرع ہیں لاجواب تو مضموں ہے عدیل
اس نظم کو قبول کریں سیدِ جلیل
مداح جن کا تو ہے وہی ہیں ترے کفیل
مقبولِ بارگاہِ خدائے قدیر ہیں
شاہانِ خلق سب اُسی در کے فقیر ہیں

رباعی

منہ چاہیئے وصفِ رخِ اکبر کے لیئے
تھا حسن اُسی سروِ سمن کے لیئے
نازک بدنی کی مدح لکھنی ہے مجھے
تارِ رگِ گل چاہیئے مسطر کے لیئے

ایضاً

بالیدہ ہوں وہ اوج مجھے آج ملا
ظلِ علمِ صاحبِ معراج ملا
منبر پہ نشست سر پہ حضرت کا علم
اب چاہیئے کیا تخت ملا تاج ملا

مرثیہ (۴)

کیا فوجِ حسینی کے جوانانِ حسیں تھے
آگاہِ دل و اہلِ وفا اہلِ یقیں تھے
ایک ایک کے مرقد پہ فدا ہوتی ہے زہراؑ
وہ عاشقِ صادق تھے وہ تھے مومنِ کامل
کیا ہوش تھا کیا فہم تھی کیا عقل تھی کیا دل
محرابِ عبادت خمِ شمشیر کو سمجھے
دنیا کی نہ خواہش تھی نہ کچھ فکرِ زر و مال
نہ یادِ وطن تھی نہ اُنھیں الفتِ اطفال
منظور یہ تھا جی سے گزر جائیں گے پہلے
کلمہ کوئی پڑھتا تھا کوئی کہتا تھا تکبیر
تھی پیشِ نظر گلشنِ فردوس کی تعمیر
نہ پیاس کا صدمہ تھا نہ جانوں کی پڑی تھی
مقبولِ خدائے دو جہاں تھے وہ جوانمرد
ایک ایک جری دفترِ کونین میں تھا فرد
ایسے کسی تسبیح کو کب دانے ملے ہیں
مستِ مئے عرفاں تھے سب عاقلِ فی ہوش
دنیا سے بری بارِ علایق سے سبکدوش
ہر دم سرِ تسلیم تھا خم راہِ خدا میں

کیا زاہد و ابرار تھے کیا صاحبِ دیں تھے
غنچہ دہن و مہر لقا ماہ جبیں تھے
عاشور سے بس آج تلک روتی ہے زہراؑ
دی تھی اُنھیں خالق نے تمیزِ حق و باطل
کیا حُسن سے طے کر گئے وہ عشق کی منزل
جادہ وہ مسافر دمِ شمشیر کو سمجھے
تھی دولتِ فقر ان کے لیے حشمت و اجلال
شبّیر کے عاشق تھے زہے بختِ خوشا حال
اس بات پہ مرتے تھے کہ مر جائیں گے پہلے
قاری کوئی قرآں کا کوئی ماہرِ تفسیر
تھا شوق کہ اب حوروں سے ہوویں گے بغلگیر
ایک ایک کی کوثر کی طرف آنکھ لڑی تھی
مر جانے پہ سرگرم تھے اور زیست سے دل سرد
تابندہ تھی خورشید کی صورت رُخِ پُر گرد
کس شمع کو اس طرح کے پروانے ملے ہیں
تھی غیرِ خدا سب کی اُنھیں یاد فراموش
دل یادِ الٰہی میں جو یوں دیکھو تو خاموش
بڑھتے چلے جاتے تھے قدم راہِ خدا میں

وہ صوتِ حسنؑ اور وہ اثر دار دعائیں
وہ چاند سے رُخ اور وہ نورانی عبائیں
وہ اُن کی عباؤں کے تلے تنگ قبائیں
وہ دوش پہ شملے وہ عمامے وہ ردائیں
نہ حور میں یہ حسن نہ انساں نہ پری میں
گویا ملک اُترے تھے لباسِ بشری میں

ہمت سے توانا پہ ریاضت سے بدن زار
مرنے پہ کمر باندھے شہادت کے طلبگار
غربت الم فاقہ کشی زردیِ رُخسار
سوکھے ہوئے ہونٹوں پہ عیاں پیاس کے آثار
تسبیحِ خدائے دو جہاں وِردِ زباں تھی
بیداریِ شب نرگسی آنکھوں سے عیاں تھی

مقبولِ خدا صاحبِ دیں زاہد و ابرار
ایسے نہ پیمبرؐ کو ملے یاور و انصار
برسوں جو رہے چرخ میں یہ گنبدِ دوّار
پیدا نہ ہوں اس طرح کے اصحابِ وفادار
حق ہم سے غلامی کے ادا ہو نہیں سکتے
کٹوائے سر اُن لوگوں نے ہم رو نہیں سکتے

کیا کیا نہ اذیت تھی پہ تھے صابر و شاکر
مولا کی محبت تھی ہر اک بات میں ظاہر
سر دینے پہ موجود فدا ہونے پہ حاضر
اِس بھوک میں ثابت قدم اس پیاس میں صابر
کھائے تبر و تیر یہ غمخواری کا حق تھا
وہ کر گئے غازی جو وفاداری کا حق تھا

مرقوم ہیں قرآں میں رُتبے شہدا کے
نے جاں ہوئے پردیس میں کیا رنج اٹھا کے
وہ چاہنے والے تھے امامِ دوسرا کے
طالب تھا خدا اُن کا وہ طالب تھے خدا کے
دنیا میں یہ تحصیلِ سعادت کا صلا تھا
آقا بھی اُنھیں سبطِ پیمبرؐ سا ملا تھا

حقا کہ عجب فوج تھی فوجِ شہِ ابرار
جن لوگوں کا عباسؑ دلاور سا علمدار
ہم شکلِ پیمبرؐ سا جواں فوج کا سالار
مختار وہ اللہ کے جو گھر کا ہے مختار
ایسا کسی سردار نے لشکر نہیں پایا
لشکر نے بھی اس طرح کا افسر نہیں پایا

چہرے تھے خدا نے یدِ قدرت سے سنوارے
زینت وہ تھے اس چاند کو ایسے ہی ستارے
کس صبر سے آفت میں کئی روز گزارے
شبیرؑ کے شیدا تھے وہ اللہ کے پیارے
بڑھ بڑھ کے گلا رکھتے تھے شمشیرِ دو دم پر
سر کٹ گئے جو گرتے تھے تو آقا کے قدم پر

تلواریں تو تھیں ہاتھوں میں اور کاندھوں پہ ڈھالیں
نیزوں کی ستاروں سے چمکتی تھی بھالیں
یقصد کہ قبضہ پہ عدو ہاتھ تو ڈالیں
ہم بھی ابھی رہواروں کو چمکا کے نکالیں
تلواریں علم کر کے جو لشکر پہ جھکیں گے
نیزوں سے نہ تیروں سے نہ خنجر سے رکیں گے

کہتا تھا کوئی آج کا مرنا ہی سعادت
سر تا بہ قدم خون میں بھرنا ہی سعادت
خنجر کے تلے حلق کو دھرنا ہی سعادت
سر سے رہِ خالق میں گزرنا ہی سعادت
پانی میں وہ لذت نہ وہ کھانے میں مزا ہی
جو آج کے دن حلق کٹانے میں مزا ہی

تھے دہنی طرف جمع عزیزِ شہِ ذی شاں
جن کے رُخِ روشن سے منور تھا وہ میداں
زہرا کے جگربند محمد کے دل و جاں
تلواروں کو تولے ہوئے سب جنگ کے خواہاں
میداں میں عجب ننگ سے مرنے پہ تُلے تھے
حیدر کے مرقع کے ورق رن میں کھلے تھے

اٹھارہ تھے فرزند پیمبر کے یگانے
اک رشتہ میں جس طرح ہوں تسبیح کے دانے
پالا تھا انھیں گود میں شاہِ شہدا نے
عاشور کو ہاتھ ان پہ کیا صاف قضا نے
وہ فاطمہ رضہ کے نخل جو پھولے نہ پھلے تھے
مقتل میں ستمگاروں کی تیغوں کے تلے تھے

کچھ طفل تھے اور تازہ جواں بھیگی کئی خوش رو
خوش ظاہر و خوش باطن و خوش قامت و خوش خو
وہ چاند سے رُخ اور وہ گوندھے ہوئے گیسو
تھی کوسوں تک ان فاطمہ رضہ کے پھولوں کی خوشبو
مرجائیں گے فاقے میں قسم کھائے ہوئے تھے
پانی کا جو تھا قحط تو مرجھائے ہوئے تھے

لڑکے کئی جو پہلے پہل نکلے تھے گھر سے
ہر صف کی طرف تکتے تھے شیروں کی نظر سے
چھوٹے سے لگائے ہوئے ہتھیار کمر سے
کہتے تھے نکلتا نہیں اب کوئی اُدھر سے
یہ دیر ہی کیوں اس سے بھلا فائدہ کیا ہی
میداں میں چمکنے لگیں تیغیں تو مزا ہی

چلنے لگے تلوار کھلیں شیروں کے جوہر
دیکھیں تو بھلا کس نے کسے کر دیا بے سر
میداں سے پھرا کون ہزاروں کو بھگا کر
ہاں دیکھیں تو کس نے تہ و بالا کیا لشکر
رہوار کو چمکا کے ہزاروں پہ گرا کون
فوجِ ستم آرا کے نشاں لیکے گرا کون

ڈولا کہو میں کس نے پسرِ سعد کو مارا
کس نے سرِ شمرِ ستم ایجاد اُتارا
تلوار سے کس نے کیا خولی کو دو پارا
خالی کیا کس شیر نے دریا کا کنارا
لو فتح ہوئی کون خبر دیتا ہے آکر
گڑتا ہے نشاں کس کا درِ کوفہ پہ جا کر

بولا کوئی حضرت ہمیں پہلے جو رضا دیں
لڑکے ہیں پہ زورِ اسداللہ دکھا دیں
دعویٰ یہ نہیں کرتے کہ لشکر کو بھگا دیں
اک حملہ میں دو چار صفوں کو تو مٹا دیں
ناچار ہیں گر پیاس سے غش کھا کے گریں گے
اس کی بھی قسم لے لو کہ جیتے نہ پھریں گے

کیا حضرتِ مسلم کے یتیموں کا کہوں حال
نہ سالہ و دہ سالہ تھے وہ صاحبِ اقبال
منہ چاند سے اور اُلجھے ہوئے گیسوؤں کے بال
پوشاک سیہ جسم میں اور دھوپ سے منہ لال
وہ چاند سے رخ گردِ یتیمی سے اَٹے تھے
اور ماتمی کپڑوں کے گریبان پھٹے تھے

ٹوٹا تھا فلک غم کا جو ایذائے سفر میں
تھے داغِ غمِ بے پدری اُن جگر میں
لب خشک تھے اندھیر زمانہ تھا نظر میں
دنیا تھی فراموش انہیں یادِ پدر میں
کہتے تھے کہ بابا تو نہ اب آکے ملیں گے
آقا کے ہراول سے ہمیں جا کے ملیں گے

چھوٹے کا سخن تھا کہ بڑا غم ہے یہ بھائی
بابا کی سنائی تو مقدر نے سنائی
کوفے سے نہ دو بھائیوں کی کچھ خبر آئی
کیا جانیے ہیں قید کہ پائی ہے رہائی
وہ کہتا تھا سر اُن کے اتارے گئے ہوں گے
قلیم میں دشمن کے ہیں مارے گئے ہوں گے

ماموں کے قریب زینبِ دلگیر کے دلدار
اک حیدرِ کرار تھا اِک جعفرِ طیار
انگڑائیاں لے لے کے یہی کہتے تھے ہر بار
کچھ دھیان پہ چڑھتا نہیں یہ لشکرِ کفار
اِک دم میں فنا ہوں گے جو لاکھوں ہیں تو کیا ہیں
روباہ ہیں وہ ہم پسرِ شیرِ خدا ہیں

اور تین تھے لختِ جگرِ شبّرِ ذی جاہ
عبداللہ و زیدِ حسن و قاسمِ نوشاہ
دولہا کے سن و سال کا کیا حال لکھوں آہ
سن تیرہ برس کا تھا یہ تھا چودھویں کا ماہ
دن گنتی تھی ماں بیٹے کی شادی کی ہوس میں
دولہا بھی بنے مر بھی گئے تیرہ برس میں

وہ حسن وہ سن اور وہ پوشاک شہانی
قد سرو سا ہے پر یہ کہاں اُس میں روانی
خُلق حسنی کم سخنی غنچہ دہانی
وہ رعب کہ ہو جائے جگر شیر کا پانی
تلوار تو کاندھے پہ زرہ باپ کی بر میں
تصویرِ حسن پھرتی تھی حضرت کی نظر میں

تھی صبح شبِ عقد کہ پیکِ اجل آیا
دیکھا بھی نہ تھا ماں نے کہ سہرے کو بڑھایا
بانو نے سرِ شام دُلھن جس کو بنایا
قسمت نے سحر کو اُسے رنڈسالہ پنھایا
دولہ کی نشانی تو کلیجے پہ دھری تھی
اور مانگ میں صندل کے عوض خاک بھری تھی

عباس سوا پانچ تھے فرزندِ ید اللہ
ششدر تھا جنھیں دیکھ کے سب لشکرِ گمراہ
ایک ایک دلاور تھا ہر صفِ جنگاہ
شیروں کو دمِ حرب سمجھتے تھے وہ روباہ
غازی تھے بہادر تھے ولی ابنِ ولی تھے
سب قوتِ بازوئے حسین ابنِ علیؑ تھے

عباس علی حیدرِ صفدر کا نشاں تھا
بس لشکرِ اسلام میں وہ شیرِ ژیاں تھا
لکھا ہے کہ بتیس برس کا وہ جواں تھا
چہرے سے جلالِ اسد اللہ عیاں تھا
اعلیٰ نہ ہو کیوں ایسے علمدار کا رتبہ
خالق جسے دے جعفرِ طیار کا رتبہ

کیا وصفِ جنابِ علی اکبر کروں تحریر
حُسنِ نبویؐ خُلقِ حسنؑ غربتِ شبیرؑ
اٹھارہ برس کا تو سن اور صاحبِ توقیر
تھا شور کہ انساں ہے کہ ہے نور کی تصویر
شوکت ہے سراپا میں رسولِ دوسراؐ کی
ایسے بھی بشر ہوتے ہیں قدرت ہے خدا کی

تھے بیچ میں اُس غول کے شاہنشہِ عالم
گردوں پہ ستاروں میں ہو جوں نیرِ اعظم
دریائے کرم رحمتِ حق نورِ مجسم
فخرِ دو جہاں قبلۂ دیں سیدِ اکرم
غل تھا کہ عجب شوکت و شانِ شہِ دیں ہے
ذرے سب اسی کے ہیں یہ خورشیدِ زمیں ہے

ناگاہ بجا فوجِ عدو میں دہلِ جنگ
کھلنے لگے ہر صف کے علم ہائے سیہ رنگ
لشکر کے زرہ پوشوں نے گھوڑوں کے لیے تنگ
جا خالی نہ تھی فوجِ ستم میں کئی فرسنگ
نئے دینوں کے رُخ قبلۂ ایماں سے پھرے تھے
ہفتاد و دو تن لاکھ سواروں میں گھرے تھے

اُمڈا تھا سمندر کی طرح لشکرِ کفار — جوں موج نظر آتی تھی تلوار پہ تلوار
کیا دخل نظر جائے جو اس پار سے اُس پار — نے خوں میں ہوئے غرق عبور اس سے تھا دشوار
پانی تھے جگر پیاس سے اولادِ علیؑ کے — خشکی میں تباہی تھی سفینے پہ علیؑ کے
تھے گھاٹ پہ دریا کے صف آرا قدر انداز — قالب سے کرے روح جنھیں دیکھ کے پرواز
پیغام اجل اُن کے ہر اک تیر کی آواز — ایک ایک کو اپنی قدر اندازی پہ تھا ناز
جوڑے ہوئے تیروں کو جمائے ہوئے صف کو — رُخ سب کے جگر گوشۂ زہراؑ کی طرف کو

بدکیش کوئی دیکھتا تھا تیر کا پلاّ — کہتا تھا کوئی کرتے ہیں اب پیاسوں پہ حملاّ
اُلفت ہے نہ حیدرؑ سے نہ احمدؐ سے تولاّ — کر دیتے ہیں برباد قریشوں کا محلاّ
دُنیا سے مٹا دیں گے نشان آج نبیؐ کا — بچّہ بھی نہ چھوڑیں گے حسینؑ ابنِ علیؑ کا
واں ہوتی تھی قتلِ شہِ مظلوم کی تدبیر — تھے یاں کے بھی تھوڑے سے جوان ہمت پہ شمشیر
غل خیمے میں تھا ہائے غضب گھر گئے شبیرؑ — نے تاب تھی سر کھولے ہوئے شاہ کی ہمشیر
گر پڑتی تھی غش کھا کے جو غل ہوتا تھا رن میں — چادر نہ سنبھلتی تھی یہ رعشہ تھا بدن میں

کہتی تھی سکینہؑ سے کہ آؤ مری پیاری — سُن لیتا ہے بچوں کی دعا ایزدِ باری
خالق سے یہ رو رو کے دعا مانگو میں واری — پھر خیر سے آئے مرے بابا کی سواری
اس سن میں یتیمی کا مجھے داغ نہ ہوئے — پامالِ خزاں فاطمہؑ کا باغ نہ ہوئے
یاں تھا یہ تلاطم کہ چلے تیر اُدھر سے — عباسؑ بچانے لگے حضرت کو سپر سے
تلواریں اُگلنے لگیں تیروں کی اکر سے — لڑنے کا لیا اذن شہِ جن و بشر سے
کہتے تھے کہ رن میں کہیں تلوار نہ چل جائے — دھڑکا تھا کہ ہم سے کوئی پہلے نہ نکل جائے

پہلے حُرِ غازی نے صفیں کیں تہ و بالا — پھر بھائی گیا رن میں ہلاتا ہوا بھالا
فرزند نے رہوار کو چمکا کے نکالا — تینوں جو ہوئے قتل تو روئے شہِ والا
کہرام تھا مہماں کے لیے اہلِ حرم میں — رونے کو بتولؑ آئی تھی میدانِ ستم میں

میدان میں مسلمؓ پسرِ عوسجہ آیا
تلوار جو کھینچی تو ہزاروں کو بھگایا
جس دم وہ گرا شہ نے بڑا رنج اُٹھایا
چھاتی سے کئی مرتبہ زخمی کو لگایا
لاشے سے گلے مل کے جدا ہوتے تھے شبیرؑ
عورات میں غل ہوتا تھا جب روتے تھے شبیرؑ

ضرغامہ و وہب وانس و مالکِ دیندار
حجاج و زہیر و اسدی عامر و عمار
عمران و شعیب و عمرو شوذب و ابرار
قربانِ حسینؑ ابنِ علیؑ ہو گئے یکبار
جس سمت یہ جانباز تھے خالی وہ پرا تھا
اور دور تلک دشتِ ستم خوں سے بھرا تھا

باقی جو رفیقِ شہِ دیں رہ گئے دو چار
حسرت سے اُنھیں دیکھتے تھے سید ابرار
کی بڑھ کے حبیب ابنِ مظاہر نے یہ گفتار
یہ پیر غلام اب ہے اجازت کا طلبگار
بندے کو بھی مرنے کی رضا دیجیے آقا
فردوس کے رستے پہ لگا دیجیے آقا

اوروں نے تو سر دے کے بڑا مرتبہ پایا
زیرِ دمِ شمشیر ہر اک خوں میں نہایا
چھاتی سے اُنھیں احمدِؐ مرسل نے لگایا
میں بھی اسی دولت کی ہوں اُمید پہ آیا
وہ کیجے کہ شرمندہ نہوں آپکے جد سے
جنت میں پہونچ جاؤنگا آقا کی مدد سے

حقا کہ سخی ابنِ سخی کا ہے یہ دربار
محروم یہاں سے کوئی جاتا نہیں زنہار
آقا مرا وہ ہے جو خدائی کا ہے مختار
حُر کو ابھی پہونچا دیا کس رتبہ کو یکبار
ذرے قمر ہوں افلاک جو نظروں سے گرا دو
جس ذرہ کو چاہو اُسے خورشید بنا دو

پہونچا ہے ہر اک فیض کو حضرت کی بدولت
پاتا ہے کوئی حور کوئی حلۂ جنت
رہنے کو مکان خلد میں ہوتے ہیں عنایت
محبوبِ خدا بانٹتے ہیں خلعتِ رحمت
اب دیر جو ہوتی ہے مرے دل کو قلق ہے
بچپن کا جو خادم ہے کچھ اس کا بھی تو حق ہے

حضرت نے سنا دردِ دل اُس دوست کا جس دم
اک آہ بھری سرد اور آنکھیں ہوئیں پرنم
فرمایا کہ اے یارِ قدیم اے مرے ہمدم
اس وقت مجھے اپنی جدائی کا نہ دے غم
ہے کون رفیقوں میں بجز یاس ہمارے
اک چاہنے والا تو رہے پاس ہمارے

منظور نہیں مجھ کو کہ تو مجھ سے جدا ہو
باقی ہے جو کچھ زیست بس ایک ہی جا ہو
یہ ساتھ غنیمت ہے ستم ہو کہ جفا ہو
تنہائی میں پھر مجھ پہ خدا جانیے کیا ہو
جو دوست ہے میرا اُسے پہچانتا ہوں میں
بھائی تجھے بھائی سے سوا جانتا ہوں میں

اِس عالمِ پیری میں نہ کر جنگ کی تدبیر
رعشہ ہے بہت ہاتھوں میں اُٹھے گی نہ شمشیر
مانندِ کماں خم ہے کمر حال ہے تغیُر
چلّے سے ملایا بھی تو کھنچنے کا نہیں تیر
پیاسا ہے دمِ حرب غش آ جائے گا رن میں
پانی بھی نہیں ہے جو چواؤں گا دہن میں

ہے عالمِ طفلی سے تجھے جس سے محبت
وہ آج ہے دنیا میں گرفتارِ مصیبت
ہے یاں سے قریں قبرِ شہنشاہِ ولایت
جا بیٹھ نجف میں کہ ملے گی تجھے راحت
مشہور وہ دربارِ شہِ عقدہ کشا ہے
دنیا میں غریبوں کے لیئے امن کی جا ہے

جاری اُسی دربار سے ہے امن کا دستور
ہے پرورشِ شاہ و گدا ایک سی منظور
افسانۂ شہباز و کبوتر تو ہے مشہور
پشّہ کو ستائے یہ کسی کا نہیں مقدور
اک ضرب کو فرما دیا۔ پر دل سے نہ چاہا
خوں کا عوض اپنے بھی تو قاتل سے نہ چاہا

ہم اذن اگر قبلۂ کونین سے پاتے
آبِ دمِ شمشیر سے خوں اُس کا بہاتے
حضرت کا یہ تھا رحم کہ جب کھانے کو کھاتے
کہتے تھے حسن سے کچھ اُسے بھی ہو کھلاتے
بھوکا نہ رکھو رحم اسیروں پہ روا ہے
بازو بھی نہ باندھو کہ علی عقدہ کشا ہے

جس وقت کہ دربارِ یداللہ میں جانا
اُس مرقدِ پُر نور کو آنکھوں سے لگانا
آداب بجا لا کے یہ بابا کو سُنانا
بیٹے کی خبر لو کہ ہے برگشتہ زمانا
تم ساقیِ کوثر ہو زمانے پہ عیاں ہے
تیسرا دن ہے کہ پسر تشنہ دہاں ہے

بیٹھے ہیں لبِ نہر ستمگاروں کے دستے
بچّے مرے گرمی میں ہیں پانی کو ترستے
جاؤں تو کدھر جاؤں کہ سب بند ہیں رستے
پانی کا جو لوں نام تو ہیں تیر برستے
حضر سے بھی ہوں اور وطن سے بھی جدا ہوں
فریاد کو پہنچو کہ مصیبت میں پھنسا ہوں

یا شاہ کہیں امن کی جا میں نہیں پاتا
دشمن کو بھی غربت میں نہیں کوئی ستاتا
سب سہل تھا بچّوں کو اگر ساتھ نہ لاتا
ہے سخت مصیبت مجھے کچھ بن نہیں آتا
جب سر مرا خنجر سے جدا ہوئے گا بابا
کیا جانیے ناموس پہ کیا ہوئے گا بابا

اے کُل کے مددگار مدد کرنے کو آؤ
تم صاحبِ اعجاز ہو اعجاز دکھاؤ
میں شاد ہوں کچھ غم مرے مرنے کا نہ کھاؤ
پر زینبِ بے کس کو اسیری سے بچاؤ
پانوں نہ کفن میں تو کچھ اس کا نہیں غم ہے
بے پردہ جو ہو دخترِ زہرا تو ستم ہے

رو بابیہ سخن سُن کے حبیبِ جگر افگار
گر کر قدمِ شہ پہ یہ کی عرض بہ تکرار
قرباں ترے اے خلفِ حیدرِ کرّار
اس وقت کہاں جائے یہ بچپن کا نمک خوار
فردوس میں جانا مجھے منظور ہے آقا
جنّت تو ہے نزدیک نجف دور ہے آقا

کس مُنہ سے میں دربارِ ید اللہ میں جاؤں
زوّاروں کو کس طرح شکل اپنی دکھاؤں
کیا کہہ کے میں اس قبر کو آنکھوں سے لگاؤں
حیدر کو خبر آپ کے مرنے کی سناؤں
فرمائیں گے شبیرؑ سے مُنہ موڑ کے آیا
تلواروں میں بچّے کو مرے چھوڑ کے آیا

میں یاں سے کہاں جاؤں کہ حیدرؑ بھی یہیں ہیں
حمزہ بھی یہیں آئے ہیں جعفر بھی یہیں ہیں
دل تھامے ہوئے حضرتِ شبّرؑ بھی یہیں ہیں
زہراؑ یہیں روتی ہیں پیمبر بھی یہیں ہیں
حضرت پہ جو ظلم و ستم و جور و جفا ہے
دو روز سے یاں ہائے حسیناؑ کی صدا ہے

بچپن سے تو سایہ کی طرح ساتھ رہا ہوں
آیا جو بُرا وقت تو حضرت سے جدا ہوں
سر دونگا کہ میں عاشقِ نقشِ کفِ پا ہوں
اس نام پہ قرباں ہوں اس گھر پہ فدا ہوں
جیتا ہے سدا جو یہ شرف پاتا ہے مولا
اس طرح کا مرنا کسے ہاتھ آتا ہے مولا

حضرت کے غلاموں کے لیئے عید کا ہے روز
دولت سے شہادت کی ہوئے سب فیروز
راحت ہے جو سینے پہ لگے تیرِ جگر دوز
گر آگ ہو تو کود پڑیں آپ کے دل سوز
مجروح ہوں نیزوں سے جو میدانِ ستم میں
ہاتھ آئے ضعیفی کا عصا راہِ عدم میں

ہر چند کہ ہی عالمِ پیری سے نقاہت
باقی ہی مگر جسم میں ایماں کی حرارت
جب دیکھتا ہوں آپ کو آجاتی ہی طاقت
ہوتا ہی جوانوں کی طرح جوشِ شجاعت
نے سر دیئے مولا مجھے آرام کہاں ہی
گو پیر ہوں پر دل مرا مرنے پہ جواں ہی

احوال ہر اک دوست کا ہی آپ کو معلوم
مرنے سے وہ ہیں شاد جو ہیں عاشقِ قیوم
رعشہ فقط اس خوف سے ہی ای شہِ مظلوم
رہ جائے بدن زخمِ شہادت سے نہ محروم
کچھ ضعف نہیں آپکے قدموں کی قسم ہی
سر بار ہی تن پر کمر اس واسطے خم ہی

بچپن کی تو الفت ہی مری آپ ہیں آگاہ
کچھ یاد ہی اس روز کا حال ای شہِ ذی جاہ
ہم سن کئی لڑکے بھی تھے اور میں بھی تھا ہمراہ
یوں بیچ میں تھے آپ ستاروں میں ہی جوں ماہ
کیا دن تھے سوا کھیل کے کچھ غم نہ ذرا تھا
گیسو تھے اٹے خاک سے کرتا بھی پھٹا تھا

لڑکوں کو سوا کھیل کے کچھ اور نہ تھا دھیان
اور پیار سے میں آپ کا منہ تکتا تھا ہر آن
ساتھ اُن کے جدھر دوڑتے آپ ای شہِ ذیشان
نقشِ قدمِ پاک پہ میں ہوتا تھا قربان
نہ کھیل پہ رغبت نہ تماشے پہ نظر تھی
خاکِ کفِ پا میرے لئے کحلِ بصر تھی

ناگاہ زمیں واں کی ہوئی مطلعِ انوار
اور چاروں طرف نور لگا پھیلنے اک بار
خوشبو سے یہ عالم تھا کہ پھولوں کا ہی انبار
تسلیم کو جھکنے لگے بام و در و دیوار
تھا شور کہ آمد ہی یہ محبوبِ خدا کی
ہر ذرہ سے آتی تھی صدا صلِّ علا کی

اتنے میں قریب آئے شہِ یثرب و بطحا
اور آپ کو ہم جولیوں میں کھیلتے دیکھا
پھیلائے ہوئے ہاتھوں کو دوڑے بہ تمنّا
ہنس ہنس کے لگے بھاگنے آپ ای مرے مولا
کہتے تھے کہ ہم دوڑتے ہیں آیئے نانا
جب جا ہیں کہ اس وقت ہمیں پایئے نانا

فرماتے تھے احمدؐ کہ میں قربان تمھارے
ہم تم کو پکڑتے ہیں کہاں جاتے ہو پیارے
ہاتھ آئے نہ جب آپ تو کہہ کر یہ پکارے
لو آؤ لگو چھاتی سے اچھا ہمیں ہارے
ڈر ہی مرے آرام کا نقشہ نہ بگڑ جائے
کانٹا کوئی ان پھولوں سے تلووں میں نہ گڑ جائے

پھر دوڑ کے آغوش میں حضرت نے اُٹھایا
اور پاؤں کو ہاتھوں سے کئی بار دبایا
اُس پیار میں رونے کے بھی پہلو نکل آئے
مجھ پر نظرِ فیض اثر پڑ گئی اک بار
اُس دم متعجب ہوئے اصحابِ وفادار
بیجا نہیں اس طفل پہ الطاف نبیؐ کا
تم لوگوں نے دیکھے نہیں اس طفل کے جوہر
آنکھوں سے لگاتا تھا یہ اُس خاک کو لیکر
مرقوم ہے نام اُس کا ازل سے شہدا میں
فرمائیں یہ جب حق میں مرے احمدؐ مختار
مشتاقِ شہادت ہے جوانی سے یہ غمخوار
خدمت میں ہر اک تیغ و سپر باندھ کے آیا
دیکھا جو مسلح مجھے رو کر یہ سنایا
مرنا ترا اُس دن کا ہے اللہ کو بھایا
ہے صاحبِ قسمت تری کیا بات ہے بھائی
جب شہ نے سُنی ابنِ مظاہر کی یہ تقریر
فرمایا کہ مجبور ہوں جو خواہشِ تقدیر
چھٹتا ہے تو پھر یارِ موافق نہیں ملتا
خاطر شکنی دوست کی مجھ کو نہیں منظور
منظورِ نظر یہ تھا کہ آنکھوں سے نہ ہو دور
گو پیچھے رہے جاتے ہیں پر آئیں گے ہم بھی

چھاتی سے دھڑکتی ہوئی چھاتی کو لگایا
ان سوکھے ہوئے ہونٹوں سے ہونٹوں کو ملایا
بوسہ جو گلے کا لیا آنسو نکل آئے
خادم کو بھی حضرت کی طرح کرنے لگے پیار
اُن سب سے یہ فرمانے لگے احمدِ مختار
یہ چاہنے والا ہے حسینؑ ابنِ علیؑ کا
جس خاک پہ رکھتا تھا قدم یہ مرا دلبر
شبیرؑ کے عاشق پہ تصدّق ہے پیمبرؐ
دیوے گا خدا قبر اسے خاکِ شفا میں
کس طرح نہ صدقے ہو غلامِ شہِ ابرار
کفار سے جب لڑنے چلے حیدرِ کرّار
سر دینے کو بندہ بھی کمر باندھ کے آیا
ہتیار لگا کر تو ابھی کس لیئے آیا
جس روز لڑائی پہ چڑھے گا مرا جایا
دامانِ حسینؑ اور ترا ہاتھ ہے بھائی
بچپن کا خیال آیا تو رونے لگے شبیرؑ
دکھلاتا ہے احباب کی فرقت فلکِ پیر
سب ملتے ہیں پر عاشقِ صادق نہیں ملتا
کچھ بن نہ پڑا روک چلے اپنے پہ مقدور
تقدیر کی تحریر سے شبیرؑ ہے مجبور
منزل پہ سرِ شام پہونچ جائیں گے ہم بھی

فرما کے یہ چھاتی سے لگایا کئی باری
رخصت جو کیا آنکھوں سے آنسو ہوئے جاری
گھبرا کے درِ خیمہ سے زینب یہ پکاری
لوگو کہو میداں میں چلی کس کی سواری
اب کون بچائے گا شہِ جن و بشر کو
سب چھوڑے چلے جاتے ہیں زہرا کے پسر کو

سنتی ہوں اُدھر فوج پہ فوج آتی ہی ہر دم
یاں کم ہوئے جاتے ہیں رفیقِ شہِ عالم
سب روتے ہیں یہ کس کے جدا ہونے کا ہی غم
جلدی کہو اب تن سے نکلتا ہی مرا دم
حضرت نے کہا کیا کہوں کیا ہوتا ہی بھینا
بچپن کا مرا دوست جدا ہوتا ہی بھینا

یہ سُنتے ہی کہرام ہوا اہلِ حرم میں
پہونچا وہ جری شیر سا میدانِ ستم میں
کامل تھا زبس عشقِ شہنشاہِ اُمم میں
بیتاب تھا مولا کی جدائی کے الم میں
سینہ تھا جری کا تبر و تیر کی جانب
پھر پھر کے نظر کرتا تھا شبیّرؑ کی جانب

پیری میں عجب شان تھی اُس شیرِ ژیاں کی
پڑتی تھی سراپا پہ نظر پیر و جواں کی
تھی جلوہ گری نورِ خدائے دوجہاں کی
گردوں پہ چمک جاتی تھی سجدے کے نشاں کی
پیشانیِ پرنور پہ عالم تھا قمر کا
یہ چاند تھا شب کا وہ ستارا تھا سحر کا

باہم صفتِ تیر و کماں ابرو و مژگاں
سرزد نہ کبھی جس سے خطا ہو کسی عنواں
آنکھیں وہ غزالانِ حرم جن پہ ہوں قرباں
نظروں سے ہو یعنی رُخِ شبیّرؑ نہ پنہاں
رخساروں کو تر کرتے ہیں اشک آنکھوں سے ڈھل کر
رہ جاتی ہیں پلکیں کفِ افسوس کو مل کر

خورشید سے افزوں ہی صفائے رُخِ نیکو
مہتاب میں یہ رنگ نہ یہ حسن نہ یہ رو
غنچہ سے زیادہ دہنِ تنگ میں خوشبو
اور وردِ زباں ذکرِ صفاتِ شہِ خوش خو
لب ایسے کہ یاقوت بھی گر جائے نظر سے
بن پانی مگر خشک ہیں چوبیس پہر سے

نے شبہ لڑی موتیوں کی ہیں دُرِ دنداں
یا گوہرِ شبنم ہیں کہ غنچہ میں ہیں پنہاں
وہ ریشِ سپید اور وہ اُس کا رُخِ تاباں
آغوشِ مہِ نو میں ہی خورشیدِ درخشاں
کہتی ہی اجل منزلِ ہستی سے سفر ہی
شب گزری جوانی کی یہ پیری کی سحر ہی

گردن جو جھکی جاتی ہے تن سر پہ گراں ہے
جو تیر سا قد تھا سو وہ خم مثلِ کماں ہے
ہے تیغوں کی دھاروں سے گزرنا کوئی دم کو

سر پر عوضِ خود ہے اللہ کا سایا
دستانے پہننا بھی نہ غازی کو خوش آیا
اک ہاتھ میں وہ تیغ جو لاکھوں پہ چلی ہے

اتنے میں رجز پڑھ کے پکارا وہ خوش انجام
ہشیار کہ اب میان سے کھنچتی ہے یہ صمصام
یہ تیغ نہیں وہ جو دمِ حرب رُکے گی

سُن کے پکارا عمرِ سعدِ جفا کار
اس پیر کو مہلت نہ دیا چاہیئے زنہار
میں تیری طرح دشمنِ شبیرؑ نہیں ہوں

گو ہاتھوں میں رعشہ ہے پہ او ظالمِ گمراہ
ان ہاتھوں کی قوت سے ابھی تو نہیں آگاہ
پیری سے جو ہے پشت خمیدہ تو بجا ہے

میں وہ ہوں کہ جو فخر کروں ہے وہ سزاوار
چوما کیا اکثر قدمِ حیدرِ کرار
بچپن سے مجھے عشقِ امامِ دو جہاں ہے

پیری سے ہے روشن کہ چراغِ سحری ہوں
آقا مرا شاہد ہے کہ عصیاں سے بری ہوں
بے خوف چلا جاتا ہوں میں شیر کے مُنہ پر

افسوس بہارِ چمنِ عمر خزاں ہے
جانے کا یہی گوشۂ مرقد کے نشاں ہے
ہر دم یہ دعا ہے کہ نہ لغزش ہو قدم کو

زخموں کے لیئے تن کو زرہ سے نہ بچایا
کیا فائدہ ہے جینے سے جب ہاتھ اُٹھایا
اک ہاتھ میں دامانِ حسین ابنِ علی ہے

اے قوم حبیب ابنِ مظاہر ہے مرا نام
وار اس کا ہے دشمن کے لیئے موت کا پیغام
میں تم سے رکوں گا نہ مری ضرب رکے گی

آتا ہے بڑا سبطِ پیمبر کا مددگار
بڑھ کر کہا غازی نے کہ او ظالمِ غدار
ہوں پیر تو واللہ پہ بے پیر نہیں ہوں

گر کوہ کو چاہوں تو اُکھاڑوں صفتِ کاہ
ہے قدر شناس اُن کا جگر بندِ یداللہ
جس خاک میں جانا ہے اُدھر سر بھی جھکا ہے

دیکھا ہے محمد کا انھیں آنکھوں سے دربار
زہرا کی نوازش رہی شبیرؑ نے کیا پیار
اب ساتھ ہے شبیر کا اور سیرِ جناں ہے

دُنیا سے کوئی دم میں عدم کا سفری ہوں
دیندار ہوں غازی ہوں مجاہد ہوں جری ہوں
دعویٰ ہے تو آؤ مری شمشیر کے مُنہ پر

مشہور ہی دنیا میں کہ یک پیری و صد عیب
جرأت میں کسی کا نہ شباب اُچھے نہ مرا شیب

ہر دم ہی عنایات خدا سے مددِ غیب
شک اس میں نہیں بندۂ شبیرؑ ہوں لاریب

تلواروں سے سو ٹکڑے اگر ہو کے گرونگا
اُس قبلۂ دیں سے نہ پھرا ہوں نہ پھرونگا

آتا مرا وہ ہی جو امامِ ازلی ہی
مظلوم ہی سیّد ہی ولی ابنِ ولی ہی

ہر جنگ میں اکثر مری تلوار چلی ہی
اُس شیر کے بیشہ میں پلا ہوں جو علیؑ ہی

ٹلتا نہیں مر کر اسی میداں میں گڑونگا
تلوار نہ ہووے گی تو ہاتھوں سے لڑونگا

مینہ تیروں کا برسے تو کبھی منھ کو نہ موڑوں
نیزوں کا ہر اک بند انھیں ہاتھوں سے توڑوں

ہاتھ آؤ تو ٹکرا کے سر ایک ایک کا پھوڑوں
جیتا شہِ مظلوم کے دشمن کو نہ چھوڑوں

کچھ ڈھال کی حاجت نہیں مشتاقِ اجل کو
دانتوں سے چبا جاؤں گا تلوار کے پھل کو

ہی کانپتے ہاتھوں میں مرے زورِ خداداد
ہی جنگِ یداللہ کا انداز مجھے یاد

پکڑوں جو کلائی کو تو ضیغم کرے فریاد
پھر جاتا ہی پنجہ سے مرے پنجۂ فولاد

کھا سکتے نہیں دیو دلیروں کا طمانچہ
ہی ضرب مرے ہاتھ کی شیروں کا طمانچہ

شبیرؑ سے بیکس پہ یہ لشکر کی چڑھائی
ای ظالمو کرتے ہو یہ کس گھر کی صفائی

کرتے ہو غضب اُس کے نواسے سے برائی
پیدا ہوئی ہی جس کے لئے ساری خدائی

فرزندِ پیمبرؑ پہ جفا کرتے ہو یارو
گھر لٹتا ہی زہراؑ کا یہ کیا کرتے ہو یارو

بدعت نہ کرو ہاتھ نہ سیّد پہ اُٹھاؤ
ہلتی ہی زمیں عرشِ خدا کو نہ ہلاؤ

کعبہ ہی یہ بنیاد نہ اُس گھر کی مٹاؤ
شمعِ حرمِ لم یزلی کو نہ بجھاؤ

کون اس کے سوا دوشِ محمدؐ کا مکیں ہی
شبیرؑ سا آقا کوئی دنیا میں نہیں ہی

سمجھانے لگا آن کے تب ایک ستمگر
ہر چند بہادر ہی تو ای رستمِ لشکر

تیرے زن و فرزند بھی ہوویں گے مقرر
لازم ہی وہ تدبیر کہ برباد نہ ہو گھر

گو لختِ دلِ صاحبِ معراج ہی شبیرؑ
حاصل تجھے کیا ہوگا کہ محتاج ہی شبیرؑ

کیوں آپ کو تیروں کا بناتا ہی نشانہ
قبضے میں نہ دولت نہ ریاست نہ خزانہ
ساتھ اس کا نہ دے جس سے ہی برگشتہ زمانہ
ڈو روز سے پانی نہ میسر ہی نہ دانہ

لازم ہی کنارا پسر شبیر خدا سے
ہو اُس کا ملازم جو سپر بھر دے طلا سے

تھرا گیا یہ سُن کے حبیبِ جگر افگار
جھنجلا کے کہا دور ہو او ظالمِ غدار
فرزند نہ کام آئیں گے مرقد میں نہ گھر بار
نہ ملک سے مطلب ہی نہ دولت سے سروکار

شبیر کے کام آؤں تو دل شاد ہو میرا
وہ گھر تو لٹے اور گھر آباد ہو میرا

ممکن ہی کہ سردار پھر اس طرح کا پاؤں
فاسق کی طرف دولتِ دیں چھوڑ کے جاؤں
خاکِ قدمِ شاہ کو آنکھوں سے اُٹھاؤں
گر کوہ طلا ہووے تو ٹھوکر نہ لگاؤں

کیا دے گا کوئی جو مجھے آقا نے دیا ہی
شبیر سے فردوس میں گھر میں نے لیا ہی

یہ کہتے ہی جولاں کیا شبدیز سبک تاز
اُڑ کر صفِ اعدا پہ گیا صورتِ شہباز
رنگِ رخِ افواجِ ستم کر گیا پرواز
گھوڑا تھا مگر جست میں تھا شیر کا انداز

اک دم میں گیا پار سواروں کے پروں سے
مُڑ کر ادھر آیا تو گرے خود سروں سے

چمکی عجب انداز سے اُس شیر کی تلوار
گویا سرِ اعدا پہ گری برقِ شرر بار
ڈھالوں سے بدن اپنے چھپاتے تھے سیہ کار
اُس دستِ زبردست کا رکتا تھا کوئی وار؟

کچھ امن نہ تھا خود و زرہ سے تن و سر کو
سینے سے گزر جاتی تھی دو کرکے سپر کو

کاٹے ہوئے پھل برچھیوں کے رن میں پڑے تھے
سہمے ہوئے گوشوں میں کماندار کھڑے تھے
چھایا تھا ہراس اُن پہ ہمیشہ جو لڑے تھے
آنکھیں وہ چراتے تھے بہادر جو بڑے تھے

دہشت سے زرہ پوشوں نے جی چھوڑ دیا تھا
اُس تیغ نے تیغوں کا بھی منہ موڑ دیا تھا

تھے برچھیوں والوں کے پرے سب سروپا
برچھی تھی کہیں ہاتھ کہیں اور کہیں پہونچا
تھا نہر تلک موج زن اک خون کا دریا
بہتے تھے حبابوں کی طرح سے سرِ اعدا

دہشت سے تلاطم تھا ہر اک فوجِ عدو میں
مچھلی سے تڑپتے تھے زرہ پوش لہو میں

چلّاتے تھے اعدا کوئی بنتی نہیں تدبیر
دم بند ہیں ماریں کسے تلوار کسے تیر

جس وقت علم ہو کے چمکتی ہے یہ شمشیر
پھر جاتی ہے آنکھوں کے تلے موت کی تصویر

کیا ہوتا ہے ڈھالوں کی جو بدلی سی چمکی ہے
بجلی بھی کہیں ابر کے روکے سے رُکی ہے

نے کار تھے جلّادوں کے نیزے دمِ پیکار
تلوار سے ملتی نہ تھی مہلت کہ چلے وار

حلقہ کیئے اُس شیر کے درپے تھے کماندار
چلّے سے مگر جس نے ملایا لبِ سوفار

شہباز سا سر پر فرسِ تیز قدم تھا
نکلا ہی نہ تھا تیر کماں سے کہ قلم تھا

پیری میں جو دکھلائی جوانوں کی شجاعت
تھرّانے لگے عضو بدن گھٹ گئی طاقت

دم چڑھ گیا گرمی سے ہوئی پیاس کی شدّت
دل سے کہا اب عالمِ فانی سے ہے رخصت

ذی لشکرِ اعدا کو نہ شمشیر کو دیکھا
کس یاس سے مُڑ کر رُخِ شبیر کو دیکھا

پھرنا تھا کہ بس پڑنے لگی تیروں کی بوچھاڑ
دیکھا جو ادھر پشت پہ نیزہ کا لگا وار

چاہا اُسے ماریں کہ لگی فرق پہ تلوار
اور ظلم کی برچھی بھی کلیجہ کے ہوئی پار

کہتے تھے تن و جاں شہِ دلگیر کے صدقے
ہر زخم پہ نعرہ تھا کہ شبیر کے صدقے

چھاتی بھی چھنی تیروں سے اور فرق دوپارا
رگ رگ جو کٹی پھر نہ رہا ضبط کا یارا

شیرازۂ اجزائے بدن کھُل گیا سارا
گرتے ہوئے گھوڑے سے یہ آقا کو پکارا

یاں آپ کا آنا مری بخشش کی سند ہے
اے شیرِ الٰہی کے پسر وقتِ مدد ہے

ناگاہ صفیں چیر کے آئے شہِ ذی شاں
دیکھا کہ وہ مظلوم کوئی دم کا ہے مہماں

لاشے سے لپٹ کر یہ پکارے بصد افغاں
اے دوست مرے تیری محبت پہ میں قرباں

دکھلاؤ مجھے زخم کہاں کھائے ہیں بھائی
چھاتی سے لپٹ جاؤ کہ ہم آئے ہیں بھائی

اس عالمِ پیری میں نہ مُنہ جنگ سے موڑا
کس طرح نہ روؤں ترا احساں نہیں تھوڑا

میرے لیئے تونے زن و فرزند کو چھوڑا
فرقت نے تری آہ کمر کو مری توڑا

تنہا کوئی لاکھوں سے لڑائی نہیں کرتا
وہ تونے کیا مجھ سے کہ بھائی نہیں کرتا

آقا کی صدا سن کے اسے ہوش جو آیا
گردن کے تلے زانوئے شبیرؑ کو پایا
آنکھوں سے کفِ پائے مبارک کو لگایا
اکبرؑ کی طرف جوڑ کے ہاتھوں کو سنایا
کچھ اپنے نمک خوار پہ احسان نہیں کرتے
حضرت پہ اٹھا کے مجھے قرباں نہیں کرتے

للہ مرے واسطے آنسو نہ بہاؤ
شہزادۂ عالم مرے کام اس گھڑی آؤ
محبوبِ خدا آئے ہیں خادم کو اٹھاؤ
حیدر یہ کھڑے ہیں مجھے قدموں پہ گراؤ
بوئے حسنؑ سبز قبا آتی ہے مجھ کو
فریاد کی زہرا کی صدا آتی ہے مجھ کو

یہ کہتے ہی بس گلشنِ دنیا سے سدھارے
نکلی رہی ہونٹوں پہ زباں پیاس کے مارے
بازو کو ہلا کر شہِ مظلوم پکارے
چھوڑا ہمیں اے یارِ وفادار ہمارے
ہم رہ گئے تم ہم سے دغا کر گئے بھائی
صدقے ابھی ہوتے تھے ابھی مر گئے بھائی

ہے ہے مرے عاشق مرے شیدا مرے یاور
ہے ہے مرے سلماں مرے مقداد و اباذر
ہے ہے مرے رستم مرے ضیغم مرے صفدر
ہے ہے مرے عمارؓ مرے مالکِ اشتر
تا زیست ترے ہجر میں فریاد کروں گا
خنجر کے تلے بھی میں تجھے یاد کروں گا

پھر لاش درِ خیمہ پہ لائے شہِ عالم
سر پیٹ کے فرمایا کہ اے زینبِؑ پُرغم
میداں میں حبیب ابنِ مظاہر ہوئے بے دم
ماتم کرو نے کس کا۔ بچھا کر صفِ ماتم
یاں رونے کو اس کے زن و فرزند نہیں ہیں
مظلوم مسافر کے اگر ہیں تو ہمیں ہیں

خاموش انیسؔ آگے نہ کہہ لاش کا جانا
پہونچائے گا کوثر پہ یہ رونا یہ رلانا
افسوس کہ فرصت نہیں دیتا ہے زمانہ
ہے ذاتِ خدا قادر و قیوم و توانا
رکھ اس پہ نظر تنگ نہ ہو کثرتِ غم سے
مطلب ترے بر لائے گا وہ اپنے کرم سے

رُباعی

سرگرم رہوں نبیؐ کی مداحی میں
کام آئے زبان وصی کی مداحی میں
یارب یہ مری عمر کٹے مثلِ قلم
سجدوں میں کٹے سر علیؑ کی مداحی میں

مرثیہ (۵)

پھولا شفق سے چرخ پہ جب لالہ زارِ صبح
کرنے لگا فلک زرِ انجم نثارِ صبح
تھا چرخِ اخضری پہ یہ رنگ آفتاب کا

چلنا وہ بادِ صبح کے جھونکوں کا دم بدم
وہ آب و تابِ نہر وہ موجوں کا پیچ و خم
کھا کھا کے اوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا

وہ نورِ صبح اور وہ صحرا وہ سبزہ زار
چلنا نسیمِ صبح کا رہ رہ کے بار بار
وا تھے دریچے باغِ بہشتِ نعیم کے

آمد وہ آفتاب کی وہ صبح کا سماں
ذروں کی روشنی پہ ستاروں کا تھا گماں
ہر نخل پر ضیائے سرِ کوہِ طور تھی

اوجِ زمیں سے پست تھا چرخِ زبرجدی
ہر خشک و تر پہ تھا کرمِ بحرِ سرمدی
روکے ہوئے تھی نہر کو امت رسولؐ کی

وہ پھولنا شفق کا وہ مینائے لاجورد
رکھتی تھی پھونک کر قدم اپنا ہوائے سرد
دھوتا تھا دل کے داغ چمن لالہ زار کا

گلزارِ شب خزاں ہوا آئی بہارِ صبح
سرگرمِ ذکرِ حق ہوئے طاعت گزارِ صبح
کھلتا ہی جیسے پھول چمن میں گلاب کا

مرغانِ باغ کی وہ خوش الحانیاں بہم
سردی ہوا میں پر نہ زیادہ بہت نہ کم
تھا موتیوں سے دامنِ صحرا بھرا ہوا

تھے طائروں کے غول درختوں پہ بے شمار
کوکو وہ قمریوں کی وہ طاؤس کی پکار
ہر سو رواں تھے دشت میں جھونکے نسیم کے

تھا جس کی ضو سے وجد میں طاؤسِ آسماں
نہرِ فرات بیچ میں تھی مثلِ کہکشاں
گویا فلک سے بارشِ بارانِ نور تھی

کوسوں تھا سبزہ زار سے صحرا زمردی
نے آب تھے مگر دُرِ دریائے احمدی
سبزہ ہرا تھا خشک تھی کھیتی بتولؑ کی

مخمل سی وہ گیاہ وہ گل سبز و سرخ و زرد
یہ خوف تھا کہ دامنِ گل پر پڑے نہ گرد
سردی جگہ کو دیتا تھا سبزہ کچھار کا

تھا بس کہ روزِ قتلِ شہِ آسماں جناب
تھی نہرِ علقمہ بھی خجالت سے آب آب
پیاسی جو تھی سپاہِ خدا تین رات کی
تھا لشکرِ یزید میں سامانِ قتلِ شاہ
گیتی کو تہلکہ تھا یہ تھی کثرتِ سپاہ
سب مستعد تھے قتلِ شہِ کائنات پر
اک صف میں برچھیوں کی چمک تھی کہ الحذر
وہ بوڑیاں جو سنگ کے دل میں کریں گزر
تھا اک گلا تو خنجر تھے پیر کے لیئے
ناوک فگن لیئے ہوئے حلقے کمان کے
دشمن ہیں بادشاہِ دو عالم کی جان کے
ہرگز کریں گے پاس نہ احمدؐ کی آل کا
جب بندھ چکیں صفیں تو علم کھل گئے تمام
حلقے میں اہلِ بیت کے روتے تھے یاں امام
بکھرائے سر کے بال حرم ساتھ ساتھ تھے
زینبؑ بلک رہی تھی پریشاں تھے سر کے بال
سینہ کبود چاک گریباں شکستہ حال
پوچھے گا کون ساتھ چھٹے گا جو آپ کا
زینبؑ کے اضطراب پہ شہ روئے زار زار
یاد آگیا حسینؑ کو اس وقت ماں کا پیار
واللہ اپنے قول کا ہر دم خیال ہے

نکلا تھا خوں ملے ہوئے چہرے پہ آفتاب
روتا تھا پھوٹ پھوٹ کے دریا میں ہر حباب
ساحل سے سر پٹکتی تھیں موجیں فرات کی
ہر سو جما رہا تھا صفیں شمرِ روسیاہ
ممکن نہ تھا کہ ہو گزرِ طائرِ نگاہ
طوفانِ آبِ تیغ اُٹھا تھا فرات پر
للکارتے تھے ڈانڈ سوارانِ خیرہ سر
انیاں وہ توڑ ڈالیں جو فولاد کا جگر
وہ برچھیاں تھیں سب تنِ شبیرؑ کے لیئے
چلاتے تھے یہ چھاتیوں کو تان تان کے
دم لیں گے جسمِ شاہ کو تیروں سے چھان کے
ریتی پہ خوں بہائیں گے زہراؑ کے لال کا
غل پڑ گیا کہ جنگ کو نکلیں شہِ انام
لپٹی ہوئی تھی قدموں سے بانوئے نیک نام
پٹکے میں شاہِ دیں کے سکینہ کے ہاتھ تھے
نعلین کا نہ ہوش نہ چادر کا تھا خیال
کہتی تھی مجھ پہ رحم کرو اے فاطمہؑ کے لال
نہ ماں کا آسرا ہے مجھے اب نہ باپ کا
فرمایا اے بہن تری الفت کے ہیں نثار
لیکن میں کیا کروں نہیں کچھ میرا اختیار
بھینا حسینؑ مخبرِ صادق کا لال ہے

بچپن میں جو زباں سے کہا ہے کریں گے ہم
کھائیں گے تیرِ ظلم لہو میں بھریں گے ہم
حلق اپنا زیرِ خنجرِ قاتل دھریں گے ہم
اُمت کے بخشوانے کو پیاسے مریں گے ہم
اب ہاتھ اُٹھاؤ فاطمہ کے نورِ عین سے
ہو گی کبھی نہ وعدہ خلافی حسینؑ سے

یہ سُن کے گر پڑی جو قدم پر وہ نوحہ گر
لپٹا لیا گلے سے بہن کو بچشمِ تر
رو کر کہا کہ ہوتا ہے ٹکڑے مرا جگر
زینبؑ خدا کے واسطے پیٹو نہ اپنا سر
خاصانِ حق کا خلق میں رُتبہ بلند ہے
صابر رہو کہ صبر خدا کو پسند ہے

فرما کے یہ سکینہ کے منہ پر نگاہ کی
گودی میں لے لیا اُسے اور دل سے آہ کی
بولی بلائیں لے کے وہ رُخسارِ شاہ کی
سمجھی میں آخری یہ نگاہیں ہیں چاہ کی
رونا یہ بے سبب نہیں منہ موڑ موڑ کے
مرنے چلے ہیں آپ مجھے گھر میں چھوڑ کے

معلوم ہو گیا کہ نہ اب آئیے گا آپ
چھاتی پہ سونے والی کو تڑپائیے گا آپ
چھوڑا اگر مجھے تو نہ اب پائیے گا آپ
میں اپنی جان دوں گی اگر جائیے گا آپ
فرقت میں مجھ کو جی سے گزرنا قبول ہے
اچھا سدھارو گر مرا مرنا قبول ہے

مُنہ چوم کے یہ کہنے لگے شاہِ خوش خصال
صدقے عقیقِ لب پہ ترے فاطمہ کا لال
معلوم ہے حسینؑ کو بی بی تمہارا حال
کیونکر نہ روؤں میں کہ قلق ہے مجھے کمال
ان برگِ گل سے ہونٹوں کے صدقے امام ہو
سولھا پہر ہوئے ہیں کہ تم تشنہ کام ہو

تدبیر اک نکالی ہے آنسو نہ اب بہاؤ
ہم پانی لینے جاتے ہیں تم ماں کے پاس جاؤ
سوکھی زبان دکھا کے نہ شبیرؑ کو رُلاؤ
بی بی دُعا کے واسطے ننھے سے ہاتھ اٹھاؤ
حق سے کہو بتولؑ کے جانی پہ رحم کر
یارب ہماری تشنہ دہانی پہ رحم کر

ناچار فضہ کی گودی سے اُتری وہ رشکِ حور
روتے ہوئے محل سے برآمد ہوئے حضور
پھیلی زمیں پہ روشنیِ آفتابِ نور
پڑھنے لگے درود رفیقانِ ذی شعور
چوما ادب سے پائے امامِ انام کو
خم ہو گئے تمام نمازی سلام کو

حق کے ولی مصاحبِ سردارِ انس وجن
کوئی جوان کوئی متوسط کوئی کمسن
فاقوں میں با حواس لڑائی میں مطمئن
کہتے تھے روزِ قتل ہمیں عید کا ہے دن
مانگو دُعا کہ آج یہ مرنا سعید ہو
قربان ہوں حسین پہ رن میں تو عید ہو

وہ گورے گورے جسم قبائیں وہ تنگ تنگ
جن کی صفا کو دیکھ کے ہو آئینہ بھی دنگ
زیور کی طرح جسم پہ زیبا سلاحِ جنگ
جرأت کا تھا یہ جوش کہ چہرے تھے لال رنگ
کہتے تھے سب چڑھائے ہوئے آستین کو
آقا کہیں تو اُلٹ دیں زمین کو

تھے اک طرف عزیزِ شہِ آسماں وقار
تھا جن کی چاہ میں دلِ یوسف بھی بے قرار
جاں باز سرفروش بہادر وفا شعار
ایک ایک رو نوعِ چمنستانِ روزگار
ہر چند باغِ دہر کو کیا کیا ملا نہیں
اب تک تو اس روش کا کوئی گل کھلا نہیں

خُلق و مُروّتِ حسنی اُن پہ ختم تھی
حُسن اُن پہ ختم گلبدنی اُن پہ ختم تھی
زور اُن پہ ختم تیغ زنی اُن پہ ختم تھی
ہر معرکہ میں صف شکنی اُن پہ ختم تھی
غازی تھے صف شکن تھے جری تھے دلیر تھے
جس میں علیؑ رہے اسی بیشہ کے شیر تھے

اُن سب گلوں میں اک علی اکبر سا گل بدن
تھا جس کی جامہ زیبی کا شہرہ چمن چمن
رخسار سے بہم تھے جو گیسوئے پُرشکن
حیراں تھے سب کہ مل گئے کیونکر حلب ختن
سُرخی تھی لب پہ گو کہ نہ پانی نصیب تھا
دیکھا جو غور سے تو یمن بھی قریب تھا

کہتے تھے مسکرا کے پدر سے یہ دم بدم
عرصہ ہے کیا سوار ہوں اب قبلۂ اُمم
آمادۂ وغا ہے اُدھر لشکرِ ستم
دشمن اگر بہت ہیں تو ہم بھی نہیں ہیں کم
نامرد برقِ تیغ سے جل جائیں تو سہی
دب کے مورچوں سے نکل جائیں تو سہی

کہتے تھے اشک بھر کے امامِ فلک جناب
صدقے ترے جلال کے اے میرے آفتاب
دو روز سے ملا نہیں میرے چمن کو آب
جی بھر کے دیکھ لوں علی اکبرؑ ترا شباب
طاقت نہیں کلیجے میں شیروں کے داغ کی
پیارے ہیں دیکھتا ہوں بہار اپنے باغ کی

قربانِ احتشامِ علمدارِ حق پژوہ
سردار صفدروں کا دلیروں کا سرگروہ
دل کانپتے تھے دیکھ کے تیور دلیر کے
اک سو چراغ محفلِ شبیرؑ تھا جلوہ گر
تیرہ برس کا تھا ابھی وہ غیرتِ قمر
جرأت نثار ہوتی تھی اُس سرفروش پر
تلوار تول تول کے دستِ حنائی میں
حاصل تھا ہاتھ کو یدِ بیضا صفائی میں
ساعد فروغ دیتے تھے تارِ نگاہ کو
تھے پہلوئے حسین بن زینب کے دونوں لال
کاندھوں پہ پیچھے نظر آتے تھے دو ہلال
نو دس برس کا سن تھا مگر کیا دلیر تھے
دونوں یتیم حضرتِ مسلم تھے کیا عقیل
آپس میں کہتے تھے کہ پدر تو ہوئے قتیل
گھر سے طلب کیا تھا اسی اعتقاد پر
مہماں سے یہ سلوک مسافر سے یہ دغا
لیجا کے بام پر سرِ انور کیا جدا
ایسی کبھی وکیل پہ آفت پڑی نہیں
اس فوج میں یقیں ہے کہ ہوئے وہ روسیاہ
منت پہ اُن غریبوں کی مطلق نہ کی نگاہ
پائیں ابھی تو کشتۂ تیغ دو دم کریں

لرزاں تھا جس جری کے تہور سے دشت و کوہ
حمزہ کا دبدبہ اسد اللہ کی شکوہ
گویا سپاہِ شام تھی پنجے میں شیر کے
روشن تھے جس کے چہرۂ انور سے دشت و در
تن تن کے جھومتا تھا مگر مثلِ شیرِ نر
شملہ چھٹا تھا سبز عمامے کا دوش پر
کہتے تھے خوں بہائیں گے ہم اس لڑائی میں
اختر کی ضو دکھاتا تھا کنگنا کلائی میں
دکھلاتی تھیں ہتیلیاں آئینہ ماہ کو
گویا قرینِ بدر تھے دو نجمِ بے مثال
ظاہر تھا چتونوں سے یداللہ کا جلال
بچے بھی شیرِ حق کے گھرانے کے شیر تھے
حاضر تھے باادب عقبِ سرورِ جلیل
ہم کوفیوں کو ماریں گے عمر میں ہیں گو قلیل
لعنت خدا کی مذہبِ ابنِ زیاد پر
یہ ظلم اک غریب پہ بیکس پہ یہ جفا
خندق میں تن کو پھینک دیا وا مصیبتا
سُنتے ہیں ہم کہ لاش بھی اب تک گڑی نہیں
مارا ہمارے بھائیوں کو جس نے بے گناہ
سر چھوٹے چھوٹے کاٹ لیے سنگدل نے آہ
ہم نیمچوں سے ہاتھوں کو اُس کے قلم کریں

باتیں ابھی یہ کرتے تھے باہم وہ گلعذار
چڑھ چڑھ کے مرکبوں پہ چلے سب رفیق و یار
پھولا ہوا چمن تھا امامِ اُمم کے ساتھ

اللہ رے فیضِ جلوۂ ابنِ شہِ نجف
کس شان سے کھڑے تھے نمازی جما کے صف
گیتی لرز گئی دلِ اوتاد ہل گئے

لشکر سے تب بڑھا پسرِ سعد چند گام
شاہد رہیں تمام دلیرانِ فوجِ شام
ہے شاق مجھ کو خلق میں جینا حسینؑ کا

لکھا ہے جب لگا کے وہ ناوک ہٹا شریر
بے جاں ہوئے پچاس رفیقانِ بے نظیر
اُفتادہ خاک و خوں میں وہ اہلِ تمیز تھے

جس وقت خاتمہ رفقا کا ہوا بخیر
روتے تھے حالِ فخرِ سلیماں پہ وحش و طیر
ماتم ہوا حرم میں امامِ جلیل کے

راہی سوئے عدم ہوئے جس دم وہ بے پدر
مانندِ شیرِ حق کیئے حملے ادھر اُدھر
اُلٹیں صفیں جدھر وہ دمِ جنگ پھر پڑے

ناگاہ گھر میں ان کے فضہ نے دی خبر
رن میں گئے ہیں اکبر و عباسِ نامور
رن سے بہن کے بیٹوں کو شبیر لائیں گے

جو صدرِ زیں پہ مصدرِ رحمت ہوا سوار
آگے بڑھے علم لیئے عباسِ نامدار
تھا ہاشمی جوانوں کا غنچہ علم کے ساتھ

رن کی زمیں کو حق نے دیا خلعتِ شرف
بس یک بیک بجا دہلِ جنگ اُس طرف
تیرِ ستم کمانوں کے چلوں سے مل گئے

چلے میں رکھ کے تیر یہ سب سے کیا کلام
میں پہلے پھینکتا ہوں یہ ناوک سوئے امام
کیا شاد ہوں ہدف ہو جو سینہ حسینؑ کا

یکبار فوجِ شہ پہ چلے دس ہزار تیر
لاشوں پہ اُن کے روئے امامِ فلک سریر
یاں کچھ رفیق باقی تھے اور کچھ عزیز تھے

تھے پھر تو سب عزیز نہ تھا اُن میں کوئی غیر
کرنے لگے عزیز بھی ملکِ عدم کی سیر
تیغوں سے ٹکڑے ہو گئے پوتے عقیل کے

نکلے وغا کو زینبؑ ذی جاہ کے پسر
کٹ کٹ کے نیمچوں سے گرے سر کشوں کے سر
آخر زمیں پہ برچھیاں کھا کھا کے گر پڑے

لو کام آئے زینبؑ ناشاد کے پسر
روتے ہیں بھانجوں کے لیئے شاہِ بحر و بر
صف ماتمی بچھاؤ کہ لاشے اب آئیں گے

دوڑے حسین جانبِ مقتل باشک و آہ
مُردوں کو بھانجوں کے اُٹھا لائے گھر میں شاہ
زینبؑ مگر نہ روئی ادب سے امام کے
باہر امام لے گئے لاشے اُٹھا کے جب
مَل مَل کے ہاتھ کہتی تھی دل سے کہ ہے غضب
اولاد اپنی آج کے دن گر بچاؤں گی
دل میں یہ سوچتی ہوئی اُٹھی وہ خوش خصال
رو کر کہا کہ اے حسنِ مجتبٰےؑ کے لال
جاری ہیں اشکِ خون مری چشم پُر آب سے
گھر لٹ رہا ہے فاطمہ زہراؑ کا ہائے ہائے
غیروں نے یاں حسینؑ کے قدموں پہ سر کٹائے
گھیرا ہے نیٔے وطن کو عدو کی سپاہ نے
سب مر چکے امامِ دو عالم کے اقربا
حضرت کے تن کی جان ہیں وہ دونوں مہ لقا
تم بھی خجل رہو گے سدا جد کے سامنے
جو مرد ہیں وہ دیتے ہیں مردانگی کی داد
جلدی دولہن سے مل کے سدھارو پے جہاد
بیاہا تمھیں برآئی ہر اک آرزو مری
مادر کے مُنہ کو دیکھ کے بولا وہ گلعذار
جانیں ہزار ہوں تو چچا پر کریں نثار
رَن میں چلے تھے مرنے کو پہلے ہی سب سے ہم
آنکھوں کے سامنے ہوئے نے دم وہ رشکِ ماہ
سر پیٹے اہل بیتِ رسولِ فلک پناہ
چپ رہ گئی کلیجے کو ہاتھوں سے تھام کے
غیرت کا جوش آ گیا قاسمؑ کی ماں کو تب
ہمشکلِ مصطفٰےؐ کہیں مرنے نجائے اب
میں فاطمہ کو حشر میں کیا مُنہ دکھاؤں گی
قاسمؑ کو اپنے پاس بلایا بصد ملال
کچھ اس ضعیف ماں کی بھی عزت کا ہے خیال
زینبؑ کے آگے جا نہیں سکتی حجاب سے
دشمن وہ دوست ہے جو نہ اس دُکھ میں کام آئے
کیا قہر ہے کہ بھائی کا جایا نہ مرنے جائے
مُنہ دیکھنے کو کیا تمھیں پالا ہے شاہ نے
باقی ہے کون اکبرؑ و عباسؑ کے سوا
سر اُن کے کٹ گئے تو قیامت ہوئی بپا
شرمائیں گے حسنؑ بھی محمدؐ کے سامنے
کچھ اپنے باپ کی بھی وصیت ہے تم کو یاد
قربان ہو چچا پہ یہی ماں کی ہے مُراد
اب وہ کرو کہ جس میں رہے آبرو مری
ایسے ہیں ہم کہ بیٹھ رہیں وقتِ کارزار
رخصت ہی وہ نہ دیں تو ہے کیا اپنا اختیار
روکا چچا نے کہہ نہ سکے کچھ ادب سے ہم

اب بھی اگر نہ دیں گے رضا سرورِ اُمم
رکھ لیں گے تیغ کھینچ کے اپنے گلے پہ ہم
اماں مزارِ کشتۂ سم کی ہمیں قسم
زیرِ قدم ہے اب کوئی دم میں رہِ عدم
کیا دخل ہم سے آگے جو وہ شہ سوار ہوں
عباسؑ ہوں کہ اکبرِ عالی وقار ہوں

یہ کہہ کے آئے سر کو جھکائے دُلہن کے پاس
آنکھوں میں اشک درد کلیجے میں دل اُداس
فرمایا ہم کو ہائے یہ شادی نہ آئی راس
سب مر گئے عزیز شہنشاہِ حق شناس
بستی تمام لُٹ گئی ویرانہ ہو گیا
شادی کا گھر جو تھا وہ عزاخانہ ہو گیا

کس سے کہیں جو حالِ دلِ دردناک ہے
تلوار چل رہی ہے جگر چاک چاک ہے
اس زندگی پہ حیف ہے دنیا پہ خاک ہے
اب کوئی دم میں دلبرِ زہرا ہلاک ہے
آئی تباہی آلِ نبی کے جہاز پر
نرغہ ہے شامیوں کا امامِ حجاز پر

تم بھی کچھ اپنے باپ کی اس دم کرو مدد
آفت میں آج ہے پسرِ ضیغمِ صمد
دشمن کو بھی خدا نہ دکھائے یہ روزِ بد
صدقے کرو ہمیں کہ بلا اُن کی ہووے رد
راضی رضائے حق پہ بصد آرزو رہو
حیدرؑ سے ہم بتول سے تم سرخرو رہو

واللہ قتل ہوں گے جو عباسؑ نامور
صدمے سے ٹوٹ جائے گی شبیرؑ کی کمر
اکبر خدا نہ خواستہ مارے گئے اگر
مر جائیں گے تڑپ کے شہنشاہِ بحر و بر
وہ مستعد ہیں حلق کٹانے کے واسطے
ہم کیا پلے ہیں لاش اُٹھانے کے واسطے

سوچو تمہیں گلا نہ کٹائیں تو کیا کریں
فریادِ فاطمہ کی صدائیں سُنا کریں
رخصت کرو تو فوجِ ستم سے وغا کریں
کھولو جو لعلِ لب تو گہر ہم فدا کریں
صاحب ہیں سیرِ عروسِ اجل کرو
مُشکل کُشا کی پوتی ہو مشکل کو حل کرو

گھونگھٹ ہٹا کے ہم کو دکھاؤ تو رُخ کا نور
پاس اب نہ آسکیں گے کہ ہوتے ہیں تم سے دور
آنکھوں پہ ہیں ہتیلیاں رقّت کا ہے وفور
نرگس کے پھول ہاتھوں سے ملنا یہ کیا ضرور
جینے کی اس چمن میں خوشی دل سے فوت ہے
بُلبل جو گل کی شکل نہ دیکھے تو موت ہے

صاحب بھلا عدم کے مسافر سے کیا حجاب — ہم یوں ہیں جس طرح کہ سرِ آب ہو حباب
ایسی رداروی میں ٹھہرنے کی کب ہے تاب — کہتی ہے موت گور کی جانب چلو شتاب
رستہ ہے پر خطر کہیں وقفہ ذرا نہ ہو — منزل بہت کڑی ہے یہ، جلدی روانہ ہو

اِک دم کی بھی ہمیں تو جدائی ہے تم سے شاق — کیا کیجیے نصیب میں تھا صدمۂ فراق
لائی اجل پکڑ کے گریباں سوئے عراق — بولو زباں سے کچھ کہ نہ رہ جائے اشتیاق
چپکی یوہیں رہو گی تنِ پاش پاش پر — کیا بین بھی کرو گی نہ دولہا کی لاش پر

جب یہ سُنے کلام تو جی سنسنا گیا — دل پر چھری چلی کہ جگر تھرتھرا گیا
مُنھ پر دلہن کے صاف رنڈاپا سا چھا گیا — جوشِ بکا میں کچھ نہ زباں سے کہا گیا
دولہا کو اتنی بات سُنا کر اک آہ کی — صورت بتاتے جاؤ ہمارے نباہ کی

سمجھی کہ جیتے اب نہیں پھرنے کے رن سے تم — پیاسا گلا کٹا کے ملو گے حسنؑ سے تم
سوؤ گے منھ چھپا کے لحد میں کفن سے تم — اچھا سلوک کرتے ہو صاحب دلہن سے تم
اک رات کی بنی پہ جفا یوہیں چاہیئے — اے شمعِ بزمِ مہر و وفا یوہیں چاہیئے

فرماؤ کیا کریں جو نہ روئیں بہ درد و یاس — نہ باپ کی نہ بھائیوں کی نہ چچا کی آس
مہماں ہیں کوئی دم کے جہاں میں وہ حق شناس — سونپا تھا آپ کو سو ہے آپ بھی نہ پاس
وارث ہے کون پھر جو گلے سب کے کٹ گئے — تم کیا کرو نصیب ہمارے اُلٹ گئے

میں کون ہوں بھلا جو کہوں گی کہ تم نہ جاؤ — راضی ہیں ماں تمھاری تو جاؤ گلا کٹاؤ
گھر تو اُجاڑ ہو چکا جنگل کو اب بساؤ — نبھ جائے گا ہمارے رنڈاپے کا غم نہ کھاؤ
مسکن کریں گے رن میں تنِ پاش پاش پر — ہم بھی فقیر ہوئیں گے صاحب کی لاش پر

باتیں یہ سُن کے روتے تھے قاسم بحالِ زار — ہل من مبارز کی صدا آئی ایک بار
ماں نے کیا اشارہ کہ اے میرے گلعذار — موقع نہیں ہے دیر کا اُٹھو یہ ماں نثار
کیا جانے ہوگا قبر میں کیا حال باپ کا — جی لگ گیا عروس کی باتوں میں آپ کا

فرما کے الوداع اُٹھا دلبرِ حسنؑ
برہم ہوئی وہ بزم وہ صحبت وہ انجمن
غل ہو گیا کہ لٹتی ہی اک رات کی دلہن
اُس وقت سب سے دولہا کی ماں کا تھا یہ سخن
جاتی ہی اب برات مرے نونہال کی
رخصت ہی بی بیو زنِ بیوہ کے لال کی

جاتا ہی سر کٹانے کو رن میں یہ رشکِ ماہ
لو میں نے دودھ بخش دیا سب ہیں گواہ
دنیا میں یادگار رہا حشر تک یہ بیاہ
دو رانڈیں ایک جا ہوں یہ تھی مرضیِ الٰہ
سمجھے نہ اب کوئی کہ دلہن کی عزیز ہوں
کل تک تھی ساس آج سے اُس کی کنیز ہوں

مطلع دوم

جب خیمۂ حسینؑ سے نکلا حسنؑ کا لال
دیکھا کہ در پہ روتے ہیں سرور بصد ملال
بس گر پڑا قدم پہ یہ کہکر وہ خوش خصال
دیجے رضائے حرب مجھے بہرِ ذوالجلال
چلائی ماں کہ سبطِ پیمبر نہ رو کہو
شبیرؑ نے دی صدا کہ برادر نہ رو کہو

لپٹا کے اُس کو چھاتی سے بولے شہِ اُمم
پیارے تمہارا داغ بھی دل پر سہیں گے ہم
بیش و پس ہی منزلِ ہستی میں کوئی دم
تم آگے چند گام تو ہم پیچھے دو قدم
کچھ غم نہیں جو راہ ہی خنجر کی دھار پر
ہر دم خدا کا فضل ہی اس خاکسار پر

یہ کہہ کے دل قلق سے بھر آیا جو ایک بار
روئے مثالِ ابر شہِ آسماں وقار
تر آنسوؤں سے ہو گئی ریشِ خضابدار
تسلیم کر کے قاسمِ گلرو ہوا سوار
دولہا کے نورِ رُخ کی ضیا چرخ تک گئی
جولاں کیا فرس کو تو بجلی چمک گئی

پہونچا جو رزمگاہ میں وہ غیرتِ قمر
نیزہ پکڑ کے گھوڑے کو پھیرا اِدھر اُدھر
بولے عدو یہ کوئی فرشتہ ہی یا بشر
خورشیدِ خاوری کی بھی خیرہ ہی یاں نظر
اللہ ری چمک رُخِ پُر آب و تاب کی
سہرہ بنا ہوا ہی کرن آفتاب کی

کیوں وصفِ لعلِ لب میں چلا دست و پائے لب
ہی مدح خواں کو قندِ مکرر ثنائے لب
شیریں لبوں کے ہیں لبِ شیریں فدائے لب
دیکھے یہ لب تو یوسفِ مصری چبائے لب
ترکِ ادب ہی اس کی ثنا اس طریق سے
دھونا زباں کو چاہیئے آبِ عقیق سے

دنداں محیط نور کے ہیں گوہرِ خوش آب
برّاق اس قدر ہیں کہ ہی برق کو حجاب
ان سے مقابلہ کی نہیں اختروں کو تاب
بتّیس موتیوں کی یہ سمرن ہی انتخاب
حیراں ہی چشمِ حور ظہور ان کا دیکھ کر
دانا درود پڑھتے ہیں نور ان کا دیکھ کر

ناگہ رجز یہ پڑھنے لگے قاسمؑ جری
عالم میں کون ہی جو کرے ہم سے ہم سری
ہم حیدری ہیں ہم میں ہی زورِ غضنفری
ہم سے ہی اوجِ پایۂ اورنگِ صفدری
شہرہ ہی حرب و ضرب شہ خاص و عام کا
سکّہ ہی شش جہت میں ہمارے ہی نام کا

جد ہی مرا امیرِ عرب شحنۂ نجف
ضرغامِ دیں معینِ رسولانِ ماسلف
دادی جناب فاطمہ زہرا سی ہی شرف
عمو حسینؑ صاحبِ لولاک کا خلف
میں پارۂ دلِ حسنؑ خوش خصال ہوں
ہا میرے سے جو شہید ہوا اُس کا لال ہوں

اُس کا پسر ہوں ای سپہِ مصر و روم و شام
گلزارِ فاطمہؑ کا ہی جو سروِ سبز فام
واللہ اُس کا لختِ جگر ہوں میں تشنہ کام
تابوت جس کا تیروں سے چھلنی ہوا تمام
جان اُس کی ہوں میں جس کو نہ جاگیرِ جد ملی
پہلو میں مصطفےٰؐ کے نہ جس کو لحد ملی

ناگاہ فوجِ شام سے تیرِ ستم چلے
تیر و سنان و نیزہ و خنجر بہم ملے
قاسم بھی یاں سے کھینچ کے تیغِ دودم چلے
اعدا پہ چھیڑ کر فرسِ خوش قدم چلے
پیدل تُو اس قطار کے بھتے کس قطار میں
دو دو سوار کٹ گئے ایک ایک وار میں

ڈھالیں اُٹھیں کہ دن شبِ دیجور ہو گیا
لامع جو برقِ تیغ ہوئی نور ہو گیا
حیراں ہر ایک ظالم مقہور ہو گیا
چہروں کا رنگ خوف سے کافور ہو گیا
آئی ہنسی اجل کو بھی اس طرح مر گئے
گھوڑوں پہ تن چڑھے رہے اور سر اتر گئے

تھا ابنِ سعدِ شوم کو اُس دم بہت ہراس
غرقِ سلاح ازرقِ شامی کھڑا تھا پاس
اُس سے کہا کہ فوج نہایت ہی بے حواس
تو جا کے لڑ تو قتل ہو شاید یہ حق شناس
رُکتا ہی برچھیوں سے نہ دامِ کمند سے
جلدی سناں پہ اس کو اُٹھا لے کمند سے

کہنے لگا بگڑ کے وہ باصد غرور و لاف
تو آپ نے جو اس ہی تقصیر ہو معاف
یہ امر ای امیر شجاعت کے ہی خلاف
ہاں تب لڑوں علی اگر آئیں پئے مصاف
فرق آئے گا نہ میری کبھی آن بان میں
لڑکے سے لڑکے نام مٹادوں جہان میں

ڈرتے ہیں سب جری مری جنگ و جدال سے
رستم کا زور آگے مرے کم ہی زال سے
رکتی نہیں یہ تیغ تہمتن کی ڈھال سے
ناداں ہوں کیا لڑوں میں جوان خردسال سے
بیٹوں کو میرے بھیج کہ چاروں دلیر ہیں
جنگ آزما ہیں سور ہیں صفدر ہیں شیر ہیں

لکھا ہی چار تھے پسر ازرق پلید
دشمن تو آلِ پاک کے شیطان کے مرید
بولا یہ اُن کو دیکھ کے وہ پیرو یزید
ہاں جاکے اِس یتیم کو جلدی کرو شہید
رُلواؤ قبر میں حسنؑ دل ملول کو
بیوہ بناؤ دخترِ سبطِ رسولؐ کو

یہ چاند مجتبےٰ کا ہی خوں میں لے ڈوباؤ
تلواریں مارو، ذبح کرو، برچھیاں لگاؤ
انعام دوں یہ جنگ اگر فتح کرکے آؤ
سہرے سمیت کاٹ کے دولہا کے سر کو لاؤ
خلعت ملیں گے جاؤ گے جس دم سلام کو
سر اس کا نذر دیجو تمہیں میر شام کو

نکلا یہ بات سنتے ہی اُن میں سے ایک یل
پیچھے چلی شریر کے ہنستی ہوئی اجل
نعرہ کیا یہ غیظ سے موذی نے کھا کے بل
ہاں ای حسنؑ کے لال خبردار ہو، سنبھل
کام آئے کچھ تو نام شہ ذوالفقار لے
پستی پہ ہو کوئی تو مدد کو پکار لے

قاسم یہ نعرہ زن ہوئے چمکا کے راہوار
امداد وقتِ جنگ ہی شیروں کو ناگوار
کافی ہی بس ہمیں سپرِ حفظِ کردگار
او خیرہ سر اجل تری گردن پہ ہی سوار
دشمن کو اپنی ضرب طمانچہ قضا کا ہی
آ کوئی وار کر جو ارادہ وغا کا ہی

یہ سنتے ہی کماں کو اٹھا کر بڑھا شریر
چلے میں تین بھال کا جوڑا شقی نے تیر
تھا بس کہ تیز دست حسنؑ کا مہِ منیر
بجلی سی آئی کوند کے شمشیر نے نظیر
یوں قطع انگلیاں ہوئیں اُس تیرہ بخت کی
جیسے کوئی قلم کرے شاخیں درخت کی

اک ہاتھ میں جو کٹ گئے دستِ نابکار
بولے کمر میں رکھ کے یہ شمشیرِ آبدار
اب دیکھ میرے تیر کا توڑا و خطا شعار
پکڑا کماں کے قبضے کو یہ کہہ کے استوار
چلّہ جو کھینچنے لگے سرکش کو تاک کے
رستم کی روح چھپ گئی تودے میں خاک کے

چٹکی سے چھوٹ کر جو چلا تیر لے اماں
قربان تیرے ہاتھ کے چلائی یہ کماں
بچتی ہے کب خدنگِ اجل سے کسی کی جاں
نکلا وہ تیر توڑ کے سینے کے استخواں
اک دم میں دی شکست خطا کو ثواب نے
غل تھا قفس کی تیلیاں توڑیں عقاب نے

مرکب سے گر کے مر گیا جب وہ عدوئے دیں
نکلا اُدھر سے تب پسرِ ثانیِ لعیں
نیزے کو تولتا ہوا مغرور و خشمگیں
ابرو پہ بل نگاہ میں قہر اور جبیں پہ چیں
ہمراہ اُس کے تیغ بکف سو سوار تھے
اور اس طرف مدد کو شہِ ذوالفقار تھے

نیزے کا وار کرنے لگا جب وہ خود پسند
بجلی سا کوندنے لگا دولہا کا بھی سمند
نیزہ اڑا کے نیزے سے کی یہ صدا بلند
کیوں تو نے دیکھے نیزۂ مشکلکشا کے بند
یہ سُن کے اُس نے ڈھال کو چہرے پہ گو لیا
پتلی کو نے حیا کی سناں میں پرو لیا

بیکار کور ہو کے ہوا جب وہ خیرہ سر
چٹکے میں ہاتھ ڈال کے پٹکا زمین پر
آواز دی زمیں نے کہ فی النار والسقر
جا تو بھی ہے برادرِ عینی ترا جدھر
جز موت کچھ شقی کو نہ اُس دم نظر پڑا
آنکھیں کھلیں تو قعرِ جہنم نظر پڑا

جھپٹا برادرِ سوم اُس کا بہ کرّ و فر
تانے ہوئے وہ گرزِ گراں سر کہ الحذر
یاں بجز حفظ دستِ یداللہ تھے سپر
تیغِ دودم کو شبّر نے تولا بچا کے سر
یوں دو کیا عمودِ سرِ نابکار کو
جس طرح تیغِ تیز اڑا دے خیار کو

مڑتے ہی اُس کے فوج سے چوتھا پسر بڑھا
قاسم پکارے او بلِ خود سر کدھر بڑھا
سُنتے ہی یہ وہ تیغِ دودم کھینچ کر بڑھا
جھنجلا کے مجتبیٰ کا بھی لختِ جگر بڑھا
لڑتا وہ کیا کہ تیرِ اجل کا نشانہ تھا
اک ہاتھ میں نہ سر تھا نہ بازو نہ شانہ تھا

بے جاں ہوئے نبرد میں بیٹے جو اس کے چار
جوشِ غضب سے سرخ ہوئیں چشمِ نابکار
جیبِ قبا کو مثلِ کفن پھاڑتا ہوا
شانے پہ تھی شقی کے وہ دو ٹانک کی کماں
چار آینہ وہ پہنے تھا بر میں کہ الاماں
کہتی تھی یہ زرہ بدنِ بدخصال میں
آمد شقی کی دیکھ کے گھبرا گئے امام
لو بھائی جنگ ہو چکی قصہ ہوا تمام
ہم شکلِ مجتبیٰ کو بابا لو پکار کے
یہ کہہ کے قبلہ رو ہوئے سلطانِ کائنات
ای خالقِ زمین و زماں ربِ پاک ذات
تو حافظ جہاں ہی کریم و رحیم ہی
فضہ پکاری خیمے میں آکر بچشمِ تر
آیا ہی لڑنے ارزقِ ملعون خیرہ سر
عباس روتے ہیں علی اکبر اداس ہیں
نکلا یہ سب کے منہ سے کہ ہی ہی حسن کے لال
سینے میں ہل گیا دلِ بانوئے خوش خصال
عابد کا تپ میں گرم بدن سرد ہو گیا
چلائی روکے زوجۂ عباس نوجواں
سن کر یہ غل دولہن کے بھی آنسو ہوے رواں
خالق کرے گا رحم نہ آہ و بکا کرو

ارزق کا دل ہوا صفتِ لالہ داغدار
مثلِ تنور منہ سے نکلنے لگا بخار
نکلا پرے سے دیو سا چنگھاڑتا ہوا
ارجن بھی جس سے سہم کے گوشے میں ہو نہاں
دب جائیں جس کے بوجھ سے رستم کے استخواں
جکڑا ہی پیل مست کو لوہے کے جال میں
عباس نامور سے یہ رو کر کیا کلام
آیا سوئے یتیم حسن موت کا پیام
مانگو دعا سروں سے عمامے اوتار کے
درگاہ کبریا میں دعا کی اٹھا کے ہات
ارزق کے ہاتھ سے مرے قاسم کو دے نجات
یارب بچا اسے کہ یہ لڑکا یتیم ہی
لوگو تمھیں یتیم حسنؑ کی بھی ہی خبر
کھولو سروں کو ای حرمِ شاہ بحر و بر
ایسا ہی کچھ کہ سبطِ نبی بے حواس ہیں
زینب نے اٹھ کے کھول دیئے اپنے سر کے بال
چلائی ماں گذر گیا کیا میرا نونہال
قاسم کے چھوٹے بھائی کا منہ زرد ہو گیا
یارب ہی تو یتیم حسن کا نگاہباں
لیکر بلائیں ساس پکاری کہ میری جان
دولہا پہ آبنی ہی یہ میں صدقے دعا کرو

اُس اضطراب میں جو سنا ساس کا سخن
زانو سے سر اُٹھا کے ہوئی قبلہ رو دولہن
آہستہ کی یہ عرض کہ ای ربِّ ذوالمنن
دشمن پہ فتح یاب ہو لختِ دلِ حسنؑ
لڑنے گئے ہیں تشنہ دہن تیری راہ میں
رکھ میرے ابنِ عم کو تو اپنی پناہ میں

یا رب دُولہن بنے مجھے گزری ہی ایک شب
دولہا جو مر گیا تو مجھے کیا کہیں گے سب
اب تک تو شرم سے نہ ہلائے تھے میں نے لب
پر کیا کروں کہ اب ہی مری روح پر تعب
شبیرؑ کے آفتاب کا وقتِ غروب ہی
دولہا سے پہلے مجھ کو اُٹھا لے تو خوب ہی

سہرے کے پھول بھی ابھی سوکھے نہیں ہیں آہ
جو آگیا پیام، رنڈاپے کا یا الٰہ
یہ عقد تھا کہ موت تھی ماتم تھا یہ کہ بیاہ
بعد اُن کے ہوگا خلق میں کیونکر مرا نباہ
اُٹھوں جہاں سے دلبرِ شبیرؑ کے سامنے
عورت کی موت خوب ہی شوہر کے سامنے

فوجیں ادھر دعا کی چلیں سوئے آسماں
بَل کھا کے اُس طرف یہ پکارا وہ بدزباں
رستم بھی ہو تو کھینچ نہیں سکتی مری کماں
جوشن کو توڑتا ہی مرا تیر نے اماں
ہی اُس کی فتح ساتھ ہوں میں جس رئیس کے
سُرمہ کیا ہی دیو کو چٹکی میں ہیں کے

قاسم نے دی صدا کہ بس اب کر زباں کو بند
اللہ کو غرور و تکبّر ہی ناپسند
حق نے فروتنی سے کیا ہم کو سربلند
نیزے کا بند باندھ کوئی چھیڑ کر سمند
دیکھیں بلند کون ہی اور پست کون ہی
کھل جائے گا ابھی کہ زبردست کون ہی

کیا زور تیرا اور تری ضرب او ذلیل
تعریف اپنی خود یہ سفاہت کی ہی دلیل
جوہر خود اُس کے کھلتے ہیں جو تیغ ہی اصیل
کاٹے ہماری تیغ نے بازوئے جبرئیل
جرات میں ہم کسی کو بھلا کب سمجھتے ہیں
مضبوط جو ہیں وہ تجھے بودا سمجھتے ہیں

یہ گرز میلِ راہِ سفر ہی ترے لیئے
دستِ اجل ترا یہ تبر ہی ترے لیئے
برچھی کا پھل قضا کا ثمر ہی ترے لیئے
کالی بلا تری یہ سپر ہی ترے لیئے
ضربت نہ چل سکے گی جو ماریں گے ہم تجھے
لے آبرو کرے گی یہ تیغِ دودم تجھے

کیا ہو سکے گا تجھ سے بھلا وقتِ دار و گیر
حلقہ کہیں کماں کا نہ کر لے تجھے اسیر
او تیرہ رو بھلا یہ سپر کیوں لگائے ہے
گو اسلحہ ہے زیورِ مردانِ سرگزار
ہے دم میں فیصلہ جو کھنچے تیغِ آبدار
چھپتے نہیں ہزار میں تیور دلیر کے

بیٹوں کے غم نے کر دیئے مختل تھے جو ہیں
فاقہ ہے ہم پہ اور ہے سولہ پہر کی پیاس
گم ہیں جو نورِ عین تو آنکھیں چرائے ہے
آگے ہمارے دعویِٰ جرأت خدا کی شاں
مغرور اس پہ ہے کہ میں لڑکا ہوں نوجواں
ہیں شیر شیر خوار جنابِ امیرؑ کے

بارہ برس کے سن میں لڑے شاہِ ذوالفقار
ہے دیکھنے کا یہ تن و توش اُو زبوں شعار
لڑکوں سے فوجیں بھاگی ہیں منھ پھیر پھیر کے
قائل کیا جو مصحفِ ناطق کے لال نے
برچھا اُٹھایا ہاتھ میں اُس بدخصال نے
تکنے لگے صفوں سے جواں سب لڑے ہوئے

قاسمؑ نے عرض کی کہ بہت ڈھوپ ہے حضورؑ
فرمایا صدقے میں تری ہمت کے اے غیور
ہشیار جانِ عم کہ دمِ کارزار ہے
دستانے دونوں ہاتھوں کو پکڑے ہیں اور تیر پر
دشمن ہیں سب ترے جنھیں سمجھا ہوا ہے تیر
آ ہوش میں کہ تجھ کو سیاہی دبائے ہے

سب حربے چل سکیں گے بھلا وقتِ گیر و دار
لادے ہوئے ہے تن پہ عبث ایک خر کا بار
یہ تو نہیں ہے کلب ہے برقع میں شیر کے
گھبرا نہ بھیجتے ہیں تجھے بھی انھیں کے پاس
آنکھیں ملا کے دیکھ بھلا ہے کہیں ہراس
ثابت ہوا جھلم سے کہ منہ کو چھپائے ہے

گدی سے کھینچ لوں ابھی بڑھ کر تری زباں
لے میان سے کہ اس کا بھی ہو جائے امتحاں
جھولے سے پھینک دیتے ہیں اژدر کو چیر کے
مرحب سا پہلواں نہ بچا وقتِ کارزار
گینڈے کی ڈھال کاٹتی ہے تیغِ آبدار
ہاتھی کو مار ڈالا ہے بچوں نے شیر کے

تر کر دیا اُسے عرقِ انفعال نے
چھیڑا فرس کو قاسمؑ یوسف جمال نے
عباس نامدار قریب آ کھڑے ہوئے
رہیئے چچا کے پاس یہ تکلیف کیا ضرور
دشمن کو پاس آنے نہ دو ہم کھڑے ہیں دور
جاتا ہے اب کہاں یہ تمہارا شکار ہے

کیوں تیغ تول تول کے بڑھتے ہو بار بار
بیٹا سپر تو ہاتھ میں لے لو چچا نثار
صدقے ترے جواں کے ای میرے شہسوار
ہاں دونوں پانوں رکھیو رکابوں میں استوار
آنے دو اس کو تیغ ابھی دم بھر تھمی رہے
گھوڑا نہ بدمزاج ہو پٹری جمی رہے

فارس ہو تم سا کون ہو چرخ چمبری
دکھلا رہے ہو صاحب دلدل کی بگدھری
صدقے میں ای نہنگ محیط دلاوری
دکھلا دے ضرب تیغ جہانگیر حیدری
ابرو پہ بل ہو آنکھوں سے آنکھیں لڑی رہیں
بھاری زرہ وہ پہنے ہو چوٹیں کڑی رہیں

بیٹا تمھیں خدا نے دیا ہو علیؑ کا زور
گو پیل ہو پہ ہم تو سمجھتے ہیں اُس کو مور
بہرام کی طرح سے چلا اب میان گور
دیکھو گے دیکھنے کا فقط ہو یہ زور و شور
چتلے ہیں جتنے سانپ وہ ڈستے نہیں کبھی
گرجے ہیں جو بہت وہ برستے نہیں کبھی

سُن کر صدائے شیر پکارا وہ بُزدلا
کیا ان کے ساتھ آپ بھی ہیں عازمِ وغا
تیوری چڑھا کے حضرتِ عباس نے کہا
بس ہو تجھے یہ طفل مری احتیاج کیا
کچھ تجھ سے کم نبیرۂ خیبر شکن نہیں
دو ایک سے لڑیں یہ ہمارا چلن نہیں

نیزہ ہلا کے جانب قاسم بڑھا وہ یل
دولہا نے مسکرا کے صدا دی سنبھل سنبھل
گھوڑا نہ گر پڑے ترے لنگر سے منہ کے بھل
تو ہو فرس پہ اور تری گردن پہ ہو اجل
ضیغم ہیں بیشۂ اسدِ ذوالجلال کے
کیجیو سناں کے وار ذرا دیکھ بھال کے

یہ کہہ کے اپنے چھوٹے سے نیزے کو دی نکاں
چمکی انی تو برق پکاری کہ الاماں
اک بند باندھ کر جو فرس سے کہا کہ ہاں
ڈانڈ آئی ڈانڈ پر تو سناں سے لڑی سناں
بل کیا کرے کہ زور ہی موذی کا گھٹ گیا
غل تھا کہ اژدہے سے وہ افعی لپٹ گیا

قاسم نے زور سے جو انی پر رکھی انی
بھاگا شقی کے جسم سے زورِ تہمتنی
بگڑا جو ڈھنگ جان پہ ظالم کے آبنی
تھی اس سناں کی نوک کہ ہیرے کی تھی کنی
اُڑ کر گری زمیں پہ سناں اس نکان سے
گرتا ہو جیسے تیرِ شہاب آسمان سے

جھنجلا کے چوب نیزے کو لایا وہ فرق پر
دو انگلیوں میں نیزۂ دشمن کو تھام کر
نیزہ بھی دب کے ٹوٹ گیا نابکار کا
سنبھلا وہ نے شور یہ جھٹکا اوٹھا کے جب
چلّے میں تیر جوڑ چکا جب وہ بے ادب
تیر نگاہ سے وہ خطا کار ڈر گیا
بولا یہ مسکرا کے جگر گوشۂ حسنؑ
چلّائے بڑھ کے حضرتِ عباسِ صف شکن
دیکھا ہمارے شیر کی چتون کی شان کو
کند و گداز[1] تیرِ نظر پر بھی کی نظر
شیروں نے کاٹ ڈالے ہیں رُتنوں کے سر
ترکش کو پھینک دے جو حمیت کا جوش ہو
دو سمت سے چلے جو ملامت کے اُس پہ تیر
ہاں اے حسنؑ کے لعلِ بدخشاں بدہ بگیر
چمکا کے تیغِ تیز جو قاسم سنبھل گئے
مانندِ شیر غیظ میں آیا وہ پیل تن
ماری زمیں پہ ٹاپ کہ لرزا تمام بن
میخیں زمیں کی اُس کی لگا پو سے ہل گئیں
فرفر نفس کی آتی تھی نتھنوں سے جب صدا
دشمن کو گھورتا ہی دہانا چبا چبا
دشمن کو کیا نبرد میں بچنے کی آس ہو

قاسمؑ نے ڈانڈ ڈانڈ پہ مارا بچا کے سر
جھٹکا دیا کہ جھک گئی گھوڑے کی بھی کمر
دو اُنگلیوں سے کام لیا ذوالفقار کا
قبضے میں لے کمان کیانی بصد غضب
تیوری چڑھائی قاسمؑ نوشاہ نے بھی تب
کانپے یہ دونوں ہاتھ کہ چلّہ اُتر گیا
رُخ پھیر یوں نہ او ستم ایجاد پیل تن
کیا خوب تجھ کو یاد ہیں تیر افگنی کے فن
دعوئی ہی کچھ ابھی تو چڑھا لے کمان کو
ظالم عقابِ تیر کے بھی اُڑ گئے ہیں پر
ہاں اب بتا صواب کدھر ہی خطا کدھر
چٹکی سے لو کو تھام کے حلقہ بگوش ہو
چلایا تیغِ تیز علم کر کے وہ شریر
نکلی چمک کے یاں سے بھی تیغِ قضا نظیر
سمجھا جو کچھ فرس کے بھی تیور بدل گئے
آنکھیں ابل پڑیں صفتِ اژدہا ہوئے ختن
چلّائے سب کہ گھوڑے پہ بھی لو چڑھا ہے رن
دونوں کنوتیاں بھی کھڑی ہو کے ہل گئیں
کہتے تھے لوگ سب کہ ہے رفرف یہ بادپا
غل تھا کہ بس فرس ہو تو ایسا ہو با وفا
لڑلے کتا رہاں یہ فرس جس کے پاس ہو

[1] کند و گداز تیر [illegible] تیر اندازوں کی اصطلاح ہے

چھل بل دکھائی فوج کو دوڑا اٹھا اوڑا
دیکھی زمیں کبھی کبھی سوئے سما اوڑا
جن تھا پری تھا سحر تھا آہو شکار تھا
دونوں طرف سے چلنے لگے وار یکبیک
تکنے لگے فلک کے دریچوں سے سب ملک
چہرے پہ آفتاب کے مقتل کی گرد تھی
ہر بار جانبین سے ہوتے تھے وار رد
جب بڑھ کے وار کرتا تھا وہ بانیِ حسد
یوں روکتے تھے ڈھال پہ تیغِ جہول کو
لایا جو حرف سخت زباں پر وہ بدخصال
گھوڑے سے بس لٹا دیا گھوڑا بصد جلال
اوجھڑ لگی کہ ہوش اوڑے خودپسند کے
عباسؑ نامدار نے پہلو سے دی صدا
دشمن کے مار ڈالنے کی بس یہی ہو جا
گھوڑا بھی اس طرف کو ادھر ہو کے پھر پڑا
غازی نے دی صدا کہ وہ مارا ذلیل کو
کیا منہدم کیا رہِ عصیاں کے میل کو
دو ہو گئی کمر نہیں تسمہ لگا ہوا
قاسم سے پھر کہا کہ مبارک تمھیں ظفر
اور عرض کی یہ دور سے ہاتھوں کو جوڑ کر
پشتی پہ آپ جب ہوں تو پھر کیا ہراس ہو

صورت بنائی جست کی ٹما جما اوڑا
مثل سمند بادشہ اٹھا اوڑا
گویا ہوا کے گھوڑے پہ گھوڑا اسوار تھا
دو بجلیاں دکھانے لگیں ایک جا چمک
اک زلزلہ تھا اوج ثریا سے تا سمک
یہ خوف تھا کہ دھوپ کی رنگت بجھی دکھی
تھا حرب و ضرب میں وہ شقی بھی بلائے بد
کہتا تھا بازوئے شہِ دیں یا علیؑ مدد
جس طرح روک لے کوئی شہ زور پھول کو
جھپٹا مثالِ شیرِ درندہ حسنؑ کا لال
اتنے بڑھے کہ لڑ گئی اُس کی سپر سے ڈھال
گھوڑے نے پاؤں رکھ دیئے سر پر سمند کے
ہاں اب نہ جانے دیجیو احسنت مرحبا
سنتے ہی یہ فرس سے فرس کو کیا جدا
مارا کمر پہ ہاتھ کہ دو ہو کے گر پڑا
بچے نے آج پست کیا مست پیل کو
لو کوفیو گرا دیا حرفِ ثقیل کو
دیکھو تو آ کے لاش کے ٹکڑے یہ کیا ہوا
تسلیم کی ادب سے چچا کو جھکا کے سر
اقبال آپ کا کہ مہم ہو گئی یہ سر
کام آئے کیوں نہ رس جو اُستاد پاس ہو

فرمایا جانِ عم یہ بشر تھا کہ دیو زاد
آؤ کہ تم پہ پھونک دیں پڑھ کر وانْ یکاد
بیوہ کا لال بچ گیا صدقے حسینؑ پر
عباسِ نامدار تو ہنستے چلے اودھر
اس غم کدے میں دہر کے شادی کہاں مگر
لاکھوں سے لڑ کے پیاس میں مجبور ہو گئے

کیونکر تمام فوج سے اک تشنہ لب لڑے
کھا کھا کے زخم مثلِ امیرِ عرب لڑے
جلوہ میانِ تشنہ دہانی دکھا دیا
للکارا جس نے لشکر میں گھوڑا ڈپٹ کے آئے
بجلی اودھر گری یہ جدھر کو پلٹ کے آئے
منہ سرخ تھا کھلے ہوئے تھے زخم سینے کے

کاٹے رسالے تیغ سے کارِ قلم لیا
پھر دستِ چپ میں تیغ و سپر کو بہم لیا
یاں بند ہو کے آنکھ کھلی جتنی دیر میں
آخر گھرا سپاہ میں وہ چودھویں کا ماہ
لشکر کے ساتھ تھا پسرِ سعد روسیاہ
غل تھا کہ روند ڈالا ہی لشکر کے باغ کو

تیغیں چڑھائی تھیں جو لعینوں نے سان پر
تیروں پہ تیر تھے تو کمانیں کمان پر
یوں برچھیاں تھیں چار طرف اس جناب کے
ڈھایا ہے تم نے کفر کا گھر خانۂ عناد
چلائی در سے ماں کہ بر آئی مری مراد
اسپند کوئی کر دے مرے نورِ عین پر

یعنی خوشی کی جا کے شہِ دیں کو دوں خبر
یاں اس بنے پہ ٹوٹ پڑے لاکھ اہلِ شر
حرملے ہزار ہا جو چلے چور ہو گئے
اک اک لڑا نہ آہ بہم ہو کے سب لڑے
جاں بازیاں ستم کی دکھائیں غضب لڑے
بچپن میں لڑ کے زورِ جوانی دکھا دیا

یوں آئے جیسے شیر درندہ جھپٹ کے آئے
صف کو بچھا کے آئے پرے کو الٹ کے آئے
بن کر لہو ٹپکتے تھے قطرے پسینے کے
دستِ یمیں نے جنگ میں آرام کم لیا
تیورائے سنبھلے منہ سے لہو ڈالا دم لیا
سو تیر دل کو توڑ گئے اتنی دیر میں

روکے تھی فوج تیروں سے اور برچھیوں سے راہ
تلوار چل رہی تھی کہ اللہ کی پناہ
ہاں غازیو بجھا دو حسنؑ کے چراغ کو
پڑتی تھیں وہ قریب سے اس ناتوان پر
ہلہ تمام فوج کا تھا ایک جان پر
جیسے کرن نکلتی ہو گردِ آفتاب کے

غش میں جھکا فرس پہ جو وہ غیرتِ قمر
برچھی لگی جو سینے پہ ٹکڑے ہوا جگر
طارق کی تیغ کھا کے پکارے امام کو
سنتے ہی استغاثۂ داماد کی صدا
گھبرا کے بولے حضرتِ عباسِ باوفا
چلائی ماں ارے مری بستی اجڑ گئی
جھپٹے جو شاہ فوج پہ چمکا کے ذوالفقار
اس غیظ میں یمین سے جو آئے سوئے یسار
بھاگے ہیں خوں سے رن کی زمین لال ہو گئی
دیکھا امام نے کہ رگڑتے ہیں ایڑیاں
داماد سے لپٹ گئے حضرت بصد فغاں
جب لاش اٹھائی شہ نے تو چور استخوان تھے
ڈیوڑھی پہ لائے لاش جو سلطانِ بحر و بر
لاشے کے پاؤں تھامے کوئی اور کوئی سر
لٹکی تھیں دونوں خاک میں زلفیں اٹی ہوئیں
لاشہ ادھر سے لیکے چلے شاہِ کربلا
فضہ تھی آگے آگے کھلے سر برہنہ پا
چھپ جائے جس سے دور کا ناتا ہی صا جو
بہنیں کدھر ہیں ڈالنے آنچل بنے پہ آئیں
رخصت ہوں جلد تا کہ براتی بھی چین پائیں
دل پر سہے فراق کی شمشیرِ تیز کو

مارا کسی نے فرق پہ اک گرز گاؤ سر
گرتے تھے اسپ سے کہ کمر پر لگا تبر
فریاد یا حسینؑ بچاؤ غلام کو
دوڑے حسینؑ جانبِ مقتل برہنہ پا
تلوار کس پہ چل گئی ہی ہی ہوا یہ کیا
ای بھائی دوڑو بن کے لڑائی بگڑ گئی
بجلی گری یزید کے لشکر پہ ایک بار
بھاگے پھرا کے گھوڑوں کی باگوں کو سب سوار
دولھا کی لاش گھوڑوں سے پامال ہو گئی
سوکھے ہوئے لبوں پہ ہے اینٹھی ہوئی زباں
بے حال ہوا حسینؑ کے آگے وہ نیم جاں
سب چاند سے بدن پہ سموں کے نشان تھے
پردا اٹھایا ڈیوڑھی کا فضہ نے دوڑ کر
چادر کمر کی تھامے تھے عباسِ نامور
رخ پر پڑی تھیں سہرے کی لڑیاں کٹی ہوئیں
دوڑے ادھر سے پیٹتے ناموسِ مصطفا
آئی جو صحن میں تو یہ رانڈوں کو دی صدا
دولھا دولہن کے لینے کو آتا ہی صا جو
اب دیر کیا ہی حجرے سے باہر دولہن کو لائیں
جاگے ہیں ساری رات کے اپنے گھروں کو جائیں
ماں سے کہو دولہن کے نکالے جہیز کو

ناگاہ لاش صحن تک آئی لہو میں تر
پہنچے جو سب عروس کو بھی ہو گئی خبر
تھا سامنا کہ لاش پہ بھی جا پڑی نظر
گھبرا کے تب سکینہؑ سے بولی وہ نوحہ گر
دولہا کی لاش آتی ہے سہرے کو توڑ دو
مسند الٹ دو حجرے کے پردے کو چھوڑ دو

یہ کہہ کے نوچنے لگی سہرا وہ سوگوار
افشاں چھڑا کے خاک ملی منہ پہ چند بار
کہنے لگی لپٹ کے سکینہؑ جگر فگار
ہے ہے بہن بڑھاؤ نہ سہرے کو میں نثار
وہ کہتی تھی کہ جاگ کے تقدیر سو گئی
بی بی نہ پکڑو ہاتھ کہ میں رانڈ ہو گئی

یہ کہہ کے غش ہوئی جو قلق سے وہ نوحہ گر
حجرے سے دوڑی بالی سکینہؑ برہنہ سر
آ کر قریبِ صحن پکاری بچشمِ تر
اے بی بیو کسی کو دولہن کی بھی ہے خبر
کیسی دھڑا دھڑی ہے یہ اماں کدھر گئیں
دوڑو پھوپی جہان سے کبرا گذر گئیں

رو کر بہن سے کہنے لگے شاہِ بحر و بر
اس بے نصیب رانڈ کو لے آؤ لاش پر
بیٹی لٹے گی یوں ہمیں اس کی نہ تھی خبر
اب شرم کیا ہے دیکھ لے دولہا کو اک نظر
زخمی بھی ہے شہید بھی ہے بے پدر بھی ہے
دولہا بھی نام کو ہے چچا کا پسر بھی ہے

حضرت یہ کہہ کے ہٹ گئے با چشمِ اشکبار
پہنچی یہ سن کہ غش ہوئی بانوئے دل فگار
چادر سپید اڑھا کے دولہن کو بحالِ زار
گودی میں لائی زینبِ غمگین و سوگوار
چلائی ماں یہ گر کے تنِ پاش پاش پر
قاسم بنے اٹھو دولہن آئی ہے لاش پر

صدقے گئی بچی کو نہ ہوئے کہیں ملال
رکھو دولہن کی پیٹھ پہ ہاتھ اے حسن کے لال
واری بس اب اٹھو کہ پریشاں ہے میرا حال
کیسا یہ خواب ہے کہ دولہن کا نہیں خیال
کروٹ تو لو کہ ماں کے جگر کو قرار ہو
اس بچپنے کی نیند پہ اماں نثار ہو

جس دم دولہن نے لاش کے ٹکڑوں پہ کی نگاہ
نکلی لہو میں ڈوبی ہوئی اک جگر سے آہ
قدموں پہ سر جھکا کے پکاری وہ رشکِ ماہ
میرا قصور عفو ہو اے میرے بادشاہ
بولی نہ تھی حجاب سے تقصیر وار ہوں
اب حکم ہو تو لاش پہ اٹھ کر نثار ہوں

ای پارۂ دلِ حسنؑ ای فدیۂ حسینؑ — کل وہ خوشی تھی آج یہ برپا ہی شور و شین
کیا کہہ کے روؤں اُٹھ گیا اب تو جہاں سے چین — بیوہ کوئی سکھائے تو صاحب کروں میں بین
چھوڑا دولہن کو لاش پہ رونے کے واسطے — دولہا بنے تھے قبر میں سونے کے واسطے

صاحب بتا تو دو تمھیں رونے میں کیا کہوں — بیکس کہوں کہ فدیۂ راہِ خدا کہوں
پیاسا کہوں شہید کہوں یا بنا کہوں — دولہ کہوں کہ قاسمؑ گلگوں قبا کہوں
ماتم بھی یوں تو ہوتا ہی شادی بھی ہوتی ہی — اک شب کی رانڈ دولہ کو کیا کہہ کے روتی ہی

کیوں رونے والو سنتے ہو آوازِ شور و شین — اِس بزمِ پاک میں ہی یہاں نوحہ گر حسینؑ
شبیر کے پاس فاطمہ روتی ہیں کرکے بین — ماتم کرو کہ مر گیا حضرت کا نورِ عین
شبیرؑ کو بھی قلق ہی شہِ بے وطن کو بھی — پرسا امام کو بھی دو تم اور حسنؑ کو بھی

لکھے انیسؔ خوب بہ سرعت یہ چند بند — لے جائے شوق سے جسے مضمون ہو جو پسند
اِک جا ہی شیر و شکر و شہد و نبات و قند — اُس کے کرم سے ہوگا یہ دریا کبھی نہ بند
نہریں رواں ہیں فیضِ شہِ مشرقین کی — پیاسو پیو سبیل ہی نذرِ حسینؑ کی

رُباعی

سوزِ غمِ دوری نے جلا رکھا ہی — آہوں نے کنول دل کا بجھا رکھا ہی
نکلو کہیں جلد عمر آخر ہی انیسؔ — اس ہندِ سیہ بخت میں کیا رکھا ہی

مرثیہ (۶)

جب آب بے واں بند ہوا فوجِ خدا پر
فاقے کئی گزرے شہِ دیں کے رفقا پر
زغہ ہوا دسویں کو امامِ دوسرا پر
پیاسوں کا لہو بہنے لگا خاکِ شفا پر
پھولا تھا چمن دشت میں اولادِ علیؑ کا
باجوں کا اُدھر غل تھا اِدھر نادِ علی کا

خاروں کی طرح گرد کھڑی تھی سپہِ شام
کس شان سے تھا بیچ میں گلدستۂ اسلام
تھا شور کہ پیاسوں کو نہ پانی کا ملے جام
سب تشنہ دہن قتل ہوں ہر اک گلِ اندام
سادات کو ہاں نیزہ و شمشیر سے مارو
بچہ بھی جو آئے تو اُسے تیر سے مارو

شبیر ہیں آغوشِ یداللہ کے پالے
جو سب سے زبردست ہیں ہاتھ اُن پہ وہ ڈالے
گھیرے ہیں پیاسوں کو سواروں کے رسالے
نزدیک سے تلواریں چلیں دور سے بھالے
ہاتھ آئے گا اس خوں کا صلہ تیغ زنوں کو
دم لینے کی مہلت نہ ملے بے وطنوں کو

دریا کو جو دیکھے کوئی پیاسا تو چلیں تیر
ہیں اُن کے گلے قابلِ آبِ دمِ شمشیر
نازاں ہیں بہت اپنے علمدار پہ شبیرؑ
دنیا سے مٹا دو اسداللہ کی تصویر
اِک عشق ہی ہمشکلِ رسولِ مدنیؐ سے
چھیدو جگر اس چاند کا برچھی کی انی سے

قاسم کو سمجھتے ہیں برادر کی نشانی
ہاں بھائیو برباد کرو اس کی جوانی
فرزندوں کو زینب کے نہ دینا کہیں پانی
یہ شبیر ہیں کونین میں ان کا نہیں ثانی
تیغ اُن کے بزرگوں کی ہزاروں پہ چلی ہی
اِک جعفرِ طیارؑ ہے اور ایک علیؑ ہے

کس شان سے ہیں تیغے ہاتھوں میں سنبھالے
بگڑیں تو بہا دیں یہ ابھی خون کے نالے
کاندھوں پہ بھلے لگتے ہیں کیا چھوٹے سے بھالے
زخمی ہوں کسی پیچ سے یہ گیسوؤں والے
تلواروں سے پھر بچ کے کدھر جائیں گے شبیرؑ
زینبؑ نکل آئیں گی تو مر جائیں گے شبیرؑ

واں ظلم پہ باندھے تھا کمر لشکرِ کفار
تھوڑے سے جواں یاں کے بھی تھے مرنے پہ تیار
ذی قدر جوانمرد خوش اطوار وفادار
خاصانِ خدا متقی و زاہد و ابرار
آغوشِ محمدؐ کا مکیں ان کی طرف تھا
دنیا تو اُدھر جمع تھی دین ان کی طرف تھا

تھا فتح کے سورے کا مفسر کوئی ذی جاہ
پڑھتا تھا کوئی آیۂ نصرت طرفِ شاہ
کہتا تھا کوئی ہنس کے توکلت علی اللہ
بولا کوئی اب جلد کٹی جاتی ہے یہ راہ
گو رحم نہ یہ لشکرِ نا اہل کرے گا
اس پیاس کی سختی کو خدا سہل کرے گا

تھا سورۂ کوثر کسی پیاسے کی زباں پر
مائل تھا کوئی سیرِ گلستانِ جناں پر
صدقے کوئی ہوتا تھا امامِ دوجہاں پر
لڑکے بھی کھڑے تھے کئی کھیلے ہوئے جاں پر
تسبیحِ امامت کو عجب دانے ملے تھے
کیا فاطمہؑ کی شمع کو پروانے ملے تھے

عاشق شہِ والا کے مطیع اسد اللہ
سر دینے کو سب ہادیِ کونین کے ہمراہ
مستغنی و حق بیں و حق آئین و حق آگاہ
دنیا کو وہ دیندار سمجھتے تھے گزرگاہ
فاقوں میں توکل تھا جنابِ احدی پر
پڑتی تھی نظر اُن کی نعیمِ ابدی پر

خشکیدہ زبانوں پہ سخن شکر کا جاری
معشوقِ امامِ دوجہاں عاشقِ باری
کوئی تو محدث کوئی حافظ کوئی قاری
ہم رتبۂ سلمان و اباذرِ غفاری
سمجھے ہوئے تھے تلخ وہ لذاتِ جہاں کو
تھا چاشنیِ فقر سے کام اُن کی زباں کو

گو فاقوں سے تحلیل تھے وہ صاحبِ توقیر
موقوف نہ ہوتے تھے مگر نعرۂ تکبیر
دانائے جہاں سیف زباں صاحبِ شمشیر
طینت میں وفاداروں کی تھی الفتِ شبیر
دل تیروں سے زخمی ہوئے چھد چھد گئے سینے
سر رشتۂ تسبیح کو توڑا نہ کسی نے

ایک ایک مئے وحدتِ اللہ سے سرمست
ثابت قدم و صفدر و جانباز و زبردست
سرکائیں نہ بھنوں کو جو سو تیر ہوں پیوست
سمجھا کیے دنیا کی بلندی کو سما پست
نہ گھر کا نہ اولاد کا نہ مال کا غم تھا
غم تھا تو فقط فاطمہؑ کے لال کا غم تھا

کس شوق سے تلواروں کے پھل بھوک میں کھائے
پانی کا مگر نام زبانوں پہ نہ لائے
آقا کی محبت میں وطن چھوڑ کے آئے
ایسے بھی نمک خوار کسی نے نہیں پائے

زرہیں تن پر نور میں تیروں کی پڑی تھیں
آنکھیں سپہ شام کی تیغوں سے لڑی تھیں
پہلو میں کوئی اور کوئی پیش شہ خوشخو
کوئی سپر حفظ کوئی جوشن بازو
رخ چاند سے روشن تو بدن پھولوں سے خوشبو
رخساروں پہ سنبل سے لٹکتے ہوئے گیسو
تیروں سے نہ تلواروں سے منہ پھرتا تھا اُن کا
حضرت کے پسینے پہ لہو گرتا تھا اُن کا

کیا شان حبیب ابن مظاہر کا لکھوں حال
وہ پیاس کا صدمہ وہ ضعیفی وہ سن و سال
کیا رُتبۂ اعلیٰ تھا زہے حشمت و اقبال
فرماتا تھا بھائی جسے خود فاطمہ کا لال
جو عشق تھا سلمان و اباذر کو نبی سے
ان کو وہی الفت تھی حسین ابن علی سے

انداز جوانوں کا بھی پیرانہ سری بھی
پروانۂ جانباز بھی شمع سحری بھی
ابرار بھی دیندار بھی عصیاں سے بری بھی
زاہد بھی مجاہد بھی نمازی بھی جری بھی
طفلی سے یہ فوج شہ نامی میں رہے تھے
ترسٹھ برس آقا کی غلامی میں رہے تھے

تھا وہ قد خم گشتہ شجاعت سے نہ خالی
مرنے کو چلے کیا کہ چلی تیغ ہلالی
پسپا تھی وہ صف جس پہ نظر شیر نے ڈالی
نعرہ تھا یہ ہر دم کہ نثار شہ عالی
صدقے ہوئے یوں لخت دل ختم رسل پر
بلبل کبھی جس طرح فدا ہوتی ہے گل پر

وہ مومن کامل جو زمانے سے سدھارا
حضرت کا جگر ہو گیا سینے میں دو پارا
فرماتے تھے رو کر کہ نہیں صبر کا یارا
افسوس کہ بچپن کا چھٹا دوست ہمارا
یوں روئے جدا ہونے پہ اُس تشنہ دہن کے
جس طرح سے روئے تھے جدا ہونے پہ حسن کے

مٹی میں ملایا وہ مرقع جو قضا نے
سر دینے پہ تیار ہوئے شہ کے یگانے
دیکھا سوئے افلاک امام دوسرا نے
تسبیح امامت کے بکھرنے لگے دانے
کیا قہر ہے تیر اُن پہ چلے فوج شقی کے
رشتے میں جو تھے احمدؐ و زہراؑ و علیؑ کے

مقتل سے یہ خیمے میں خبر جاتی تھی ہر بار
آخر ہوئی اولادِ عقیلؑ جگر افگار
لشکر میں تلاطم ہے امامِ ازلی کے

تھی شکر کے سجدے میں یہ اللہ کی جائی
سیدانیو لوٹی گئی زینبؓ کی کمائی
مرتے ہیں زبانوں کو نکالے ہوئے بچے

سجدے سے جو سر حضرتِ زینب نے اٹھایا
گھبرا کے کہا کیا ہوا کیوں شور مچایا
کیوں پیٹتے ہو حال مرا غیر ہے لوگو

سب نے کہا دنیا سے گئے آپ کے پیارے
صادق تھے وہ حق ماں کا ادا کر گئے بارے
تھا آج کے دن کے لئے پالا انھیں میں نے

یہ سن کے ادھر بیبیاں سب پیٹتی تھیں سر
مارے گئے عباس کے عینی جو برادر
تلواریں کلیجے پہ چلیں شاہِ زمن کے

بھاوج کے جو پردے کو چلے سیدِ ابرار
پردے سے لگی رو رہی تھی زینبؑ ناچار
فرمایا کہ اٹھو تو مری جان برادر

کی عرض کہ اے وارثِ ذریتِ حیدرؑ
باقی ہوں غلاموں میں تو مینڈھوں میں اکبرؑ
بڑھتا ہوں میں جس دم تو جھکا لیتے ہیں سر کو

نذرے جاں ہوئے مسلم کے یتیمانِ وفادار
پامال ہوا لو چمنِ جعفرِ طیار
اب چلتی ہے تلوار نواسوں سے علیؑ کے

فضہؓ نے یکایک یہ خبر آ کے سنائی
دم توڑتے ہیں خاک پہ معصوم دہائی
ہے ہے مری آغوش کے پالے ہوئے بچے

ہر بی بی کو خیمے میں تڑپتا ہوا پایا
جلدی کہو کیا زخم کوئی بھائی نے کھایا
اکبرؑ مرے فرزند کی تو خیر ہے لوگو

فرمایا کہ ہاں دونوں نے سر ماموں پہ وارے
شادی ہوئی پروان چڑھے لال ہمارے
شاہد رہیں سب دودھ بھی بخشا انھیں میں نے

واں تینوں سے ہوتا تھا قلم گلشنِ حیدرؑ
لاکھوں سے لڑا لختِ دلِ حضرتِ شبیرؑ
ٹکڑے نہ ملے لاشۂ فرزندِ حسنؑ کے

آگے گئے روتے ہوئے عباسؑ علمدار
ہمشیر کے قدموں پہ گرے دوڑ کے اک بار
کیا کہنے کو آئے ہو میں قربان برادر

دنیا سے سفر کر گیا سب شاہ کا لشکر
دیکھوں کسے دیتے ہیں رضا سبطِ پیمبرؑ
دیکھا ہے کنکھیوں سے کئی بار پسر کو

میداں میں تجھے بھائی کا پیارا ہو بیدم
کیا جانیے کیا سوچتے ہیں قبلۂ عالم
ہوگا وہی جس امر میں کد آپ کرینگی
خود عرض کروں شہ سے یہ مجھ کو نہیں یارا
ہاں آپ ذرا شاہ سے کردیں جو اشارا
حامی ہو تو دیر ایک دم اک پل نہیں ہوتی
سُن کر یہ سخن کہنے لگی زینبِ ذی جاہ
اچھا میں کہونگی پہ نہ مانیں گے کبھی شاہ
مشکل ہی بہت گود کے پالے کی جدائی
ہاں رخصتِ اکبر ہو تو ہو اُن کو گوارا
اک دم بھی جدا ہونے کا جن کو نہیں یارا
اوّل تو یقیں ہی کہ نہ اقبال کریں گے
یہ ذکر تھا جو شاہِ امم خیمے میں آئے
اکبر بھی بصد رنج و الم خیمے میں آئے
روئے جو حرم دیکھ کے اس خاصۂ رب کو
جن جن کے پسر ہوگئے تھے دشت میں بے جاں
ای بی بیو تم سب کے ہیں شبیر پہ احساں
اولاد کے مرجانے کا کچھ غم نہیں ہم کو
رو کر شہِ بیکس نے کہا یہ نہ کہو آہ
سب قافلہ والوں نے تو فردوس کی لی راہ
اب ہم نہ کوئی داغِ غمِ و یاس اُٹھائیں

یہ ایک ندامت ہی مرے واسطے کیا کم
اکبر بھی سدھارے تو کہیں کے نہ رہے ہم
رہ جائے گی عزت جو مدد آپ کرینگی
ہوگا نہ کسی اور سے اس درد کا چارا
پھر کیا ہی سنور جائے ابھی کام ہمارا
مشکل کوئی نے عقدہ کشا حل نہیں ہوتی
دلوادے بہن بھائی کو مرنے کی رضا آہ
بھائی سے نہ اُٹھے گا یہ کوہِ غمِ جانکاہ
سان نہیں چاہنے والے کی جدائی
فرزند نہیں تم سے زیادہ نہیں پیارا
کیونکر کہوں وہ داغ اُٹھائیں گے تمہارا
مانا بھی تو کیا جانیئے کیا حال کریں گے
روتے ہوئے ڈیوڑھی سے حرم خیمے میں آئے
عباس بھی گردن کیئے خم خیمے میں آئے
شبیر نے ایک ایک کا پرسا دیا سب کو
اُن سوگ نشینوں سے یہ بولے شہِ ذی شاں
سب بولیں کہ ای محسنِ عالم ترے قرباں
اللہ زمانے میں رکھے آپکے دم کو
مشتاقِ اجل ہوں مجھے جینے کی نہیں چاہ
جو بچھڑے ہیں جلد اُن سے ملائے مجھے اللہ
لاشے کو مرے اکبر و عباس اُٹھائیں

اکبرؑ نے کہا پہلے خدا ہم کو اُٹھائے
فرزند تو زندہ ہو پدر خوں میں نہائے
عباس یہ بولے وہ گھڑی حق نہ دکھائے
آقا پہ جو آتی ہو بلا ہم پہ وہ آئے
حضرت ہی ہمارا تن صد پاش اُٹھائیں
خاک ایسی جوانی پہ کہ ہم لاش اُٹھائیں

عباس کا منھ ہنس کے لگے دیکھنے شبیرؑ
فرمایا کہ جوش آگیا اے صاحبِ شمشیر
عباس علی رونے لگے سُن کے یہ تقریر
شہ نے کہا سمجھاؤ ذرا بھائی کو ہمشیر
آنسو نہ بہائیں کہ لہو گھٹتا ہی میرا
کیوں روتے ہیں یہ کیا ابھی سر کٹتا ہی میرا

زینبؑ نے کہا ان کا تو مطلب ہی جدا ہی
شہ نے کہا فرمائیے ہمشیر وہ کیا ہی
کی عرض کہ ان کو طلبِ اذنِ وغا ہی
حضرت نے کہا خیر مناسب ہی بجا ہی
اکبر سے بھی پہلے سفرِ خلد کرینگے
جلدی انھیں کاہے کی ہی کیا ہم نہ مرینگے

کل تک تو مرے عشق کا دم بھرتے تھے ہر بار
رخصت کے لئے آج یہ رقت ہی یہ اصرار
ہاں بھول گئے شوقِ شہادت میں مرا پیار
پوچھو تمھیں تھا ہم سے اور اُن سے یہی اقرار
بھائی نہیں جینے کا جو پہلو سے ہٹیں گے
یہ کس نے کہا تھا کہ گلے ساتھ کٹیں گے

زینبؑ نے کہا آپ انھیں آزردہ نہ کیجے
اِن کی یہی دھن ہی کہ رضا پہلے ہی لیجے
یہ غیظ میں ہیں جب سے ہوئے قتل بھتیجے
اب تو مری خاطر سے اجازت انھیں دیجے
جانباز ہیں غازی ہیں بہادر ہیں جری ہیں
ناز ان کے اُٹھا لیجے کہ اب یہ سفری ہیں

یہ سنتے ہی سر شہ کا جھکا زانوئے غم پر
عباس گرے دوڑ کے بھائی کے قدم پر
سر پانوں پہ تھا شاہ کے اور ہاتھ علم پر
حضرت نے کہا رحم نہ آیا تمھیں ہم پر
چھوڑا ہمیں کیوں اے مرے محبوب برادر
تم جس میں خوشی خیر بہت خوب برادر

خیمے میں ہوا غل کہ چلے حضرتِ عباسؑ
سب بولے کہ لو اور بھی سرور ہوئے اُداس
گھبرا کے سکینہؑ نے کہا تب بصد یاس
کیا کہتی ہو تم مجھ کو تو جانے دو چچا پاس
منھ شہ سے وہ موڑیں گے نہ مانوں گی کبھی میں
عمو مجھے چھوڑیں گے نہ مانوں گی کبھی میں

ہیں جیتی ہوں کیا ایسا چلا جانا ہی آسان
عباس کی زوجہ نے کہا سچ ہی میں قربان
کیا جانیے واں مشورے کیا ہوتے ہیں بی بی
یہ سنتے ہی گھبرا کے چلی شاہ کی جائی
سرکاتی ہوئی بھیڑ کو اس وقت وہ آئی
چلائی کہ سمجھی میں جہاں چھپ کے چلے تھے
بتلائیے جاتی ہی کدھر آج سواری
دم گھٹتا ہی بولو تو چچا جان میں واری
بر میں ہی زرہ تیغ لگائی ہی کمر سے
عباس پکارے میں اس آواز کے قربان
دامن سے لپٹ کر یہ لگی کہنے وہ نادان
بابا کا مرے کوئی مددگار نہیں ہی
پانی کے لیئے واہ تمھیں ہاتھ سے کھوؤں
شب ہووے تو پھر کس کی بھلا چھاتی پہ سوؤں
ہی ہی شہ بیکس کا رلانا نہیں اچھا
عباس نے فرمایا کہ تم مشک تو لاؤ
قربان میں کیوں پیاس کی تکلیف اٹھاؤ
نیلے ہیں یہ لب رنگ نہ کیوں زرد ہو میرا
ہاں کہنے لگی منھ دیکھ کے بابا کا وہ دلگیر
حضرت نے کہا یہ نہ رکیں گے کسی تدبیر
رو کو نہ ۔ کہ درپیش عجب راہ ہی ان کو

دامن جو چھڑائیں تو کروں چاک گریبان
جائیں کبھی ایسے نہیں بی بی کے چچا جان
پر کچھ نہ کچھ ایسا ہی کہ سب روتے ہیں بی بی
رستے میں کہیں گر پڑی ٹھوکر کہیں کھائی
جس وقت کہ ملتا تھا گلے بھائی کے بھائی
آتی ہوں بھلا مجھ سے کہاں چھپ کے چلے تھے
اس پیاس میں لی واہ خبر خوب ہماری
کیوں تم سے گلے مل کے پدر کرتے ہیں زاری
ہوتے ہو جدا کیا مرے مظلوم پدر سے
ہم جاتے ہیں پانی کے لیئے آؤ مری جان
میں گھر سے تمھیں جانے نہ دونگی کسی عنوان
صدقے گئی پانی مجھے درکار نہیں ہی
میں قبلۂ کونین کی دولت کو ڈبوؤں
اب روتی ہوں پانی کے لیئے پھر نہیں روؤں
پیاس اچھی ہی پر آپ کا جانا نہیں اچھا
بولیں گے نہ پھر ہم یہ نہ کہنا کہ نہ جاؤ
تم بھی پیو اصغر کو بھی چلو سے پلاؤ
تم پیاس بجھا لو تو جگر سرد ہو میرا
کیا کہتے ہیں سنیئے تو چچا جان کی تقریر
اب مشک بھی لا دو نہیں جو خواہش تقدیر
سقائی کی خدمت کی بڑی چاہ ہی ان کو

دی مشک جو حکمِ پسرِ شاہِ نجف سے
رخصت ہوئے عباس محمدؐ کے خلف سے
غل رونے کا خیمے میں اُٹھا چار طرف سے
طالع ہوا خورشیدِ زمیں برجِ شرف سے
کھولا علمِ دیں کو جو اُس بحرِ کرم نے
نعلین پہ سر رکھ دیا اقبال و حشم نے

گھوڑے پہ چڑھے آپ جو گردان کے دامن
قدموں سے رکابوں کی بھی آنکھیں ہوئیں روشن
تیار تھا اُڑنے پہ اُٹھائے ہوئے گردن
اقبالِ سلیماں سے پری بن گیا توسن
فتراک کو تھا فوق کہیں بالِ ہما پر
زیں اُس پہ نہ تھا تختِ سلیماں تھا ہوا پر

آمد سے بہادر کی تزلزل ہوا رن میں
غارت صفِ اعدا کا تجمل ہوا رن میں
لشکر کی ترقی کو تنزل ہوا رن میں
شیر آتا ہے یہ چار طرف غل ہوا رن میں
سب زیر و زبر مجمعِ مردم نظر آیا
دریا بھی ہٹا کچھ یہ تلاطم نظر آیا

شیروں کے نیستاں میں جگر خوف سے کانپے
تھرانے لگے کوہ، شجر خوف سے کانپے
حور و ملک و جن و بشر خوف سے کانپے
پریوں کے پرے دور تھے پر خوف سے کانپے
چلا کے بنی جان تو پنہاں ہوئے در میں
سر قاف چھپانے لگا نقطوں کی سپر میں

ہل چل تھی کہ شیروں کے قدم بن میں نہ ٹھہرے
وحشت ہوئی ایسی کہ ہرن بن میں نہ ٹھہرے
صحرا کے پرندے بھی نشیمن میں نہ ٹھہرے
برسوں سے جو ساکن تھے وہ مسکن میں نہ ٹھہرے
غل تھا کہ یہ فوج اب غضبِ حق میں گھرے گی
بھاگو نہیں بجلی کوئی ساعت میں گرے گی

ناگاہ بیابانِ بلا نور سے چمکا
جوں پنجۂ خورشید علم دور سے چمکا
عکس اُس کا فزوں حُسنِ رخِ حور سے چمکا
تھا نور کا شعلہ کہ سرِ طور سے چمکا
کرتا تھا اشارہ کہ نہ کیوں نور فشاں ہوں
میں پنجتنِ پاک کے لشکر کا نشاں ہوں

تھی شانِ علی چہرۂ انور پہ جری کے
کلغی تھی عجب حسن سے مغفر پہ جری کے
لہراتا تھا دامانِ علم سر پہ جری کے
پھرتا تھا ہما فرقِ مطہر پہ جری کے
شانے پہ کماں بر میں زرہ تیغ کمر میں
دو لاکھ کا لشکر نہ سماتا تھا نظر میں

مطلع دوم

غل تھا کہ علمدارِ شہنشاہ کو دیکھو
لو ماہِ بنی ہاشمِ ذی جاہ کو دیکھو

ہم صورتِ و ہم شانِ یداللہ کو دیکھو
حیدر کو نہ دیکھا ہو تو اس ماہ کو دیکھو

دستانے پہننے کا بھی دستور یہی تھا
نقشہ تھا یہی حُسن یہی نور یہی تھا

جب رَن کو چلے حضرتِ عباس علمدار
دی پیک نے جا کر یہ خبر شمر کو اک بار

وہ شیر کہ اُترتی ہی جسے عرش سے تلوار
اُس کا پسر آتا ہی خبردار! خبردار!

اب چمکے گی تلوار شجاعِ ازلی کی
آمد ہی بڑی دھوم سے عباسِ علی کی

تشریف احد میں یوہیں لائے تھے یداللہ
خیبر میں اسی شان سے آئے تھے یداللہ

ہتھیار اسی دھج سے لگائے تھے یداللہ
لاکھوں سے یوہیں آنکھ ملائے تھے یداللہ

قبضے میں یوہیں قبضۂ شمشیر دودم تھا
کاندھے پہ اسی طرح محمدؐ کا علم تھا

تحریرِ سراپا پہ جو مایل ہوئی خاطر
حورانِ مضامیں کی صدا آئی کہ حاضر

پر جس کی طرف دیدۂ حق بیں ہوئے ناظر
ٹھہری کوئی شی قابلِ تشبیہ نہ آخر

دل نے کہا کیوں امر فضولی میں یہ کد ہی
دی عقلِ رسا نے یہ گواہی کہ سند ہی

کیا لکھے گا تو شاہ کے شیدا کا سراپا
ادنیٰ اسے مشابہ نہیں اعلا کا سراپا

دشوار ہی عباس سے آقا کا سراپا
آسان ہی کچھ حُسن کے دریا کا سراپا؟

بہتر کوئی شی اور ہی نورِ ازلی سے
تشبیہ جب اس شیر کو دیجے تو علیؑ سے

جس امر سے ہو خاص کو رغبت وہ کرے کام
خوش ہو کے عوام اُٹھیں تو پھر اس میں ہی کیا نام

دانا کو یہ لازم ہی کہ عائد نہ ہو الزام
کیا لطف جو آغاز کا بہتر نہ ہو انجام؟

جلسہ نہیں مظلوم کی یہ بزمِ عزا ہی
یاں رونے کی لذت ہی رُلانے کا مزا ہی

واقف نہ حقیقت سے ہوئے نورِ خدا کی
پیشانی کو خورشید کہا خوب ثنا کی

۱۰ افہام اُچھلنے لگے چپ ہو گئے باکی
اشکوں نے بھی رُک رُک کے کہا یہ عین خطا کی

ہمشیر کیا مدح کو رُخِ بازوئے شہ کے
کھوئے دُرِ شہوار بھی پنجہ سے مژہ کے

ابرو کو کماں کہتے ہیں اس فہم کے قربان
ممدوح کے رتبے کا بھی لازم ہے ذرا دھیان
جو شاہ ہے تو سین مکاں ارض و سما میں
کہتا ہے کوئی چشم کو نرگس کوئی آہو
چہرے کو کہا گر گلِ مہتاب ہے یہ رو
نے بو ہے وہ اک پھول یہاں باغ لگا ہے
مضمونِ دہن کے شعرا رہتے ہیں جویا
غنچہ جو کہا لطفِ سخن اور بھی کھویا
ہیں عقدہ کشا منہ سے جو بولیں تو کھلے گا
دانتوں کو گہر مرثیہ گو کہتے ہیں سارے
یہ دُرِ نجف وہ ہیں علی کو جو ہیں پیارے
کیا وصف کریں ان کا سوالِ علیؑ کے
لب کو جو کہا لعل یہ مضمون ہے بے رنگ
بولو لبِ جاں بخش کا ہوتا ہے یہی ڈھنگ
قدرت نہیں ان ہونٹوں کے اوصاف کی ہم میں
قامت کو کہا سرو تو چال اُس میں کہاں ہے
یہ حُسن یہ صورت یہ جمال اُس میں کہاں ہے
گل ہو کہ ثمر بو نہیں یا بد مزگی ہے
جو بات کہ مہمل ہو وہاں چاہیئے اہمال
ہاں دیکھ کمیتِ قلم اچھی نہیں یہ چال
ہے جوشِ وغا ضیغمِ یزداں کے پسر کو

ابرو بھی جگر گوشۂ حیدر کے نئے ہے شان
یہ اُس کے نواسے کے تنِ پاک کی ہے جان
فرقِ دو کماں جس میں رہا اور خدا میں
اُس کے تو بصارت نہیں اس کے نہیں ابرو
اس میں نہ یہ سبزہ نہ یہ سُرخی نہ یہ خوشبو
ہر چیز میں بس ایک نہ اک داغ لگا ہے
پوچھے کوئی کوثر سے زبانوں کو بھی ہے دھویا
اسرارِ الٰہی سے بھی واقف ہوئے گویا
اس عقدے کو یہ آپ ہی کھولیں تو کھلے گا
بتلاؤ گہر خوب ہیں یا عرش کے تارے
تاروں کو بھی صدقے فلک ان پر سے اتارے
گوہر نہیں قطرے ہیں یہ سب نورِ خدا کے
اس مدح کے قابل نہیں ہے یہ دہنِ تنگ
اعجازِ مسیحا کا دکھائے تو کوئی سنگ
یہ وہ ہیں کہ مردوں کو جلا دیتے ہیں دم میں
یہ سیبِ ذقن یہ خط و خال اُس میں کہاں ہے
یہ رُعب یہ شوکت یہ جلال اس میں کہاں ہے
ہر شے میں غرض ایک نہ اک شاخ لگی ہے
زیبا غزل و شعر میں ہے وصفِ خط و خال
اب ڈھتے ہیں عباس صفیں ہوتی ہیں پامال
تلوار کو تولا ہے سنبھالا ہے سپر کو

اعدا بھی اُدھر مستعدِ جنگ و جدل ہیں
صف باندھے ہوئے ترک کے اور روم کے یل ہیں
اونچا ہی ہر اک ہاتھ سپر سر سے اُٹھی ہے
کالے وہ علم فوجِ سیہ رو کی نشانی
شیروں کے کلیجے بھی ہوئے جاتے تھے پانی
بیکس شہِ دیں ہوتے تھے فریاد بجا تھی
یاں تیغ جگر بند علی میان سے نکلی
فریادِ دلِ قومِ نبی جان سے نکلی
غل تھا کہ یہ کس چیز کا پرتو نظر آیا
نعرہ جو کیا شیر نے دل ہل گئے سب کے
آثار نمایاں ہوئے خالق کے غضب کے
تھرائے صدا اُن کے شجاعِ ازلی کی
شبدیز کو رانوں میں دلاور نے جو دابا
تنگی سے قفس تھا اُسے دنیا کا خرابا
نہ جست نظر آئی نہ کاوا نظر آیا
پامال عدو وقتِ تگ و دو نظر آئے
تارے دمِ شوخی و رہوار و نظر آئے
بجلی تو بلندی پہ شرارے تھے زمیں پر
سیدھی جو چلی تیغ صفوں کا ورق اُلٹا
چہرے جو کٹے دفترِ نظم و نسق اُلٹا
رُکنے کا نہیں ہاتھ شجاعِ ازلی کا

کوفے کے فتنوں ہی کے پرے شام کے دل ہیں
سب شست میں تیروں کے شجر تیغوں کے پھل ہیں
گھنگھور گھٹا شام کے لشکر سے اُٹھی ہے
غل طبل کا قرنا کی وہ آواز ڈرانی
تھی صاف صدائے ہا بہادر کی جوانی
شہنا میں بھی مظلوم حسینا کی صدا تھی
کس زرق سے کس برق سے کس شان سے نکلی
اک نازہ پری تھی کہ پرستان سے نکلی
حیرت ہے کہ دسویں کو مہِ نو نظر آیا
تھرانے لگے کوہ اراضیِ عرب کے
ماہی سے اُدھر گاؤ زمیں ہل گئی دب کے
جبریلؑ کو یاد آگئی آواز علیؑ کی
پھر اگیا برچھوں ہی وہ گھوڑا دور کا با
اُترا تو وہانے کو عجب غیظ سے چابا
پھرتا ہوا لشکر میں چھلاوا نظر آیا
جس غول میں دو سو تھے وہاں سو نظر آئے
جب پچکے اُڑا چار مہِ نو نظر آئے
خورشید تو زیں پر تھا ستارے تھے زمیں پر
اُستادِ شجاعت نے پڑھا یا سبق اُلٹا
جبریل پکارے کہ زمیں کا طبق اُلٹا
دیکھو کہ نمونہ ہے یہی ضرب علیؑ کا

وہ معرکۂ غزوۂ خیبر نہیں بھولا
کفار پہ وہ حملۂ حیدر نہیں بھولا

عرصہ ہوا پر صدمۂ شہپر نہیں بھولا
ابتک نہ مجھے اس ضرب کا لنگر نہیں بھولا

بہتا ہے لہو آگ بھڑکتی ہے زمیں پر
پھر آج وہی برق چمکتی ہے زمیں پر

بڑھ کر صفِ ثانی پہ چلی تیغ جوشن سے
صاف آئی صدا یہ کہ نہ غافل ہو کفن سے

راہی ہوئیں روحیں تو رہا ہو کے بدن سے
سر طائرِ وحشی کی طرح اڑ گئے تن سے

کب چھٹتے ہیں شہبازِ اجل کے ہوں جو بس میں
مالک نے کیا بند جہنم کے قفس میں

حملے تھے قیامت کے لڑائی تھی غضب کی
خوں پی کے برشِ تیغ نے پائی تھی غضب کی

ہوتی تھیں صفیں صاف صفائی تھی غضب کی
اس منہ کی صفائی پہ کھائی تھی غضب کی

چلنے میں مزا قامتِ معشوقِ حسیں کا
انداز ہر اک تاب میں تھا چینِ جبیں کا

کیا قہر تھا شمشیر کی ابرو کا اشارا
اک چشم زدن میں اسے مارا اسے مارا

نہ بھاگنے کی تاب تھی نہ جنگ کا یارا
ہر ضرب میں تھے جان سے عاری ستم آرا

گر بچ گیا یہ، اس کی بلا ٹل گئی اس پر
منہ دیکھ لیا جس نے چھری چل گئی اس پر

کج ہو کے وہ چلنا وہ ٹھہرنا وہ لچکنا
شعلہ تھا خجل گرد تھا بجلی کا چمکنا

وہ دیدہ جوہر سے جفا کاروں کا تکنا
گویا تھا تماشا اسے کشتوں کا پھڑکنا

ندی کے قریں خون کا دریا سا بہا تھا
کیا چال غضب تھی کہ ہر اک لوٹ رہا تھا

بجلی کا چلن شعلہ کی خو سرکش و بیباک
صرصر سے سبک سمت گراں قیمت و چالاک

خونخوار جفا کار ستم پیشہ و سفاک
کج باز سر انداز ترش رو و غضبناک

خود آب مگر آگ لگا دینے کو آندھی
ہستی کے چراغوں کے بجھا دینے کو آندھی

بسمل ہوا جس کو لچک اس کی نظر آئی
بجلی سی جو چمکی تو کلیجوں میں در آئی

چورنگ کیا اس کو اسے آنچ کر آئی
اٹھکھیلیاں کرتی ادھر آئی ادھر آئی

حوروں میں یہ گرمی نہ لگاوٹ یہ پری میں
بیدم کیا لاکھوں کو اسی عشوہ گری میں

فولاد کی ڈھالوں پہ وہ تلوار نہ ٹھہری
اک دم بھی میانِ صفِ کفار نہ ٹھہری
سر سیکڑوں کاٹے کہیں زنہار نہ ٹھہری
خون اتنے کیئے اور گنہگار نہ ٹھہری
مجرم رہی سرکش رہی بیباک رہی وہ
دھبا نہ لگا خون سے بھی پاک رہی وہ

کاٹی جو سپر مغفرِ سنگیں پہ نہ ٹھہری
سر سے جو بڑھی گردنِ بے دیں پہ نہ ٹھہری
چار آئنۂ ظالمِ خود بیں پہ نہ ٹھہری
اسوار تو دو ہو گیا یہ زیں پہ نہ ٹھہری
پایا جو نہ اس دم پرِ جبرئیلِ امیں کو
گھوڑے سے اترتے ہی کیا چاک زمیں کو

پلٹتے ہوئے کشتوں کے پس و پیش چپ و راس
پیتی تھی لہو دم بدم اور بجھتی نہ تھی پیاس
جب خون میں بھر جاتی تھی وہ پرچۂ الماس
خود اس کا لہو پونچھتے تھے حضرتِ عباس
نے وجہ نہ شمشیر کا منھ لال ہوا تھا
عباس کی سرکار سے رومال ہوا تھا

ناگاہ بہادر کو نظر آنے لگی نہر
پانی کی چمک دور سے دکھلانے لگی نہر
غازی کی قدم بوسی کو لہرانے لگی نہر
بڑھ کر خس و خاشاک کو سرکانے لگی نہر
دریا کے حبابوں نے صدا دی یہ ابھر کے
آنکھوں پہ قدم ساقیِ کوثر کے پسر کے

ہر موج زیارت کے لئے ہو گئی بے تاب
میں پہلے پھروں گرد یہ تھی خواہشِ گرداب
تھا مچھلیوں میں شور کہ نکلو پئے آداب
آتا ہے ادھر بحرِ شرف کا درِ نایاب
آمد جو سنی تھی خلفِ شاہِ نجف کی
گوہر تھے پئے نذر ہتیلی پہ صدف کی

جب گھوڑے کو دریا میں علمدار نے ڈالا
لہرانے سے موجوں کے ہوا دل تہ و بالا
یاد آ گئی بس تشنگیِ سیدِ والا
رقت بہت آئی تھی مگر دل کو سنبھالا
صدمے سے بھر آیا دلِ سقائے سکینہؑ
اشک آنکھوں سے ٹپکا کے کہا ہائے سکینہؑ

دریا کی طرف دیکھ کے فرمایا کہ ای نہر
سب آب و نمک خلق کا ہے فاطمہؑ کا مہر
انصاف کر انصاف یہ کیا ظلم ہے کیا قہر
شبیرؑ تو پیاسے رہیں سیراب ہو سب شہر
اس پیاس کا جب ذکر پیمبر سے کریں گے
شکوہ ترا ہم ساقیِ کوثر سے کریں گے

ای آب محمدؐ کا پسر تشنہ دہن ہی
ای آب شہِ جن و بشر تشنہ دہن ہی
گلزار نبیؐ کا گلِ تر تشنہ دہن ہی
دو روز سے سب شاہ کا گھر تشنہ دہن ہی
گرمی میں اگر آج بھی پانی نہ پیئیں گے
میں جن کا بہشتی ہوں وہ پیاسے نہ جئیں گے

دریا سے یہ فرما کے بہادر نے بھری مشک
بالیدہ ہوئی دیکھ کے پانی کی تری مشک
تسمے سے دہن باندھ کے ہرنے پہ دھری مشک
غل پڑ گیا دیکھو لئے جاتا ہی جری مشک
دیکھا جو مہیائے ستم سنے ادبوں کو
دریا بھی لگا کاٹنے غصے سے لبوں کو

گرداب سے اک حلقۂ ماتم تھا نمودار
پانی کے لئے لہر ہر اک بن گئی تلوار
سب مچھلیاں ابھری ہوئی کہتی تھیں ہر بار
لو ڈوبتا ہی خوں میں علیؑ کا دُرِ شہوار
دو چار قدم بھی نہ بڑھے تھے لبِ جو سے
پھر تیروں کا مینہ پڑنے لگا فوجِ عدو سے

دریا تو ادھر اور اُدھر لشکرِ قہار
مشکیزہ لئے بیچ میں تنہا وہ علمدار
تلواروں کی تھیں بجلیاں اور تیروں کی بوچھاڑ
جا سکتے تھے آفت میں نہ اِس پار سے اُس پار
طوفاں تھا تلاطم تھا مصیبت کی گھڑی تھی
کیا پیاسوں کی کشتی بھی تباہی میں پڑی تھی

ہوتا تھا ادھر خاتمۂ جنگِ علمدار
بسمل سے تڑپتے تھے اُدھر سیدِ ابرار
اُٹھ کر کبھی تکتے تھے سوئے فوجِ ستمگار
گر گر کے کبھی چلاتے تھے ہی ہی مرے غمخوار
بھائی کی صدا سن کے تڑپ جاتی تھی زینبؑ
جب روتے تھے حضرت تو نکل آتی تھی زینبؑ

کہتی تھی کہو صدقے گئی کچھ خبر آئی
شہ کہتے تھے ہمشیر جدا ہوتا ہی بھائی
دریا سے وہ نکلا تھا مگر راہ نہ پائی
مشکیزے کے لانے پہ ہوئی ہی لڑائی
خونخواروں میں وہ صاحبِ شمشیر گھرا ہی
دریا کی ترائی میں مرا شیر گھرا ہی

کہتی تھی یہ گھبرائی ہوئی زوجۂ عباس
کیوں بی بیو بچے مرے کیا ہو گئے بے آس
کیا کہتے ہیں شاہِ شہدا کس سے ہوئی یاس
ای وائے مقدر نہ سکینہؑ کی بجھی پیاس
کیسی خبر آئی ہی کہ جی کھوتے ہو لوگو
تم سب مرا منہ دیکھ کے کیوں روتے ہو لوگو

عباس سلامت ہیں تو آنسو نہ بہاؤ
ثابت ہو جو مرنا تو مجھے رنڈ سالہ پنھاؤ
خود کہ گئے تھے وہ کہ سلامت نہ پھریں گے
ماتم تھا ادھر گھر میں اُدھر روتے تھے شبیرؑ
دریا سے بڑھے آتے تھے تولے ہوئے شمشیر
ساحل پہ قیامت کی صف آرائی ہوئی تھی
کس کس سے لڑے تشنہ دہانی میں وہ بے آس
وہ فوج کا نرغہ وہ ہجوم الم و یاس
بڑھتے تھے کماندار تو رک جاتے تھے عباس
فریاد کہ تھے لاکھ لعیں روکے ہوئے راہ
پیچھے سے پڑی تیغ ستم دوش پہ ناگاہ
اک ہاتھ تو ہمراہ گرا تیغ دو دم کے
گرنے لگا جس دم علم سید والا
اک تیر لگا چشم پہ اور سینے پہ بھالا
خم تھے کہ پڑا فرق پہ گرز ایک شقی کا
کچھ گرز گراں بار کا صدمہ نہیں تھوڑا
زیں سے جو گرے آپ کھڑا ہو گیا گھوڑا
پانی جو بہا عید ہوئی فوج عدو میں
ناگاہ یہ آواز علی دشت سے آئی
چلائی یہ زینبؓ کہ دہائی ہے دہائی
تشریف شہ ہر دوسرا لائے ہیں زینبؓ

آجائے گا پھر غش نہ سکینہ کو رلاؤ
ڈیوڑھی سے چلو ماتمی صف گھر میں بچھاؤ
عباس بس اب تا بہ قیامت نہ پھریں گے
واں چلتے تھے عباسؑ علی پر تبر و تیر
ہر سمت سے اُمڈا ہوا تھا لشکر بے پیر
لشکر تھا کہ دریا پہ گھٹا چھائی ہوئی تھی
ہمدرد نہ کوئی نہ مددگار کوئی پاس
ان سب سے سوا مشک کے چھد جانے کا وسواس
تیر آتا تھا جب مشک پہ جھک جاتے تھے عباس
شمشیر بکف بیچ میں ابن اسد اللہ
شاخ شجر باغ علیؑ قطع ہوئی آہ
اک ہاتھ تھا باقی وہ چلا ساتھ علم کے
عباس نے جھک کر اسے گردن سے سنبھالا
بند آنکھیں ہوئیں منہ سے لہو تیر نے ڈالا
شق ہو گیا سر حضرت عباس علیؑ کا
سر پھٹ گیا پر مشک کو دانتوں سے نہ چھوڑا
پھر تیر نے مشکیزے کو اور سینہ کو توڑا
مچھلی سے تڑپنے لگے عباس لہو میں
شبیرؑ خبر لے کہ تصدق ہوا بھائی
حضرت نے کہا لٹ گئی بابا کی کمائی
عباس کے لاشہ پہ علی آئے ہیں زینبؓ

جب کٹ گئے دریا پہ علمدار کے بازو
ریتی پہ گرے شاہ کے غمخوار کے بازو
رنگ اُڑ گیا تصویرِ الم ہو گئے شبیرؑ

اکبرؑ سے کہا کر دو گریباں مرا پارا
عاشق مرے بچوں کا زمانے سے سدھارا
آفت میں پھنسی پانی کی محتاج سکینہ

فرما کے یہ گرتے ہوئے دوڑے شہِ والا
تھا سینۂ اقدس میں کلیجہ تہ و بالا
آگے کبھی چلتے کبھی پھر پڑتے تھے شبیرؑ

کہتے تھے اُٹھا کر یہ علی اکبرِ ذی جاہ
فرماتے تھے آنکھوں میں بصارت نہیں اے ماہ
اب کھینچیں گے تلوار جو رستا نہ ملے گا

حضرت کو سنبھالے ہوئے دریا پہ جو لائے
اکبر نے کٹے ہاتھ تڑپتے ہوئے پائے
جھکنے جو لگے کانپ کے غش کر گئے شبیر

ہے ہے شہِ دیں کہہ کے جو روئے علی اکبرؑ
گھبرا کے بھتیجے سے کہا اے مرے دلبر
اکبر نے کہا غم شہِ والا کو بڑے ہیں

سرکا کے قدم جلد یہ عباسؑ پکارے
چھاتی میں ہے دم موت کے آثار ہیں سارے
نے دست ہیں اس وقت میں احساں کرو ہم پر

شانوں سے جدا ہو گئے جرار کے بازو
تھرانے لگے سیّدِ ابرار کے بازو
ہاتھوں سے جگر تھام کے خم ہو گئے شبیرؑ

ہم سوگ میں ہیں قتل ہوا شیر ہمارا
فرما کے یہ حضرت نے عمامے کو اتارا
بس ہو گئی دنیا میں یتیم آج سکینہ

سنبھلے کبھی خود اور کبھی اکبرؑ نے سنبھالا
چلاتے تھے ہے ہے مری آغوش کا پالا
گھبرا کے ہر اک لاش پہ گر پڑتے تھے شبیرؑ

دریا کی ترائی تو ابھی دور ہے یا شاہ
عباسِ علی کھو گئے دنیا سے ہیں آہ
اکبرؑ ہمیں کیا بھائی کا لاشا نہ ملے گا

عباسِ علمدار جسے نظر آئے
بھائی کو خدا بھائی کا لاشہ نہ دکھائے
ثابت علی اکبر پہ ہوا مر گئے شبیرؑ

صدمے سے تڑپنے لگے عباسِ دلاور
دکھلا دو کدھر ہیں مرے آقا مرے سرور
وہ آپ کے قدموں کی طرف غش میں پڑے ہیں

پھیرو مرے لاشہ کو میں قربان تمہارے
قبلہ کی طرف چاہیئے منہ اے مرے پیارے
رکھ دو مرا سر قبلۂ عالم کے قدم پر

کیا میرے لئے روتے ہو بابا کو اُٹھاؤ
میں اُٹھ نہیں سکتا تمہیں مولا کو اُٹھاؤ

واجب ہے پسر مصحفِ ناطق کا ادب ہے
غش میں یہ سخن سُن کے پکارے شہِ ذیشان

اکبر نے کہا کب سے تڑپتے ہیں چچا جان
پھر ہو نہ سکا ضبط امامِ ازلی سے

چلائے بصد غم مرے بھائی مرے بھائی
کیوں چشم ہے پُرنم مرے بھائی مرے بھائی

سینہ میں اجل سانس ٹھہرنے نہیں دیتی
خشکیدہ زباں کو جو نہیں بات کا یارا

پتلی بھی پھری جاتی ہے منھ زرد ہے سارا
کروٹ پہ نہیں بھائی سے منھ موڑ رہے ہو

یوں کہتے تھے حضرت کہ قیامت ہوئی طاری
اٹکا جو دم آنکھوں میں تو آنسو ہوئے جاری

چلّا کے جو شہ روئے تو گھبرائی سکینہ
یوں کہنے لگی دوڑ کے فضّہ جگر افگار

چلائی بہن ڈیوڑھی سے یا سیدِ ابرار
بابا میرے اس بیکس و بیکس ونے آس کو لاؤ

گھبرا کے سوئے خیمہ لگے دیکھنے سرور
زلفیں تو ہیں بکھری ہوئیں ٹوپی نہیں سر پر

لو گو تمہیں کچھ میرے ہشتی کی خبر ہے

ﷲ زمیں سے شہِ والا کو اُٹھاؤ
قدموں کی طرف سے مرے آقا کو اُٹھاؤ

قرآں کی طرف پاؤں قیامت ہے غضب ہے
کس کی صدا ہے میں اس آواز کے قربان

لیجے کہ عباس کوئی دم کے ہیں مہمان
لپٹے شہِ دیں لاشۂ عباسِ علیؑ سے

کیا دل کا ہے عالم مرے بھائی مرے بھائی
اُکھڑا ہے ترا دم مرے بھائی مرے بھائی

ہچکی تمہیں اب بات بھی کرنے نہیں دیتی
کچھ نرگسی آنکھوں سے کرو ہم کو اشارا

معلوم ہوا جلد ہے اب کوچ تمھارا
ہم خوب سمجھتے ہیں کہ دم توڑ رہے ہو

عباسِ علمدار کہا ہے کئی باری
تن رہ گیا اور روح سوئے خلد سدھاری

نکلا تھا دم اُن کا کہ نکل آئی سکینہ
جاتی ہو کہاں تیر نہ مارے کوئی خونخوار

تھمتی نہیں اب ہم سے سکینہ جگر افگار
یا ڈیوڑھی تلک لاشۂ عباس کو لاؤ

دیکھا کہ چلی آتی ہے سر پیٹتی دختر
جو روکتا ہے کہتی ہے گھبرا کے وہ مضطر

بتلا دو مجھے بہرِ خدا نہر کدھر ہے

سقے کا مرے نام ہے عباسِ علمدار — تصویرِ علیؑ کی ہے سراپا وہ خوش اطوار

کاندھے پہ تو مشکیزہ ہے اور ہاتھ میں تلوار — پیاسی ہوں مگر اب مجھے پانی نہیں درکار

پھر آنے کی قسمیں مجھیں دینے کو چلی ہوں — میں اپنے چچا جان کے لینے کو چلی ہوں

لاشے پہ عبا ڈال کے شبیر پکارے — کیوں گھر سے نکل آئیں میں قربان تمہارے

گھبرا کے سکینہ نے کہا پیاس کے مارے — حضرت نے کہا بھائی تو دنیا سے سدھارے

میں تم کو اسی واسطے سمجھاتا تھا رو کر — اب ڈھونڈھنے آئی ہو مرے بھائی کو کھو کر

سر پیٹ کے ہاتھوں سے یہ چلائی وہ بے پر — دکھلا دو مجھے لاشۂ عباسِ دلاور

اکبر نے کہا رو کے نہ مانے گی یہ مضطر — حضرت نے کہا لاشِ علمدار دکھا کر

پانی کی تمنا میں ہزاروں سے لڑے ہیں — منہ دیکھ لو یہ شیر سے عباس پڑے ہیں

ہیبت سے لپٹنے کو جو وہ دوڑ کے آئی — حضرت نے عبا بھائی کے چہرے سے اٹھائی

چلائی سکینہ کہ دہائی ہے دہائی — ریتی میں علمدار نے بھی شکل چھپائی

تھرانے لگا لاشۂ سقائے سکینہؓ — لاشے سے صدا آنے لگی ہائے سکینہ

خاموش انیسؔ اب یہ دعا کر کہ الٰہی — اب جلد سوئے روضۂ شبیر ہوں راہی

اب ہند میں کب تک یہ فقیری یہ تباہی — اس در کی گدائی ہے مرے واسطے شاہی

سرکارِ شہنشاہِ فلک جاہ کو دیکھوں — عباسِ علمدار کی درگاہ کو دیکھوں

رباعی

ہاں جوشِ غمِ سیدِ عالی ہو جائے — چہروں پہ ان اشکوں سے بحالی ہو جائے

یوں لختِ جگر چشم سے ٹپکیں باہم — ہر شاخ مژہ پھولوں کی ڈالی ہو جائے

مرثیہ (۱۱)

یارب جہاں میں بھائی سے بھائی جدا نہ ہو
بازو کے ٹوٹنے کی کسی پر جفا نہ ہو
دشمن بھی اس بلا میں کوئی مبتلا نہ ہو
مر جائے خود پہ یہ الم جاں گزا نہ ہو
تنہا ہو وہ غریب جو عالم شریک ہے
اس غم میں باپ کا بھی تو ماتم شریک ہے

جس سے نہ اپنی جان کو پیارا کرے بشر
کیا اس غضب کے درد کا چارا کرے بشر
کس طرح اُن کا ہجر گوارا کرے بشر
بھائی کے بعد کس کا سہارا کرے بشر
تاب و تواں کہاں رہے بازو اگر نہ ہو
لیٹے جو قبر میں بھی تو سیدھی کمر نہ ہو

کوئی حسن کے داغ کو پوچھے حسین سے
رہتا تھا حشر مادرِ قاسم کے بین سے
دنیا میں ایک دم اُنھیں گزرا نہ چین سے
بہتے تھے اشک چشمِ شہِ مشرقین سے
غم میں شریکِ محفلِ شادی نہ ہوتے تھے
آتے تھے جب سلام کو قاسم تو روتے تھے

تنہائی دشمنوں کی جفا ظالموں کے جور
جینے کی کوئی شکل نہ راحت کا کوئی طور
جو بانیِ فساد تھے اُن حاکموں کا دور
کوئی بزرگ تھا نہ کوئی سرپرست اور
ماتم تھا اہل بیت میں پرسا تھا بین تھے
دو بہنیں رونے والیاں تھیں اک حسین تھے

جا کر حسن کی قبر پہ کرتے تھے یہ بیاں
اب شہر میں حسین کو ملتی نہیں اماں
مجھ کو بھی اپنے پاس بلا لیجے بھائی جاں
زنداں وطن ہے میرے لیے یا شہِ زماں
دشمن خوشی ہوئے مرے بازو کو توڑ کے
جاؤں کدھر میں قبر کو نانا کی چھوڑ کے

برسوں حسنؑ کے غم میں نہ سیدھی ہوئی کمر
راتیں تڑپ تڑپ کے ہوئیں آپ کو بسر
تنہا جو ہو اُسی کو ہے اس داغ کی خبر
رونا ہے پیٹنا ہے پڑا ہے عمر بھر
یوں سب ہیں پر برادرِ غمخوار اور ہے
یہ الفتیں ہی اور ہیں یہ پیار اور ہے

عباس پلکے نامِ خدا جب ہوئے جواں
اللہ کیا تھی تربیتِ شاہِ انس و جاں
کچھ بازوئے شکستہ میں آنے لگی توان
اِن سے فضائلِ شہِ مرداں ہوئے عیاں
روشن ہوا جو نام علیؑ کے چراغ کا
مرہم ملا حسینؑ کو بھائی کے داغ کا

یہ جس طرح تھے شیفتہ شاہِ نامدار
بلبل ہیں اور گل ہیں کہاں اس طرح کا پیار
پروانہ یوں چراغ پہ ہوتا نہیں نثار
عزت تھی خادمی میں غلامی میں افتخار
اُلفت اوسی طرح تھی انھیں اپنے شاہ سے
جو عشق تھا علیؑ کو رسالت پناہ سے

اب دل میں اپنے بھائیوں الے کریں خیال
کیا ہوگا کربلا میں شہِ تشنہ لب کا حال
رخصب طلب ہو اسلحہ باندھے علی کا لال
کیونکر حسین بھائی کو دیں رخصتِ جدال
فاقہ ہے تن میں زور نہیں دم میں دم نہیں
ان کا بھی داغ باپ کے ماتم سے کم نہیں

عباس عرض کرتے ہیں ای قبلۂ زماں
اصغر کی اور سکینہ کی اب ہے لبوں پہ جاں
آنکھوں میں اس غلام کے تاریک ہے جہاں
یہ تین دن کی پیاس صغیروں کو الاماں
کوشش ضرور چاہیئے کارِ ثواب ہیں
تازہ یہ باغ ہوئے گا اک مشکِ آب میں

فرمایا ہاں عطش کا مداوا ہے گر تو آب
پر مشک بھرنے دینگے نہیں خانماں خراب
صابر کو صبر چاہیئے بھائی کہ اضطراب
ہر گز نہیں تمھاری جدائی کی مجھ کو تاب
کچھ ہوگا اضطراب سے نہ شور و شین سے
مرجائیں سب پہ تم نہ جدا ہو حسینؑ سے

عباس رو کے بولے کہ ان سب کے میں نثار
للہ اذن دیجئے یا شاہِ نامدار
آنسو بہا کے کہنے لگے شاہِ ذی وقار
اچھا سدھارو خیر مرا کیا ہے اختیار
پہونچادے اب خدا کہیں جنت کے قصر تک
تم ظہر تک نہ ہوگے نہ ہم ہونگے عصر تک

ای زورِ طبع جوہرِ سیف دو دم دکھا
ای جوشِ فکر خونِ سپاہِ ستم دکھا
ای خامۂ رواں سرِ اعدا قلم دکھا
ای ذہن پھر تلاطمِ بحر الالم دکھا
سب پر عیاں ہوں شبّر کے حملے لڑائی میں
پھر جنگِ نہرواں نظر آئے ترائی میں

کھل جائیں سب پہ تیغ کے جوہر اُسی طرح
بجلی گرے صفوں پہ چمک کر اُسی طرح
بھاگیں لرز لرز کے دلاور اُسی طرح
ہر ضرب میں تنوں سے اڑیں سر اُسی طرح
ہر یکہ تاز مورد قہر کریم ہو
جو پہلوان ہو صورتِ مرحب دونیم ہو

سن سے جو تیغ تیز چلے تن سے سر گریں
یوں سر گریں کہ جیسے شجر سے ثمر گریں
زخمی ادھر سے اُٹھ کے جو بھاگیں اُدھر گریں
نے ہوش و نے حواس گریں بے خبر گریں
غل ہو کہ عقل گم ہوئی ادراک اُڑ گئی
جس جا صفیں جمی تھیں وہاں خاک اُڑ گئی

ڈرہی جو تیغ لختِ دلِ بوتراب کا
ساحل سے قافلہ ہے رواں موجِ آب کا
اس طرح قصر بیٹھ گیا ہر حباب کا
گھر ڈوبے جس طرح کسی خانہ خراب کا
بیتاب نہر تھی کہ نکل جاؤں فوج سے
پر سر پٹک کے رہ گئی زنجیر موج سے

سہمی ہوئی تھی فوج اُدھر سب کنارے جو
اور اس طرف جنابِ علمدارِ نیک خو
ہتیار سج کے آرہے ہیں حضرت کے روبرو
ہوتی تھی بھائیوں میں عجب غم کی گفتگو
صدمے سے سننے والوں کے دل ٹکڑے ہوتے تھے
عباس بھی حسین بھی اکبر بھی روتے تھے

خیمے میں پہونچی رخصتِ عباس کی خبر
سب بی بیاں ہراس میں دوڑیں برہنہ سر
فضہ سے بولی زوجۂ عباسِ نامور
کیا گھر میں وہ نہ آئیں گے باندھے ہوئے کمر
اچھا سدھارتے ہیں تو خیمہ میں آجائیں
فرزند روتے ہیں اُنھیں صورت دکھا کے جائیں

فضہ سے رو کے کہنے لگی خواہرِ امام
میری طرف سے دے یہ علمدار کو پیام
سنتی ہوں میں کہ جاتے ہوئے سوئے سپاہِ شام
کیونکر جئیں گے ہجر میں قنبیر تشنہ کام
کس کو خبر ہے نہر پہ جاکر کب آؤ گے
بیکس بہن سے کیا نہ گلے مل کے جاؤ گے

عباس آئے خیمہ کے اندر جھکائے سر
تسلیم کر کے جھک گئے زینب کے پاؤں پہ
سر کو لگا کے چھاتی سے بولی وہ نوحہ گر
عباس تم نہ ہوگے تو لٹ جائے گا یہ گھر
جاتا ہے یوں کسی سے کوئی آنکھ موڑ کے
بھیا کدھر چلے مرے بھائی کو چھوڑ کے

کی عرض کیا کروں جو نہ سر کو کروں نثار
آکر پدر سے مانگتے ہیں اذنِ کارزار
حق رکھے شہ کے سائے میں اُس نونہال کو
دامن پکڑ کے زوجۂ عباس نے کہا
دو لال آچکے ہیں اور اک ہیں شکستہ پا
عزت اب اس کنیز کی صاحب کے ہاتھ ہی
کہنے لگے یہ رو کے علمدارِ نامدار
ہمراہ ہوں گے قید میں سجادِ دلفگار
لازم ہی صبر و شکر تمہیں باتمیز ہو
مشکیزہ لیکے آئی سکینہ چچا کے پاس
کہنے لگی لپٹ کے وہ بچی بدرد و یاس
تم کو دعائیں دونگی اگر جلد آؤ گے
مشکِ سکینہ لیکے برآمد ہوئے جناب
گھوڑے پہ جلوہ گر جو ہوئے مثلِ بوتراب
غل تھا یہ سباز ہی کہ دُلہن کا بناؤ ہی
وہ خود سر پہ جس کی چمک مثلِ برقِ طور
بر میں زرہ کہ چھنکے نکلتا تھا جس سے نور
ہر جوہر اُس کا حور کے چہرے کا خال تھا
وہ تیغ ذوالفقار سے تھی ہمسری جسے
رکھے بغل میں۔ ہاتھ لگے وہ پری جسے
اُلٹیں صفیں وغا میں جو وہ شعلہ خو بڑھی

اِک بھائی سے کیا مجھے قسمت نے شرمسار
کیں میں نے منتیں تو رُکا بھی وہ گلعذار
جیتا ہیں زخمی دیکھ کے اکبر سے لال کو
ای ابن مرتضیٰ یہ کنیز آپ کی فدا
پہنچادو مجھ کو تا بہ نجف بہرِ مصطفا
لازم ہی مجھ پہ رحم کہ بچّوں کا ساتھ ہی
رانڈوں کا اور یتیموں کا حامی ہی کردگار
مالک ہیں سب کی زینبِ غمگین و سوگوار
میں شاہ کا غلام تم اُن کی کنیز ہو
روئے گلے لگا کے علمدارِ حق شناس
للہ عمو جان بجھا دو ہماری پیاس
آنے میں دیر کی تو مجھے پھر نہ پاؤ گے
طالع ہوا سپہرِ شرافت کا آفتاب
برچھوں اُڑا سمٹ کے سمندِ صبا شتاب
بجلی ہی یا براق کی یہ آو جاؤ ہی
پھیلی تھی دشتِ کیں میں ضیا رخ کی دور دور
وہ ڈھال حرزِ جاں جسے کہتے ہیں ذی شعور
اُس شب میں چار بدر تھے اور اک ہلال تھا
منظور فوجِ کفر کی تھی ابتری جسے
عباسِ نامور سا ملا جوہری جسے
دریا دلوں کا ساتھ دیا آبرو بڑھی

اُس دوش پر مقام زہے رتبۂ کماں
نیزہ کہ سینہ جس سے چرائے تھا آسماں
غالب تھا اُس کا خوف سپاہِ کثیر پر
مدح علم میں طبع کو تشویش ہی کمال
بے مثل جو ہو پھر اُسے کس شے سے دوں مثال
جھک جائے آسماں وہ بزرگی نشاں میں تھی
کیونکر نہ جھپکے چشمِ جہاں بیں کو آفتاب
دامن خدائے پاک کی رحمت کا ہی سحاب
سرسبز اُس نے کر دیا دنیا کی کشت کو
پنجہ پہ ابتدا سے رہا نور سرمدی
پرچم سیاہ اور پھریرا زبر جدی
کافر ہے نہ لشکرِ اسلام رہ گیا
پہونچا جو اس شکوہ سے رن میں وہ ذی حشم
نیزہ جو کر کے کھول دیا دامنِ علم
اِک شور تھا کہ مشک بھی ہمراہ لائے ہیں
پسپا ہوئے وہ ڈر کے سر آمد تھے جو جواں
گر گر پڑے فرات میں گھاٹوں کے پاسباں
دہشت یہ تھی کہ شیر صفوں پر نہ آ پڑے
اللہ ری نے جواسیِ فوجِ جفا پسند
بڑھ کر پکارے حضرتِ عباسِ ارجمند
مرتے ہیں مارے پیاس کے واں ہٹ گیا دو

ترکش تھا وہ کہ مرگِ مفاجات کا مکاں
در آئے کوہ میں وہ چمکتی ہوئی سناں
ایک اک گرہ کسے تھی کمر دار و گیر پر
ہر سمت دوڑ دوڑ کے تھک تھک گیا خیال
طوبیٰ اُسے کہوں تو وہ ہو جائے خود نہال
یہ راستی نہ سرو میں نہ کہکشاں میں ہے
پنجے سے اُس کے آنکھ ملانے کی کس کو تاب
جس کے کرم سے ایک زمانہ ہی فیضیاب
ابتک اُسی ہوا کی ہوس ہی بہشت کو
پنجے تھے جس کے قبلۂ عالم کے مقتدی
نصرت پناہ زینتِ فوجِ محمدی
دنیا میں اس نشاں کا فقط نام رہ گیا
دلدل کی طرح اڑ کے تھا اسپِ خجستہ قدم
اللہ رے رعب ہٹنے لگا لشکرِ ستم
بھاگو علی جہاد کو میداں میں آئے ہیں
ترکش سے تیر ظلم گرے دوش سے کماں
کانپی زمین یوں کہ سلامی ہوئے نشاں
گھوڑے بھڑک کے دوسرے گھوڑوں تک جا پڑے
دہشت سے ستموں کے لرزتے تھے بند بند
جم کر لڑو کہ نام شجاعوں میں ہو بلند
لڑتے نہیں تو نہر پہ جانے کی راہ دو

یہ سُن کے ابن سعد لعیں نے پرے جمائے
اک شور تھا کہ اب یہ بہشتی نہ بڑھنے پائے
دستے ستم کے گھاٹ پہ دریا کے در آئے
تلوار رکھ کے کاندھے پہ عباس مسکرائے
موت آئی اس کے سر پہ جو آفت نصیب تھا
چھیڑا تو رخش اُڑ کے صفوں کے قریب تھا

تیغیں کھنچیں اُدھر بھی نیاموں سے مثلِ برق
وہ گرز اُٹھے کہ جن سے نہ بچتا تھا خود و فرق
گرجے وہ یل کہ لوہے کے دریا میں جو غرق تھے
در آئی دل میں جو وہ سنانوں کی برق و شرق
حلقے کماں کشوں کے جنوب و شمال تھے
اک آفتاب تھا تو ہزاروں ہلال تھے

آوازِ کوسِ حرب ہوئی ہر طرف بلند
شورِ دہل سے اور تزلزل ہوا دو چند
تیغیں کھنچیں کہ ہو گئی دریا کی راہ بند
صف میں کنوتیوں کو بدلنے لگے سمند
چھوٹے گھر اژدروں سے ترائی ہزبر سے
جنگل سیاہ ہو گیا ڈھالوں کے ابر سے

پڑھ کر رجز کو تیغ علم کی جناب نے
لی رُخ پہ تھرتھرا کے سپر آفتاب نے
جلوہ کیا جو دشت میں اس برق تاب نے
گھیرا منافقوں کو خدا کے عتاب نے
بجلی کی برق و شرق بھی نظروں سے گر گئی
تلوار موت بن کے نگاہوں میں پھر گئی

چمکائی برق شام کے بادل میں شیر نے
سر اُڑ گئے گزر گیا جس دل میں شیر نے
طبقہ ہلایا گونج کے جنگل میں شیر نے
اُلٹا پروں کو حملۂ اول میں شیر نے
جرأت نثار ہوتی تھی اس دستِ پاک پر
تلوار تھی کہ بجلیاں گرتی تھیں خاک پر

اک وار روک لے یہ کسی کا جگر نہ تھا
جب تیغ تیز خود تک آ پہنچی سر نہ تھا
آفت تھی امن میں کوئی بیداد گر نہ تھا
ڈر کر ادھر کی صف سے جو بھاگا اُدھر نہ تھا
بڑھتا تھا آپ سے نہ کوئی جنگ کے لیے
لاتی تھی موت گھیر کے چو رنگ کے لیے

اللہ رے اُن پروں سے لڑائی دلیر کی
مجمع میں ہر طرف تھی رسائی دلیر کی
پھرتی تھی چار سمت کلائی دلیر کی
غل تھا سپاہ میں کہ دوہائی دلیر کی
نعرہ تھا لڑ تو لیں وہ جو منکر ہیں دین کے
خود ہاتھ روک لونگا میں دریا کو چھین کے

لازم ہی تم بھی جان لڑادو لڑائی میں
ملتا ہی مجھ کو لطف صفوں کی صفائی میں
اس معرکے کا شور رہے گا خدائی میں
یہ لے کمر کمر تو لہو اس ترائی میں
آباد ہو یہ دشت محلّے اُجاڑ ہوں
انبار ہوں تنوں کے سروں کے پہاڑ ہوں

چمکی جو برقِ تیغ کماندار ڈر گئے
کانپے جو سب چڑھے ہوئے چلّے اُتر گئے
سر سے تو ہوش اُڑ گئے تیروں سے پر گئے
ثابت نہ تھا کٹے ہوئے ترکش کدھر گئے
وہ سرکشی نہ تھی وہ سرافرازیاں نہیں
جانبازیاں نہ تھیں قدر اندازیاں نہیں

شبدیز کو اُڑا کے گئے جس سوار پر
تیر آپڑا اسمنٹ کے یکایک شکار پر
سر سے وہ تیغ تیر گئی راہوار پر
نکلی تو خوں کی چھینٹ نہ تھی اُس کی دھار پر
قبضے سے راستی نہ گئی کج ادائی میں
دیکھی نہیں کبھی یہ صفائی لڑائی میں

آئی جدھر تنوں سے سروں کو جدا کیا
ایک ایک نخل سے ثمروں کو جدا کیا
شانوں کو گردنوں کو پروں کو جدا کیا
کاٹیں صفیں پروں سے پروں کو جدا کیا
لاکھوں سے اس طرح کوئی تنہا لڑا نہیں
فوجوں میں تفرقہ کبھی ایسا پڑا نہیں

گرتی تھی صاعقہ کی طرح شعلہ بار تیغ
خوں پی کے بھی نہ لیتی تھی دم بھر قرار تیغ
چلتی تھی ہر طرف صفتِ ذوالفقار تیغ
کیا دستِ حق پرست تھا کیا آبدار تیغ
دونوں کی آبرو ہی جو ساتھ اس طرح کا ہو
تلوار اس طرح کی تو ہاتھ اس طرح کا ہو

دیکھا نہیں کبھی کسی دریا کا ایسا توڑ
نہروں کے بند کاٹ دیئے تھے تنوں کے جوڑ
کہتی تھی موت ہاں تنِ اعدا میں دم نہ چھوڑ
خوں پی کے جان لیکے فنا کر کے منھ کو موڑ
بڑھ کر لہو فرات کے ساحل سے جا ملے
روکا تھا گھاٹ کیوں انھیں کچھ تو سزا ملے

دریا کے پاسبانوں سے نکلا جو کوئی بل
دہنے سے تیغ بائیں طرف کو بڑھی اجل
چہرے کی چوٹ کھا کے گرا وہ جو منھ کے بل
عباسِ نامدار پکارے سنبھل سنبھل
اس تیغ نے دریغ میں بجلی کا طور ہی
ظالم وہ گھاٹ اور تھا یہ گھاٹ اور ہی

جس پہلواں پہ شاہ کے اقبال سے چلی
پہنچا اُڑا کے سوئے زرہ ڈھال سے چلی
راکب فرس سے منھ کے بھل آیا زمین پر
چار آئنہ پڑے ہوئے تھے خاک پہ کہیں
تیغیں بہادروں کی کہیں تھیں سپر کہیں
قبضہ تھا ناکسوں کا تو نے آب و تاب تھے
تھا اپنے کارزار پہ جن جن کو اعتماد
ڈالا تھا آبِ تیغ نے ہر جسم میں فساد
ملجل غضب تھی تیغ بہادر کی تاب سے
گم تھے قرار و صبر و ثبات و حواس و ہوش
چھپتے تھے خوفِ جاں سے جوانانِ درع پوش
رنگت پریدہ موت کی تلخی زبان پر
تنہا ادھر تھے آپ اُدھر اژدحام تھا
تلوار تھی کہ برطرفی کا پیام تھا
ڈر فرد فرد کو تھا عذابِ شدید کا
اللہ رے رعب و صولت و شوکت دلیر کی
سب شان تھی نبرد میں خالق کے شیر کی
گھوڑے اُڑا کے جاتے تھے یوں ہر سوار پر
اللہ رہی تیغِ صاعقہ کردار کی چمک
سینوں کے پار ہوتی تھی تلوار کی چمک
جو ہر نوجوان لیکے بھی منھ موڑتے نہ تھے

جوشن کے ٹکڑے کر کے نئی چال سے چلی
یوں ماہیِ محیطِ ظفر جال سے چلی
ٹکڑے زرہ کے رہ گئے گھوڑے کی زین پر
مغفر کہیں تھے ٹھوکریں کھاتے تھے سر کہیں
ترکش کہیں کمانیں کہیں تھیں تبر کہیں
اُس وقت میں تھے صاحبِ ہر خراب بخت
جنگل میں بھاگے جاتے تھے وہ مثل گردباد
موقوف تھا عناصرِ اربع کا اتحاد
آتش ہوا سے بھاگتی تھی خاک آب سے
اُٹھتا تھا الاماں کا ہر سمت سے خروش
اپنے سروں کو آپ سمجھتے تھے بار دوش
بھاری تھی جان جسم پہ اور جسم جان پر
وہ بے نشاں تھا جس کا شجاعوں میں نام تھا
چہرے سے کٹے تھے جائزۂ فوجِ شام تھا
دفتر الٹ گیا تھا سپاہِ یزید کا
گنتی محال ہو گئی لاشوں کے ڈھیر کی
خود ہو بچے گر حریف نے بڑھنے میں دیر کی
جنگل میں باز گرتا ہی جیسے شکار پر
ذرے سے کم تھی مہرِ ضیا بار کی چمک
بڑھ بڑھ کے کاٹتی تھی گلے دھار کی چمک
پشتے وہ تھے کہ تن میں لہو چھوڑتے نہ تھے

ڈالی تھی اُس جری نے عجب جنگ کی طرح
اعدا دو نیم ہو گئے چورنگ کی طرح
لوہے کو کھائے جاتی تھی وہ زنگ کی طرح
منہ پر ٹھہر سکا نہ کوئی رنگ کی طرح
کیا صاف تھا وہ ہاتھ صفوں کی صفائی میں
روحیں تنوں کو چھوڑ گئیں اس لڑائی میں

جب ہاتھ اُٹھا تو گنبدِ گردوں پہ ضو گئی
پستی سے اوج پر صفتِ ماہِ نو گئی
بجلی سی سوئے لشکرِ حق ناشنو گئی
دیکھی جو کشتِ کفر تو بہرِ درو گئی
دریا پہ آئی دشت کو لاشوں سے پاٹ کے
تودے لگائے ظلم کی کھیتی کو کاٹ کے

زرہوں کو موج جانتی تھی خود کو حباب
بے مثل، بے عدیل، بلانوش، لاجواب
ہر دم عدم کی راہ دکھاتی تھی اُس کی تاب
سم کی طرح کلیجے کو جو چھاندے وہ آب
کچھ بڑھ گیا تھا کاٹ جو دریا کے کاٹ سے
دھارا پناہ مانگتا تھا اُس کے گھاٹ سے

وہ تیغ کی تڑپ وہ تگ و دو سمند کی
وحشت ہرن کی تیز پری تھی پرند کی
ترکیب کچھ جدا تھی ہر اک جوڑ بند کی
پنہاں ہوا سوار جو گردن بلند کی
پریوں کی جان جاتی تھی یال اُس کی دیکھ کر
طاؤس سر جھکاتے تھے چال اُس کی دیکھ کر

دونوں کنوتیاں ہیں کہ پیکانِ تیر ہیں
چاروں سم اس کے غیرتِ بدرِ منیر ہیں
آنکھوں پہ کیجئے جو نظر بے نظیر ہیں
یال ایسے جس کے پیچ میں پریاں اسیر ہیں
سرعت میں اُس سے طیر کو نسبت نہ تیر کو
نرمی یہ جلد میں کہ خجالت حریر کو

چیتے کی جست شیر کی چتون ہرن کی آنکھ
شرمائے جس سے آہوئے چین و ختن کی آنکھ
پڑتی تھی یوں حریف پہ اُس صف شکن کی آنکھ
لڑتی ہے جیسے جنگ میں شمشیر زن کی آنکھ
راکب شجاع تھا تو فرس بھی دلیر تھا
گھوڑا پروں میں تھا کہ غزالوں میں شیر تھا

بجلی صفوں میں کوند رہی تھی دمِ جدل
ہل چل میں ہر پرے پہ پرا تھا تو دل پہ دل
وہ تھوتھنی وہ آنکھ وہ سم وہ کمر کفل
دیکھا نہ آج تک کہ مڑے اس طرح سے کل
عالم تھا تن کے بو میں گلوں کی شمیم کا
موڑا جدھر نکل گیا جھونکا نسیم کا

چمکار کر یہ کہتے تھے عباسِ نیک خو
پامال فوج ہو چکی اب چل کنارِ جو
ماتم بپا ہی گھر میں شہِ مشرقین کے
فرمائے یہ ترائی میں مانندِ شبیر آئے
ہاں صفدرو ادھر یہ بہشتی نہ آنے پائے
فرمایا روکنا ہمیں کیا؟ نے شعور ہو
مشکیزہ ساتھ ہی یہ نہ ہو گا کہ ہم نہ آئیں
عالم کے ہوں شجاع تو ہم پر ظفر نہ پائیں
آتش پہ ڈال دیں جو قدم لالہ زار ہو
دریا نہو کہ روک لیا باندھ کر پرے
پانی کے واسطے تو ہیں ہاتھوں پہ سر دھرے
ڈھالوں پہ برقِ تیغِ دودم کو تو روک لو
اک خوں گرفتہ سُن کے یہ نکلا پئے جدال
چہرے کا اور سپر کا سیاہی میں ایک حال
نام علی کسی نے لیا جب تو جل گیا
مغفر تنور تھا تو زرہ موجِ رودِ نیل
حملے میں تھا جو دیو تو ٹکر میں مست فیل
فوجیں ہٹیں اگر تو منھ کو پھرائے نہ حرب سے
تیغے کا وہ چڑھا ہوا پٹھا کہ الاماں
پرخاش خر مہیب نظر اژدرِ دماں
افزوں تھا کید و مکر میں ابنِ زیاد سے

حقِ وفا جو ہی وہ ادا کر چکا ہی تو
بس اب فقط ہی مشک کے بھرنے کی آرزو
پانی بغیر مرتے ہیں بچے حسینؑ کے
چلائے سب وہ گھاٹ پہ جو بیٹھے پرے جمائے
کاندھے پہ رکھ کے تیغ کو عباس مسکرائے
پیاری اگر ہی جان تو دریا سے دور ہو
چاہیں ابھی تو خوں کی بہیں ندیاں یہاں
یہ نہر کیا ہی آگ کے دریا کو پیر جائیں
بیڑا ہمارا نوح کے طوفاں سے پار ہو
شیروں کے تیر بھی کہیں کتے ہیں مرے
ہم اور ہٹائیں پاؤں کو نے مشک کے بھرے
جس طرح گھاٹ روکا تھا ہم کو تو روک لو
تندر صدا مہیب ادا اہرمن خصال (آوازِ رعد — دیو شیطان)
بد خواہِ خاندانِ محمدؐ عدوئے آل
نکلا نہ دل سے بغض نہ ابرو سے بل گیا
عمر ابن عبد ود سے بھی تھا قامت میں کچھ طویل
نے مثل بغض و کیں میں عداوت میں نے عدیل
دل کیا پہاڑ کانپتے تھے اُس کی ضرب سے
بالائے دوشِ نحس کئی ٹانک کی کماں
بدعت کا در فریب کا گھر مفسدِ زماں
رگ رگ بھری ہوئی تھی عناد و فساد سے

بولے یہ اُس سے حضرتِ عباسِ نیک خو
اُن کو بھی ہاں بلا جو کھڑے ہیں کنار جو
آتا ہی نے وھڑک کوئی یوں منھ پہ شیر کے
اچھا ہوس ہو جو ترے دل میں لے نکال
ہم منتظر کھڑے ہیں کہیں ختم ہو جدال
تجھ کو ہی خوفِ جان ہمیں مرنے کی عید ہی
تجھ سا جوان اور نہ کرے کچھ خدا کا ڈر
کانٹوں کا ساتھ گل سے خلش رہنما ہے شر
کافر کریں گے طعنہ زنی اس لعین پر
کیا وعدہ یزید جفا جو کا اعتبار
بھولے ہو اُس کو جو ہی محمد کا یادگار
کچھ فرق نیک و بد میں کرو گر تمیز ہی
معصوم جاں بلب ہیں کئی قحطِ آب سے
دل میں غبار یہ خلفِ بوتراب سے
گرمی سے اختلاج جو ہوگا حواس میں
یہ ذکر سن کے رونے لگے اور اہلِ شر
میزانِ عقل میں جو سبک تھا وہ خیرہ سر
بڑھتے جو دیکھا نے اوبانہ دلیر کو
قبضے میں تھی پہنچی ہوئی شمشیر خوں چکاں
برقِ غضب تھی ضربِ علمدارِ نوجواں
پہلے ہی وار میں خطِ نصرت رقم ہوا

اس گھاٹ پر بڑھا ہی ہمیں روکنے کو تو
دریا جو چھن گیا تو رہے گی نہ آبرو
ثابت ہوا اجل تجھے لائی ہی گھیر کے
ہاں آزمودہ تر ہو جو حربہ اسے سنبھال
تیغ و سپر اٹھا کے دکھا اپنی چال ڈھال
یہ انتظار موت سے بھی کچھ شدید ہی
کستا ہی کوئی قتل پہ سادات کے کمر
دریا میں نخلِ نار ہی اس نخل کا ثمر
لعنت تمھاری عقل پہ تف ایسے دین پر
کاذب قمار باز منافق شراب خوار
سید ستم رسیدہ مسافر عیال دار
ایسے بزرگ سے تمھیں پانی عزیز ہی
کیوں ظالمو بھٹکتے ہو راہِ ثواب سے
کوثر پہ کیا کہو گے رسالت مآب سے
مانگو گے کس سے آب قیامت کی پیاس میں
پر اُس شقی کے دل میں نہ مطلق ہوا اثر
گھوڑا بڑھایا نیزہ خطی کو تول کر
آیا جلال شیرِ الٰہی کے شیر کو
کوندی کہ الحفیظ بڑھی وہ کہ الاماں
سُن ہو گیا جو سن سے چلی تیغِ جاں ستاں
مثلِ خیار بیچ سے نیزہ قلم ہوا

خود سر نے ڈانڈ پھینک کے قبضے میں لی کماں
نعرہ کیا زہے ہنر ای اژدرِ دماں
چلّے بھی نادرست تھے ترکش بھی ور تھا
کٹ کٹ گیا چلے جو یہ تیغِ زباں کے وار
گرز و سنان و تیر ہیں کیا او جفا شعار
تیروں کا مینہ برس گیا تیغوں کی برق دیکھ

یہ سُن کے غیظ آگیا اُس بد مآل کو
کاندھے سے ہاتھ میں لیا لوہے کی ڈھال کو
غصّے میں لب پہ بے ادبانہ کلام تھے
شرمندہ جس سے قبر وہ چہرہ سیاہ رنگ
ماتھا بھی تنگ ہاتھ بھی کوتاہ دل بھی تنگ
کس معرکہ میں روم و عرب سے لڑا نہ تھا

عباسِ نامور نے بھی جولاں کیا فرس
وہ بھوتنی وہ آنکھ وہ سینہ وہ پیش و پس
جم کر اُڑا تو نعلوں کی ضو تا فلک گئی
مِغفر کٹی کبھی کبھی بکتر کبھی سپر
سینے پہ آئی وہ تو یہ پہونچی قریبِ سر
سر سے بلند ہو کے جو تیغیں چمکتی تھیں

دستانے سے کبھی کبھی جوشن سے جا ملی
جھکا تو نوک بازوئے دشمن سے جا ملی
وہ خود پہ تو یہ سپرِ آہنیں میں تھی

گوشوں کو بڑھ کے کاٹ گئی تیغِ بے اماں
سب یاں کے سر کشوں میں ہے تو صفدرِ زماں
تیری نہیں خطا یہ کماں کا قصور تھا
گو تجھے مثالِ شبیر علمدارِ ذی وقار
آ جا قریب کھینچ کے شمشیرِ آبدار
گِنتا ہے کس کا سر حق و باطل کا فرق دیکھ

دابا شقی نے اشہبِ صرصر مثال کو
چمکائی تیغ گھور کے حیدر کے لال کو
آنکھیں تھیں یا بھرے ہوئے خوں کے جام تھے
رسوائے زنگبار سوادِ حبش کا ننگ
قتال بد مزاج سلحشور خانہ جنگ
پر ایسے شیر سے کبھی پالا پڑا نہ تھا

گردِ قدم کے جس کی ہوا کو ہی ہوس
تھا تازیانہ جس کے لیے رشتۂ نفس
باگیں ذرا جو ہل گئیں بجلی چمک گئی
چمکی یہ برق ادھر تو وہ بجلی گری اُدھر
شانے سے وہ پھری یہ چلی جانبِ کمر
انساں تو کیا فرشتوں کی آنکھیں جھپکتی تھیں

سر کی سپر جہاں سے وہیں تن سے جا ملی
پہلو سے وہ گئی تو یہ گردن سے جا ملی
اُس دن غضب کی ردّ و بدل کفر و دیں میں تھی

اس کا فرس ادھر تھا تو اُس کا سمند ادھر
گھوڑوں میں اس طرف تھے طرارے غضنفر ادھر
یہ ارجمند ادھر تھا تو وہ خود پسند اُدھر
لیکن ادھر تو امن و اماں بھی گزند ادھر
گو وہ سیاہ رو بھی قوی بھی دلیر ہے
پھر تو کلب کلب ہے اور شیر شیر ہے

گرمی میں ہانپنے جو لگا وہ سیہ دروں
فرمایا دیکھ ہے تری گردن پہ تیرا خوں
محتاجِ آب ہم ہیں نہ چرخِ واژگوں
تو نے نکال دی ہے زباں او سگِ زبوں
شیر اب تجھے شکست سر دست دیتے ہیں
دو ہاتھ میں ترائی کو ہم چھین لیتے ہیں

تیری جو کلیات تھی وہ ہو چکی تمام
جزوِ ضعیف میں ہوں بس اب دیکھ میرا کام
اس ڈیل ڈول پر نہیں کچھ پاسِ ننگ و نام
تجھ کو تو عمر جانتے تھے ساکنانِ شام
کس بزدلی کا تجھ میں ستمگار میل تھا
یہ تیری ضربتیں تھیں کہ لڑکوں کا کھیل تھا

چالیس وار ہم نے کیے ایک دم میں رد
آگاہ اس سے دونوں طرف کے ہیں نیک و بد
پر مار ڈالنے میں ترے کی نہ جد و کد
سر پر اجل اب آ گئی او بانیِ حسد
لے اب بھی بھاگ جا مرے کہنے کو مان لے
یا لیلے دم تو پھر ملک الموت جان لے

دانتوں کو پیس کر یہ پکارا وہ پر غرور
روکوں گا میں بھی وار کریں پاس سے حضور
فرمایا عقل سے یہ تعلی بری ہے دور
لے آئے ہم وغا میں نہ اب کیجیو قصور
وہ میری حرب تھی یہ علی کی نبرد ہے
روک اب ہمارا وار تو جانیں کہ مرد ہے

اسپ و سر و جسد سے خبردار ہوشیار
چلتا ہے اب کے دستِ علیِ ولی کا وار
دابا ذرا تو مل گیا گھوڑے سے راہوار
بجلی گری کہ سن سے چلی تیغ آبدار
سر اُڑ گیا سپر سے ہزار اُس نے آڑ کی
کٹ کر گری زمیں پہ چوٹی پہاڑ کی

کب سر اُڑا شقی کو نہ مطلق ہوئی خبر
پھر وار اک کیا کہ دو پارہ ہوئی کمر
قربانِ ضربِ دستِ علمدارِ نامور
راکب کے پاؤں کاٹ دیئے اور فرس کا سر
ہاتف نے دی صدا کہ اسے جنگ کہتے ہیں
ضرب اس کو کہتے ہیں اسے چورنگ کہتے ہیں

کاندھے پہ تیغ رکھ کے پکارا وہ رشکِ ماہ — کیوں اور بھی ہی کوئی جو روکے ہماری راہ
دب دب کے گھاٹ چھوڑ گئی شام کی سپاہ — پہنچا کچھار میں پسرِ ضیغمِ الٰہ
کی آہ خیمۂ شہِ والا کو دیکھ کر — آنسو بھر آئے آنکھوں میں دریا کو دیکھ کر

جس جا ہی قبر یاس سے اُس جا پہ کی نظر — فرمایا دے گئے ہیں یہیں کی علیؑ خبر
آواز مرتضیٰ کی یہ آئی کہ ای پسر — تعریف کر رہے ہیں تری سید البشر
روتی ہیں سر پٹکتی ہیں فریاد کرتی ہیں — زہرا دعائیں دے کے تجھے یاد کرتی ہیں

ام البنین سا کوئی ہوگا نہ نیک نام — فرزند جس کے چار ہوئے فدیۂ امام
سقائے اہل بیت ہی تو ای فلک مقام — شبیر کی طرح تجھے روئینگے خاص و عام
مرنے کے بعد اور بڑھے گا حشم ترا — پہلو میں ہر ضریح کے ہوگا علم ترا

یہ تشنگی یہ جنگ یہ حملے یہ کارزار — ای باوفا پسر ترے ہاتھوں کے ہیں نثار
یہ آج کی وغا ہی زمانے میں یادگار — تلوار تھی کہ برق چمکتی تھی بار بار
ناصر وہ ہی امام کے جو روبرو لڑا — میں غزوۂ احد میں لڑا آج تو لڑا

دنیا میں آج سے ہی بہشتی ترا لقب — اب مشک بھر حسین کے بچے ہیں تشنہ لب
پانی ملا نہیں علی اصغر کو ہی غضب — جو بچوں والیاں ہیں تری منتظر ہیں سب
پیاسوں کا تشنگی سے کلیجہ کباب ہی — کوشش کر ای پسر کہ یہ کارِ ثواب ہی

غازی نے عرض کی کہ دعائیں کریں جناب — روکے نہ کوئی راہ جو نکلوں میں بھر کے آب
مطلب یہ خاکسار کا ہی یا ابو تراب — اصغر میں جان آئے سکینہ ہو کامیاب
جا پہونچے مشک گھر میں سلامت تو عید ہو — پانی پلا کے بچوں کو خادم شہید ہو

یہ کہہ کے نہر میں گئے عباسِ عرش جاہ — شور اک درود کا ہوا ماہی سے تا بہ ماہ
دیکھی جو شوکتِ اسد اللہ دیں پناہ — میں گرد پھر لوں پہلے یہ گرداب کو تھی چاہ
غل مچھلیوں میں تھا اسدِ حق کے جائے ہیں — مجرا کرو کہ ماہ بنی ہاشم آئے ہیں

وہ مشک دوش پر وہ لچکتا ہوا علم
غل تھا کہ آج کوثر و طوبیٰ ہوئے بہم
ٹپکا عرق جبیں سے تو پانی گلاب تھا
اک سطح نور ہو گیا دریا کا آب سب
کرنے لگے زیارتِ روئے جناب سب
ابھرے صدف کہ گوہرِ فیضِ عموم لوں
نکلا جو مشک بھر کے وہ بچوں کا خیر خواہ
ہاتھوں پہ مشک رکھ کے دعا کی کہ یا الٰہ
تن کا لہو بہے تو بہے آب یہ نہ جائے
آئی ندائے غیب کہ ای حامیِ رسول
بچوں کا آج اور تڑپنا کرو قبول
سیراب ہوں گے سب جو علی کے غلام ہیں
ہم سا رحیم کون ہے دنیا میں دوسرا
جو مصلحت ہے اس کو کوئی جانتا ہے کیا
منظور ہے محبوں کا درجہ رفیع ہو
ای بازوئے حسین دا ابوالفضلِ باوفا
کوثر کیا ہے ہم نے ترے باپ کو عطا
ضایع ہو آب اگر تو عوض ہم سے لیجیو
روز الست ہو چکی ہے اس کی گفتگو
اقرار کر چکے ہیں حسینِ خجستہ خو
بخشش کا اب حسینؑ پہ دارومدار ہے

اک برق نور گرتی تھی موجوں پہ دمبدم
وہ عکس روئے پاک کا وہ شوکت وحشم
باہر تو آپ تھے تہ آب آفتاب تھا
موجیں ٹھہر کے بھول گئیں اضطراب سب
قدموں سے آنکھیں ملنے کو دوڑے حباب سب
پانی کو تھی ہوس کہ لب پاک چوم لوں
آئی نظر گھٹا کی طرح شام کی سپاہ
زخمی ہوں میں پہ بہ مری محنت نہ ہو تباہ
سقا بنا ہوں جس کا وہ محروم رہ نہ جائے
کوثر پہ ہو گا تیری دعا کا ثمر حصول
عرصہ نہ کچھ ہی اجر میں نہ کچھ جزا میں طول
کل تو ہی اور چشمۂ کوثر کے جام ہیں
بچوں پہ ہم شفیق ہیں ماں باپ سے سوا
ظالم یہ سب ہیں امتِ مرحوم سے جدا
ہم بخشیں اور حسین سبھوں کا شفیع ہو
سقائے اہل بیتِ نبی ہے لقب ترا
یہ مشک کیا فرات کا پانی ہے گر تو کیا
تو مشکوں کو بھر کے خلد میں پیاسوں کو دیجیو
حیدر کے فاطمہؓ کے محمدؐ کے روبرو
طے ہو چکا ہے مرحلہ گھبرائیو نہ تو
بوجھ اور یہ نہیں ہے شفاعت کا بار ہے

تلواریں برسیں یا کہ ستم کی ہوا بڑھے — رنج و بلا ادھر سے ادھر سے ولا بڑھے

ہاں صبر کر جو آج بلا پر بلا بڑھے — تا آبروئے امتِ خیر الورا بڑھے

کوثر سے ملے بہشتِ بریں کے ثمر ملیں — پیاسوں کو روئیں جو انھیں جنت میں گھر ملیں

دریا سے نکلے اشک بہاتے ہوئے جناب — قطعاً یقیں ہوا کہ نہ بچے گی نہ مشکِ آب

تلوار تول کر یہ کیا فوج سے خطاب — ممکن نہیں کہ تم سے رکے ابنِ بوتراب

سینے پہ خنجر و تبر و تیر کھائیں گے — جس طرح آئے ہیں یونہیں دریا سے جائیں گے

مقتل پہ اپنے لاکھوں سے لڑتے ہوئے جو آئے — نیزے کہیں لگے کہیں چھاتی پہ تیر کھائے

شانوں سے ہاتھ کٹ گئے غازی کے ہائے ہائے — پانی بہا تو دیکھ کے گردوں کو مسکرائے

جو اُس وغا میں بھاگ گئے تھے وہ پھر پڑے — جھکنے لگا نشاں تو علمدار گر پڑے

اک غل ہوا کہ شبیر کو مارا کچھار میں — وہ ٹوٹتا ہے عرش کا تارا کچھار میں

اب کون ہوگا معرکہ آرا کچھار میں — بیجان ہوا حسین کا پیارا کچھار میں

ہم جس کے ڈر سے کانپتے تھے وہ گزر گئے — لیجو خبر حسین ہیں زندہ کہ مر گئے

حضرت سے دوڑ کر علی اکبر نے یہ کہا — طاقت ہماری گھٹ گئی مارے گئے چچا

سنتے ہی کانپنے لگے حضرت کے دست و پا — خیمے کا در پکڑ کے کہا وا مصیبتا

بتلاؤ لاش لینے چلیں یا بکا کریں — ہم پر پہاڑ ٹوٹ پڑا ہائے کیا کریں

گرتے ہوئے جو بھائی کے لاشے پہ آئے شاہ — دیکھا کہ نزع میں ہیں علمدارِ عرش جاہ

منہ قبلہ رو ہے مشک و علم کی طرف نگاہ — لب پر یہی سخن ہے کہ حضرت نہ آئے آہ

پیاسوں کا یا مفارقتِ شہ کا غم کروں — یارب کسے سپرد یہ مشک و علم کروں

پھیلا کے دونوں ہاتھ پکارے شہِ زماں — آیا غریب و بیکس و مظلوم و ناتواں

تڑپے صدا یہ سن کے علمدارِ نوجواں — گویا نکل کے آئی دوبارہ بدن میں جاں

دل ڈھونڈھتا تھا بسکہ شہِ مشرقین کو — حسرت نے آنکھیں کھول کے دیکھا حسین کو

گودی میں سر کو رکھ کے پکارے امامِ دیں
ای ابنِ مرتضیٰ نے تجھے پہچانا یا نہیں

قدموں پہ منہ کو رکھ کے پکارا وہ مہ جبیں
ای جانِ فاطمہ جگرِ ختمِ مرسلیں

آنکھوں میں گو ہی دم پہ ہوں عارف امام کا
آغوش میں حضور کے سر ہی غلام کا

سب بن گئے حضور کے صدقے سے میرے کام
نہریں بہشت کی نظر آتی ہیں یا امام

دستِ علی میں دیکھیے کوثر کے دو ہیں جام
حوریں پکارتی ہیں یہ لے لیکے میرا نام

کیا دیکھتے ہو مشک کو دم توڑ توڑ کے
کوثر پہ جلد آؤ ترائی کو چھوڑ کے

خادم کو پیار کرتے ہیں محبوبِ ذوالمنن
یہ فاطمہؑ کھڑی ہیں یہ حیدر ہیں یہ حسنؑ

اس موت پر حیات نثار ای شہِ زمن
ہنگامِ نزع جس کے سرہانے ہوں پنجتن

مولا مدد کو آئیں سفر جب قریب ہو
شیعوں کو آپ کے یونہیں مرنا نصیب ہو

سب حسرتیں بر آئیں مری یا شہِ امام
دو داغ خلق سے لیئے جاتا ہی یہ غلام

اک یہ کہ چھوڑتا ہوں سکینہ کو تشنہ کام
غم دوسرا یہ ہی کہ اکیلے ہیں اب امام

بیٹے کا افتخار جو صدقے ہو باپ پر
اکبرؑ کے بعد کون فدا ہوگا آپ پر

یہ کہ کے اشک آنکھوں سے عباس نے بہائے
ہچکی کبھی کراہ کے لی گاہ مسکرائے

کروٹ بدل کے منھ قدمِ شاہ تک جو لائے
چلائے شاہ چھوڑ چلے ہم کو ہائے ہائے

پتلی پھری ہوئی سوئے شبیر رہ گئی
آنکھوں سے دم نکل گیا تصویر رہ گئی

آغوش میں جو بھائی کے بھائی گزر گیا
خنجر الم کا دل سے جگر تک اتر گیا

چلاتے تھے کہ شیر ہمارا کدھر گیا
جینے کا جس کے دم سے مزا تھا وہ مر گیا

یہ چاند سوئے قبر میں قسمت زمین کی
ہی ہی کمائی لٹ گئی ام البنین کی

ای میری زندگی کے سہارے ترے نثار
بہنوں کی جان بھائی کے پیارے ترے نثار

ای تین دن کی پیاس کے مارے ترے نثار
ای بچپنے کے دوست ہمارے ترے نثار

سینے میں دم کے آمد و شد کا اثر نہیں
کیسی یہ نیند ہی کہ ہماری خبر نہیں

ہم روتے پیٹتے ہیں تمھیں کچھ نہیں خیال
عباس آنکھیں کھول کے دیکھو ہمارا حال

تم کیا سدھارے مر گیا خیر النسا کا لال
اب تشنہ لب سکینہ کی ہے زندگی محال

پانی کا ماجرا نہ کہوں اس سے یا کہوں
اتنا بتاؤ تم کہ سکینہ سے کیا کہوں

مرنے حسین جاتا ہے لو پاؤں پر گرو
بھائی کے گرد ہاتھوں کو جوڑے ہوئے پھرو

کس جا ہو ابن فاطمہ زہرا کے ناصرو
تھم تھم کے راہ خلق سے لو اے مسافرو

تیغوں میں جو سپر تھا وہ بھائی جدا ہوا
آتا ہے پیچھے پیچھے مسافر تھکا ہوا

دیکھا جو باپ کا علی اکبر نے غیر حال
کی عرض چلیئے خیمے میں اے بہر ذوالجلال

لاشے پہ جب سے آئے ہیں مولائے خوش خصال
در پہ کھڑے ہوئے ہیں حرم کھولے سر کے بال

چھریاں غم والم کی کلیجوں پہ چلتی ہیں
اک شور ہے کہ خیمے سے زینب نکلتی ہیں

ضد کرتی ہے سکینہ کہ دریا پہ جاؤں گی
میں آپ ہاتھ تھام کے عمو کو لاؤں گی

پانی نہ ہو میں اپنے چچا کو تو پاؤں گی
کچھ اُن پہ بن گئی تو کسے منھ دکھاؤں گی

قایم رکھے کریم، علیؑ کی نشانی کو
وہ گھر میں آئیں آگ لگے ایسے پانی کو

فرمایا لاش لے چلو خیمے میں اے پسر
کی عرض چور چور ہیں عباسِ نامور

بازو جدا ہیں گرز سے ہے چار پارہ سر
کہنے لگے حسین گریباں کو پھاڑ کر

چادر میں رکھ کے لے چلو لاشے کو اس طرح
گھر میں علیؑ کو لائے تھے مسجد سے جس طرح

کی عرض جو رضائے شہنشاہِ بحر و بر
لیکن ہے تین جانوں کے جانے کا اس میں ڈر

اک تشنہ لب سکینۂ ناشاد نوحہ گر
دو چھوٹے چھوٹے حضرتِ عباس کے پسر

ہم جاں بلب ہیں شبیر کو پامال دیکھ کر
بچے جئیں گے لاش کا یہ حال دیکھ کر

آئی صدا علیؑ کی یہ پہلو سے ایک بار
اے ابنِ فاطمہ تری غربت کے میں نثار

سچ ہے کہ سر بسر تنِ عباس ہے فگار
آفت کی برچھیاں ہیں کلیجے کے آر پار

ہوگی تکانِ راہ سے ایذا دلیر کو
سونے دو اے حسینؑ ترائی میں شیر کو

مشک و علم اُٹھا کے چلے اکبرِ حزیں
حضرت کے پیچھے اسپِ علمدارِ مہ جبیں
حیوان کے بھی قتل کے درپے شریر تھے
مقتل سے روتے پیٹتے گھر میں حسینؑ آئے
خوں میں بھرا ہوا علیؑ اکبر علم جو لائے
سر کھولنے کو زوجۂ عباس ہٹ گئی
سب اہل کے صف پہ رانڈ کو لائے بیبیاں
چلاتی تھی یہ زوجۂ عباسِ نوجواں
گرمی جو تھی ہوا تھیں بھائی فرات کی
صاحب تو جان دیکے ہر یک غم سے چھٹ گئے
ماں سے چھٹے امامِ دوعالم سے چھٹ گئے
حرمت اب اس کنیز کی صاحب کے ہاتھ ہے
یہ بین کرکے روئی جو وہ تازہ سوگوار
خاموش اب انیس کہ دل کو نہیں قرار
حامی ہر اک الم میں امامِ جلیل ہیں

بیٹے کے پیچھے چاک گریباں تھے شاہِ دیں
باگیں کٹیں تھیں خون میں ڈوبا ہوا تھا زیں
سینہ تھا چور تیغوں سے چھلنی تیر تھے
بیٹھی ہوئی تھیں بی بیاں ماتم کی صف بچھائے
اک غل ہوا کہ مر گئے عباس ہائے ہائے
مُنھ پیٹ کر علم سے سکینہ لپٹ گئی
پُرسے کا شور ہونے لگا در کے بیاں
صاحب علم کو چھوڑ کے تم چل بسے کہاں
اب تم ہو اور سرد ترائی فرات کی
صدموں سے مطمئن ہوئے ماتم سے چھٹ گئے
ہم تم سے آج چھٹ گئے تم ہم سے چھٹ گئے
کیونکر نباہ ہوگا کہ بچوں کا ساتھ ہے
ماتم سے بی بیوں میں ہوا حشر آشکار
بیخود ہیں بزمِ غم میں شہِ دیں کے دوستدار
مداح جن کا تو ہے وہ تیرے کفیل ہیں

رُباعی

گر دوستیِ علیؑ میں مرجاویں گے
جس وقت کہیں گے منھ سے یا شیرِ خدا
بگڑے ہوئے سب کام سنور جاویں گے
جوں برق صراط سے گذر جاویں گے

مرثیہ (۸)

آمد ہی کربلا کے نیستاں میں شیر کی
جاسوس کہ رہے ہیں نہیں راہ پھیر کی
خوشبو ہی دشتِ بادِ بہاری قریب ہی

آتا ہی وہ جری جو ہزاروں میں فرد ہی
دہشت سے آفتاب کا چہرہ بھی زرد ہی
سربر کوئی ہوا نہیں اس خاندان سے
مشہور ہی جہاں میں پہ صفدر و حیدرِ دہر
لڑنے میں آگئی جو شجاعت کی اُن کو لہر
فرزند ہیں علی سے شہِ کائنات کے
ہاں نورِ چشمِ فاتحِ خیبر قریب ہی
لختِ دلِ درندۂ اژدر قریب ہی
جوہر کبھی چھپے نہیں تیغِ اصیل کے

یکتائے روزگار ہی وہ شیرِ حق کا لال
ان سے مقابلہ کی بھلا ہی کسے مجال
دکھلائینگے چلن اسدِ کردگار کا
رشکِ چمن ہیں سب پہ گل سر سبد یہ ہی
ذی مرتبت ہی صاحبِ فہم و خرد یہ ہی
دیکھا نہیں جہان میں شبیر اس جمال کا

ڈیوڑھی سے چل چکی ہی سواری دلیر کی
غش آگیا ہی شہ کو یہ ہی وجہ دیر کی
ہشیار غافلو کہ سواری قریب ہی

شیروں کا شیر عازمِ دشتِ نبرد ہی
بڑھ کر پرے سے جو لے روکے وہ مرد ہی
گھر میں انھیں کے اُتری ہی تیغ آسمان سے
جبار کے غضب کا نمونہ ہی ان کا قہر
لاکھوں سے ایک وار میں یہ چھین لینگے نہر
لاشوں کے پل بندھینگے کنارے فرات کے
لو وارثِ کشندۂ عنتر قریب ہی
جو تیغ کا دھنی ہی وہ صفدر قریب ہی
کاٹے انھیں کی تیغ نے پر جبرئیل کے

اک اک جری ہی شیرِ درندہ دمِ جدال
جرات وہی ہی غیظ وہی ہی وہی جلال
گھر گھاٹ ان کی تیغ میں ہی ذوالفقار کا
آفاق میں نظیر ہی نہ ہمسر احد یہ ہی
عباسؑ نام کیوں نہ ہو کس کا اسد یہ ہی
دُرِّ نجف ہی فاطمہ زہرا کے لال کا

اللہ ری آمد آمدِ عباسِؑ صف شکن
جنگل کے شیر بن گئے تھے خوف سے ہرن
یہ شیر کم نہیں اسدِ قلعہ گیر سے

تھا فوجِ قاہرہ میں تلاطم کہ الحذر
چکر میں تھی سپاہ کہ گردش میں تھا بھنور
فوجیں فقط نہ بھاگی تھیں منھ موڑ موڑ کے

چھایا تھا سب پہ رعبِ علمدار نوجواں
گوشہ اماں کا ڈھونڈھ رہی تھی ہر اک کماں
تیروں کا نالے گماں تھا ارادہ گریز کا

ہل چل یہ تھی کہ گرد سواری عیاں ہوئی
آمد خدا کے شیر کی ساری عیاں ہوئی
روشن تھا شمعِ طور سے پرتو حضور کا

اک شور تھا کہ آج زمیں آسمان ہے
اُترا زمیں پہ چاند یہ خالق کی شان ہے
پرتو ہے یہ رُخِ خلفِ بوتراب کا

نقشِ سمِ فرس کی ضیا پر کرو خیال
ہے دوپہر کے بعد سدا شمس کو زوال
پروانہ آفتاب ہے چہرے کے نور پر

آئینۂ جبیں سے صفا آشکار ہے
چشمِ گہرفشاں سے حیا آشکار ہے
رستم بھی چڑھ سکے گا نہ منھ پر دلیر کے

لرزاں تھے کوہ ہلتے تھے دل کانپتا تھا تن
اک شور تھا کہ آج پڑے گا غضب کا رن
گویا مقابلہ ہے جنابِ امیر سے

تھیں موج کی طرح سب ادھر کی صفیں اُدھر
پانی میں تھے نہنگ ابھرتے نہ تھے مگر
دریا بھی ہٹ گیا تھا کنارے کو چھوڑ کے

تسلیم کو جھکے ہوئے تھے فوج کے نشاں
ترکش بھی تھے ہراس میں کھولے ہوئے دہاں
مُنھ کند ہو گیا تھا ہر اک تیغِ تیز کا

گویا چمن میں بادِ بہاری عیاں ہوئی
آپ آئے کیا کہ قدرتِ باری عیاں ہوئی
خلعت ملا زمینِ مقدس کو نور کا

صحرائے کربلا نہیں دنیا کی جان ہے
رضواں نے دی صدا کہ خدا مہرباں ہے
دیکھو اُلٹ گیا ہے ورق آفتاب کا

اختر کہیں ہے بدر کہیں ہے کہیں ہلال
ہاں ہے وہی عروج نہ ہے حشمت و جلال
گھوڑے پہ آپ ہیں کہ تجلی ہے طور پر

ابروے ماہ رخ کی ضیا آشکار ہے
رخ سے جلالِ شیرِ خدا آشکار ہے
چہرہ تو حور کا ہے پہ تیور ہیں شیر کے

نورِ جبیں نے جلوۂ قدرت دکھا دیا
چہرے نے حسنِ صبحِ صباحت دکھا دیا
ابرو نے رنگِ تیغِ شجاعت دکھا دیا
قامت نے سب کو طورِ قیامت دکھا دیا
جنگل کو بوئے کوچۂ گیسو بسا گئی
کپڑوں سے نکہتِ گلِ فردوس آ گئی

ابرو نہیں ہیں چشمِ مروت نہاد پہ
یوں لکھ دیا ہے صانعِ قدرت نے صاد پر
دید اس کی فرضِ عین ہے خوش اعتقاد پہ
قرباں ہے صبح و شام بیاض و سواد پہ
سادہ نگیں حدید کا درِ نجف میں ہے
پُتلی نہ جانیو دُرِ مکنوں صدف میں ہے

اعجاز لب میں چشم میں سحرِ حلال ہے
پتلی نہیں ہے چہرۂ یوسفؑ کا خال ہے
تعریف کیا کریں کہ دہن بے مثال ہے
تقسیم جزو لایتجزّے محال ہے
ٹھہرا لیا ہے نقطۂ فرضی دہن نہیں
اسرار کردگار ہیں جائے سخن نہیں

شیریں لبوں کی روح میں اب ناطقہ ہے بند
لائے گا ہر سخن میں نمک یہ کہاں سے قند
پھیکی جو بات ہو وہ زباں کو نہیں پسند
عالم ہے اُن کے شورِ تکلم سے بہرہ مند
نہ قند میں یہ لطف نہ شاخِ نبات میں
صانع نے بھر دیا ہے مزا بات بات میں

بے مثل ہیں خوشا دُرِ دنداں کی آب و تاب
دُرِ عدن کو دیتے ہیں دنداں شکن جواب
یوسفؑ نے دیکھے تھے یہی اخترِ میانِ خواب
طالع چمک گئے مہِ کنعاں ملا خطاب
باتوں میں لب جو ہلتے ہیں اس خوش خصال کے
ہیروں کی چھوٹ پڑتی ہے ٹکڑوں پہ لال کے

قربانِ رونقِ خطِ رخسارِ سرخ فام
یہ صبح ہے حلب کی تو گیسو ختن کی شام
واللیل گردِ سورۂ والشمس ہے تمام
گویا جنابِ خضر کا ظلمات ہے مقام
تفسیر خط کی مصحفِ ایماں کے گرد ہے
دیکھو ہجومِ مورِ سلیماں کے گرد ہے

یہ خط نہیں ہے دفترِ قدرت نگار ہے
عنبر فشانیٔ قلمِ مشک بار ہے
لاریب فیہ مصحفِ پروردگار ہے
واضح یہ ہے کہ جلد سے خط آشکار ہے
منھ دیکھے جس کو نور کا سورہ نہ یاد ہو
تاریک شب میں ٹہلے جو روشن سواد ہو

روشن گرِ زمانہ ہی صبح گلو کا نور
نورِ خدا کا صاف گریباں سے ہی ظہور
بوسوں کو جو رہ گئی ہیں ہونٹ چاٹ کے
ثانی سپہرِ حسن کے دو آفتاب ہیں
ساعد برائے تیغ و سپر انتخاب ہیں
اُلٹی ہی آستین جو حیدر کی شان سے
ساعد ہیں زور وہ کہ زبردست زیر ہیں
لاکھوں پہ حملہ کرتے ہیں ایسے دلیر ہیں
زہرہ ہی ڈر سے آب کیومرث و گیو کا
طاقت بھی اُن کے بازوؤں کا ایک نام ہی
اقبال اُن کے گھر کا مدار المہام ہی
ہر دم قشون جاہ و حشم ساتھ رہتے ہیں
فوج ان کی شان و شوکت و اقبال و جاہ ہی
ثابت قدم ہیں یہ دمِ تیغ اُن کی راہ ہی
فوجوں سے معرکہ میں نشاں چھین لیتے ہیں
مرجائیں نامراد یہ اُن کی مراد ہی
کم ان کے آگے لشکرِ ابنِ زیاد ہی
دنیا ہو اک طرف تو یہ کچھ جانتے نہیں
رہتے ہیں سب جہاں کے زبردست زیردست
دیکھا ہی شیرِ حق کی لڑائی کا بندوبست
روح الامیں پروں کو بچھاتے ہیں فرش پر

دیکھے اگر تو شرم سے گردن جھکائے حور
پروانہ شمعِ حسن پہ جس کے چراغِ طور
پریوں نے جان دی ہی گلے کاٹ کاٹ کے
بازو مثالِ دستِ خدا لاجواب ہیں
ہاتھوں سے بادشاہ و گدا فیض یاب ہیں
اُگلی ہوئی ہی تیغِ یداللہ میان سے
اینا ہیں باوجود اس ہیں فاقوں میں سیر ہیں
پنجے کا اُن کے دم کر بھلا گیا کہ شیر ہیں
مُنہ پھر گیا ہی اُن کے طمانچے سے دیو کا
زور اُن کا خانہ زاد تہوّر غلام ہی
ان کے جلو میں فتح و ظفر صبح و شام ہی
نصرت کو اُن کی غاشیہ بردار رکھتے ہیں
مردانگی غلام۔ جلالت سپاہ ہی
جرأت ہی اُن کا خشم شجاعت نگاہ ہی
سیّد ہیں آن بان پہ یہ جان دیتے ہیں
ناشادیِ جہاں ہو تو دل اُن کا شاد ہی
جویا ہیں کافروں کے یہ شوقِ جہاد ہی
اللہ و پنجتن کے سوا مانتے نہیں
لشکر تباہ کر دیئے فوجوں کو دی شکست
آنکھ اُن کی حق نما ہی نظر اُن کی حق پرست
سر اُن کے خاک پہ ہیں نماز اُن کی عرش پر

سینہ کا آئنہ ہی کدورت سے پاک صاف
جرأت کا ان کی قاف سے شہرہ ہی تا بہ قاف
دعوی نہ ہو جسے یہ اسے ٹوکتے نہیں

اب کس طرح ثباتِ قدم کو کروں رقم
نعلین پائے حضرتِ عباس کی قسم
ثابت ہوا کہ قابلِ شرح و بیاں نہیں

وصفِ سلاحِ جنگ میں اب آگئی ہی جاں
مضموں نئے تراش تو اے خنجرِ زباں
منزل ابھی ہی دور صفِ کارزار کی

یہ خودِ آہنی نہیں فرقِ جناب پر
ابر آگیا ہی فرقِ رسالت مآب پر
سایہ میں آئے وہ جو سعیدِ زمانہ ہی

مردم کو اس زرہ کی زیارت ضرور ہی
موسیٰ کا ہی یہ قول کہ قندیلِ طور ہی
کشّافِ امرِ حق ہی بیاں اس سعید کا

رکھتا نہیں کسی سے کدورت یہ خوش نہاد
چار آئنہ ہی رحمت و انصاف و عدل و داد
بچ جائے گا اماں کا حصار آئنہ یہی

پیشانی آئنہ رخِ جاں پرور آئنہ
بر میں دل آئنہ جسدِ انور آئنہ
بے حد و بے حساب و شمار آئنہ ہیں یاں

برعکس ان سے جو وہ خدا سے ہی برخلاف
سو سو صفوں کو صاف کیا ہی دمِ مصاف
تلوار جب چلی تو سپر روکتے نہیں

کاغذ پہ رک گیا ہی صدا دیکے یہ قلم
ٹل جائے کوہ پر نہ ہٹینگے جگہ سے ہم
خامے کا ذکر کیا ہی سیاہی رواں نہیں

اے ذہن آج ہی تری تیزی کا امتحاں
جوہر شناس بیٹھے ہیں اے تیغِ طبع ہاں
رہ جائیو نہ تجھ کو قسم ذوالفقار کی

سرپوش نور ہی قدحِ آفتاب پر
یا تاجِ خسروی ہی سرِ بوتراب پر
اقبال کے ہما کا یہی آشیانہ ہی

حلقوں میں جس کے حور کی پتلی کا نور ہی
داؤد کہتے ہیں کہ یہ جوشن زبور ہی
ہاں ترجمہ ہی مصحفِ ربِّ مجید کا

الّا عدوئے آلِ پیمبر سے ہی عناد
بس پنجتن کا نام سپر ہی دمِ جہاد
جوشن یہی سپر یہی چار آئنہ یہی

دوش آئنہ ہی سینہ مہ پیکر آئنہ
ہر آئنہ سے بہتر و خوشتر ہر آئنہ
چار آئنہ کے بدلے ہزار آئنہ ہیں یاں

دستانہ ہے کہ تیغ ید اللہ کا نیام
قالب ظفر کا فتح کا گھر زور کا قیام
دنیا میں کوئی ان سے افضل نہ دین میں
شمشیر نیستانِ ولایت کے ببر ہیں
چپ جانیو نہ ان کو یہ مختارِ صبر ہیں
ربِ علا کا قہر انھیں کا جلال ہے

روباہ دل ہے شیرِ ژیاں ان کے سامنے
پشّے سے کم ہے پیلِ دماں ان کے سامنے
تن پرزے ہے ہو کے خاک کے پیوند ہوتے ہیں
ہے دوش صبحِ عید شبِ قدر ہے سپر
اک ماہِ نو تو چار ستارے ہیں جلوہ گر
جو خوبیاں کہ چاہئیں وہ سب حصول ہیں

ہے وصفِ تیغ میں سپر انداختہ زباں
مضموں ہیں مثلِ برقِ جہندہ شرر فشاں
کیونکر کوئی لکھے جو جمالِ رقم نہ ہو
قد کتنا خوشنما ہے بدن کس قدر ہے گول
مفتاحِ فتح ہے درِ نصرت کو اسے کھول
اشراف کا بناؤ رئیسوں کی شان ہے

دلسوز، شعلہ خو، شرر انداز، جاں گداز
خونخوار و کج اداؤ دل آزار و سرفراز
سج اُس کی ہے پسندِ جہاں گو سجی نہ ہو

منہ میں کلائی شیر کے یہ ہے انھیں کا کام
پنجے میں ہے جو تیغ تو قبضے میں روم و شام
قوّت خدا کے ہاتھ کی ہے آستین میں
بیشے میں شیرِ حق کے پلے وہ ہزبر ہیں
کڑکیں اگر تو برق ہیں گرجیں تو ابر ہیں
برق ان کی تیغ ہے تو گھٹا ان کی ڈھال ہے

لرزاں ہیں مثلِ پیر جواں ان کے سامنے
کھلتی نہیں کسی کی زباں ان کے سامنے
انساں تو کیا ہیں تیغوں کے دم بند ہوتے ہیں
قدرت خدا کی یہ ہے ادھر شب اُدھر سحر
گویا دلہن بنی ہوئی ہے لیلیِ ظفر
معشوقِ سبزہ رنگ کے دامن میں پھول ہیں

لکنت کے حرف آتے ہیں لب پر دمِ بیاں
پیدا صریرِ کلک سے ہے شورِ الاماں
خامے کو خوف ہے کہ زباں پھر قلم نہ ہو
جوہر شناس ہے تو اسے موتیوں میں تول
وہ تیغ ہے خراجِ صفاہاں ہے جس کا مول
شاہوں کی آبرو ہے سپاہی کی جان ہے

لشکر کش و شکست ستان و ظفر نواز
حاضر جواب تیز طبیعت زباں دراز
معشوق پھر نہیں ہے جو اتنی کجی نہ ہو

پشتہ وہ اُس کا اور وہ باریکی خمیر
جنگ آزما خراج ستانندہ ملک گیر
اس کا جلال خلق میں کس پر جلی نہیں
چھوڑے اگر شعاع کی چلمن نہ آفتاب
آفت کا دم ہی قہر کی تیزی غضب کی تاب
بھاگے ہزار وہ پہ نہ پاوے مفر کہیں
ہی گرچہ علم تیر میں قادر وہ ارجمند
تیغ وسپر ہی یا علمِ شاہِ سربلند
کیا خوف اِن کو نہر پہ گر روک ٹوک ہی
صدقے علم کے حضرتِ عباس کے نثار
شمشاد سبز پوشِ گلستانِ اقتدار
جھکتا ہی جس سے عرش یہ پایہ اسی کا ہی
دریا خجل تھا سبز پھریرے میں تھی وہ لہر
دامن ہی بادبانِ جہاز امامِ دہر
پنجے کا نور سبز پھریرے کے ساتھ ہی
دامن وہ سبز اور وہ پنجے کا اُس کے نور
فرقِ جنابِ خضر پہ روشن ہی شمعِ طور
اُس کا علم یہ ہی جو شہِ مشرقین ہی
لکھتا ہی اب کمیت قلم سرعتِ سمند
نازک مزاج خوش قد و طناز و سربلند
اُتری تھی اک پری فرسِ تند خو نہ تھا

کس بل میں بے مثال اصالت میں بے نظیر
گیتی نورد بادیہ پیما فلک مسیر
کوچہ وہ کونسا ہی جہاں یہ چلی نہیں
کیا تاب ہی کہ لا سکے اُس کی جھپک کی تاب
دشمن لسے جرات کو دیکھے میانِ خواب
بستر پہ دھڑ کہیں ہو دمِ صبح سر کہیں
لیکن کمان نہ ساتھ ہی نہ تیر نہ کمند
سب حملے دور کے ہیں بہادر کو ناپسند
نیزہ نہیں جو پاس اک اس میں بھی نوک ہی
طوبیٰ اشکوہ عرش تجمل فلک وقار
حمزہ کا اقتدار تو جعفر کا افتخار
ظلِ خدا پہ دھوپ میں سایہ اسی کا ہی
سبزہ بھی اُس کے عشق میں کھائے ہوئے تھا زہر
موجیں دکھا رہی ہیں بہشتِ بریں کی نہر
طوبیٰ کی شاخِ سبز پہ مریم کا ہاتھ ہی
نکلا ہوا ہی تھیر زمرد سے روئے حور
نے شبہ دو امام کے ہی نور کا ظہور
گویا حسنؑ کے دوش پہ دستِ حسینؑ ہی
آہو شکار شیر طبیعت وغا پسند
وہ بینش وہ پس وہ سم وہ کنوتی وہ جوڑ بند
سرعت بھری ہوئی تھی رگوں میں لہو نہ تھا

تنہا ہیں اس شکوہ سے عباسِ تشنہ لب
اور واں پرے جمائے ہیں سفاک بے سبب
تیغیں علم کیے ہیں سپاہِ وغا طلب
ڈھالوں سے اہلِ شام کی دن ہو گیا تھا شب
سرہنگ روم و رے ہیں وغا پر تلے ہوئے
ہیں دور تک نشانوں کے شقے کھلے ہوئے

کہتا تھا شمر آکے یہ ہر اک پرے کے پاس
ہاں صفدرانِ شام خبردار با حواس
مردوں کو معرکہ میں نہیں چاہیے ہراس
بڑھنے نہ پائے حضرتِ عباس حق شناس
لاکھوں ہو تم وہ ایک ہی پیاسے کو ٹوک لو
جانیں لڑا کے شیر کے حملے کو روک لو

ہے رستمی کا وقت وغا کا مقام ہے
مردانگی نبرد میں مردوں کا کام ہے
عالم میں شور طنطنۂ فوجِ شام ہے
حیدر کے اس نشان کو مٹا دو تو نام ہے
ہاتھوں سے صبر کی بھی عناں چھوٹ جائے گی
مر جائیں گے حسینؑ کمر ٹوٹ جائے گی

پہونچی جو گوشِ شاہ میں یہ شمر کی صدا
اُٹھے تڑپ کے خاک سے حضرت برہنہ پا
چلائے آکے سامنے اے فوجِ اشقیا
کاٹو خدا کے واسطے پہلے مرا گلا
بولا نہیں ہیں کچھ جو بھرا گھر اجڑ گیا
مر جاؤں گا ابھی جو یہ بھائی بچھڑ گیا

آفت میں مبتلا ہوں اسیرِ محن بھی ہوں
فاقہ بھی تین دن کا ہے تشنہ دہن بھی ہوں
بیکس بھی ہوں ضعیف بھی ہوں خستہ تن بھی ہوں
سید بھی ہوں غریب بھی ہوں بے وطن بھی ہوں
ناحق بڑھے ہو تیر کمانوں میں جوڑ کے
کیا ہاتھ آئے گا مرے بازو کو توڑ کے

مشہور کائنات میں ہے بھائیوں کا پیار
بچپن سے ہیں یہ اس پہ فدا مجھ پہ یہ نثار
پہلو میں دل نہ ہو تو جگر کو کہاں قرار
مجھ سے جدا ہوا نہیں دم بھر یہ نامدار
جب سے خدا کے شیر نے چھوڑا جہان کو
پالا ہے میں نے گود میں اس نوجوان کو

بازو یہی ہے ہاتھ یہی تن کی جاں یہی
قوت یہی عصا یہی تاب و تواں یہی
بھائی یہی پسر یہی راحت رساں یہی
خادم یہی شفیق یہی مہرباں یہی
پانی پلائے جب یہ بہشتی تو پیتے ہیں
ہم تو اسی جواں کے سہارے سے جیتے ہیں

دل کی جو تقویت ہے تو قوت جگر کی ہے
سینے کا ہے سرور ضیا چشم تر کی ہے
دولت کچھ ایک دن کی نہیں عمر بھر کی ہے
پیری کا آسرا ہے نشانی پدر کی ہے
کیونکر نہ روؤں روح کا اور تن کا ساتھ ہے
طفلی کی الفتیں ہیں لڑکپن کا ساتھ ہے

ہم دونوں میں سے ایک پہ قربان ایک ہے
جان ایک ہے دل ایک ہے ایمان ایک ہے
جلدیں اگرچہ دو ہیں پہ قرآن ایک ہے
قالب جدا جدا ہیں مگر جان ایک ہے
جب روح کوچ کر گئی پھر تن میں دم کہاں
بیجاں ہوا یہ جانِ برادر تو ہم کہاں

دنیا میں چھوٹے بھائی سے پیارا نہیں کوئی
دل کا سرور آنکھوں کا تارا نہیں کوئی
گر ہے تو یہ ہے اور سہارا نہیں کوئی
کہنے کو یوں ہیں سب پہ ہمارا نہیں کوئی
پوچھو اُسی سے بھائی سے جس سے جدائی ہو
جب باپ ہو جہان میں پیدا تو بھائی ہو

رو کر جو مستغیث امامِ بحق ہوئے
غم سے کلیجے بھائیوں والوں کے شق ہوئے
جو صاحبِ حیا تھے وہ غرقِ عرق ہوئے
سُن کر صدا حسین کی عباس فق ہوئے
برچھی لگی الم کی دلِ دردناک پر
نزدیک تھا کہ گر پڑیں گھوڑے سے خاک پر

گھبرا کے معرکے سے پھر آیا جو خوش خرام
دیکھا کھڑے ہیں ہاتھوں سے تھامے کمر امام
گھوڑے سے کود کر یہ پکارا وہ نیک نام
آپ آئے کیا غضب یہ کیا ای فلک مقام
سر پر عمامہ رکھیے پیمبر کے واسطے
یہ اضطراب بندۂ احقر کے واسطے

پھیلائے شہ نے ہاتھ کہ آؤ گلے لگو
سینہ مرے جگر سے لگاؤ گلے لگو
بچھڑے ہیں دیر سے نہ رُلاؤ گلے لگو
لو تم بھی دستِ شوق بڑھاؤ گلے لگو
آنکھوں سے آنکھیں منھ سے منھ اور لب سے لب ملیں
ایسے جدا ہوئے تو خدا جانے کب ملیں

دو ایک جا رہیں یہ فلک کو نہیں پسند
دنیا میں ہجر کے کسے پہونچے نہیں گزند
دیکھا نہیں کہ ہو کبھی رشتہ اجل کا بند
آتی ہے موت جب تو بچھڑتے ہیں بھائی بند
روئے جو مدتوں تو خوشی ایک دم رہے
تھوڑے دنوں نبی و علی بھی بہم رہے

وہ دل ہی داغدار جو ہجراں نصیب ہی
کوئی بعید یار سے کوئی قریب ہی
اس باغ کا بھی رنگ عجیب و غریب ہی
اکثر چمن میں پھول نہیں عندلیب ہی
موسم کوئی نہیں چمنِ روزگار میں
لاکھوں ہیں گل کہ ٹوٹ گئے بِن بہار میں

فرما کے یہ بشوق امامِ اُمم بڑھے
عباس اس طرف سے جھکا کر علم بڑھے
بس ڈبڈبائے آنکھوں کو دو بحرِ غم بڑھے
یہ سوئے سینہ اور وہ سوئے قدم بڑھے
دونوں یہ کوہ رنج و غم و یاس گر پڑے
گردن جھکا کے پاؤں پہ عباس گر پڑے

بولے گلے لگا کے شہنشاہِ نامدار
ای میرے یادگارِ پدر میں ترے نثار
لپٹے رہو ابھی کہ جگر کو نہیں قرار
بھیّا ملا دو چھاتی سے چھاتی پھر ایک بار
تم کیا چلے کہ زخمِ جگر تازہ ہو گیا
پھر آج ہم کو داغِ پدر تازہ ہو گیا

زیرِ بغل تھے دستِ شہنشاہ بحر و بر
چھاتی سے سر لگائے تھے عباسِ نامور
حضرت کا روئے پاک تھا بھائی کے دوش پر
ہچکی لگی تھی اُن کو اِدھر اور اُنھیں اُدھر
تھمتی تھی رقّت ان کی نہ زہرا کے جائے کی
تھی دو طرف بلند صدا ہائے ہائے کی

عباس رو کے کہتے تھے مولا نہ روئیے
صدقے غلام ای مرے آقا نہ روئیے
صدمے سے بے قرار ہیں بابا نہ روئیے
تڑپتی ہیں فاطمہ زہرا نہ روئیے
پردے میں کچھ نہ آلِ نبی کے خلل پڑے
ایسا غضب نہ ہو کہ سکینہ نکل پڑے

دل تھا جو شہ کا فرطِ محبت سے بے قرار
فرمایا ہم کو گرد تو پھر نے دو ایک بار
بولے یہ کانپ کانپ کے عباسِ باوقار
بندے ہوں لاکھ مجھ سے تو نعلین پر نثار
کیونکر کہوں کہ قابلِ لطفِ امام ہوں
میں تو سکینہ جان کا ادنیٰ غلام ہوں

رو کر کہا حسین نے ای جان الوداع
اچھا سدھارو ای مرے ذی شان الوداع
بھائی تمہارے عزم کے قربان الوداع
ہم بھی ہیں کوئی آن کے مہمان الوداع
بابا سے میری پیاس کی فریاد کیجیو
کوثر پہ جائیو تو مجھے یاد کیجیو

روتے ہوئے یہ کہہ کے چلے شاہ دیں پناہ
ہم شکل مصطفےٰ کو پکارے بہ اشک و آہ
بھولے اُسے جو کہہ کے ہم آئے تھے آپ سے
تادیر اُس طرف رہی عباس کی نگاہ
آنے دیا حضور کو یاں تم نے واہ واہ
بیٹا چچا نثار خبردار باپ سے

فرما کے یہ چڑھے فرسِ خوش خرام پر
چمکا فرس کہ برق گری ابرِ شام پر
بڑھ کر رجز پڑھا کہ پرے تھرتھرا گئے
نعرہ تھا دم بدم کہ تصدق امام پر
غصہ سے ہاتھ شبر نے ڈالا حسام پر
خیبر کے سرکشوں کو علیؑ یاد آگئے

نعرہ یہ تھا کہ ہم دُرِ دریائے نور ہیں
خیبر کشا کے قلب و جگر کے سرور ہیں
اپنا چلن کھلا ہوا سب عاقلوں پہ ہے
دنیا کے جتنے عیب ہیں سب ہم سے دور ہیں
جرار ہیں سخی ہیں ولی ہیں غیور ہیں
ابتک ہماری ضرب کا سکہ دلوں پہ ہے

جب معرکہ میں جم گئے ہیں پاؤں گاڑ کے
روکی ہے تیغ کفر کی بستی اُجاڑ کے
دم میں قدم اُکھاڑ دیئے ہیں پہاڑ کے
پٹکا ہے گھر سے حق کے بتوں کو اُکھاڑ کے
بڑھ کر درود فوجِ ملک مدح خواں ہوئی
جب ہم گئے تو کعبہ کے اندر اذاں ہوئی

در پے ہمیں رہے رہِ حق کی تلاش کے
چھوڑا نہ سر بدن پہ کسی بدمعاش کے
ناقوس کو اُٹھا کے زمیں پر پٹک دیا
ٹکڑے تلک جلا دیئے کافر کی لاش کے
کاٹے ہیں ہم نے ہاتھ ہر اک بت تراش کے
آتش کدوں پہ تیغ کا پانی چھڑک دیا

جنگ آزما ہیں صف شکن و قلعہ گیر ہیں
دنیا کے بادشاہ ہیں گردوں سریر ہیں
رتبہ پہ فخر ہے نہ شجاعت پہ ناز ہے
صولت میں دبدبہ میں عدیم النظیر ہیں
اس اوج پر حسینؑ کے در کے فقیر ہیں
گر ہے تو بس غلامیِ حضرت پہ ناز ہے

کیا کیا لڑے ہیں خیبر و بدر و تبوک میں
شہرہ ہے اپنی جود و سخا کا ملوک میں
بگڑے ہیں جب تو خون کے دریا بہائے ہیں
یہ ہاتھ پیاس میں نہ رُکے ہیں نہ بھوک میں
حاتم سے بھی سخی ہیں سوا ہم سلوک میں
سر دیدیا ہے بات پہ جس وقت آئے ہیں

تب شمر نے کہا کہ فصاحت سے کیا حصول
غازی پکارا او نجس و مرتد و جہول
سمجھا ہی کیا امامِ عراق و حجاز کو
تو کیا ہی اور کیا ہی ترا وہ امیرِ شام
تو بھی نمک حرام ہی وہ بھی نمک حرام
دوزخ سے دور رہتے ہیں ساکن بہشت کے
یہ کہ کے لی دلیر نے تلوار میان سے
نکلی جو عندلیبِ ظفر آشیان سے
دکھلائی شکلِ قہر خدائے جلیل نے
حملہ دلیر کا غضبِ کردگار تھا
تلوار کوندتی تھی فرس نے قرار تھا
بہتا تھا خوں بدن سے تو منھ زرد ہوتے تھے
وہ تیغِ جاں گداز جدھر چل کے رہ گئی
یہ غول بھن گیا تو وہ صف جل کے رہ گئی
کہتی تھی تیغ مجھ سے کہاں بچ کے جائیگا
ہوش و حواسِ شمرِ سیہ رو اڑا دیئے
راکب کے پاؤں گھوڑے کے اُنوار دیئے
تھا نورِ چشم شیرِ الٰہی جلال میں
بجلی سی جس پرے کی طرف آ کے پھر گئی
دم میں لہو زمین پہ برسا کے پھر گئی
کاٹے جگر تو اور دلیری ہوئی اُسے

بیعت اُنھیں تو صلح ہمیں بھی نہیں قبول
لیجو نہ منھ سے نام جگر گوشۂ رسول
گُدّی سے کھینچ لونگا زبانِ دراز کو
کرتے ہیں بادشاہ کہیں بیعتِ غلام
اونلے ادب۔ یزید کجا اور کجا امام
کعبہ کبھی جھکا نہیں آگے کنشت کے
مسکن چھٹا ہمارے سعادت نشان سے
چمکے شرارے پھول جھڑے آسمان سے
آنکھوں پہ ڈر کے رکھ لیئے پر جبرئیل نے
گر سامنے تھا شیر تو وہ بھی شکار تھا
مقتل میں گرم معرکۂ کارزار تھا
تلوار کی ہوا سے بدن سرد ہوتے تھے
گردن عدو کی شمع صفت ڈھل کے رہ گئی
بھاگا کوئی۔ تو ہاتھ اجل مل کے رہ گئی
ٹھنڈا کروں گی میں تو جہنم جلائے گا
ڈو ڈو کے ایک ہاتھ میں بازو اڑا دیئے
ڈالی کسی نے آنکھ تو ابرو اڑا دیئے
پتلی چھپی ہوئی تھی سیاہی کی ڈھال میں
ناگن تھی اک کہ فوج پہ لہرا کے پھر گئی
اللہ رے منھ صفیں کی صفیں کھا کے پھر گئی
سیروں لہو پیا پہ نہ سیری ہوئی اُسے

غصے تھا تیر کانپتے تھے بزدلوں کے دل
لوہے کو اُس کے مان گئے جاہلوں کے دل
تھی ماہِ نو پہ پھرتی تھی بجلی بنی ہوئی
لرزاں ہر ایک بانیِ بیداد و جور تھا
رُخ زرد تھے سپاہ کا کچھ رنگ اور تھا
کشتوں کے پشتے اور سروں کے پہاڑ تھے
گر اس طرف بڑھا کسی بیدادگر کا ہاتھ
رُکتا نہ تھا علیؑ ولی کے پسر کا ہاتھ
ہنستی تھی موت آنکھ جو پڑتی تھی زین پر
تیغیں سپر کے ساتھ کٹیں خود سر کے ساتھ
ہل چل یہ تھی کہ باپ نہ ٹھہرا پسر کے ساتھ
بھاگے شریر خلعت و منصب کو چھوڑ کر
گرتی تھی برقِ تیغ جو ہر پل اِدھر اُدھر
شبدیز تھا کہ پھر رہی تھی کل اِدھر اُدھر
ہر جا تنوں کے ڈھیر سروں سے بلند تھے
سرہنگِ شام ٹھوکریں کھا کھا کے مر گئے
کتنے جواں سُموں کے تلے آ کے مر گئے
ہلچل نے استخوانِ بدن چور کر دیئے
بھڑکا دی آگ صاعقۂ شعلہ ریز نے
کُچلا انھیں سمند کی ہر جست و خیز نے
ترکش نہ تھے درست نہ ثابت کمان تھی

سینے میں ہو گئے تھے لہو قاتلوں کے دل
کیا چال تھی کہ لوٹتے تھے بسملوں کے دل
چمکی تو زخمیوں کے لیئے چاندنی ہوئی
لشکر تھا نے جو اس تباہی کا طور تھا
نیزوں کا تھا نہ اوج نہ ڈھالوں کا دور تھا
فوجیں لٹی ہوئی تھیں محلے اُجاڑ تھے
بالائے تن رہا نہ اِدھر نہ اُدھر کا ہاتھ
دو ہو کے گر پڑا جسے مارا کمر کا ہاتھ
آدھا فرس پہ جسم تھا آدھا زمین پر
سینہ کمر کے ساتھ کٹا دل جگر کے ساتھ
اس معرکے میں چھوٹ گئے عمر بھر کے ساتھ
روحیں روانہ ہو گئیں قالب کو چھوڑ کر
سمٹے ہوئے تھے ڈھالوں کے بادل اِدھر اُدھر
بھاگڑ تھی قلبِ فوج میں ہلچل اِدھر اُدھر
بھاگیں کہاں گریز کے کوچے تو بند تھے
جو بچ گئے اِدھر سے اُدھر جا کے مر گئے
پس پس کے سرمہ ہو گئے ٹکرا کے مر گئے
بیٹوں نے پانوں باپ کی چھاتی پہ دھر دیئے
چُن کر صفوں کو صاف کیا تیغِ تیز نے
گیتی اُلٹ دی ابنِ علی کی ستیز نے
تیغوں میں دم رہے تھے نہ لشکر میں جان تھی

تھرّا رہا تھا خوف سے مینائے لاجورد
ہلتے تھے کوہ کانپتا تھا وادیِ نبرد
تھا دن بھی زرد دھوپ بھی زرد اور زمین بھی زرد
خورشید چھپ گیا یہ اٹھی کربلا میں گرد
اک تیرگی غبار سے تھی چشم مہر میں
ٹاپو پڑے ہوئے تھے محیطِ سپہر میں

تھا الاماں کا شور پریشاں تھے اہل شر
تیغوں کے پیچھے ڈر کے چھپی تھی ہر اک سپر
ماتھے علم رگڑتے تھے جھک جھک کے خاک پر
پرچم نے بال کھولے تھے فریادیوں نے سر
دانتوں میں خس ہراس سے تھی ہر جوان کے
چادر ہلا رہے تھے پھریرے نشان کے

مصروف تھے جہاد میں عباسِ باوفا
ناگاہ آئی خیمے کی ڈیوڑھی سے یہ صدا
اب کیا سکینہؑ پیاسی ہی مر جائے ای چچا
کب تک لڑو گے فوج سے بس ہو چکی وغا
سوکھے ہوئے لبوں پہ مری جان آئی ہی
ای نورِ چشم ساقیِ کوثر دہائی ہی

جلدی خدا کے واسطے دریا پہ جائیے
قربان جاؤں بھر کے مری مشک لائیے
پھکتا ہی سینہ آگ جگر کی بجھائیے
اچھے مرے چچا مجھے پانی پلائیے
اب رحم کیجئے مری دو دن کی پیاس پر
جیتی ہوں ابتک آپ کے آنے کی آس پر

اعدا کو بار بار نہ جھنجھلا کے دیکھیے
صدقے گئی فرات کو اب جا کے دیکھیے
کانٹے مری زبان کے اب آ کے دیکھیے
رونے کو شاہِ بیکس و تنہا کو دیکھیے
صدمہ فراق کا ہی دلِ دردناک پر
جلد آئیے حسینؑ تڑپتے ہیں خاک پر

عباس نے سنی جو یہ آواز ناگہاں
بے اختیار آنکھوں سے آنسو ہوئے رواں
کاندھے پہ رکھ کے شیر نے شمشیرِ خونچکاں
رخ جانبِ فرات کیا پھیر کر عناں
دیکھی جو نہر دل نہ رہا اختیار میں
گھوڑا اڑا کے شیر سے آئے کچھار میں

گرمی میں تھے جو غرقِ عرق سر سے تا بپا
سردی سے اس ترائی کے جاں آ گئی ذرا
دریا سے ٹھنڈی ٹھنڈی جو آنے لگی ہوا
صدمہ ہوا کہ دھوپ میں ہیں شاہِ کربلا
دل ہو گیا کباب مصیبت پہ شاہ کی
عباسِ نامدار نے اک سرد آہ کی

دو دن سے نے زباں پہ جو تھا آب و دانہ بند
دریا کو ہنہنا کے لگا دیکھنے سمند

ہر بار کانپتا تھا سمٹتا تھا بند بند
چمکارتے تھے حضرتِ عباسِ ارجمند

تڑپاتا تھا جگر کو جو شورِ آبشار کا
گردن پھرا کے دیکھتا تھا منہ سوار کا

چمکارتے تھے حضرتِ عباسؑ نیک نام
بس اتنا مضطرب نہ ہو ای اسپِ تیز گام

گر تو ہی تشنہ کام تو ہم بھی ہیں تشنہ کام
پیاسا ہی ذوالجناحِ شہنشاہِ خاص و عام

اُٹھتا ہی شورِ گریہ محمدؐ کی آل سے
آگاہ کیا نہیں ہی سکینہؑ کے حال سے

عباس نے کہا جو یہ بچوں کا حالِ زار
گردن ہلا کے رہ گیا اسپِ وفا شعار

جب نہر علقمہ میں در آیا وہ نامدار
پانی سے تھوتھنی کو اُٹھاتا تھا بار بار

جانبازیِ سمند پہ غازی نے رو دیا
غازی کے منہ کو دیکھ کے تازی نے رو دیا

دریا سے بھر چکا وہ بہشتی جو مشکِ آب
چلایا فوج کو عمرِ خانماں خراب

لو مشک لیچلا جگر و جانِ بوتراب
سادات پر بس اب کبھی ہونگے فتحیاب

گر مشک تا خیامِ شہِ نیک خو گئی
یہ جان لو کہ جان گئی آبرو گئی

یہ شور سُن کے گھاٹ پہ امڈی سپاہ شام
پہلے سے بھی زیادہ ہوا کچھ ہجومِ عام

تولے تھے پہلواں تبر و خنجر و حسام
غل تھا کہ ہاں نکلنے نہ پائے یہ تشنہ کام

اب پاس آبرو کا ہی جانوں کا غم نہیں
عباسِ نامور نہیں یا آج ہم نہیں

تیغِ دودم کو تول کے غازی نے دی صدا
مجھ کو نہ دور جانیو ای لشکرِ جفا

پہلے نہ رک سکے تو بھلا اب رکیں گے کیا
یہ گھاٹ تیغ کا ہی خبردار اک ذرا

دیکھیں تو ہاں پرے کو جمائے کھڑے رہو
روکو تو برچھیوں سے ہم آئے کھڑے رہو

یہ سُن کے جوڑنے لگے حلقوں میں واں خدنگ
یاں بادپا ترائی میں تھا صورتِ نہنگ

لپکا جدھر زبانۂ شمشیرِ شعلہ رنگ
پانی میں ڈوبنے لگے ناری کھلی کی جنگ

حیرت تمام فوج کو تھی اُس کے کاٹ پر
برسا دی آگ تیغ کی پانی کے گھاٹ پر

تا غاضریہ نہر سے لڑتا گیا دلیر
تکتے تھے سوئے خیمۂ شہ منھ کو پھیر پھیر
پھر پھر کے تیغ چلتی تھی اُس دیں پناہ کی
نزدیک سے نہ کرتا تھا حربہ کوئی شریر
تھے ایک جان کے لئے دشمن جوان و پیر
منظور ظلم سخت تھا ہر بد خصال کو
اک تشنہ کام لاکھوں میں کس کس کو دے جواب
کہتا تھا ہاتھ اُٹھنے کی مجھ میں نہیں ہے تاب
پروا نہ تھی جو بازوؤں پر تیر کھاتے تھے
برچھی سے چھد گیا کبھی دل اور جگر کبھی
چھاتی تلے تھی مشک کبھی دوش پر کبھی
رہوار پر سنبھلتے تھے جب جھوم جھوم کے
تکتے تھے مسکرا کے سوئے آسماں کبھی
لگتا تھا تن پہ تیر کبھی اور سناں کبھی
گھوڑے کو جب بڑھاتے تھے رانوں میں داب کے
چھینٹیں لہو کی اُڑ کے جو پڑتی تھیں مشک پر
یہ پاس تھا کہ تیغوں سے ٹکڑے ہو میرا سر
اقبال بادشاہ زمین و زماں رہے
واحیف وا دریغ تمنائے جاں نثار
اوریاں کمیں میں تھا بن ورقائے نابکار
آفت پڑی نصیب سکینہؓ الٹ گیا

توڑے کہیں سروں کے کہیں تھے تنوں کے ڈھیر
دم لے لیا کہیں کبھی جھپٹے مثالِ شیر
پر ہائے کم نہ ہوتی تھی کثرت سپاہ کی
پہلو سے نیزے چلتے تھے اور سامنے سے تیر
برچھے تھے گرد بیچ میں تھا وہ مہِ منیر
پتھر شقی لگاتے تھے حیدر کے لال کو
شل ہو گیا تھا بازوئے فرزندِ بوتراب
لڑنے میں فکر تھی کہ نہ ضائع ہو مشکِ آب
لیکن سپر سے مشکِ سکینہؓ بچاتے تھے
اک شیر سے ادھر کبھی جھپٹے اُدھر کبھی
سینہ کبھی تھا مشک کے اوپر سپر کبھی
روتے تھے بازوؤں کو علیؑ چوم چوم کے
ہونٹوں پہ پھیر لیتے تھے سوکھی زباں کبھی
جھکتے تھے خود فرس سے کبھی اور نشاں کبھی
قدموں سے نکلے جاتے تھے حلقے رکاب کے
دامن سے پوچھتے تھے علمدارِ نامور
شقہ مگر علم کا نہ ہووے لہو سے تر
دنیا میں میں رہوں نہ رہوں یہ نشاں رہے
جھکتے تھے بار بار سنبھلتے تھے بار بار
ماری شقی نے دوش پہ اک تیغ آبدار
لڑتے تھے جس سے ہائے وہی ہاتھ کٹ گیا

اک ہاتھ سے سنبھالے تھا مشکیزہ و علم
گھوڑے پہ سیدھے ہوتے تھے گاہے تو گاہ خم
تیغا کسی کا شیر کے شانے پہ پھر پڑا
کٹ کر گرا تھا بازوئے غازی جو زین پر
نے دیں یہ چاہتے تھے کہ لیں تیغِ شعلہ ور
صدقے ہو اس ابنِ شہِ ذو الفقار کے

بے دست یاں ہوا جو وہ مہر و حسین کا
غل تھا کہ خالی اب ہوا پہلو حسین کا
ہاں نوبتیں بجاؤ ظفریاب ہم ہوئے
گو ہاتھ کٹ گئے تھے مگر کچھ نہ تھا ہراس
غم تھا کہ گر پڑا علمِ شاہِ حق شناس
آنکھیں لہو تھیں رخ سے جلال آشکار تھا

ٹھکرا کے راہوار کو بڑھتے تھے واں سے جب
اس پر بھی بڑھ چلا تھا وہ بیدستِ تشنہ لب
صدمے سے زرد چہرۂ پر نور ہو گیا
ہر چند پھٹ گیا تھا سرِ دلبرِ علی
اپنا نہ کچھ خیال تھا پیاسوں کی فکر تھی
آنکھوں سے بہ کے اشک بصد یاس گر پڑے

آئی صدائے شبیرِ الٰہی یہ ایک بار
ہے یہ ترے لیے مری گودی ہیں بے قرار
ہونٹوں پہ دم بدم ہی صدا یا حسینؑ کی

بہتا تھا خون ضعف بھی بڑھتا تھا دم بدم
فریاد الغیاث ستم پر ہوا ستم
وہ ہاتھ بھی بدن سے جدا ہو کے گر پڑا
تلوار ادھر لٹک رہی تھی اور ہاتھ ادھر
قبضہ نہ چھوڑتا تھا کٹے ہاتھ کو مگر
چھیدے علم کی نوک سے دل پانچ چار کے

واں تھر تھرا کے رہ گیا بازو حسینؑ کا
گھائل ہوا برادرِ خوشتر حسین کا
گویا علی کے دستِ مبارک قلم ہوئے
دانتوں سے جھک کے مشک کو پکڑا بدرد و یاس
یہ رعب تھا کہ ڈر سے نہ آتا تھا کوئی پاس
مشکیزہ تھا کہ شیر کے منہ میں شکار تھا

چھاتی پہ نیزے رکھ کے لعیں بڑھ گئے تھے سب
مارا کسی نے فرق پہ اک گرز ہے غضب
ضربت لگی کہ کاسۂ سر چور ہو گیا
تسمہ نہ چھوڑا مشک کا دانتوں سے اس پہ بھی
ہر نے پہ سر پٹک دیا جب مشک چھد گئی
پانی گرا تو گھوڑے سے عباس گر پڑے

شبیر آ نثار ہوا تجھ پہ جاں نثار
عاشق کو ہے ترے ترے آنے کا انتظار
آنکھیں تری طرف ہیں مرے نورِ عین کی

جس دم سنا حسین نے یہ نوحہ پدر
گر گر اٹھے سنبھل کے گرے شاہِ بحر و بر
واحسرتا جوان برادر بچھڑ گیا
زینب نے دی صدا کہ میں قربان کیا ہوا
ہے ہے کا شور اہلِ حرم میں بپا ہوا
گھبرا کے بنتِ شاہِ مدینہ نکل پڑی
دریا پہ سر برہنہ شہِ بحر و بر چلے
اکبر سنبھالے باپ کو با چشمِ تر چلے
صدمہ ہے ضربِ غم سے دلِ پاش پاش پر
صورت یہ شاہ کی ہے کہ زلفوں پہ خاک ہے
سوکھے لبوں پہ نالۂ روحی فداک ہے
دستِ یسار بیٹے کے گردن میں ڈالے ہیں
جب پاؤں کانپتے تھے تو کہتے تھے رو کے شاہ
دریا نہ اتنا دور تھا ای میرے رشکِ ماہ
ہے دور یاں سے یا مرا بھائی قریب ہے
القصہ لائے باپ کو اکبر ترائی میں
پائی جو بوئے خونِ برادر ترائی میں
گزری بھی عمر ہاتھ جسے جوڑتے ہوئے
منہ رکھ کے منہ پہ بھائی کے بھائی نے دی صدا
کیوں پتلیاں پھراتے ہو بھائی یہ کیا کیا
میرا بھی حلق خشک ہے خنجر کے واسطے

پھکا عمامہ سرِ اقدس کو خاک پر
چلائے ہاتھ اکبرِ مہرو کا تھام کر
تھامو ہمیں کہ بندِ کمر کا اکھڑ گیا
چلائے ای بہن مرا عاشق جدا ہوا
زہرا نے دی صدا کہ بڑا حادثا ہوا
حضرت بڑھے نہ تھے کہ سکینہ نکل پڑی
صدمہ یہ تھا کہ ہاتھوں سے تھامے کمر چلے
یہ بھی چلے ادھر شہِ والا جدھر چلے
رونے کو بھائی جاتا ہے بھائی کی لاش پر
آلودۂ غبارِ الم روئے پاک ہے
اور تا کمر قبا کا گریبان چاک ہے
شہ کو جھکے ہوئے علی اکبر سنبھالے ہیں
طاقت بدن کی لے گئے عباس آہ آہ
رستہ غلط کیا ہے کہ کچھ بڑھ گئی ہے راہ
کہتے ہیں وہ حضور ترائی قریب ہے
زخمی ملا وہ شیرِ دلاور ترائی میں
لاشے کے پاس گر پڑے سرور ترائی میں
دیکھا اسی کو خاک پہ دم توڑتے ہوئے
ای شیر ای دلیر یہ بیکس ترے فدا
عباس میں حسین ہوں دیکھو مجھے ذرا
بھائی کو چھوڑے جاتے ہو دم بھر کے واسطے

ٹھہرو عنانِ توسنِ عمرِ رواں نہ لو
کروٹ کراہ کر مرے آرام جاں نہ لو
مر جاؤنگا میں ساتھ اگر چھوٹ جائیگا

بولے یہ آنکھ کھول کے عباسِ نامدار
یہ موت زندگی ہی نہ ہے فخر و افتخار
دیدار دیکھنے میں نہ آتا تو موت تھی

زانوئے پاکِ نورِ خدا اور سرِ حقیر
ذرے کو مہر کر دیا ای آسماں سریر
پایا یہ اوج ماں کی نہ بابا کی گود میں

رحمت نے رخ کیا مری جانب حضور آئے
روشن ہو کیوں نہ چشم جو خالق کا نور آئے
عشاق مر بھی جاتے ہیں زخمی بھی ہوتے ہیں

مولا کھڑے ہیں سامنے محبوبِ ذوالجلال
استادہ ہیں یہ حضرتِ شبیر نکو خصال
تنہا نہیں حضور بھلا کیوں اُداس ہیں

شہ نے کہا کہ لینے کو آئے ہیں تم کو سب
سر خاک پر پٹک کے یہ بولا وہ جاں بلب
کس کس کو رو گیے گا کہ اعدا کے ریلے ہیں

راحت کی راہ ہی سفرِ گلشنِ ارم
ابتک تو کب کے مر گئے ہوتے تڑپ کے ہم
دنیا سے کوچ کرنے کو جی چاہتا نہیں

ساتھی تھکا ہوا ہی رہِ کارواں نہ لو
لگتی ہی چوٹ دل پہ مرے ہچکیاں نہ لو
بھائی مرا تو رشتۂ جاں ٹوٹ جائیگا

آقا ہزار جانِ گرامی ترے نثار
نکلے جو گل کے سامنے بلبل کی جانِ زار
پروانہ شمع کو جو نہ پاتا تو موت تھی

عالم کا بادشاہ کجا اور کجا فقیر
تکیہ کسی کو بھی یہ ملا ہی دمِ اخیر
معراج مل گئی شہِ والا کی گود میں

لیکر رسولؐ جام شرابِ طہور آئے
ایسا نہ ہو سرور جو بالیں پہ حور آئے
میں ابتو تندرست ہوں کیوں آپ روتے ہیں

یہ رو رہے ہیں شیرِ الٰہی بصد ملال
یہ فاطمہ ہیں پہلو میں بکھرائے سر کے بال
جن کا غلام میں ہوں وہ سب میرے پاس ہیں

عباس چھوڑ جاؤ گے اب ہم کو ہی غضب
ای جانِ فاطمہؑ جگرِ سیدِ عرب
صدمہ بڑا یہی ہی کہ حضرت اکیلے ہیں

صدمہ مگر ہی روح پہ ای قبلۂ اُمم
الفت یہ آپ کی ہی کہ اٹکا ہوا ہی دم
ای بھائی جان مرنے کو جی چاہتا نہیں

یہ کہہ کے چپ ہوئے تھے کہ اٹھا جگر میں درد
لیں کروٹیں تو بھر گئی زخموں میں ان کی گرد
دنیا سے انتقالِ علمدار ہو گیا
بھائی کے آگے بھائی تڑپ کر جو مر گیا
خنجر الم کا دل سے جگر تک اتر گیا
لیتے تھے بوسے جھک کے تنِ پاش پاش کے
جھک کر پکارتے تھے کہ بھیّا صدا سناؤ
زینبؑ تمہیں بلاتی ہیں خیمے کے در پہ جاؤ
باتوں میں پیار کی کہیں تم سے گلا نہ ہو
کیا ہے جو آنکھ بند کئے ہو حیا سے تم
اکثر ہمیں بچاتے تھے لو میں ہوا سے تم
ہے دوپہر کا وقت برادر پہ دھوپ ہے
اکبر نے رو کے عرض یہ کی اے شہِ زماں
لے چلیئے گھر میں لاشِ علمدارِ نوجواں
دریا پہ ننگے سر کہیں بنتِ علی نہ آئے
سینے سے کی حسینؑ نے اک آہِ دلخراش
اچھا بتاؤ تم کہ میں کیونکر اٹھاؤں لاش
کیونکر کہوں کہ لاشۂ عم گھر میں لیچلو
اکبر نے جب علم کو اٹھایا بدرد و آہ
ہاتھوں سے سر کو پیٹ کے کہنے لگے یہ شاہ
ہے جس طرح زمانہ میں اندوہ و غم کا ساتھ

رخسارِ سرخ سرخ جو تھے ہو گئے وہ زرد
منھ رکھ کے شہ کے پاؤں پہ کھینچی اک آہ سرد
سردارِ فوج بیکس و بے یار ہو گیا
صدمہ غضب کا سبطِ نبیؐ پر گزر گیا
چلاتے تھے کہ شیر ہمارا کدھر گیا
اُٹھ اُٹھ کے گرد پھرتے تھے بھائی کی لاش کے
سر رکھ لو میرے زانو پہ گردن ذرا اُٹھاؤ
کب سے بلک رہی ہے سکینہ کو دیکھ آؤ
دریا پہ سو گئے ہو سکینہؑ خفا نہ ہو
کیا کچھ خفا ہو سبطِ رسولِ خدا سے تم
ہم اٹ گئے ہیں گرد تو جھاڑو قبا سے تم
سایہ کرو علم کا مرے سر پہ دھوپ ہے
رونے سے اب ملیں گے حضرت کے بھائی جاں
ایسا نہ ہو نکل پڑیں خیمہ سے بی بیاں
فضہ کو ساتھ لیکے سکینہؑ چلی نہ آئے
فرمایا ان کے بدلے ہمیں موت آگئی کاش
سر چار پارہ ہاتھ جدا جسم پاش پاش
میت کے بدلے مشک و علم گھر میں لیچلو
رونے لگے پکار کے حالت ہوئی تباہ
باندھو علم میں مشک بھلی ہے میر رشکِ ماہ
اب حشر تک رہا یونہیں مشک و علم کا ساتھ

اکبر نے عرض کی کہ چلیں اب شہِ زماں
واں بھی مرے لئے وہی رونا ہے جو یہاں
اُٹھتے نہ تھے حسینؑ برادر کو چھوڑ کر
ناچار اُٹھ کے واں سے امامِ اُمم چلے
اکبر تو آگے لے کے وہ مشک و علم چلے
جنگل میں شورِ نالہ و فریاد و آہ تھا
فضہ کھڑی تھی خیمے کے باہر جب یہ خبر
پردہ اُلٹ کے خیمے کا بولی وہ نوحہ گر
اکبر علم لئے ہیں علیؑ کا نشاں نہیں
ناگاہ سب کو دور سے آیا نظر نشاں
گویا کہ تھا شبیہِ الم سر بسر نشاں
چھپ جاتا تھا پھریرے میں یوں کانپ کانپ کے
سمجھے یہ سب کہ بازوئے عباس کٹ گئے
بچوں کے ننھے ننھے جگر غم سے پھٹ گئے
ہر دل پہ برقِ رنج و غم و یاس گر پڑی
اکبر علم کو خیمے کے اندر جھکا کے لائے
چلاتے تھے کہ بھائی کو بھائی کہاں سے پائے
چھینا اجل نے ہم سے ہمارے دلیر کو
لپٹی تو تھی علم سے سکینہ جگر فگار
پرچم میں یوں لچکتا تھا پنجہ وہ بار بار
تصویرِ حسرت و الم و یاس بن گیا

رو کر امامِ دیں نے کہا جائیں اب کہاں
اپنا بھی گھر ہے اب وہی بھائی رہے جہاں
رکھا پسر نے ہاتھوں پہ سر ہاتھ جوڑ کر
فرمایا لو کریم نگہبان - ہم چلے
ہمرنگے پیچھے سرورِ عالی ہمم چلے
حضرت کے پیچھے اسپِ علمدارِ شاہ تھا
حضرت کو اُس نے دور سے دیکھا برہنہ سر
سیدانیو اُٹھو علم آتا ہے خوں میں تر
کوتل فرس تو آتا ہے وہ نوجواں نہیں
تھا خاک سے بھرا ہوا وہ جلوہ گر نشاں
ڈوبا تھا خوں سے پنجۂ پُر نورِ دُرفشاں
روتا ہے جس طرح کوئی منہ ڈھانپ ڈھانپ کے
سیدانیوں کے غم سے لہو اور گھٹ گئے
رنگ اُڑ گئے رخوں سے کلیجے الٹ گئے
بچوں سمیت زوجۂ عباس گر پڑی
سر اپنا پیٹتے ہوئے گھر میں حسین آئے
عاشق نے ساتھ چھوڑ دیا ہائے ہائے ہائے
لو بی بیو ترائی میں رو آئے شبیر کو
ہے ہے علی کے لعل کی رانڈوں میں تھی پکار
سر پیٹتے جس طرح کوئی مظلوم سوگوار
رایت بھی نخلِ ماتمِ عباس بن گیا

زیرِ علم تھا زوجۂ عباس کا یہ حال
ماتھا بھرا تھا خاک سے بکھرے ہوئے تھے بال

چلاتی تھی کہ اے اسدِ کبریا کے لال
میں سر کو پیٹتی ہوں مجھے کچھ نہیں خیال

جاتا ہے یوں جہاں سے کوئی آنکھ موڑ کے
مسکن کیا ترائی میں لونڈی کو چھوڑ کے

مرجائے گی کنیز جو صاحب جدا رہے
وہ کیجیے کہ خلق میں ذکرِ وفا رہے

ہیں آپ جس جگہ وہیں لونڈی بھی آ رہے
تھوڑی سی جا مرے لیے پائینِ پا رہے

بیٹوں کا قرب چاہتی ہوں نہ عزیز کا
صاحب کی پائینتی ہو سرہانا کنیز کا

دریا کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا تم کو بھاگئی
جاگے تمام رات کے تھے نیند آگئی

صورت تمہیں عروسِ شہادت دکھا گئی
کیا خوش نصیب تھی کہ اجل تم کو پا گئی

ہم تیرہ بخت ہجر کی راتوں میں روئیں گے
جاگے نصیب قبر کے آپ اس میں سوئیں گے

صاحب پکارتی ہے یہ لونڈی ادھر تو آؤ
دامن قبا کا رکھ کے کمر میں علم اٹھاؤ

صورت کوئی نباہ کی میرے بتا کے جاؤ
دنیا تو اب اجڑ گئی والی مجھے بلاؤ

جب تم نہ ہو تو موت ہمارا علاج ہے
صاحب کے ہاتھ، ہاتھ پکڑنے کی لاج ہے

اللہ تھا یہ آج کی شب تک ہمارا پیار
اٹھ اٹھ کے دیکھتے تھے مرے منھ کو بار بار

میں کہتی تھی کہ سو رہو اک آن میں نثار
کہتے تھے رو کے اب یہی صحبت ہے یادگار

فرقت میں وصل کی سحر و شام پھر کہاں
سونا تو حشر تک ہے یہ آرام پھر کہاں

میں دل میں کہتی تھی کہ خوشامد کا کیا سبب
کیا تھی خبر کہ صبح کو بچھڑو گے ہے غضب

صاحب میں دونوں ہاتھوں کو جوڑتی ہوں اب
تم جس جگہ گئے ہو مجھے بھی کرو طلب

چھوڑو نہ اس کو جس کا کوئی آسرا نہیں
صاحب کے سلسلے میں کوئی بے وفا نہیں

یہ کہہ کے پیٹنے جو لگی وہ جگر فگار
زینبؑ نے شاہ دیں کو پکارا رو کے زار زار

وارث کے غم میں ہوتا ہے یہ حال ہیں نثار
لیجائیے علم کو اب اے شاہِ نامدار

ماتم میں اور کوئی مصیبت گزر نہ جائے
ڈر ہے مجھے کہ زوجۂ عباس مر نہ جائے

زینب سے رو کے کہنے لگے سرورِ زمن
لیکر نشاں کو جائے کہاں اب یہ بیوطن
اٹھو نہ فوج ہے نہ علمدارِ صف شکن
گھر لٹ گیا علم کو بڑھاؤ بس اے بہن
لو یہ نشانی شہِ دلدل سوار لو
پٹکا علم سے کھول لو پنجہ اُتار لو

جس دم سنا علم کے بڑھانے کا سب نے نام
سر اُٹھ کے پیٹنے لگیں سیدانیاں تمام
رایت لُٹا کے خاک پہ کہنے لگے امام
بس الوداع اے علمِ سیدِ انام
پیاسے گلے کو خنجرِ خونخوار چاہیئے
بس اب مجھے علم نہ علمدار چاہیئے

پر خوں علم کے پاس تھے عباسؑ کے پسر
تکمے کھلے تھے کرتوں کے تھراتے تھے جگر
ماں نے جو طوق اُتارے تھے اور کان کے گہر
سہما ہوا تھا ایک تو اک پیٹتا تھا سر
زلفوں پہ گرد تھی تو رخوں پر غبار تھا
چہروں سے دردِ بے پدری آشکار تھا

چھوٹا یہ شہ سے کہتا تھا آنسو بہا بہا
بابا ہمارے گھر میں کب آئینگے اے چچا
آیا علم پر اُن کے نہ آنے کی وجہ کیا
چھوٹے سے رو کے تب یہ بڑے بھائی نے کہا
اماں کی مانگ اُجڑ گئی صدمے گزر گئے
بھیّا تمھیں خبر نہیں بابا تو مر گئے

دوڑا یہ سن کے نہر کی جانب وہ بے پدر
رو کر پکارے شاہ کہ بیٹا چلے کدھر
ننھے سے ہاتھ جوڑ کے بولا وہ نوحہ گر
بابا کی لاش اُٹھانے کو جاتے ہیں نہر پر
میّت نہ اُٹھ سکے گی تو خالی نہ آئینگے
دامن میں ہم کٹے ہوئے ہاتھوں کو لائینگے

بس اے انیسؔ بس کہ دعا کا ہے یہ مقام
ہو مغفرت خلیق کی یارب ذوالکرام
مداحِ آلِ پاکِ نبی تھا وہ خوش کلام
یارب اُسی بزرگ کا یہ فیض ہے تمام
بندہ وہ کونسا ہے کہ جو بے قصور ہے
گر بخش دے تو کیا تری رحمت سے دور ہے

رباعی

عباس سا صف شکن نہ ہوگا کوئی
اکبر سا بھی گلبدن نہ ہوگا کوئی
گردن پہ لگا تیر مگر لب نہ ہلے
اصغر سا بھی کم سخن نہ ہوگا کوئی

مرثیہ (۹)

جب رن میں سربلند علی کا علم ہوا
فوجِ خدا پہ سایۂ ابرِ کرم ہوا
چرخِ زبرجدی پئے تسلیم خم ہوا
پنجے پہ سات بار تصدق حشم ہوا
دیکھا نہ تھا علم جو کبھی اس نمود کا
دونوں طرف کی فوج میں غل تھا درود کا

وہ شان اُس علم کی وہ عباس کا جلال
نخلِ زمرّدی کے تلے تھا علی کا لال
پنجے پہ جان دیتی تھیں پریوں کا تھا یہ حال
غل تھا کہ دوشِ حور پہ بکھرے ہوئے ہیں بال
ہر لہر آبدار تھی کوثر کی موج سے
طوبیٰ بھی دب گیا تھا پھریرے کے اوج سے

تھا پنجتن کا نور جو پنجے پہ جلوہ گر
اعمیٰ کی پتلیوں میں بھی تھا روشنی کا گھر
ذرّے نثار کرتے تھے اُٹھ اُٹھ کے اپنا زر
تکتے تھے فوق سے تو ملک تحت سے بشر
اللہ ری چمک علمِ بوتراب کی
تارِ نظر بنا تھا کرن آفتاب کی

قربانِ احتشامِ علمدارِ نامور
رُخ پر جلالتِ شہِ مرداں تھی سر بسر
چہرہ تو آفتاب سا اور شیر سی نظر
قبضے میں تیغ، برہنہ دوش پر سپر
چھایا تھا رعب لشکرِ ابن زیاد پر
غل تھا چڑھے ہیں شیرِ الٰہی جہاد پر

وہ اوج وہ جلال وہ اقبال وہ حشم
وہ نور وہ شکوہ وہ توقیر وہ کرم
پنجے کی وہ چمک وہ سرافرازیِ علم
گرتی تھی برق فوجِ مخالف پہ دمبدم
کیا رفعتِ نشان سعادت نشان تھی
سائے میں جس نشان کے طوبیٰ کی شان تھی

پنجہ اُٹھا کے ہاتھ یہ کہتا تھا بار بار
عالم میں پنجتن کی بزرگی ہے آشکار
یہ شش جہت انھیں کے قدم سے ہے برقرار
کیوں ہفتہ دوست ہوتے ہو ای قوم نابکار
آٹھوں بہشت ملتے ہیں مولا کے نام سے
بیعت کرو حسینِ علیہ السلام سے

غرفوں سے جھانک جھانک کے بولی ہر ایک حور
صلِّ علیٰ علم کی چمک ہے کہ برقِ طور
یارب یہ ہے نگاہِ بد اس کی ضیا سے دور
پنجہ ہے یہ کہ ایک جگہ پنجتن کا نور
جلوے ہیں سب محمدؐ و حیدرؑ کی شان کے
قربان اس جواں کے نثار اس نشان کے

آگے کبھی نہ دیکھی تھی اس حسن کی سپاہ
دنیا بھی خوبیوں کا مرقع ہے واہ واہ
دیکھیں کسے کسے کہ ہے ایک ایک رشکِ ماہ
جاتی ہے جس کے رُخ پہ تو پھرتی نہیں نگاہ
دیکھو انھیں دموں سے ہے رونق زمین کو
چُن کر حسین لائے ہیں کس کس حسین کو

شہرہ بہت تھا حسن میں کنعاں کے ماہ کا
قصہ سنا ہوا ہے زلیخا کی چاہ کا
ہاں آفتاب کو نہیں یارا نگاہ کا
یوسف ہے ایک ایک جواں اس سپاہ کا
سنتے تھے ہم کہ عالمِ ایجاد زشت ہے
ایسے چمن کھلے ہیں تو دنیا بہشت ہے

ہمشکلِ مصطفےٰ کا ہے کیا حسن کیا جمال
صبحِ جبیں ہے اور شبِ گیسو ہے بے مثال
یہ لب یہ خط یہ چشم یہ ابرو یہ رخ یہ خال
یاقوت و مشک نرگس و نجم و مہ و ہلال
اک گل پہ یاں ہزار طرح کی بہار ہے
چہرہ نہ کہئیے قدرتِ پروردگار ہے

لختِ دلِ حسن بھی ہے کس مرتبہ حسیں
جس کے چراغِ حسن سے روشن ہے سب زمیں
یہ زلف مشک بیز یہ آئینہ جبیں
سرمایۂ خطا و ختن کائناتِ چیں
رُخ کی بلائیں لیتی ہیں پریاں کھڑی ہوئیں
سہرے کی ہر لڑی سے ہیں آنکھیں لڑی ہوئیں

نامِ خدا ہیں عون و محمد بھی کیا شکیل
اک مہرِ بے نظیر ہے اک بدرِ بے عدیل
افروختہ ہیں رُخ یہ شجاعت کی ہے دلیل
ہمت بڑی ہے گو کہ ہیں عمریں بھی قلیل
مثلِ علیؑ ہیں جنگ و جدل پر تُلے ہوئے
دونوں کے نیچوں کے ہیں ڈورے کھلے ہوئے

عباسِ نامور بھی عجب سج کا ہے جوان
نازاں ہے جس کے دوشِ منور پہ خود نشان
حمزہ کا رعب صولتِ جعفر علی کی شان
ہاشم کا دل حسین کا بازو حسن کی جان
کیونکر نہ عشق ہو شہِ گردوں جناب کو
حاصل ہیں سیکڑوں شرف اس آفتاب کو

اُس مہر کو تو دیکھو یہ ذرّے ہیں جس کے سب
ابرِ کرم خدیوِ عجم خسروِ عرب
جنباں زبانِ خشک ہے ذکرِ الٰہ میں
کیا فوج تھی حسین کی اُس فوج کے نثار
جرار و دیں پناہ نمودار و نامدار
فوجیں کوئی سماتی تھیں اُن کی نگاہ میں
ایک ایک ملکِ جرات وہمت کا بادشاہ
آنکھیں غزالِ رشک مگر شیر کی نگاہ
دیکھا تو دل کو توڑ کے برچھی نکل گئی
وہ اشتیاقِ جنگ میں لڑکوں کے ولولے
چہرے وہ آفتاب سے وہ چاند سے گلے
اِک اِک رسولِ حق کی لحد کا چراغ تھا
اکبر سے عرض کرتے تھے سینہ سپر کیے
گر آج مر گئے تو قیامت تلک جیے
آقا کے آگے لطف ہے تیغ آزمائی کا
بچپن پہ خادمانِ اولوالعزم کے نجائیں
تن تن کے روکیں برچھیاں ہنس ہنس کے زخم کھائیں
جھپکے پلک کسی سے تو آنکھیں نکالیے
کہتے تھے مسکرا کے یہ زینب کے دونوں لال
ہر وقت چاہیے مددِ شیرِ ذوالجلال
اُتری ہے تیغ جن کے لیے وہ دلیر ہیں

سرتاجِ آسمان و زمیں نورِ عرشِ رب
عالی ہمم امامِ اُمم شاہِ تشنہ لب
گویا کھڑے ہیں ختمِ رسل رزمگاہ میں
ایک ایک آبروئے عرب فخرِ روزگار
لڑکوں میں سبزہ رنگ کوئی کوئی گلعذار
وہ سب پلے تھے بیشۂ شیرِ الٰہ میں
کیوان خدم سپہر حشم عرشِ بارگاہ
وہ رعب چتونوں میں کہ اللہ کی پناہ
ابرو ذرا جو بل گئے تلوار چل گئی
بیتاب تھے کہ دیکھیے تلوار کب چلے
سب فاطمہؓ کی بیٹیوں کی گود کے پلے
جس پہ علیؑ نے کی تھی ریاضت وہ باغ تھا
پیچھے نہ لیونگے دم نہ لے لہو پیئے
صدقے ہوں اس قدم پہ یہ سر ہیں اسی لیے
آج آپ دیکھیے گا تماشا لڑائی کا
جب چاہیں معرکہ میں ہمیں آپ آزمائیں
بجلی گرے تو منہ پہ جھجک کر سپر نہ لائیں
بڑھ کر ہٹیں جو پاؤں تو سر کاٹ ڈالیے
کھلتے ہیں خود دلیروں کے جوہر دمِ جدال
نعرے ابھی کریں تو ملے عرصۂ قتال
سب ہم کو جانتے ہیں کہ شیروں کے شیر ہیں

یہ چھچھے جو کرتے تھے باہم وہ گلعذار
شبیرؑ دیکھتے تھے کنکھیوں سے بار بار
پاس آ کے عرض کرتے تھے عباسِ نامدار
سنتے ہیں آپ کہتے ہیں جو کچھ یہ جاں نثار
جرأت ٹپک رہی ہے ہر اک کے کلام سے
یہ بچے رکیں گے بھلا فوجِ شام سے

یہ سن یہ زور شور یہ عمریں یہ آن بان
یہ بھولے بھولے منھ یہ جوانمردیاں یہ شان
باتیں رجز سے کم نہیں اللہ رے خوش بیان
چلتی ہے ذوالفقارِ علی کی طرح زبان
کس دبدبہ سے کاندھوں پہ نیزے سنبھالے ہیں
گویا چلن لڑائی کا سب دیکھے بھالے ہیں

زینبؑ کے لاڈلوں کی طرف دیکھیے حضور
مثلِ عرق ٹپکتا ہے پیشانیوں سے نور
رُخ پر جلالِ شیرِ خدا کا ہے سب ظہور
پرتو گلوں کا ہے کہ چمکتی ہے برقِ طور
دونوں ہیں صاف حیدر و جعفر کے طور ہیں
اللہ کی پناہ یہ تیور ہی اور ہیں

یہ ذکر تھا کہ بجنے لگا طبل اُس طرف
مشکل کشا کی فوج نے باندھی ادھر بھی صف
تیروں نے رُخ کیا سوئے ابنِ شہِ نجف
سینوں کو غازیوں نے اِدھر کر دیا ہدف
تھا بسکہ شوقِ جنگ ہر اک رشکِ ماہ کو
جوش آ گیا وغا کا حسینی سپاہ کو

غصے سے آفتاب ہوئے مہوشوں کے رنگ
فوجوں پہ جا پڑیں یہ دلوں کو ہوئی اُمنگ
تن تن کے برچھیاں جو سنبھالیں برائے جنگ
بے چین ہو گئے فرسِ ابلق و سرنگ
پاس ادب سے شاہ کے صف بڑھ کے تھم گئی
پڑی ہر اک سوار کی گھوڑے پہ جم گئی

تنتا ہوا بڑھا کوئی قبضے کو چوم کے
بھالا کسی نے رکھ لیا کاندھے پہ چوم کے
بولا کوئی یہ غول ہیں کیا شام و روم کے
ٹکڑے اُڑائینگے عمر و شمرِ شوم کے
نامرد جو ہیں آنکھ چراتے ہیں مرد سے
دونوں کو چار کر کے پھریں گے نبرد سے

دو لاکھ سے نظر کسی غازی کی لڑ گئی
بل کھا کے رخ پہ زلف کسی کی اکڑ گئی
چتون کسی کی شورِ دہل سے بگڑ گئی
مُنھ سرخ ہو گیا شکن ابرو پہ پڑ گئی
نکلا کوئی سمند کو زانو میں داب کے
غصے سے رہ گیا کوئی ہونٹوں کو چاب کے

بڑھ کر کسی نے تیر ملایا کمان سے
نیزہ کسی کا پار ہوا آسمان سے
اک شور تھا کہ تلخ کیا ہی حیات کو
سنتے ہی یہ کلامِ جوانانِ نامور
کہتے تھے کھینچ لیئے وہ غیرتِ قمر
سر کٹے نہ پھر وغا میں جو بڑھ کے قدم گڑے
عباس شہ سے کہتے تھے بپھرے ہوئے ہیں شیر
دو دن کی بھوک پیاس میں ہیں زندگی سے سیر
پاسِ ادب سے غیظ کو ٹالے ہوئے ہیں یہ
کس کو ہٹائے کس کو سنبھالے یہ جاں نثار
ہے مصلحت کہ دیجیئے اب اذنِ کارزار
برہم ہیں سرکشی پہ سوارانِ شام کی
جب روکتا ہوں میں انھیں ہی آسماں سر پہ
باندھے ہے سرکشی پہ کمر لشکرِ شریر
کس قہر کی نظر سے لعینوں کو تکتے ہیں
اک اک جری کو نشۂ جرأت کا جوش ہے
ہر صف میں یا علیِ ولی کا خروش ہے
مشتاق ہیں وہ پیاس میں تیغوں کے گھاٹ کے
حسرت سے کی سوئے رفقا شاہ نے نظر
فرمایا شہ نے ہم بھی ہیں آمادۂ سفر
یہ راہِ حق ہے جو قدم آگے بڑھائے گا

نیزہ کوئی ہلانے لگا آن بان سے
تلوار کھینچ لی کسی صفدر نے میان سے
لاشوں سے چل کے پاٹ دو نہرِ فرات کو
لڑ کے الگ کھڑے ہوئے غول اپنا باندھ کر
یارب شکست کوفیوں کو دے ہمیں ظفر
جا کر درِ یزید پہ اپنا علم گڑے
تیر اُس طرف سے آتے ہیں اب کس لیئے ہے دیر
مولا غلام سے نہیں رُکنے کے یہ دلیر
شبیرِ خدا کی گود کے پالے ہوئے ہیں یہ
مرنے پہ ایک دل ہیں بہتّر وفا شعار
ایسا نہ ہو کہ جا پڑیں لشکر پہ ایک بار
اکبر کی بات مانتے ہیں نہ غلام کی
کہتے ہیں کیوں امام کی جانب لگا تیر
ہنگامِ جنگ شیر کے بچے ہوں گوشہ گیر
بچوں کو ہے یہ غیظ کہ آنسو ٹپکتے ہیں
عالم ہے بیخودی کا پہ مرنے کا ہوش ہے
کہتے ہیں بار بار کہ سر بارِ دوش ہے
ڈر ہے کہ مر نہ جائیں گلے کاٹ کاٹ کے
بولے حبیب نذر کو حاضر ہیں سب کے سر
اچھا بڑھے جہاد کو ایک ایک نامور
دربارِ مصطفیٰ میں وہی پہلے جائے گا

مژدہ یہ سُن کے شاد ہوئے غازیانِ دیں
جب نعرہ زن ہوئے صفتِ شیرِ خشمگیں
برپا تھا شورِ حشر دلیروں کی حرب سے
اللہ رے جہادِ حبیب و زہیرِ قیں
جب مر گئے وہ عاشقِ سلطانِ مشرقین
یوں جا کے روئے اُن کے تنِ پاش پاش پر

خالی ہوا قدیم رفیقوں کا جب پرا
کٹنے لگا عزیزوں کا بھی جب چمن ہرا
لڑکے جو یک بیک کئی ہاتھوں سے کھو گئے
تھی قہرِ حق عقیل کے پوتوں کی کارزار
عزت عرب کی کر گئے جعفر کے یادگار
فتح و ظفر تھی مثلِ علی اختیار میں

نکلے برادرانِ علمدارِ صف شکن
نے سر تھے مورچوں میں جوانانِ پیل تن
آنکھوں میں پھر رہی تھی چمک ذوالفقار کی
تھا چھوٹے بھائیوں کے لئے مضطرب جو دل
نعرہ یہ تھا کہ شیر ہیں ماں کا نہیں بحل
یہ وقتِ آبرو ہے بڑی جد و کد کرو

اُلٹو پروں کو اور صفوں کو کچل کے آؤ
جب باگ اُٹھاؤ فوج کے اُس پار چل کے آؤ
ہاں صفدرو نشاں نہ رہے فوجِ شام کا

اک اک دلیر جانے لگا سوئے فوجِ کیں
تھرائے آسماں کے طبق ہل گئی زمیں
فوجیں تو کیا جہاں تہ و بالا تھا ضرب سے
گویا بپا تھا معرکۂ خندق و حنین
مقتل میں پیٹتے ہوئے دوڑے گئے حسین
جس طرح بھائی روتا ہے بھائی کی لاش پر

کانپا سپہر شہ نے دمِ سرد یوں بھرا
گہ روئے آپ ہاتھ جگر پر کبھی دھرا
ٹکڑے حسن کی طرح کلیجے کے ہو گئے
شمشیرِ حیدری کا نمونہ تھے جن کے وار
تھے تین چار شبر کہ جھپٹے سوئے شکار
پنجے میں تھا وہی جسے تاکا ہزار میں

دکھلا دیئے علی کی لڑائی کے سب چلن
لاشوں پہ لاشیں گرتی تھیں گونجتا تھا رن
عباس داد دیتے تھے ایک ایک وار کی
گہ شہ کے پاس تھے کبھی لشکر کے متصل
شیرو رکیں نہ ہاتھ بدن گو ہو مضمحل
ہاں بھائیو امام کی اپنے مدد کرو

ساحل کے پاس خون کا دریا بہا کے آؤ
یا مر کے آؤ یا انھیں رن سے بھگا کے آؤ
بیٹوں کو پاس چاہیئے بابا کے نام کا

رو کر حسین کہتے تھے بھائی سے دم بدم
جینے نہ دے گا آہ ہمیں بھائیوں کا غم
اب باپ کی جگہ شہِ عالی مقام ہیں
بیجاں ہوئے جو راہ خدا میں وہ شبر شہ
ماتم میں تھے کہ موت نے لوٹا حسن کا گھر
سب چل بسے نبی و علی پاس رہ گئے
آیا نظر جو لاشۂ نوشاہِ نیک خو
کی غیظ کی نظر طرفِ لشکرِ عدو
نکلی یہ بات جوشِ بکا میں زبان سے
بچپن سے ہم سے یہ نہ ہوئے تھے کبھی جدا
طفلی کا ساتھ چھوٹ گیا وا مصیبتا
حسرت یہ ہی کہ تیغوں سے تن پاش پاش ہو
شہ نے کہا کہ سچ ہی یہ ایسا ہی ہی الم
بازو کا ٹوٹنا اجل آنے سے کیا ہی کم
تازہ تھا غم پدر کا خوشی دل سے فوت تھی
بھائی کے بعد ان سے ملی لذتِ حیات
خالی نہ پائی مہر و مروت سے کوئی بات
صدمے بھلائے دل سے حسن کی جدائی کے
ہی ان کے اتحاد کا سب سے جدا مزا
ملتا ہی ان کی بات میں ہر دم نیا مزا
قایم رکھے خدا کہ علی کے نشان ہیں

دولت پدر کی لٹتی ہی اور دیکھتے ہیں ہم
عباس عرض کرتے تھے اے قبلۂ اُمم
صدقے نہ کس طرح ہوں کہ ہم سب غلام ہیں
حضرت ضعیف ہو گئے خم ہو گئی کمر
اک دم میں قتل ہو گئے دونوں جوان پسر
سترہ دو تن میں اکبر و عباس رہ گئے
اکبر کی چشم تر سے ٹپکنے لگا لہو
پہلو سے آئے روتے ہوئے شہ کے روبرو
قاسم کے ساتھ جائینگے ہم بھی جہان سے
سوئے تو ایک فرش پہ کھیلے تو ایک جا
مر جائے ایسا بھائی تو جینے کا کیا مزا
پہلو میں ابنِ عم کے ہماری بھی لاش ہو
خالق جہاں میں بھائی کا بھائی کو دے نہ غم
مر مرکے غم میں بھائی حسن کے جیئے ہیں ہم
عباسِ نامدار نہ ہوتے تو موت تھی
بیکس کے غم گسار تھے یہ یا خدا کی ذات
سویا جو میں تو ان کو کٹی جاگنے میں رات
رونے نہیں دیا مجھے ماتم میں بھائی کے
بیٹے کا لطف بھائی کا حظ باپ کا مزا
اوجھل یہ آنکھوں سے ہوں تو جینے کا کیا مزا
مالک یہی ہیں گھر کے یہی تن کی جان ہیں

قوّت جگر کی تم ہو تو یہ بازوؤں کا زور
ہوتا ہے زخمِ دل پہ نمک آنسوؤں کا شور
تم پہلوؤں میں تھے جو یہ بیکس سنبھل گیا
بس دیکھ کر نہال ہوئے گلشنِ جہاں
اُٹھ جائے جلد خلق سے یہ پیرِ ناتواں
عمریں بھی ہیں قلیل کچھ ایسے مسن نہیں
ان سے نشاں علی کا ہے تم سے ہمارا نام
میّت کے دفن کا بھی مناسب ہے اہتمام
تربت پہ تم سے گل ہوں تو دل باغ باغ ہو
کچھو نہ ذکرِ ہجر یہ صدمہ ہے دل خراش
ہوگا یہ جسم ظلم کی تیغوں سے پاش پاش
رونے کو کوئی دوست نہ یاور سرہانے ہو
اکبر نے سن کے باپ سے یہ اشکِ غم بہائے
ہے زندگی یہی کہ ہمیں پہلے موت آئے
دیتے ہیں جان اہلِ وفا نام کے لیے
بس گر پڑا یہ کہہ کے قدم پر وہ باوفا
قاسم کا ذکر کرتے تھے ہم شکلِ مصطفےٰ
ہم تم تو ساتھ گلشنِ ہستی سے جائیں گے
اُٹھیے قدم سے آپ کی الفت کے میں نثار
آنکھیں قدم پہ مل کے یہ بولا وہ نامدار
ایسا نہ ہو خجل ہوں رسالت مآب سے

بچھڑا جو ایک تو وہیں تو پھر ہے کنارِ گور
جب پتلیاں نہ ہوئیں تو چشمِ بشر ہے کور
پھر خاتمہ ہے جسم سے جب دم نکل گیا
گزرے بہارِ عمر کے دن آ گئی خزاں
پھولو پھلو جیو کہ ابھی تم ہو نوجواں
دونوں کا ہے شباب یہ مرنے کے دن نہیں
گھر مٹ گیا نبی کا جو دونوں ہوئے تمام
مرنے کے بعد کوئی تو آئے ہمارے کام
اندھیر ہے جو قبرِ پدر نے چراغ ہو
بہرِ پدر کرو کفن و گور کی تلاش
دو شخص چاہیئے کہ اُٹھائیں ہماری لاش
فرزند پائینتی ہو برادر سرہانے ہو
عباس بول اُٹھے نہ خدا وہ گھڑی دکھائے
خاک اُس غلام پر کہ جو آقا کی لاش اُٹھائے
پائے ہیں کیا یہ ہاتھ اسی کام کے لیے
جھک کر کہا حسین نے بھائی یہ کیا یہ کیا
باتیں تو ان سے تھیں تمھیں کیوں غیظ آگیا
اچھا ہماری لاش کو اکبر اُٹھائیں گے
غصے میں بھول جاتے ہو بھیا ہمارا پیار
نے اذنِ جنگ سر نہ اُٹھائے گا خاکسار
پہلے مروں گا اکبرِ عالی جناب سے

صدقہ علی کی روح کا اکبر کو روکیئے
نورِ نگاہ بانوئے بےپر کو روکیئے
پہلے رضا ملے تو بہت نیک نام ہوں

شہ نے کہا کہ سر تو قدم سے اٹھائیے
فرقت میں ہم جئیں کہ مریں خیر جائیے
زوجہ کو پیٹتے ہوئے مڑ دیکھ لیجیے

عباس شہ کے گرد پھرے اٹھ کے سات بار
بولا یہ پیکِ شاطرِ فوجِ ستم شعار
خود دیکھ کر یہ حال پھرا ہوں میں راہ سے

تھے آگے آگے ہاتھوں سے تھامے کمر امام
تیغوں سے گھاٹ روک لو آیا وہ نیک نام
دیکھو بچے رہو کہ لڑائی ہے شیر سے

دل ہل گئے سپاہ کے سنتے ہی یہ خبر
ہلچل ہیں اس طرف کے پرے ہو گئے اِدھر
پیچھے ہٹیں صفیں کہ تلاطم عیاں ہوا

ٹوٹے وہ مورچے جو بندھے تھے پئے جدال
اللہ ری ہیبتِ خلفِ شیرِ ذوالجلال
منھ زرد ہو کے رہ گیا ہر نوجوان کا

تھا شش جہت میں غل کہ یہی ہے روزِ انقلاب
اُس شیر پر نہ ہوگی کوئی فوج فتح یاب
حملہ غضب ہے بازوئے شاہِ حجاز کا

دے کر قسم شبیہِ پیمبر کو روکیئے
اے آفتابِ دیں مہِ انور کو روکیئے
آقا یہ شاہزادہ ہے اور میں غلام ہوں

لیجئے رضائے حرب نہ آنسو بہائیے
اپنی سکینہ جان سے جا کر مل آئیے
بچوں کو اور ایک نظر دیکھ لیجیے

بھائی کو گھر میں لیکے چلے شاہِ ذی وقار
لو اذنِ جنگ پا چکے عباسِ نامدار
ملنے گئے ہیں خیمے میں ناموسِ شاہ سے

نعرہ یہ دمبدم تھا کہ اب ہم ہوئے تمام
اب معرکہ ہے قہر کا اے ساکنانِ شام
چھوٹے گی مشکلوں میں ترائی دلیر سے

کانپے مثالِ بید جوانانِ پرجگر
ساحل سے ہٹ کے نہر پکاری کہ الحذر
دریا جو باڑھ پر تھا وہ الٹا رواں ہوا

برچھی گری زمیں پہ کسی کی کسی کی ڈھال
کانپی زمیں کھڑے ہوئے روئیں تنوں کے بال
دشتِ نبرد کھیت بنا زعفران کا

اُلٹے گا اب زمیں کا ورق ابنِ بوتراب
بس اب بنائے عالمِ امکاں ہوئی خراب
لنگر نہ ٹوٹ جائے زمیں کے جہاز کا

ڈر سے ہوا تھی ایک طرف گرد اک طرف
بھرتے تھے خیبری بھی دمِ سرد اک طرف
سمٹے ہوئے تھے کوفے کے نامرد اک طرف
تھے روسیاہ شام کے سب زرد اک طرف
بھاگے تھے نیزہ باز لڑائی کو چھوڑ کے
ضیغم نکل گئے تھے لڑائی کو چھوڑ کے

تھی ابتری سپاہِ ضلالت شعار میں
اس صف میں تھی وہ صف یہ قطار اس قطار میں
سو بار جو لڑے تھے اکیلے ہزار میں
وہ جائے امن ڈھونڈھتے تھے کارزار میں
چہرے تھے زرد خوف سے حیدر کے لال کے
نامرد منھ چھپاتے تھے گھونگھٹ میں ڈھال کے

سرکردہائے فوجِ مخالف تھے بے حواس
کچھ شمر کے قریب تھے کچھ تھے عمر کے پاس
سب کا یہ قول تھا کہ ہوئی زندگی سے یاس
ضربِ علی ہے ضربِ علمدارِ حق شناس
طاقت سے ہیں بھرے ہوئے بازو دلیر کے
خیبر کشا کا دور ہے پنجے ہیں شیر کے

اس فوج میں تو ہے یہ تزلزل یہ انتشار
ہتیار ادھر لگاتے ہیں عباسِ نامدار
مضطر ہیں بی بیاں شہِ والا ہیں بے قرار
بھائی کے منھ کو دیکھ کے روتے ہیں بار بار
بیٹا کھڑا ہے چاک گریباں کیئے ہوئے
روتی ہے سوکھی مشک سکینہ لیئے ہوئے

منھ دیکھتی ہے باپ کا جب وہ بچشمِ تر
کہتے ہیں یہ اشارے سے سلطانِ بحر و بر
لٹتا ہے باپ تم کو سکینہ نہیں خبر
جانے نہ دو چچا کو ہمیں چاہتی ہو گر
آنسو بہا بہا کے نہ پانی کا نام لو
دامن قبا کا ننھے سے ہاتھوں سے تھام لو

بھائی کے اضطراب میں زینبؑ کا ہے یہ حال
ڈھلکی ہوئی ہے سر سے ردا اور کھلے ہیں بال
عباس سے یہ کہتی ہے رو کر بصد ملال
چھوڑو نہ شہ کو اے اسدِ کبریا کے لال
کیا کہتے ہو سکینہ سے منھ موڑ موڑ کے
بھیا کدھر چلے مرے بھائی کو چھوڑ کے

دیکھو تو حال سبطِ رسولؐ فلک اساس
بیٹی کا غم بھتیجے کا ماتم ہجومِ یاس
ہے کثرتِ سپاہ میں تنہا وہ حق شناس
قربان جاؤں تم تو رہو بے وطن کے پاس
عاشق ہو دلبرِ اسدِ ذوالجلال کے
بازو قوی تمہیں سے ہیں زہرا کے لال کے

عباس کہتے ہیں کہ نہ جاؤں تو کیا کروں
کیونکر نہ حق امامِ زماں کا ادا کروں
الٹوں صفیں ہزاروں سے تنہا وغا کروں
یہ سر ہی اس لیئے کہ قدم پر فدا کروں
پہونچا ہی فیض سیّدِ خوشخو کے ہاتھ سے
دنیا میں کچھ تو کام ہو بازو کے ہاتھ سے

رخصت طلب ہی شاہ سے اکبر سا لالہ فام
شہزادہ مرنے جائے سلامت رہے غلام
للّٰلہ رو کیئے نہ اب اے خواہر امام
وہ امر کیجیئے کہ بڑھے جس سے میرا نام
بیکس ہوں ساتھ ماں نہیں سر پر پدر نہیں
میں آپ کا غلام تو ہوں گو پسر نہیں

باتیں یہ سُن کے روتی ہیں زینبؑ جھکائے سر
تھرا رہی ہی زوجۂ عباسؑ نامور
چہرہ تو فق ہی گود میں ہی چاند سا پسر
مانع ہی شرم روتی ہی منھ پھیر پھیر کر
موقع نہ روکنے کا ہی نہ بول سکتی ہی
حضرت کے منھ کو نرگسی آنکھوں سے تکتی ہی

کہتی ہی رو کے بانوے عالم سے بار بار
ہمکو تباہ کرتے ہیں عباس نامدار
ہی لونڈیوں کے باب میں بی بی کو اختیار
کچھ آپ بولتی نہیں اس وقت میں نثار
کہیئے جو روکنے کی کوئی ان کے راہ ہو
اب عنقریب ہی کہ مرا گھر تباہ ہو

اکبر کا واسطہ کوئی تدبیر کیجیئے
امداد بہرِ حضرتِ شبیرؑ کیجیئے
کچھ دل کو ہو قرار وہ تقریر کیجیئے
پٹکا وہ باندھتے ہیں نہ تاخیر کیجیئے
اک دل ہی میرا اور کئی غم کے تیر ہیں
بی بی میں کیا کروں مرے بچے صغیر ہیں

عباس دیکھتے ہیں جو زوجہ کا اضطرار
ہوتا ہی تیرِ غم جگرِ ناتواں کے پار
روتے ہیں خود مگر یہ اشارا ہی بار بار
شوہر کے غم میں یوں کوئی ہوتا ہی بے قرار
آؤ ادب سے دلبرِ زہرا کے سامنے
روتی ہیں لونڈیاں کہیں آقا کے سامنے

کھولا ہی گوندھے بالوں کو صاحب یہ کیا کیا
پیٹو نہ سر کو روتا ہی فرزندِ مہ لقا
خیر النسا کے لال پہ ہوتے ہیں ہم فدا
شادی کا ہی مقام کہ ماتم کی ہی یہ جا
ایذا میں صبر صاحبِ ہمت کا کام ہی
میری بھی آبرو ہی تمھارا بھی نام ہی

لو پونچھ ڈالو آنسوؤں کو بہرِ ذوالجلال
میری مفارقت کا نہ کیجو کبھی خیال
غم چاہیے نہ آہ و بکا چاہیے تمھیں
صدقے ہیں ابن فاطمہ پر مجھ سے سَو غلام
کیا اشک خوں بہا کے بگاڑو گی میرا کام
پوچھیں حضور گر کہ تمھیں کیا قبول ہے
دیکھو کہ گھر میں اور بھی رانڈیں ہیں تین چار
رہ جائے بات امر وہ کرتے ہیں ہوشیار
سوا ایسے تفرقے ہوئے ہیں ایک آن میں
قاسم کو دیکھو جانب کبرا کرو نگاہ
دشمن کو بھی دکھائے نہ اللہ ایسا بیاہ
سہتی ہیں یوں جہاں میں جفا رانڈ ہونے کی
آفت میں صبر کرتی ہیں اس طرح بی بیاں
جل جائے دل مگر نہ اٹھے آہ کا دھواں
چرچا رہے کہ وقت پہ کیا کام کر گئی
شوہر نے یہ کلام کیے جب بچشمِ تر
ہتیار سج کے حضرتِ عباسِ نامور
صدمے سے رنگ سبطِ نبیؐ زرد ہو گیا
جوں جوں قریب آتے تھے عباسِ نامور
ہا کہتے تھے اضطراب میں جھکا کے سر دھر دھر
ہے زیست تلخ فاطمہؓ کے نورِ عین کو

دیکھو زیادہ رونے سے ہوگا ہمیں ملال
قائم تمھارے سر پہ رہے فاطمہؑ کا لال
شہ کی سلامتی کی دعا چاہیے تمھیں
دیکھو نہ رونے دیکھ لیں تم کو کہیں امام
ہم ہاتھ جوڑتے ہیں یہ ہے صبر کا مقام
صاحب یہ کہیو تم کہ رنڈاپا قبول ہے
آدابِ شہ سے چپ ہیں نہیں کوئی بے قرار
دنیا ہے بے ثبات زمانہ ہے بے مدار
صاحب سدا کوئی بھی جیا ہے جہان میں
گزری جو شب تو صبح کو گھر ہو گیا تباہ
کیا صابرہ ہے دخترِ شبیرؑ واہ واہ
آواز بھی بھلا کوئی سنتا ہے رونے کی
ہوتا ہے صابروں کا مصیبت میں امتحاں
اُف کیجیو نہ منہ سے جو پہنچے لبوں پہ جاں
چھوٹی بہو علی کی بڑا نام کر گئی
چپ ہو گئی وہ صاحبِ ہمت جھکا کے سر
آئے قریبِ لختِ دلِ سید البشر
کانپے یہ دست و پا کہ بدن سرد ہو گیا
بیتاب تھے حسین سنبھالے ہوئے جگر
جینے نہ دے گا آہ ہمیں صدمۂ کمر
زینبؓ کہاں ہو آ کے سنبھالو حسین کو

سب گھر کی بی بیوں کو کہو میرے پاس آئیں
گودی میں تشنہ کام سکینہؑ کو جلد لائیں
یہ نوجواں سنبھالے گا جس دم مرونگا میں

یہ سن کے ساری بی بیاں آئیں بحالِ زار
اے آفتابِ عالمیاں نورِ کردگار
ہیں ذرہ پروری کے چلن آفتاب میں

لڑکوں نے معرکے میں کیئے اپنے اپنے نام
ایسا دن اور بھی کوئی ہوئے گا یا امام
مشکل ہے ایسے وقت میں رکنا دلبر کا

ہوتا جو سب سے پہلے فدا خادم اے جناب
اب ہوں ہر اک کے آگے خجالت سے آب آب
اب بھی نہ تیغ و تیر اگر تن پہ کھاؤنگا

ساتھ آپکے سہونگا نہ گر قتل کی جفا
بیزار کیا نہ ہوگا دل شاہ قل کفا
مرنے کا حظ نہ جینے کا مطلق مزا رہا

پالا ہے مجھ کو یا شہ دلگیر آپ نے
بندھوائی ہے کمر سے یہ شمشیر آپ نے
وقتِ مدد ہے آج بھی امداد کیجیئے

گردن ہلا کے شہ نے کہا آہ کیا کروں
جینے نہ دے گا یہ غمِ جانکاہ کیا کروں
دم بھر کی زندگی مجھے دشوار ہوگئی

بانو کہاں ہیں زوجۂ عباسؑ کو بلائیں
کوچ اب جہاں سے ہے ہمیں آ کے دیکھ جائیں
عباس سے ہر اک کی سفارش کرونگا میں

بولے قدم پہ جھک کے یہ عباسِ نامدار
ہل من مبارز کا ادھر غل ہے بار بار
آقا یہ دیر کس لیئے خادم کے باب میں

کیا میں غلامِ خاص نہیں یا شہ انام
کس کام کا جو آج نہ کام آئے گا غلام
آخر پسر ہوں شیر الٰہی کے شیر کا

خوش ہوتی خاکسار سے روحِ ابوتراب
زہرا سے بھی حجاب ہے شبیرؑ سے بھی حجاب
مولا بتائیے کسے پھر منھ دکھاؤنگا

مجھ سے رسولِ پاک خوشی ہونگے یا خفا
پھر فاطمہؑ کہیں گی مجھے صاحبِ وفا؟
انساں کی آبرو نہ رہی جب تو کیا رہا

کی ہے ہمیشہ پیار سے تقریر آپ نے
بخشی ہے سب میں عزت و توقیر آپ نے
بندہ سمجھ کے اب مجھے آزاد کیجیئے

مشکل ہے سخت اے مرے اللہ کیا کروں
چھٹتا ہے اب برادرِ ذی جاہ کیا کروں
سب تو خفا تھے موت بھی بیزار ہو گئی

غازی نے رکھدیا قدم شاہِ دیں پہ سر
اے تن کی جان اے سببِ قوتِ جگر
بھائی نہ ہو تو بھائی کی مٹّی خراب ہے
روتا ہوا جھکا پئے تسلیم وہ جری
اک آہ سرد زوجۂ عباس نے بھری
سر سے ردا بھی دوش تلک آکے گر پڑی
نکلا وہ شیر خیمے سے باہر علم لیے
جرأت نے بڑھ کے بوسۂ تیغِ دودم لیے
خورشید کا جلال نگاہوں سے گر گیا
آیا سجا ہوا وہ براقِ سمند سیر
ہوتا تھا اُس کے ڈر سے غزالوں کا حال غیر
صرصر قدم کی گرد کو پاتی نہیں کبھی
وہ زیب زین کی وہ ساز وہ پھبن
چشمِ سیاہ دیدۂ آہو پہ طعنہ زن
جادو تھا معجزہ تھا پری تھا طلسم تھا
رکھا قدم رکاب میں حیدر کے لال نے
بخشی جو صدرِ زیں کو ضیا خوش جمال نے
کس ناز سے وہ رشکِ غزالِ ختن چلا
خوشبو سے ارضِ پاک ریاضِ جناں بنی
جلوے سے راہِ دشتِ بلا کہکشاں بنی
سُم بدر تھے تو نعل بھی چاروں ہلال تھے

بولے گلے لگا کے شہنشاہِ بحر و بر
یوں ہے خوشی تو خیر جہاں سے کرو سفر
اچھا تمھارا کوچ مرا پا تراب ہے
سب روئے مشک دوشِ مبارک پہ جب دھری
صدمے سے رنگ زرد تھا اور تن میں تھرتھری
بانو کے پاس خاک پہ غش کھا کے گر پڑی
مجرے کو آئی فتح سپاہِ حشم لیے
نصرت نے چومے ہاتھ ظفر نے قدم لیے
اقبال سر کے گرد ہما بن کے پھر گیا
تھا خود فلک پہ اُڑنے کو طیّار مثلِ طیر
الحق سپاہِ شر رُکے روکے تو یہ تخیر
ڈھونڈے بشر پری نظر آتی نہیں کبھی
زیور سے جیسے ہوتی ہے آراستہ دلہن
سرعت یہ تھی کہ بھولتے تھے چوکڑی ہرن
پاکھر نہ تھی زرہ میں تہمتن کا جسم تھا
نعلینِ پا کو فخر سے چوما ہلال نے
دُم کو چنور کیا فرسِ بے مثال نے
طاؤس تھا کہ سیر کو سوئے چمن چلا
گرد اُڑ کے غازۂ رُخِ لیلیٰ وشاں بنی
ذرّے بنے نجوم زمیں آسماں بنی
نقشِ سُمِ فرس سے ہزاروں ہلال تھے

وہ دبدبہ وہ سطوتِ شاہانہ وہ شباب
تھرا رہا تھا جس کی جلالت سے آفتاب
وہ رعبِ حق کہ شیر کا زہرہ ہو آب آب
صولت میں فرد دخترِ جرأت میں انتخاب
صورت میں سارے طور خدا کے ولی کے ہیں
شوکت پکارتی ہے کہ بیٹے علی کے ہیں

پہونچے جو دشتِ کیں میں اُڑاتے ہوئے فرس
گھوڑے کو ہاتھ اُٹھا کے یہ آواز دی کہ بس
دیکھیں صفیں جمی جو چپ و راست پیش و پس
نعرہ کیا کہ نہر پہ جانے کی ہے ہوس
روکے گا جو وہ موت کے پنجے میں آئیگا
ہٹ جاؤ سب کہ شیر ترائی میں جائے گا

بولے یہ بڑھ کے فوجِ مخالف سے پہلواں
دیکھا نہیں کبھی کہ ہٹے لشکرِ گراں
ہاں سب ہیں روم و شام کے جنگ آزما جواں
ہاں آئیے تو کھینچ کے تیغِ شرر فشاں
بودے نہیں ہیں کچھ جو نگہباں ہیں گھاٹ کے
سر پھینک دینگے نہر میں خنجر سے کاٹ کے

سُنتے ہی یہ جلال میں آیا علی کا لال
نعرہ کیا کہ تم ہمیں روکوگے کیا مجال
یہ مورچے ہیں کیا ہمیں جن کا ہو کچھ خیال
اک دم میں چونٹیوں کی طرح ہونگے پائمال
بھاگوگے پھینک پھینک کے تیغیں لڑائی سے
لو مرد ہو تو اب نہ سرکنا ترائی سے

روکے ہمیں نکل کے جو طاقت کسی میں ہو
لے تیغ میان سے جو شجاعت کسی میں ہو
گرمائے رخش کو جو حرارت کسی میں ہو
آئے جو حرب و ضرب کی قدرت کسی میں ہو
دو ہاتھ میں علی کے پسر دار پار ہیں
دریا نہیں کہ رک گیا ہم ذوالفقار ہیں

تم کیا پہاڑ بیچ میں گر ہو تو ٹال دیں
شیروں کو ہم ترائی سے باہر نکال دیں
مہلت نہ ایک کو دمِ جنگ و جدال دیں
پانی تو کیا ہے آگ میں گھوڑے کو ڈال دیں
منہ دیکھتے رہیں جو نگہباں ہیں گھاٹ کے
لیجائیں گھر پہ تیغ سے دریا کو کاٹ کے

سرکش ہیں سب ہماری زبردستیوں سے زیر
دادا شجاع باپ جوانمرد ہم دلیر
جب رن پڑا ہے کر دیئے ہیں زخمیوں کے ڈھیر
لائے ہیں جا کے آگ سے پانی خدا کے شیر
عفریت بھاگتے ہیں وہ چوٹیں ہماری ہیں
بیرالالم میں کود کے تلواریں ماری ہیں

جرأت جلو میں رہتی ہے نصرت رکاب میں
سر کاٹتے ہیں پھر کے تیغوں کی آب میں
لکھے ہوئے ہیں شیروں کے حملے کتاب میں
فصلیں ہیں اپنے زور کی خیبر کے باب میں
ناصر ہیں بارگاہِ فلک بارگاہ کے
دفتر اُلٹ دیئے ہیں عرب کی سپاہ کے

بے مشک کے بھرے ہمیں آتا ہے چین کب
گرمی میں پیاس سے کئی بچے ہیں تشنہ لب
اصغر کو گودیوں میں تڑپتے کٹی ہے شب
کیا وقت ہے حسین کے بچوں پہ ہے غضب
لالے پڑے ہوئے ہیں سکینہ کی جان کے
کانٹے مجھے دکھائے تھے سوکھی زبان کے

غیرت کی یہ جگہ ہے کہ ہم اور سوال آب
سقے بنے ہیں دیکھ کے بچوں کا اضطراب
اس مشک نے کیا ہمیں عقبیٰ میں کامیاب
اللہ ری آبرو کہ بہشتی ملا خطاب
شہ سے نشانِ فوجِ پیمبر بھی مل گیا
طوبیٰ کے ساتھ چشمۂ کوثر بھی مل گیا

یہ ذکر تھا کہ فوج کی جانب سے تیر آئے
نیزے اُٹھا کے شیر کے منھ پر شریر آئے
یہ بھی جھپٹ کے مثلِ شہِ قلعہ گیر آئے
گیتی ہلی غضب میں جنابِ امیر آئے
گھوڑا اُڑا پروں کو سواروں کے توڑ کے
لپکی صفوں پہ سیف بھی کاٹھی کو چھوڑ کے

آمد تھی تیغ کی کہ اجل کا پیام تھا
یہ صف اخیر تھی وہ رسالہ تمام تھا
بجلی سا ہر جگہ فرسِ تیز گام تھا
ششدر تھی موت چار طرف قتلِ عام تھا
اس غول پر کبھی تھی کبھی اُس قطار پر
پڑتا تھا ایک تیغ کا سایہ ہزار پر

وہ تیغ کی چمک وہ تڑپ راہوار کی
رفرف کی اک شبیہ تو اک ذوالفقار کی
شوکت سوار میں شہِ دلدل سوار کی
حملوں میں شان سب اسدِ کردگار کی
چتون وہی غضب وہی بے باکیاں وہی
پھرتی وہی جھپٹ وہی چالاکیاں وہی

توڑا وہ مورچہ یہ صف اُلٹی ادھر پھرے
تلوار خوں میں آپ پسینے میں تر پھرے
یوں خاک پر گرے کہ لعینوں کے سر پھرے
جیسے شکار کھیلے ہوئے شیر نر پھرے
تھی قہر کی نگاہ غضب کا جلال تھا
آنکھیں بھی سرخ سرخ تھیں چہرہ بھی لال تھا

منہ پھر گئے سپاہ کے جس سمت رُخ کیا
یاں سے وہاں گئے اسے مارا اُسے لیا
باقی رہے ہزار میں سو دس میں اک جیا
اللہ رے دم لہو پہ لہو تیغ نے پیا
اس پر بھی تشنگی میں نہ تسکین ذرہ ہوئی
گویا تھی اگ پیٹ میں اُس کے بھری ہوئی

بیشک تھا اِن کا ہاتھ امیرِ عرب کا ہاتھ
پہنچا وغا میں سو طرف اک تشنہ لب کا ہاتھ
آئی اجل اُٹھا جو کسی نے ادب کا ہاتھ
شبیرِ خدا کے شیر نے مارا غضب کا ہاتھ
بازو پہ آئی تیغِ دودم شانہ کاٹ کے
پہنچے کو بھی قلم کیا دستانہ کاٹ کے

چلتا تھا مثلِ برق یمین و یسار ہاتھ
ڈر ڈر کے جوڑتے تھے ضلالت شعار ہاتھ
ان کی نہ ایک چوٹ نہ اُن کے ہزار ہاتھ
کافی تھے سب کو تیغ دو دستی کے چار ہاتھ
آوازِ شش جہت میں بگیر و بزن کی تھی
اللہ کا کرم تھا مدد پنجتن کی تھی

نعرہ جدا صدائے بگیر و بدہ جدا
گوشے کماں سے دور تھے گوشوں سے زہ جدا
بکتر جدا زمین پہ ٹکڑے زرہ جدا
نیزوں کو دیکھیے تو گرہ سے گرہ جدا
اللہ رے فرق گردن و سر بھی بہم نہ تھے
کشتوں کا ذکر کیا ہے کہ تیغوں میں دم نہ تھے

جس کی طرف نظر دمِ جنگ و جدل پھری
کچھ ہٹ کے تیغ سے اُسی جانب اجل پھری
رہوار یوں پھرا کہ اشارے میں کل پھری
تلوار بھی گلوں کی طرف برمحل پھری
ایسے جری سے کس کو مجالِ مصاف تھی
یوں پھر کے صف کی صف کو جو دیکھا تو صاف تھی

چل پھر کے کاٹتی تھی وہ تلوار ہاتھ پاؤں
ڈر سے بڑھا نہ سکتے تھے خونخوار ہاتھ پاؤں
سر بچ گیا تو ہو گئے بیکار ہاتھ پاؤں
چمکی گری تو اٹھ ہوئے چار ہاتھ پاؤں
چلائی روح تیغ پھر آئی نکل چلو
بولی اجل اب اٹھ کے تو پنجوں کے بل چلو

نیزے اُدھر قلم تو اِدھر برچھیاں قلم
ترکش دو نیم ٹکڑے کمانیں نشاں قلم
ہر ہاتھ میں قلم کی طرح استخواں قلم
منہ تیغ کا خراب سناں کی زباں قلم
جب سن سے سر پہ آئی کسی بدخصال کے
گویا سموم چل گئی پھولوں پہ ڈھال کے

کی جس نے سرکشی وہیں فتنہ فرو ہوا
ظالم ہزار میں تھا جو یکتا وہ ڈو ہوا
افشاں لہو سے شبیر کا دستِ نکو ہوا
ٹھنڈا وہی تھا جنگ پہ سرگرم جو ہوا
تھا خاتمہ سپاہِ جہنم مقام کا
شعلے بجھائے دیتا تھا پانی حسام کا

وہ تیغ کھول دیتی تھی لوہے کا بھی حصا
تھا اُس کے ہاتھ سے دلِ چار آئینہ فگار
عاری تھیں منہ پہ تیغوں کے ایسے پڑے تھے وار
خود اپنے سر پٹکتے تھے گر گر کے بار بار
پانی وہ زہر تھا کہ پیا اور فنا ہوا
ہو آج تنگ زرہ کا کلیجہ چھنا ہوا

مغفر نہ سر کے پاس نہ خنجر کمر کے پاس
بیٹے کے پاس باپ نہ بیٹا پدر کے پاس
قبضے کے پاس تیغ نہ دستہ تبر کے پاس
کڑیاں زرہ کے پاس نہ دامن سپر کے پاس
نیزے نہ تھے سناں پہ نہ پرچم نشان پر
پیکاں نہ تیر پر تھا نہ چلہ کمان پر

نہ وہ علم سیاہ نہ وہ روسیاہ تھے
تیغ و سپر بھی پاس نہ تھی نے پناہ تھے
نے سر تھے وہ جو فوج میں صاحب کلاہ تھے
سب چھاؤنی اُجاڑ محلّے تباہ تھے
دکھلا دیا تھا خالقِ اکبر کے قہر کو
گویا غنیم لوٹتا پھرتا تھا شہر کو

بولی سپر سے تیغ کہ تجھ میں پناہ ہی
اُس نے کہا کہ بھاگ زمانہ سیاہ ہی
ہر جا یہ تیغِ شعلہ فشاں سدِّ راہ ہی
اس معرکے میں کوہ بھی گر ہو تو کاہ ہی
جنّات ڈر کے ہاتھوں سے منہ ڈھانپتے ہیں آج
میں کیا ہوں جبرئیل کے پر کانپتے ہیں آج

ڈر ڈر کے پچھلے پاؤں سپاہِ لعیں ہٹی
یہ صف سوئے یسار وہ سوئے یمیں ہٹی
سہمے جبال نہر کہیں سے کہیں ہٹی
دہشت سے آسماں ہوا اونچا زمیں ہٹی
بھاگڑ پڑی کہ ایک سے ایک آگے بڑھ گیا
دریا لہو کا کشتیِ گردوں پہ چڑھ گیا

اللہ ری جنگِ شیرِ سلیمانِ کربلا
چونٹی بھی مورچوں میں نہ تھی آدمی تو کیا
پہونچے ترائی میں تو یہ اعدا کو دی صدا
کیوں اب یہ نہر کس کی ہی اے قوم اشقیا
اک دم میں ہم شکست ہزاروں کو دیتے ہیں
دیکھو اسد ترائی کو یوں چھین لیتے ہیں

رستے کھلے ہوئے ہیں کہاں ہے وہ بند و بست
کس نے یہ روم و شام کی فوجوں کو دی شکست
کیا ہو گئے ترائی سے وہ سب ہوا پرست
کیوں سر بلند کون ہے اس وقت کون پست
فوجوں میں یوں کسی نے بھی گھوڑے اڑائے ہیں
دیکھو تو ہم کہاں سے کہاں لڑکے آئے ہیں

دنیا جو اک طرف ہو تو ہم پر ظفر نہ پائے
فاقوں میں شیر بھی ہو مقابل تو منہ کی کھائے
کس کو بدنے سے جوہر تیغ علی دکھائے
اب کچھ الم نہیں اجل آئے کہ جان جائے
بس ہم نے گھاٹ چھین لیا مشک بھر چکے
شیروں نے جو زباں سے کہا تھا وہ کر چکے

لب تشنہ تین دن سے ہیں اور ہے فرات پاس
چاہیں ابھی تو ہاتھ بڑھا کر بجھائیں پیاس
پر زہر ہے بغیر شہ آسماں اساس
مرتے ہیں آبرو پہ جوانان حق شناس
آقا کی تشنگی پہ جگر چاک چاک ہے
نے اُن کے آب خضر بھی ہووے تو خاک ہے

فرما کے یہ سمند کو ڈالا فرات میں
گویا خضر اتر گئے آب حیات میں
دریا دل ایسا کون ہوا کائنات میں
تسمہ پکڑ کے مشک بھری ایک بات میں
سیراب جب تلک شہ بحر و بر نہ ہوں
منظور تھا کہ ہاتھ بھی پانی سے تر نہ ہوں

گرمی سے تشنگی میں کلیجہ تھا آب آب
تڑپا رہا تھا قلب کو موجوں کا پیچ و تاب
آجاتے تھے قریب جو ساغر بکف حباب
کہتا تھا منہ کو پھیر کے وہ آسماں جناب
عباس! آبرو میں ابھی فرق آئے گا
پانی پیا تو نام وفا ڈوب جائے گا

دریا سے مشک بھر کے جو نکلا وہ نیک نام
امڈی سیہ گھٹا کی طرح سب سپاہ شام
یوں ڈوب کر نکلتا تھا وہ آسماں مقام
ظاہر ہو جیسے ابر میں چھپ کر مہ تمام
موجیں تھیں رود نیل کی فوجوں کا دل نہ تھا
پر واہ رے حواس کہ ابرو پہ بل نہ تھا

چلتی تھی بڑھ کے چار طرف تیغ برق دم
کاندھے پہ مشک آب تھی پنجے میں تھا علم
دامن سے لگ کے ہاتھ الجھتا تھا دم بدم
کرتا تھا جا بجا تگ و دو اسپ خوش قدم
اُڑ اُڑ کے برچھیوں جو اُترتا تھا کھیت میں
گھوڑے کے چاروں پاؤں دھنستے تھے ریت میں

جب مشک کی طرف کوئی آتا تھا سن سے تیر
کہتے تھے یا حفیظ کبھی گاہ یا قدیر
چلّا رہا تھا شمر جفا پیشہ، و شریر
جانے نہ پائے لختِ دلِ شاہِ قلعہ گیر
رُخ اس جری کا خیمے کی جانب سے موڑ دو
ہاں برچھیوں سے شیر کے سینے کو توڑ دو

سُن کر زباں درازیِ شمر ستم شعار
عباس مثلِ شیر جھپٹتے تھے بار بار
تلواریں سیکڑوں تھیں ہزاروں تھے نیزہ دار
توڑی جو صف اگر تو جمی دوسری قطار
تنہا سنبھالے مشک و علم یا وغا کرے
بلوہ ہو ساری فوج کا جس پر وہ کیا کرے

مشہور ہے کہ ایک پہ بھاری ہیں دو بشر
در پَے تھے اک جواں کے لیئے لاکھ اہلِ شر
کھائے اُدھر سے زخم جو کی اس طرف نظر
کس کس کا وار رد کریں دیکھیں کدھر کدھر
جب دم لیا تو سینے پہ سَو تیر چل گئے
پہلو کو توڑ توڑ کے نیزے نکل گئے

سینہ سپر تھا مشک پہ روکے ہوئے تھے ڈھال
لڑنے میں بھی حسین کے بچّوں کا تھا خیال
کہتا تھا ڈگمگا کے فرس پر وہ خوشخصال
فرزند کو سنبھالیئے یا شبیرِ ذوالجلال
جا پہونچوں مشک لیکے جو تھوڑی بھی راہ ہو
ایسا نہ ہو کہ پیاسوں کی کشتی تباہ ہو

یہ کہتے تھے کہ ٹوٹ پڑا لشکرِ کثیر
بس چور ہو گیا پسرِ شاہِ قلعہ گیر
آکر لگا میانِ دو ابرو جو ایک تیر
تیورا گیا علیؑ ولی کا مہِ منیر
چھوٹی جو باگ پاؤں فرس کے بھی رک گئے
پھیلا کے ہاتھ مشکِ سکینہ پہ جھک گئے

اب یاں تو خاتمہ ہے سُنو اُس طرف کا حال
ڈیوڑھی پہ ننگے سر ہے رسولِ خدا کا لال
غم سے کمر جھکی ہوئی رُخ زرد جی نڈھال
یہ کرب ہے کہ ہوتا ہے جو وقتِ انتقال
گر گر اُٹھے تڑپ کے اِدھر سے اُدھر گئے
جب آہ کی تو سب نے یہ جانا کہ مر گئے

فریاد کرکے دل کبھی تھاما جگر کبھی
پکڑی طنابِ خیمے کی گہ اور کمر کبھی
گھبرا کے پیارے بھائی کی پوچھی خبر کبھی
روئے پسر کے دوش پہ رکھ رکھ کے سر کبھی
کی آہ سامنے کبھی زہرا کی جائی کے
رو کر کبھی لپٹ گئے بیٹے سے بھائی کے

فرماتے تھے کراہ کے اکبر سے بار بار
کیسا یہ درد ہی کہ جگر کو نہیں قرار
واحسرتا کہ بیکس و بے یار ہو گئے
چلّاتے تھے کہ جانِ برادر بس اب پھر آؤ
بھیّا خدا کے واسطے اب برچھیاں نہ کھاؤ
پیاری تمھاری ننھے سے ہاتھوں کو ملتی ہی
حضرت تو پیٹتے ہیں یہ کہہ کر بصد ملال
ڈیوڑھی میں اہل بیت ہیں سب کھولے سر کے بال
لب اون کے اودے اودے ہیں منھ گورے گورے ہیں
کہتے ہیں سب لبوں پہ زباں کو پھیر کر
حضرت سے پوچھتی ہی سکینہ بچشمِ تر
کیا میں سفر کرونگی جہاں سے تب آئینگے
گھیرے ہیں اُن کو لاکھ ستمگار ہائے ہائے
وہ کہتی ہی میں پانی سے گزری نہ مشک آئے
رکھے خدا جہاں میں علی کی نشانی کو
یہ ذکر تھا کہ فتح کے باجے بجے اُدھر
چلائے بڑھ کے فوج سے دو چار اہلِ شر
کیا کیا چلی ہیں تیغوں پہ تیغیں لڑائی میں
افشاں ہی سر کے خون کی چھینٹوں سے سب نشاں
نام آوروں نے آج مٹایا عجب نشاں
لاش اُن کی پائمال ہوئی زخم پھٹ گئے

شانے دبا ؤ ای علی اکبر پدر نثار
بازو کا زور لیگئے عباسِ نامدار
سر کس سے پیٹیں ہاتھ تو بیکار ہو گئے
پہنچا ہی دم لبوں پہ ہمیں آ کے دیکھ جاؤ
عباس ہم اخیر ہیں تشریف جلد لاؤ
لو تم کو ڈھونڈھنے کو سکینہ نکلتی ہی
خیمے میں غش ہی زوجۂ عباسِ خوش خصال
پردے سے منھ نکالے ہیں اطفالِ خرد سال
آنکھوں میں اشک ہاتھوں میں خالی کٹورے ہی
اب پانی لیکے آتے ہیں عباسِ نامور
میرے چچا کب آئیں گے یا شاہِ بحر و بر
بہلاتے ہیں حسین کہ بی بی اب آئینگے
مانگو دعا کہ بھائی کو میرے خدا بچائے
ہی ہی بس اب چچا کو مرے کوئی پھیر لائے
میں کیا کرونگی آگ لگے ایسے پانی کو
تڑپے زمیں پہ گر کے شہنشاہِ بحر و بر
حضرت کہاں ہیں مر گئے عباسِ نامور
وہ زخم کھائے شیر پڑا ہی ترائی میں
عباس کانپ جاتے تھے جھکتا تھا جب نشاں
کیوں ای حسین کون اُٹھائے گا اب نشاں
جن میں علی کا زور تھا وہ ہاتھ کٹ گئے

آئی صدا یہ نہر کی جانب سے ایک بار
تن سے نکل کے آنکھوں میں ان کی ہے جانِ زار
بابا کے ساتھ جلد سے تشریف لائی ہیں
شہ دوڑ کر پکارے کہ آتا ہوں بھائی جان
طاقت بدن میں اب نہیں پاتا ہوں بھائی جان
دستِ شکستہ بیٹے کی گردن میں ڈالے ہیں
دیکھا جو در سے بنتِ علی نے یہ شہ کا حال
چلائی کون قتل ہوا ہے علی کے لال
دریا پہ فوجِ شام نے مارا دلیر کو
خورشیدِ مشرقین زمانے سے اُٹھ گیا
وہ عاشقِ حسینؑ زمانے سے اُٹھ گیا
آتا نہیں قرار دلِ بے قرار کو
اکبر کو ہاتھ اُٹھا کے پکاری وہ سوگوار
ماتم جوان بھائی کا ہے تم پہ میں نثار
گرنے لگیں تو حیدرِ صفدر کا نام لو
اکبر پدر کو نہر پہ تھامے ہوئے جو لائے
چلائے شاہ لاش کدھر ہے کوئی بتائے
رو لیں گلے لگا کے تنِ پاش پاش کو
اکبر نے شہ کے ہاتھ کو پکڑا بصد بکا
لیجے یہی ہے لاشِ علمدار باوفا
ٹوٹی ہوئی کمر ہے سنبھالو حسین کو

آقا تمام ہوتا ہے یہ عبدِ جاں نثار
اب ہے فقط حضور کے آنے کا انتظار
حضرت کی والدہ مرے لینے کو آئی ہیں
گھر لُٹ گیا ہے خاک اُڑاتا ہوں بھائی جان
اِک اِک قدم پہ ٹھوکریں کھاتا ہوں بھائی جان
بھیا ہمیں تو اکبرِ مہ رو سنبھالے ہیں
ڈیوڑھی سے نکلی چند قدم کھولے سر کے بال
مڑ کر کہا حسینؑ نے عباسِ خوش خصال
زینبؑ اجل نے چھین لیا میرے شیر کو
حیدر کا نورِ عین زمانے سے اُٹھ گیا
زینبؑ ہمارا چین زمانے سے اُٹھ گیا
دریا پہ رونے جاتے ہیں خدمتگزار کو
ہے ہے حسین ہو گئے بے یار و غمگسار
اکبر خدا کے واسطے بابا سے ہوشیار
بیٹا پدر کے ہاتھوں کو مضبوط تھام لو
غلطاں لہو میں بازوئے سرور کے ہاتھ پائے
فرق آگیا ہماری بصارت میں ہائے ہائے
اکبر ہمیں دکھا دو برادر کی لاش کو
رکھے چچا کے سینے پہ اور رو کے یہ کہا
چلائے جھک کے لاش پہ سلطانِ کربلا
بھیا ذرا گلے سے لگا لو حسین کو

عباسؑ ہاتھ کٹ گئے شانوں سے ہی غضب
لوٹا ہمیں رسولؐ کی امت نے بے سبب
مرجائینگے جلا دو ہمیں منھ سے بول کر
کیوں خاک پر دھرے ہو یہ رخسار خوں میں تر
لیتے ہو کیوں کراہ کے کروٹ اِدھر اُدھر
ہی ہی دلیلِ مرگ ہی لکنت زبان کی

غش میں سُنی جو گریۂ شبیرؑ کی صدا
آہستہ کی یہ عرض کہ اے سبطِ مصطفٰا
زیبا ہی نکلے جان اگر پیشوائی کو
یہ کہ کے روئے شہ کی طرف کی نظر بغور
تڑپا قدم پہ شہ کے وہ مقتولِ ظلم و جور
پتھرائے چشمِ اشک فشاں بند ہوگئی

قدموں کو کھینچکر جو کراہا وہ نیک نام
آقا سے جاں کنی میں نہ کچھ کرسکے کلام
گردن پھری ہوئی سوئے سبطِ نبیؐ رہی
ہاں روؤ مومنو یہ بکا کا مقام ہی
اب رخصتِ حسین علیہ السلام ہی
موت آئی تو شریکِ عزا کون ہوئے گا

آگے تمھارے مرتے جو عباسؑ باوفا
تم سب کو دیکھتے ہیں شہنشاہِ کربلا
سمجھو شریکِ بزمِ شہِ مشرقین کو

بہتی ہی دو طرف یہ تمھارا لہو ہی سب
بھیّا ہماری جان نکلتی ہی تن سے اب
دو باتیں کرلو بھائی سے آنکھوں کو کھول کر
آؤ ہم اپنے زانو پہ رکھیں تمھارا سر
ثابت ہوا کہ جلد ہی دنیا سے اب سفر
ہچکی نہیں یہ جسم سے رخصت ہی جان کی

چونکے تڑپ کے حضرتِ عباسِ باوفا
اس پیار کے نثار اس الطاف کے فدا
گویا رسولؐ آئے ہیں مشکلکشائی کو
جھک کر پکارے شاہ کہ بھیّا کہو کچھ اور
لیں ہچکیاں بگڑنے لگے تیوروں کے طور
تھرائے دونوں ہونٹ زباں بند ہوگئی

گودی میں لیکے پاؤں دبانے لگے امام
تھرّائی لاش مرگئے عباسِ تشنہ کام
سوکھی زبان دانتوں کے نیچے دبی رہی
تم میں شریکِ روحِ رسولؐ انام ہی
تاریخ آٹھویں ہی محرم تمام ہی
جو سال بھر جیئے گا وہ پھر شہ کو روئے گا

پُرسا نہ دیتے سبطِ رسولؐ خدا کو کیا
زہرا بھی ننگے سر ہیں قیامت کرو بپا
دے لو جوان بھائی کا پرسا حسین کو

پیٹو سروں کو ہوتا ہی اب مرثیہ تمام
رخصت طلب ہی باپ سے اکبرؑ سا لالہ فام
لپٹو ضریحِ پاک سے کہہ کہہ کے یا امام
خاموش ہیں حسینؑ نہیں کرتے کچھ کلام
مقتولِ ظلم و جور ہی اب جانِ فاطمہؓ
ہوتا ہی پنجتن کا کوئی دم میں خاتمہ

بس اے انیسؔ روک لے اب خامے کی عناں
آنکھوں سے سامعین کی بھی ہیں اشکِ خوں رواں
یہ غم ہی جاں گزا نہ کبھی ہوئیگا بیاں
خالق سے عرض کر کہ اے خلاقِ انس و جاں
آنکھوں سے مس کروں میں مزارِ بتول کو
دکھلا دے جلد مرقدِ سبطِ رسولؐ کو

سلام

خیال چہرۂ شہ وقتِ خواب رہتا ہی
تمام شب مرے گھر آفتاب رہتا ہی

سلامی ریش ہیں جب تک خضاب رہتا ہی
اگر رہا تو بس اتنا شباب رہتا ہی

خدا کا قہر نبیؐ کا عتاب رہتا ہی
عدوِ علی کا ہمیشہ خراب رہتا ہی

ہمارے شیشۂ دل کو نہ توڑ اے گردوں
یہ ظرف وہ ہی کہ جس میں گلاب رہتا ہی

جو دل جلے ہیں انھیں کا سخن ہی گرما گرم
مزا ہی سیخ پہ جب تک کباب رہتا ہی

زباں سوالِ نکیرین سے نہ بند ہوئی
خموش بھی کہیں حاضر جواب رہتا ہی

کھلی ہیں مالکِ دفتر کے سامنے فردیں
سیاقداں سے حساب و کتاب رہتا ہی

لگا کے آتشِ قلب و جگر کو اشک نکل
دو آتشہ ہو تو برسوں گلاب رہتا ہی

بھری ہی کونسی یا رب دلِ لعیں میں آگ
کہ جس کی آگ سے دوزخ کباب رہتا ہی

مرثیہ (۱۰)

جب لاشۂ قاسم کو علمدار نے دیکھا
منہ بھائی کا رو کر شہِ ابرار نے دیکھا
تیغوں سے عجب سروِ رواں کٹ گیا آقا

بیچین کیا دل کو غمِ راحتِ جاں نے
دنیا سے کیا کوچ عجب سروِ رواں نے
ہم خلق سے پہلے یہ سفر کر گئے افسوس

پامال ہوا گھوڑوں سے تن وائے مصیبت
بیوہ ہوئی اک شب کی دلہن وائے مصیبت
تازہ تمھیں پھر بھائی کا غم ہو گیا آقا

کیا کیا یورشِ فوجِ ستم دیکھ رہے ہیں
دل کو نہ شمشیرِ دو دم دیکھ رہے ہیں
دنیا غمِ نوشاہ میں اندھیر ہوئی ہے

یاد آتی ہے بھائی کی وصیت مجھے ہر بار
فرمایا تھا خادم سے برادر نے بہ تکرار
جو اس پہ بلا آئے وہ رد کیجیو بھائی

تلوار چلی دل پہ بھتیجے کے الم سے
کچھ بس نہ چلا حکمِ شہنشاہِ امم سے
قاسم کے عوض تیغ و سناں کھا نہ سکے ہم

قبضے کی طرف غیظ سے جرار نے دیکھا
کی عرض بڑا داغ نمک خوار نے دیکھا
واللہ کہ دل زیست سے اب ہٹ گیا آقا

کیا پیاس کی تکلیف سہی غنچہ دہاں نے
لوٹا یہ چمن فصلِ بہاری میں خزاں نے
جینے کے جو قابل تھے وہ یوں مر گئے افسوس

لوٹا گیا شادی کا چمن وائے مصیبت
نے شمع ہوئی قبرِ حسنؑ وائے مصیبت
دو گھر ہوئے برباد ستم ہو گیا آقا

کن تازہ نہالوں کو قلم دیکھ رہے ہیں
یہ ظلم ہے اور آنکھوں سے ہم دیکھ رہے ہیں
کیا جانے مرے مرنے میں کیوں دیر ہوئی ہے

قدموں سے دمِ مرگ جو لپٹا تھا یہ غمخوار
عباس دلاور مرے قاسم سے خبردار
ہر دکھ میں بھتیجے کی مدد کیجیو بھائی

ٹپکا کیا چہرے پہ لہو دیدۂ نم سے
دیکھا کیے کیا خوب حفاظت ہوئی ہم سے
پامال بھتیجا ہوا اور جا نہ سکے ہم

واللہ کہ قاسم کی بھی تقدیر تھی کیا خوب
سرسبز ہوا سیدِ مسموم کا محبوب
منہ زینبِ ناشاد کو دکھلا نہیں سکتے
سمجھے شہِ والا یہ کنایہ یہ اشارا
ہم نے بھی تو صدمے سہے اور دم نہیں مارا
یوں خلق میں تاراج نہ ہو باغ کسی کا
سچ ہے کہ بڑا صبر کیا تم نے مری جاں
سر تن سے جو اترے تو ہو مشکل مری آساں
بھائی کی خوشی خلق میں سب کہتے ہیں بھائی
بیتاب ہے دل پیار کریں ہم تمہیں آؤ
خوش ہو کے رضا دو ہمیں آنسو نہ بہاؤ
داغِ غمِ فرزندِ جواں سہ نہ سکیں گے
تھرا گئے عباسِ علی سن کے یہ تقریر
آقا کے تصدق سے ملی ہے مجھے توقیر
بخشش تو کریموں ہی کا دستور ہے آقا
سر دینے کو موجود ہوں اس کل کے مددگا
حضرت نے کہا واہ مرے مونس و غمخوار
آنکھیں نہ چراؤ کہ جگر بندِ علی ہو
عباس نے کی عرض کہ شرمندہ نہ کیجے
مارے گئے خویش و رفقا بھائی بھتیجے
مشہور ہے جرار غلام آپ کا سب میں

سامان وہی ہو گیا جو تھا انھیں مطلوب
اک ہم ہیں کہ بہنوں سے خجل بھائی سے محجوب
بھاوج کے بھی پرسے کے لیے جا نہیں سکتے
رو کے کہا کیا خواہشِ تقدیر سے چارا
گودی کے پلے مر گئے گھر لٹ گیا سارا
اب ہم کو دکھائے نہ خدا داغ کسی کا
بھائی ہیں ترے ضبط کے اور صبر کے قرباں
اب آخری وقت اور یہ ہم پر کرو احساں
ہم تم سے رضا رن کی طلب کرتے ہیں بھائی
سوکھے ہوئے ہونٹوں کو نہ غصے سے چباؤ
فرزند کے صدمے سے برادر کو بچاؤ
اکبر بھی پھر اس امر میں کچھ کہہ نہ سکیں گے
کی عرض کلیجے پہ مرے چل گئی شمشیر
کیا آپ یہ فرماتے ہیں یا حضرتِ شبیرؑ
ہیں آپ کو کچھ دوں مرا مقدور ہے آقا
جاں دینے میں صرفہ ہے نہ حجت ہے نہ تکرار
تم دیتے ہو کچھ ہم ہیں کسی شے کے طلبگار
دو رن کی اجازت تو میں جانوں کہ سخی ہو
امداد کا ہے وقت خبر بھائی کی لیجے
ہیں پاؤں پہ گرتا ہوں اجازت مجھے دیجے
عزت نہیں رہنے کی شجاعانِ عرب میں

گر آج نہ صدقے ہوا یہ عبدِ وفادار
پھر پیار سے دیکھیں گے مجھے حیدرِ کرار
ان قدموں کو چھوڑا ہے کبھی یاد تو کیجے
شہ نے کہا چل جائے گا جب حلق پہ خنجر
کفنائیو زہرا کی ردا میں تنِ بے سر
سمجھائیو ناموسِ شہنشاہِ زمن کو
عباس نے کی عرض بجا ہوتا ہے ارشاد
حضرت کی تو گردن پہ چلے خنجرِ فولاد
غارت کی خوشی لشکرِ بے پیر میں دیکھیں
یہ کہتے ہی عباس پہ رقت ہوئی طاری
گھبرا کے کہا شاہ نے کیوں کرتے ہو زاری
آزردہ نہ ہو منہ سے بس اب کچھ نہ کہیں گے
یہ کہہ کے سوئے خیمہ چلے روتے ہوئے شاہ
فضہ نے کہا زینبِ دلگیر سے ناگاہ
ہے ریش بھی تر اشکوں سے رخسار بھی نم ہے
زینب نے کہا خیر کرے خالقِ اکبر
فضہ نے کہا پیچھے ہیں عباسِ دلاور
روتا نہیں بے وجہ جگر بند نبی کا
یہ سن کے اڑا رنگِ رخِ آلِ پیمبر
یوں کہنے لگی زوجۂ عباسِ دلاور
بولیں کہ یونہیں حال مرا غیر ہے بی بی

فرمائیں گے کیا حق میں مرے احمدِ مختار
مخدومہ کو نہیں خوشی ہو نگی کہ بیزار
بعد آپ کے ہم کیا کریں ارشاد تو کیجے
مقتل سے اٹھانا مرے لاشے کو برادر
رکھیو تمہیں ہاتھوں سے ہمیں قبر کے اندر
پرسا مرا دینا مری ناشاد دلہن کو
قابل اسی خدمت کے ہے یہ بندۂ ناشاد
ہم بیٹھ کے خیمے میں سنیں رانڈوں کی فریاد
عابد کا گلا طوقِ گلوگیر میں دیکھیں
اشک آنکھوں سے برسے صفتِ ابرِ بہاری
اچھا ہی ہووے گا جو مرضی ہے تمہاری
تم جس میں خوشی خیر ہمیں داغ سہیں گے
عباس بھی تھے قبلۂ کونین کے ہمراہ
میدان سے آتے ہیں اُدھر سیدِ ذیجاہ
رومال ہے آنکھوں پہ کمر ضعف سے خم ہے
ہے اور کوئی ساتھ کہ تنہا ہیں برادر
فرمایا میں سمجھی سببِ گریۂ سرور
سامان یہ ہے رخصتِ عباسؑ علی کا
بانو علی اکبرؑ کے لیئے ہو گئی مضطر
کیوں خیر تو ہے کیا ہوا اے شاہ کی خواہر
کھل جائے گا جو ہوئے گا ہاں خیر ہے بی بی

یہ کہہ کے چلی جانبِ درِ شاہ کی ہمشیر
دیکھی جو نہ تھی دیر سے وہ چاند سی تصویر
اک ہاتھ سے لیں سبطِ پیمبرؐ کی بلائیں
خوش ہو کے دعا کرتی تھی وہ شاہ کی شیدا
فرمانے لگے رو کے شہِ یثرب و بطحا
بہن روتے ہیں جب ان کو انہیں سمجھاتے ہیں بھینا
بچوں کا نہ صدمہ ہے نہ رونے کا ہے غم
سمجھاؤ انہیں کچھ انہیں ای ثانیِ مریم
یہ غیظ ہیں رکتے نہیں روکے سے کسی کے
یہ سنتے ہی گھبرا گئی وہ شاہ کی شیدا
ہے درپئے آزار و جفا لشکرِ اعدا
حجت انہیں کچھ جانے نہ جانے میں نہیں ہے
دے سب کو خدا خلق میں اس طرح کا بھائی
غصہ ہے انہیں یہ کہ اجازت نہیں پائی
تھوڑے ہیں الم اور یہ غم کھانے نہ دونگی
ساتھ ان کے اگر آج نہیں مادرِ غمخوار
ہر وقت یہ ہیں آپ کی راحت کے طلبگار
جو ہوتا ہے ارشاد بجا لاتے ہیں عباسؑ
حضرت نے اشارہ کیا تم بھائی کو سمجھاؤ
لیجا کے الگ بولیں کہ بھائی کو نہ رلواؤ
تم پاس نہ ہوگے تو کدھر جائینگے شبیر

داخل ہوئے ڈیوڑھی میں ادھر حضرتِ شبیر
کس شوق سے آئی وہ قریبِ شہِ دلگیر
اک ہاتھ سے عباسِ دلاور کی بلائیں
جوڑی یہ سلامت رہے ای خالقِ یکتا
بس آج تلک ساتھ تھا اب ہوتے ہیں تنہا
بھائی تو ہمیں چھوڑ کے چلے جاتے ہیں بھینا
مل جائے رضا ان کی تقاضا ہے یہ ہر دم
مر جائے گا عباس تو جینے کے نہیں ہم
کہتے ہیں چلا جاؤنگا روضے پہ علیؑ کے
بولی کہ نہ بھائی یہ کبھی ان سے نہ ہوگا
اس وقت میں عباس تمہیں چھوڑیں گے تنہا
ایسا تو وفادار زمانے میں نہیں ہے
جرار و وفادار مددگار فدائی
کیا سہل ہے آغوش کے پالے کی جدائی
رخصت بھی جو دیں آپ تو میں جانے نہ دونگی
پالا ہے انہیں گود میں کیا میں نہیں مختار
میں ان سے نہ بگڑوں جو کریں جانے میں تکرار
کیوں آپ ہیں بیتاب کہاں جاتے ہیں عباسؑ
زینب نے کہا آؤ میں قربان گئی آؤ
تم کو سرِ زینبؑ کی قسم ہے جو کہیں جاؤ
ہتھیار تو کھولو نہیں مر جائینگے شبیر

عبّاس نے رو کر کہا اے ثانیِ زہرا
سر دینے کو میداں میں چلے تھے شہِ والا
مر جانے سے میرے کوئی برباد نہ ہوگا
خادم نے اگر آپ کے ارشاد کو مانا
نہ دین میں توقیر نہ دنیا میں ٹھکانا
جرّاروں کے سر جسم پہ محسن کے لیئے ہیں
آگے مرے گر قتل ہوئے حضرتِ شبّیر
حضرت کا تو کیا ذکر ہے اے خواہرِ دلگیر
اس گھر کی غلامی مجھے منظورِ نظر ہے
روکو نہ مجھے سیدِ ابرار کا صدقہ
کچھ سعی کرو حیدرِ کرّار کا صدقہ
میداں میں بڑی بے ادبی کرتے ہیں اعدا
کچھ سوچ کے زینب نے کہا ہائے مقدر
یاں انکا یہ اصرار ہے واں روتے ہیں سرور
سمجھانے کو بھیجا ہے مجھے شاہِ زمن نے
یہ کہہ کے گئی شہ کے قریں زینبؓ بے پر
حضرت نے اشارہ کیا کیوں کیا ہوا خواہر
منظور ہے صدقے ہوں شہنشاہِ امم پر
روتے ہیں کہ قدموں میں ابھی آتا ہوں محجوب
خیر اب وہی کیجے کہ جو کچھ ان کو ہے مطلوب
تنہائی کا کچھ غم نہیں راضی برضا ہیں

مر جانے میں عزت ہے نہ جاؤں تو کروں کیا
رکتے نہ جو ہیں پانوں پہ آقا کے نہ گرتا
شبّیر نہ ہونگے تو گھر آباد نہ ہوگا
فرمایئے پھر کیا کہے گا مجھ کو زمانا
جانا مرا بہتر ہے کہ شبّیر کا جانا
اچھّا جنھیں پالا ہے وہ کس دن کے لیئے ہیں
صورت مری پھر آپ کبھی دیکھیں گی ہمشیر
مر جاؤں میں اکبر پہ جو تولے کوئی شمشیر
وہ بھی مرا آقا ہے کہ آقا کا پسر ہے
سر دینے دو کونین کے سردار کا صدقہ
دلوا دو رضا احمدِ مختار کا صدقہ
اکبرؑ سے مبارز طلبی کرتے ہیں اعدا
دلوادوں رضا بھائی سے میں بھائی کو کیونکر
جینے کے نہیں جبر سے راضی بھی ہوئے گر
فرمائیں گے کھویا مرے بھائی کو بہن نے
عباس بھی ہمراہ تھے نہوڑائے ہوئے سر
کی عرض نہیں مانتے عباسِ دلاور
سمجھاتی ہوں جب میں تو یہ گرتے ہیں قدم پر
معلوم ہوا یہ نہ رکیں گے کسی اسلوب
حضرت نے کہا رو کے بہت خوب بہت خوب
بندے کے تو سب امر محوّل بخدا ہیں

فرما کے یہ ارشاد کیا آؤ برادر
شبیرؑ کی چھاتی سے لپٹ جاؤ برادر
زخم دتبر و تیر و سناں کھاؤ برادر
لو داغ جوانی ہمیں دکھلاؤ برادر
مشتاق ہو جس کے تمھیں وہ باغ مبارک
شبیرؑ کے سینے کے لیئے داغ مبارک

عباس گرے پاؤں پہ گردن کو جھکا کر
رونے لگے شہ بھائی کو چھاتی سے لگا کر
بانو نے کہا غش سے سکینہ کو جگا کر
صدقے گئی دیکھو آؤ چچا جان کو جا کر
اس طرح جو شاہ شہدا روتے ہیں بی بی
سرور سے علمدار جدا ہوتے ہیں بی بی

یہ سنتے ہی گھبرا کے چلی جلد وہ بے آس
او دے ہوئے جاتے تھے لب لعل یہ تھی پیاس
زینبؑ نے کہا آئی ہو لو عاشق عباس
عباس نے گودی میں لیا آکے بصد یاس
بہتے تھے جو آنسو خلف شبیر خدا کے
سوکھے ہوئے لب ملنے لگی منھ سے چچا کے

عباس نے رو کر کہا کیا چاہیئے جانی
شرما کے سکینہ نے یہ کی عرض کہ پانی
عباس نے فرمایا بصد اشک فشانی
اللہ بجھائے گا تری تشنہ دہانی
لو گود سے اترو تو اب ہم جائیں سکینہ
لے آؤ کوئی مشک تو بھر لائیں سکینہ

یہ سنتے ہی اُس پیاسی میں اک جان سی آئی
فضہ گئی اور دوڑ کے مشکیزے کو لائی
یوں کہنے لگی رو کے وہ شبیرؑ کی جائی
ہیں رن میں چلی آؤں گی گر دیر لگائی
جلد آؤ گا دریا سے۔ یہ فرما کے سدھارو
جاتے ہو تو آنے کی قسم کھا کے سدھارو

عباس نے کی عرض کہ دریا نہیں کچھ دور
مشکیزہ بھرا اور پھرے خرم و مسرور
اور آگے مری جان جو اللہ کو منظور
مانع ہوئی آنے میں اگر موت تو مجبور
تقدیر سے کیا زور ہے ستار حرم کا
وعدہ کریں کیونکہ کہ بھروسا نہیں دم کا

بابا سے یہ کہنے لگی وہ حور شمائل
کیوں مشک اٹھیں دو کہ نہ دوں اے شہ عادل
ہر چند کہ نے اب مری زیست ہے مشکل
صدقے گئی سینے میں دھڑکتا ہے مرا دل
حضرت نے سنیں حضرت عباس کی باتیں
ماتم کی خبر دیتی ہیں یہ یاس کی باتیں

بیٹی کی طرف دیکھ کے بولے شہِ ذی جاہ
تم پیاسی ہو کس طرح تمھیں منع کروں آہ
پانی کی تو ہوتی ہے بہشتی کو بڑی چاہ
دو مشک انھیں خیر جو کچھ مرضیِ اللہ
کام ان کا تو ہے کوشش و تدبیر سکینہ
آگے تری قسمت تری تقدیر سکینہ

یہ سُن کے سکینہ نے جو دی مشک بصد غم
آہستہ کہا شہ نے بہن سے کہ موئے ہم
سنبھلا جو نہ دل بیٹھ گئے قبلۂ عالم
عباس چلے گھر سے بپا ہو گیا ماتم
یوں خیمے کے پردے سے وہ صفدر نکل آیا
گویا کہ قمر برج سے باہر نکل آیا

مجرے کو بہادر کے جلال و حشم آئے
قدسی بھی زیارت کو قدم با قدم آئے
ہاتھوں پہ فدا ہونے کو فیض و کرم آئے
غیظ و غضب و قہر و تہور بہم آئے
چوما ظفر و فتح نے دامانِ علم کو
اقبال نے ہاتھوں کو شجاعت نے قدم کو

جرأت کو یہ تھا فخر کہ ہمراہ ہوں میں بھی
ہمت کا سخن تھا کہ ہوا خواہ ہوں میں بھی
صولت یہ پکاری کہ فلک جاہ ہوں میں بھی
شوکت نے کہا خادمِ درگاہ ہوں میں بھی
کہتا تھا حشم وجد ہو یہ حال مرا ہے
عزت نے کہا اوج پہ اقبال مرا ہے

استادہ ہوا در پہ جو وہ رکنِ معظم
دونی درِ دولت کی بزرگی ہوئی اس دم
تھا متصلِ برجِ شرف نیرِ اعظم
عالم کو نظر آنے لگا نور کا عالم
گردوں پہ مہ و مہر بھی چکر میں پڑے تھے
گویا کہ علی عرش کے پہلو میں کھڑے تھے

اسوارئِ غمخوارِ امامِ زمن آئی
یا بادِ صبا ناز سے سوئے چمن آئی
جب گرد اٹھی بوئے گلِ یاسمن آئی
گھوڑا تھا کہ پہنے ہوئے زیور دلہن آئی
آمد درِ دولت پہ ہوئی کبکِ دری کی
مرغانِ ہوا بھول گئے چال پری کی

گھوڑے پہ چڑھے حضرتِ عباسِ فلک جاہ
روحِ اسد اللہ چلی تیغ کے ہمراہ
جاسوس نے دی جا کے خبر فوج کو ناگاہ
آتا ہے بڑا شیرِ دلاور سوئے جنگاہ
اس سج کا جواں عرش سے تا فرش نہیں ہے
حیدر ہیں اور اس میں سر مو فرق نہیں ہے

داؤدی زرہ ہو اُسی انداز سے بر میں
ہتھیار اُسی شان سے باندھے ہیں کمر میں
غصہ وہی چتون میں وہی رعب نظر میں
برپا تھی قیامت شہِ ذی جاہ کے گھر میں
جس دم یہ چڑھا گھوڑے پہ غش کر گئے شبیر
ہم کو تو یقیں ہو گیا تھا مر گئے شبیر

جاسوس یہ کہتا تھا کہ صفدر نظر آیا
جرار وفادار دلاور نظر آیا
پھرا ہوا مقتل میں غضنفر نظر آیا
سب فوج کو تو رُخِ حیدر نظر آیا
گردوں پہ ہوا غل کہ یہ قدرت ہے خدا کی
دی خاک کے ذرّوں نے صدا صلِ علیٰ کی

غازی کی وہ شوکت وہ شکوہِ علمِ نور
کہتی تھی یہ گیتی کہ انا الطور انا الطور
پرچم تھا کہ بکھرے ہوئے تھے موئے سرِ حور
ہم پنجہ ہو پنجے سے یہ کیا مہر کا مقدور
دکھلاتا تھا سرسبزی افلاک پھریرا
تھا دامنِ مریم کی طرح پاک پھریرا

زرریز تھا پنجہ تو یہ کہتے تھے خردمند
یہ ہاتھ سخی کا ہے نہ ہووے گا کبھی بند
تھی اُس کی ضیا آئنۂ مہر سے دہ چند
کرتا تھا ستاروں کو فلک فخر سے اسپند
سب فوجِ ملائک کی نظر اس سے لڑی تھی
اوڑھے ہوئے اِک سبز ردا حور کھڑی تھی

اللہ رے اوجِ علمِ لشکرِ شاہی
تھا زیرِ نگیں ماہ سے تا مسکنِ ماہی
پنجہ جو ہلا پھیل گیا نورِ الٰہی
دامن جو کھلا رنگِ زمیں ہو گیا کاہی
سبزی حسن سرخیِ رنگِ شہِ دیں تھی
سونے کا فلک تھا تو زمرد کی زمیں تھی

ل تھا کہ جہاں میں علم ایسا نہیں دیکھا
زرریز ہے پنجہ کرم ایسا نہیں دیکھا
قبال و جلال و حشم ایسا نہیں دیکھا
سرداروں میں ثابت قدم ایسا نہیں دیکھا
طوبیٰ ہو تو ایسا مہِ کامل ہو تو ایسا
ایسے علمِ نور کا حامل ہو تو ایسا

گاہ بڑھے حضرتِ عباسِ فلک جاہ
ذرّوں میں چلا مہر ستاروں میں چلا ماہ
شعارِ رجز تھے کہ چلی سیفِ یداللہ
ہٹنے لگے ڈر ڈر کے صفِ جنگ سے روباہ
دم بند تھے دہشت سے فصیحانِ جہاں کے
کہتی تھی فصاحت کہ نثار اس کی زباں کے

نعرہ تھا کہ میں شیرِ نیستانِ علیؑ ہوں
جرار ہوں صفدر ہوں شجاعِ ازلی ہوں
پروانۂ شمعِ حرمِ لم یزلی ہوں
میں جوشنِ بازوئے ولی ابنِ ولی ہوں
گھر ہے وہ ملکِ بُرجِ شرف کہتے ہیں جس کو
بیشہ ہے وہ اپنا کہ نجف کہتے ہیں جس کو

پڑھکر یہ رجز میاں سے لی تیغ جری نے
جلوہ کیا پردے سے نکلتے ہی پری نے
رہوار پہ اسپند کیا کبکِ دری نے
بوسہ دیا قدموں پہ نسیمِ سحری نے
اُڑ کر گیا اور بھر کے طرارہ نکل آیا
تلواروں کے چنگل سے چکارہ نکل آیا

گھوڑے کو اُدھر سے جو پلٹ کر اِدھر آئے
یوں آئے کہ روباہوں پہ جوں شیر نر آئے
گویا کہ علی لشکرِ ہیجا میں در آئے
سر خاک پہ گرتے ہوئے پیہم نظر آئے
تلوار کی بجلی جو گری کوند کے رن میں
آخر صفِ اول ہوئی اک چشم زدن میں

اُس صف سے جھپٹ کر صفِ ثانی پہ جب آئے
معلوم ہوا شیر کے پنجہ میں سب آئے
غل پڑ گیا بھاگو کہ امیرِ عرب آئے
کیا ہو سکے جب فرق پہ برقِ غضب آئے
جھونکا جو چلا صرصرِ شمشیر کا سن سے
ڈھالیں تو اُٹھی رہ گئیں سر اُڑ گئے تن سے

میداں سے کیا ڈر کے سلامت نے کنارا
راحت نے کہا غیرِ فرار اب نہیں چارا
خود امن نے گھبرا کے اماں کو یہ پکارا
لشکر سے چلو اب نہیں یاں کام ہمارا
پھر وقت نکل جائے گا اصلا نہ ملے گا
لاشوں کے ہوئے ڈھیر تو رستا نہ ملے گا

شمشیرِ علمدار کی تیزی کا بیاں ہے
بتیس ہیں دو پارا کہ قلم سیف زباں ہے
ڈھالوں کو سمجھتی تھی وہ بجلی کہ دھواں ہے
چار آئنہ کیا یہ مہ نو ہے وہ کتاں ہے
کیا قبضے سے اُس برقِ جہاں سیر کے نکلے
فولاد کا دریا ہو تو وہ پیر کے نکلے

بجلی کی طرح ڈوب کے جوشن سے نکل جائے
چار آئنہ کیا قلعۂ آہن سے نکل جائے
اسوار کا کیا ذکر ہے توسن سے نکل جائے
سنسان ہو وہ راہ جدھر سن سے نکل جائے
جب نمٹ کسا وہ کبھی جھکتے نہیں دیکھا
ہاں سیل رُکے پر اُسے رکتے نہیں دیکھا

خاک اُڑ گئی اُس صف کی جدھر سن سے چلی وہ
خود و سپر و کاٹ کے جوشن سے چلی وہ

اسوار کا گرنا تھا کہ توسن سے چلی وہ
دو کر کے زرہ سینۂ دشمن سے چلی وہ

تھی ریت میں جب توسنِ چالاک سے نکلی
کھینچا تو چمکتی ہوئی پھر خاک سے نکلی

آفت تھی قیامت تھی چھلاوہ تھی بلا تھی
بجلی تھی کٹاری تھی قرولی تھی قضا تھی

روکے کوئی کیا باڑھ نہ تھی سیلِ فنا تھی
پیشہ تھا وہ ظالم کہ لہو جس کی غذا تھی

بجلی کو بھی تڑپا دیا تھا جلوہ گری نے
تاب اُس کی نہ تھی مانگ نکالی تھی پری نے

کٹ جاتے تھے منہ دیکھ کے سب تیغ زن اُس کا
قامت میں کجی چال میں وہ بانکپن اُس کا

تاریکی میں اور وہ تاباں بدن اُس کا
چلنی تھی سروں پر یہ نیا تھا چلن اُس کا

ہے صاحبِ جوہر کا محل چرخِ بریں پر
رکھا ہے یہ تو نے کبھی پاؤں زمیں پر

غل تھا یہ کسی تیغ میں چم خم نہیں دیکھا
بجلی کی تڑپ کا بھی یہ عالم نہیں دیکھا

لشکر کا لہو پی گئی یہ دم نہیں دیکھا
ایسا کسی ناگن میں کبھی سم نہیں دیکھا

پھر کیا ہے جو اللہ کا یہ قہر نہیں ہے
اس تیغ کے کاٹے میں کہیں لہر نہیں ہے

دشمن کو ہوا لگ گئی اُس کی جو قضا را
سمجھا وہ کہ شہپر ملک الموت نے مارا

گھاٹ اُس کا نہ تھا بحرِ فنا کا تھا کنارا
نے تن سے سر اُترے ہوئے مشکل تھا اُتارا

دریا بھی تلاطم میں رہا کاٹ سے اُس کے
اُبھری نہ کوئی کشتیِ تن گھاٹ سے اُس کے

وہ برق ہے جو خرمنِ ہستی کو جلا دے
وہ آگ ہے جو شام کی بستی کو جلا دے

وہ شعلہ ہے جو تیغ دو دستی کو جلا دے
چمکے جو بلندی پہ تو پستی کو جلا دے

ہے دور سے برچھی تو برابر سے چھری ہے
سچ کہتے ہیں تلوار کی بھی آنچ بری ہے

اِک آفتِ نو لشکرِ سفاک پہ آئی
جس صف پہ گری تیغ وہ صف خاک پہ آئی

گہ فرق پہ چمکی کبھی فتراک پہ آئی
دو ہو گیا جس ظالمِ ناپاک پہ آئی

ہر صف کا یہ احوال تھا اُس تیغِ دو دم سے
جس طرح کوئی کاٹ دے سطروں کو قلم سے

سالم صف ہیجا میں کسی سر کو نہ چھوڑا
جوشن کو کمر بند کو بکتر کو نہ چھوڑا
لوہے کو چبانے کی صدا بھا گئی اُس کو

لڑتا ہوا پہونچا لبِ دریا جو وہ جرّار
کہنی سے ٹپکتا تھا لہو خاک پہ ہر بار
دل کھل گیا آئی جو ہوا سرد تری کی

گو پیاس سے تڑپا دلِ عباسِ خوش اطوار
اُس وقت میں رہوار بھی ہوتے تھے وفادار
سمجھا کہ خجل ہونگا بہت پیاس بجھا کے

ڈھیلی کی لگام اُس کی کئی بار یہ کہ کر
کی عرض کہ ای لختِ دلِ ساقیِ کوثر
پانی پیے کس طرح علمدار کا گھوڑا

یہ سُن کے علمدار کی آنکھیں ہوئیں پُر نم
منھ باندھ کے تسمے سے کھا دوش پہ جب دم
تو مشک کا حافظ ہی نگہباں ہی علم کا

کیا قہر کا دریا تھا جسے جھیل کے آیا
ہر چند کہ دُو روز سے قطرہ نہیں پایا
صابر ہوں کہ آغوش میں صابر کی پلا ہوں

یہ کہ کے چلے نہر سے عباسِ فلک جاہ
پھر آگئے دریا پہ صفیں باندھ کے روباہ
رستہ نہ ملے گا تو کدھر جائیں گے عباس

سر کیا ہی کہ شانے دو کیے پیکر کو نہ چھوڑا
چار آئنہ کو ڈھال کو مغفر کو نہ چھوڑا
جس چیز پہ منھ ڈالدیا کھا گئی اس کو

تھا دستِ مبارک میں علم ہاتھ میں تلوار
چھیڑا جو ذرا اُڑ کے گیا نہر میں رہوار
تر ہو گئی چھینٹوں سے زرہ جسمِ جری کی

بھولے نہ مگر تشنگیِ سیدِ ابرار
پانی سے اُٹھائے رہا منھ اپنا وہ رہوار
ہمّت اسے کہتے ہیں یہ معنی ہیں وفا کے

تو پی لے کہ پھر پانی نہ ہووے گا میسّر
دُو روز سے ہی تشنہ جگر آلِ پیمبر
پیاسا ہی ابھی سیدِ ابرار کا گھوڑا

سیراب کیا مشکِ سکینہ کو بصد غم
کی عرض مدد کیجیو ای حافظِ عالم
یا رب میں بہشتی ہوں پیمبر کے حرم کا

لاکھوں سے لڑا اور کوئی زخم نہ کھایا
پر نہر کے پانی کو میں لب تک نہیں لایا
جس حال سے آیا تھا اُسی طرح چلا ہوں

جاری تھا زباں پر کہ توکّلت علی اللہ
غل تھا کہ بہادر کو نکلنے کی نہ دو راہ
خود ڈوب کے اس نہر میں مر جائینگے عباس

ساحل پہ ہوئی قتلِ علمدار کی تدبیر — ترکش کے دہن کھل گئے چلّوں سے ملے تیر
تھے گھاٹ کو تلواروں سے روکے ہوئے بے پیر — عباس بڑھے آتے تھے تولے ہوئے شمشیر
یہ حال تھا ضیغم دمِ جنگ آتا ہے جیسے — یوں آتے تھے ساحل پہ نہنگ آتا ہے جیسے

لڑتا ہوا اعدا سے وہ صفدر نکل آیا — بادل کو ہٹا کر مہِ انور نکل آیا
سقائے حرم نہر سے باہر نکل آیا — دریائے شجاعت کا شناور نکل آیا
ڈرتے کسی روباہ نے ضیغم کو نہ روکا — تلوار اُٹھا کر کہا کیوں ہم کو نہ روکا

یوں جاتے ہیں اور نہر سے یوں آتے ہیں غازی — لاکھوں ہوں تو ہوں دھیان میں کب لاتے ہیں غازی
زخمِ تبر و تیر و سناں کھاتے ہیں غازی — جب بات پہ آتے ہیں تو مر جاتے ہیں غازی
رُکتے نہیں یوں حکمِ خدا روکے تو روکے — کیا روکو گے تم ہاں جو قضا روکے تو روکے

یہ کہہ کے ترائی سے بڑھا شیرِ دلاور — پستی سے نمایاں ہوا گویا شہِ خاور
غل تھا کہ نہیں رُکنے کا یہ عاشقِ داور — لو جاتا ہے دریا سے شجاعت کا شناور
سب ٹوٹ پڑو ورنہ بڑا پیچ پڑے گا — پیاسے ہوئے سیراب تو پھر کون لڑے گا

دو لاکھ کے حلقے نے علمدار کو گھیرا — وہ چاند تو تھا بیچ میں اور گرد اندھیرا
جو بھاگ گئے تھے اُن لوگوں نے بھی باگوں کو پھیرا — یہ کہتے تھے اللہ مددگار ہے میرا
تلوار سے تیروں کو قلم کرتے تھے عباس — پڑھ پڑھ کے دعا مشک پہ دم کرتے تھے عباس

لکھا ہے کہ اک تھا ابنِ ورقہ ستم آرا — تیغ اُس کی لگی دوشِ مبارک پہ قضا را
نے دست ہوا حیدرِ کرار کا پیارا — احمر کا نشاں خون میں تر ہو گیا سارا
دیکھو تو ذرا جرأتِ سقائے حرم کو — تا دیر کٹے ہاتھ سے چھوڑا نہ علم کو

جس وقت گرا خاک پہ جھک کے علمِ شاہ — کس یاس سے عباسِ علمدار نے کی آہ
اس دوش پہ بھی تیغ چلی پشت سے ناگاہ — دونوں نہ رہے دستِ جگر بندِ ید اللہ
تیروں کی جو بوچھار ہوئی چھن گئے عباس — بازو جو کٹے سروِ رواں بن گئے عباس

یاں کی تو یہ صورت تھی سُنو حال اُدھر کا
عریاں ہی سر فاطمہؑ زہرا کے پسر کا
ہیہات کٹے ہاتھ شجاعِ ازلی کے
مجمع حرمِ شاہ کا ہی خیمے کے در پر
تھرا رہی ہی زوجۂ عباسِ دلاور
مائیں جو تڑپتی ہیں تو جی کھوتے ہیں بچّے
غش ہی کوئی سامانِ عزا کرتی ہی کوئی
تسبیح لیئے ذکرِ خدا کرتی ہی کوئی
دُکھ پہونچے نہ کچھ بازوئے شاہِ شہدا کو
زینبؑ کا یہ نقشہ ہی کہ چادر نہیں سر پر
چھائی ہی اُداسی شہِ مظلوم کے گھر پر
صدمہ یہ ہی کچھ کہہ نہیں سکتی ہی سکینہ
کہتی ہی کبھی ننھے سے ہاتھوں کو وہ مل کر
اب منہ نہیں دکھلائے گی بابا کو یہ دختر
پھر گھر میں نہ اس چاند سی تصویر کو دیکھا
میں کس سے کہوں کون ہی جو نہر پہ جائے
کس کام کا پانی ہی جو وہ بھر کے نہ آئے
کہدے کوئی دنیا سے سفر کر گئی وہ تو
یہ ذکر تھا جو شور اُٹھا فوج سے یک بار
اب پائیں گے شبیر کہاں ایسا مددگار
کم ہوگیا زور آج امامِ ازلی کا

سب گھر تہ و بالا ہی شہِ جن و بشر کا
فرماتے ہیں لو ٹوٹ گیا بند کمر کا
کانوں میں صدا آتی ہی رونے کی علی کے
سیدانیاں سب بیٹھی ہیں کھولے ہوئے سر
فرزند تو ہی گود میں سر پر نہیں چادر
منہ دیکھتے ہیں رانڈوں کا اور روتے ہیں بچّے
تشنہ کوئی بی بی ہی بکا کرتی ہی کوئی
ہاتھوں کو اُٹھا کر یہ دعا کرتی ہی کوئی
یارب تو بچا لیجو سکینہ کے چچا کو
گہ خیمے میں آتی ہیں کبھی جاتی ہیں در پر
چلتی ہی چھری پیاس کی بچوں کے جگر پر
ایک ایک کا منہ یاس سے تکتی ہی سکینہ
کیوں مشک چچا جان کو دی وائے مقدر
میرے لیئے مجروح ہوا اُن کا برادر
کیوں بی بیو تم نے مری تقدیر کو دیکھا
للہ چچا کو کوئی میداں سے بلائے
جان آئے بدن میں جو سکینہ انھیں پائے
اب پانی پہ کیوں لڑتے ہو تم مر گئی وہ تو
لو خاک پہ گھوڑے سے گرا شہ کا علمدار
مارا اُسے کیا قتل ہوئے حیدرِ کرار
کٹتا ہی گلا حضرتِ عباسِ علیؑ کا

اس شور کے ساتھ آئی صدا طبلِ ظفر کی
فضہ نے اُدھر دوڑ کے زینب کو خبر کی
اُٹھے شہِ دیں دیکھ کے صورت کو پسر کی
پر سوجھتی تھی راہ اِدھر کی نہ اُدھر کی
سیدانیاں کرنے لگیں فریاد خدا سے
ہلتا تھا کلس خیمے کا ہی کی صدا سے

میداں میں عجب حال سے پہنچے شہِ ذی جاہ
اشک آنکھوں میں اور ہاتھ میں شمشیرِ ید اللہ
فاقہ تو کئی روز کا اور صدمۂ جانکاہ
نہ پاؤں میں طاقت تھی نہ کچھ سوجھتی تھی راہ
خود صبر کے ہاتھوں سے کمر تھامے ہوئے ہیں
ہم شکلِ نبیؐ دستِ پدر تھامے ہوئے ہیں

گھبرا کے یہ کہتے تھے پسر سے شہِ ابرار
دریا کی ترائی ہے کدھر اے مرے غمخوار
اللہ بہت دور گرے یاں سے علمدار
غل کیسا ہے کیا لاش کو گھیرے ہیں ستمگار
تلوار علم کرنے دو اب پاس کہاں کا
سر کاٹ نہ لے کوئی مرے شیرِ جواں کا

اکبر نے کہا رو کے یہی تو ہے ترائی
شبیر پکارے مرے بھائی مرے بھائی
عباس نے آوازِ حزیں اپنی سُنائی
گھبراؤ نہ مولا ابھی زندہ ہے فدائی
بازو ہے جدا بہرِ سلام اُٹھ نہیں سکتا
تن چور ہے ایسا کہ غلام اُٹھ نہیں سکتا

شبیر پکارے ترے قربان برادر
طاقت مری پیری کے مری جان برادر
ساونت برادر مرے ذی شان برادر
دنیا میں کوئی دم کے ہو مہمان برادر
کیا ہو گیا طفلی کا وہ اقرار تمہارا
چھوڑا ہمیں بس دیکھ لیا پیار تمہارا

پانی کے لیئے واہ کمر بھائی کی توڑی
پیاسوں کا دیا ساتھ رفاقت مری چھوڑی
جنت کی طرف یاں سے لگام آپ نے موڑی
اُٹھنا ترا دنیا سے مصیبت نہیں تھوڑی
پہلو سے برادر کے نہ ہٹتے تو مزا تھا
گر دونوں گلے ساتھ ہی کٹتے تو مزا تھا

یہ کہتے تھے جو لاشۂ پرخوں نظر آیا
تلواروں سے ٹکڑے قدِ موزوں نظر آیا
شانوں سے رواں خون کا جیحوں نظر آیا
رنگِ گلِ رخسارہ دگرگوں نظر آیا
دم توڑتے تھے شبیر سے لپٹے ہوئے رن میں
تیروں سے چھدی مشک کا تسمہ تھا دہن میں

شاہِ شہدا لاشِ علمدار سے لپٹے
کس شوق سے کس یاس سے کس پیار سے لپٹے
غمخوار سے عاشق سے مددگار سے لپٹے
زخمی سے مسافر سے وفادار سے لپٹے
یہ جوش تھا رقت کا شہ جن و بشر کو
جس طرح کہ روتا ہی کوئی باپ پسر کو

چلاتے تھے ای بھائی کی پیری کے سہارے
ای شبیر جواں یار وفادار ہمارے
ای باپ کے محبوب پسر بھائی کے پیارے
اب خلق سے جینے کے مزے اٹھ گئے سارے
تھا میری ضعیفی کا عصا ہاتھ تمھارا
آج اُٹھ گئی راحت کہ چھٹا ساتھ تمھارا

جس بھائی کا بھائی نہو مردہ ہی وہ بھائی
معلوم ہوئی اب ہمیں بابا کی جدائی
تھی یاد حسن کی تری اُلفت نے بھلائی
گویا کہ ہوئی آج مرے گھر کی صفائی
بس اب مرے جینے کا سہارا نہیں کوئی
یوں کہنے کو سب ہیں پہ ہمارا نہیں کوئی

یہ سُن کے علمدار کے آنسو ہوئے جاری
شہ نے کہا روتے ہو غریبی پہ ہماری
سوکھی تھی زباں تن کی رگیں کھنچتی تھیں ساری
بولا نہ گیا کچھ پہ کراہے کئی باری
بوسے قدمِ شاہ پہ دینے لگے عباس
صدمہ جو ہوا ہچکیاں لینے لگے عباس

کیا دم کے نکلنے کا بھی ہی صدمۂ جانکاہ
کانپے کبھی کروٹ کبھی لی اور کبھی کی آہ
جب آنکھ کھلی یاس سے دیکھا طرفِ شاہ
بولے دمِ آخر کہ نثارِ شہِ ذی جاہ
روتے رہے شاہِ شہدا مر گیا بھائی
آغوش میں بھائی کی سفر کر گیا بھائی

خاموش انیس اب کہ تڑپتا ہی دلِ زار
کافی ہی رلانے کو تری درد کی گفتار
اس جنس کا گو آج نہیں کوئی خریدار
فیاض ہی لیکن شہ مظلوم کی سرکار
افسردہ نہ ہو غنچۂ امید کھلے گا
کھل جائینگی آنکھیں وہ صلہ تجھ کو ملے گا

رُباعی

کھنچے ہوئے سر کو تو کہاں پھرتا ہی ﭪ پیری میں بشکلِ نوجواں پھرتا ہی
عرصہ ہی جہاں کا اس قدر تنگ و حقیر ﭪ خم ہو کے زمیں پہ آسماں پھرتا ہی

مرثیہ (۱۱)

آمد ہی جگر بندِ شہ قلعہ شکن کی
سرداروں پہ ثابت ہی جدائی سروتن کی
ہی تیغ بکف قوتِ بازو شہِ دیں کا
غل ہی کہ علمدارِ حسین آتا ہی رن میں
مردے بھی تہِ خاک لرزتے ہیں کفن میں
غازی کی سواری نہیں خیمے سے بڑھی تھی

رنگِ رخِ خورشید ہوا جاتا ہی تغیّر
سہما ہوا مخفی شکمِ قوس میں ہی تیر
جمعیتِ عالم کے یہی نشر کا دن ہی
کہتے ہیں ملک عرش کے پالے کو سنبھالے
کیا غزوۂ خندق میں بہے خون کے نالے
نقشہ نظر آجائے گا پھر جنگِ اُحد کا

خود شیر ہے جد شیر چچا شیر پدر شیر
پلکیں ہیں اگر شیر کا پنجہ تو نظر شیر
ٹلتے نہیں میداں سے یہ پیشہ ہی انھیں کا
تلوار کے بچپن سے یہی لوگ دھنی ہیں
قبضے میں انھیں کے ہنر تیغ زنی ہیں
جب آگئے ہیں غیظ میں یہ عرش ہلا ہی

لشکر میں تلاطم ہی زمیں ہلتی ہی رن کی
سمٹی ہیں رگیں خوف سے شیروں کے بدن کی
تھمتا نہیں ماہی پہ قدم گاوِ زمیں کا
ہی تہلکہ مصر و حلب و روم و ختن میں
پھرتے ہیں ہرن چوکڑی بھولے ہوئے بن میں
شیروں کو نیستاں میں تپ لرزہ چڑھی تھی

جویا ہی ستاروں کی زرہ کا فلکِ پیر
مریخ کے قبضے سے چھٹی جاتی ہی شمشیر
سیاروں پہ ثابت ہی کہ یہ حشر کا دن ہی
گیتی کو خدا آج تباہی سے بچالے
ہیں قلعۂ خیبر کے یہی توڑنے والے
پوتا ہی لڑائی پہ چڑھا بنتِ اسد کا

نرے ہیں جدا شیر کے دل شیر جگر شیر
کیونکر نہ ہو اس طرح کے شیروں کا پسر شیر
کہتے ہیں نجف جس کو وہ بیشہ ہی انھیں کا
جانباز و دلاور ہیں قریشی مدنی ہیں
سر بات پہ دیتے ہیں غنی ابن غنی ہیں
ورثہ میں انھیں زورِ یداللہ ملا ہی

جانبازوں سے لے جا نہیں سکتا کوئی بازی
مرجانے کو اک کھیل سمجھتے ہیں یہ غازی
ہے سب سے قوی بازوئے سلطانِ حجازی
کر سکتا ہے شیروں پہ کوئی دست درازی
ساونت ہیں یہ جان کی پروا نہیں ان کو
ہٹتے ہوئے رن سے کبھی دیکھا نہیں ان کو

ہے خوف کے مارے پسرِ سعد کا منھ زرد
رنگ اڑتا ہے آندھی سے جو اٹھتی ہے کبھی گرد
ہے شور کہ بازار شجاعوں کے ہوئے سرد
باندھے ہوئے ہتیار لرزتے ہیں جواں مرد
ہے بے خبری فوج کو آمد کی خبر ہیں
ڈھالوں کو تو ہے توانسے ہیں تیغیں کمر میں

رن میں نہیں شمشیر ابھی شیر کی چمکی
ہیبت سے لرزتی ہیں صفیں فوجِ ستم کی
طاقت گئی یک دست دلیروں کے قدم کی
ہر دم کا ارادہ ہے کہ لے راہ عدم کی
جی چھوڑے ہوئے کوفی و شامی ہیں ابھی سے
سارے علمِ فوج سلامی ہیں ابھی سے

بے جنگ مری جاتی ہیں تلواروں کی دم ہائے
خود تیغ کے گھاٹ اتر ینگے سر کس کا اتاریں
جو آپ ہی کشتہ ہوں وہ تیغیں کسے ماریں
ہے سامنا ایسوں کا جو لاکھوں سے نہ ہاریں
ہر بر کوئی جھنجھلائے ہوئے تیر سے کیا ہو
جب ہاتھ میں رعشہ ہو تو شمشیر سے کیا ہو

ظاہر میں تو موجود ہے سب جنگ کا اسباب
دریا کے نگہبانوں کا زہرہ ہے مگر آب
کس طرح چھپیں امن کا گوشہ تو ہے نایاب
اترے ہوئے چلّوں کو چڑھانے کی نہیں تاب
بڑھتے ہوئے کچھ سوچ کے پھر پڑتے ہیں ڈر کر
پتا بھی کھڑکتا ہے تو گر پڑتے ہیں ڈر کر

تفتیش کو جاسوس چلے جاتے ہیں ہر بار
ہیں کان لگائے ہوئے سب فوج کے سالار
ناگاہ خبر لیکے پھرا ایک خبردار
خیمے سے برآمد ہوئے عباسِ علمدار
غل ہے حرمِ شاہ میں فریاد و فغاں کا
گھر سب تہ و بالا ہے امامِ دو جہاں کا

سیدانیاں نکلی ہیں شہ دیں کو سنبھالے
ہیں سب کو مگر فاطمہ کی جان کے لالے
چلاتے ہیں شہ ہائے مری گود کے پالے
ہے ہے مرے غمخوار مرے چاہنے والے
بیتابیِ شبیر پہ گھبراتے ہیں عباس
جھک کر قدمِ شہ سے لپٹ جاتے ہیں عباس

شہ کہتے ہیں سر بھائی کا چھاتی سے لگا کر
کہتا ہے علمدار کہ یا سبطِ پیمبر
بھائی کی سعادت جو کرے بھائی کی خدمت
اک چھوٹی سی لڑکی ہے کہ جینے سے ہے بے آس
کہتی ہے چچا جان بجھا دیجے مری پیاس
گر دیر لگی تم کو تو جینے کی نہیں ہیں
منہ چوم کے کہتے ہیں یہ عباسِ دلاور
اب تک تو دغا کرنے کو جا چکتا وہ صفدر
بھائی کا نہ دکھلائے خدا داغ کسی کو
سب حال ابھی کہہ نہ چکا تھا وہ خبردار
گھوڑے پہ چڑھا لختِ دلِ حیدرِ کرار
لشکر لیئے ساتھ آیا ہے اقبال و حشم کا
نے ڈول ہیں تیور خلفِ شیرِ خدا کے
ایک آن میں آپڑتا ہے گھوڑے کو اڑا کے
بھاگو گے صفوں سے تو نکلنا نہ ملے گا
یہ ذکر ابھی تھا کہ سواری نظر آئی
شانِ چمنِ قدرتِ باری نظر آئی
آتا تھا جری گھوڑے کو دابے ہوئے رانوں میں
آنا تھا کہ کچھ اور ہی لشکر کا ہوا رنگ
سب سوچ میں تھے دیکھیے اب ہوتا ہے کیا رنگ
لاکھوں ہیں مگر فتح سے دل سرد ہیں سب کے

مر جائیں گے ہم داغ نہ دو ہم کو برادر
حسرت ہے کہ بچوں کے لبِ خشک کروں تر
کوثر ہے مرے واسطے سقائی کی خدمت
ہاتھوں سے نہیں چھوٹتی وہ دامنِ عباس
اقرار کیئے جاؤ کب آؤ گے مرے پاس
پھر پانی بھی آئے گا تو پینے کی نہیں ہیں
جلد آئینگے گھبراؤ نہ تم اے مرے دلبر
ہے دیر کی یہ وجہ کہ سب پیٹتے ہیں سر
ڈیوڑھی پہ غش آیا ہے حسین ابنِ علی کو
جو پیک دوم نے یہ کہا آن کے اک بار
آتا ہے وہ بجلی سا چمکتا ہوا رہوار
ابر اس کو نہ سمجھو یہ پھریرا ہے علم کا
لشکر کی صفیں دم میں الٹ دے گا وہ آ کے
جیتے رہو، دیکھو کہے رکھتا ہوں جتا کے
گھوڑوں پہ سواروں کو سنبھلنا نہ ملے گا
پنہاں ہوئی گرد اور کئی باری نظر آئی
آمد اسد اللہ کی ساری نظر آئی
اور پھولوں کی لپٹیں چلی آتی تھیں جلو میں
سینوں میں جگر ہل گئے چہروں سے اڑا رنگ
بولا کوئی، ہے آج لڑائی کا نیا رنگ
بے جنگ کیئے خوف سے منہ زرد ہیں سب کے

آپہونچا قریب اتنے میں حیدر کا وہ پیارا
لشکر نے کیا حسن کے گلشن کا نظارا

تھا شور کہ اللہ نظر کا نہیں یارا
سجادے کا نشاں ہے کہ یہ ہے صبح کا تارا

کثرت یہ نہ ہوگی ید بیضا میں ضیا کی
خورشید پہ اختر ہے یہ قدرت ہے خدا کی

گویا وہ کمانیں ہیں یہ ابروئے خمیدہ
دونوں بہم اور ایک سے پھر ایک کشیدہ

قرباں ہے شہ دیں کا دل درد رسیدہ
نے مثل کماندار ہیں یہ مردم دیدہ

دل چھد گئے یکسر نگہ غیظ جدھر کی
پلکیں نہیں پر گیر یاں ہیں تیر نظر کی

چتون ہیں غضب شبیر کا آہو سے بڑی آنکھ
آہن کا بھی دل نرم ہو ڈالے جو کڑی آنکھ

تیر اُس کو لگا جس سے لڑائی میں لڑی آنکھ
تھرا گیا جس شخص پہ غصے سے پڑی آنکھ

یوں غیظ سے شبیروں کو بھی تکتے نہیں دیکھا
پلکوں کو بہادر کی جھپکتے نہیں دیکھا

اللہ رے صنع قلم کاتب تقدیر
جرأت میں ہے بہزاد بیاں صورت تصویر

یہ حاشیۂ خط یہ رُخ بازوئے شبیر
ہے نور کا سورہ ورق ماہ پہ تحریر

دیکھی یہ لطافت نہ کبھی پھول کی بو میں
پیشانی ہے نشانی کی طرح مصحف رو میں

ہے جوش جوانی پہ بہار گل رخسار
کہتی ہے نزاکت کہ نثار گل رخسار

ہے نکہت فردوس غبار گل رخسار
اور طوطی خط آئنہ دار گل رخسار

محفوظ ہر رنگ ہیں صدمے سے خزاں کے
دو ٹکڑے کف حور پہ ہیں سیب جناں کے

بہتر ہے کہیں پارۂ یاقوت سے ہر لب
مردے کو دکھا دیں لب عیسیٰ کا اثر لب

گویا ہیں نزاکت سے دو برگ گل تر لب
نے مثل ہیں شیریں سخنی میں یہ شکر لب

باتوں میں فصیحان عرب بند ہوئے ہیں
یاں یوسف مصری کے بھی لب بند ہوئے ہیں

غنچے کا ہے کیا منہ جو مقابل ہو دہن سے
دیکھے تو خجالت اُسے حاصل ہو دہن سے

لانا بزباں بات کا مشکل ہو دہن سے
خود سر بہ گریباں ہو یہ قائل ہو دہن سے

عالم میں گہہ وہ شعر ایک زباں ہے
عقدہ نہ کھلے گا کہ یہ اسرار نہاں ہے

کلیوں سے سمن کی بھی معطر ہیں یہ دنداں
گویا فلکِ حسن کے اختر ہیں یہ دنداں
ہیرے کے نگینوں سے بھی بہتر ہیں یہ دنداں
ہی جن کا بہا خلد، وہ گوہر ہیں یہ دنداں
حیرت ہی صفا دیکھ کے ان دانتوں کی صف کی
دو لعلوں میں تسبیح ہی اک دُرِّ نجف کی

کیا حسن ہی کیا نور ہی کیا صاف گلا ہی
ای اہلِ نظر لائقِ اوصاف گلا ہی
مہتاب، اگر سچ کہیے انصاف، گلا ہی
آئینۂ بلور سے شفاف گلا ہی
دعویٰ کرے کس منھ سے قمر جلوہ گری کا
غیرت سے یہاں بند ہی دم حور و پری کا

اللہ ری ضیا رشکِ رخِ حور ہی گردن
مانندِ قمر حسن سے معمور ہی گردن
روشن صفتِ آئنۂ نور ہی گردن
پروانے ہیں دل شمعِ سرِ طور ہی گردن
کب جلوۂ خورشید ٹھہرتا ہی نظر میں
دیکھی یہ صباحت نہ کبھی نورِ سحر میں

کس حسن سے پیدا ہیں اس ماہ کے شانے
ہیں جیسے بھرے سیدِ ذی جاہ کے شانے
تھے ایسی ہی حیدر سے شہنشاہ کے شانے
رکھتے تھے یہی شان یداللہ کے شانے
ہاتھ آیا تھا جعفر کو نہ جاہ و حشم ایسا
اس دوش کے اوپر ہو تو ہووے علم ایسا

ہیں ماہیِ دریائے شجاعت یہی بازو
رکھتے ہیں یداللہ کی طاقت یہی بازو
ہیں بازوئے شبیر کی قوت یہی بازو
شیروں کو بھی دیتے ہیں نہ ہیبت یہی بازو
ہم پنجہ ہو طاقت یہ تہمتن کی نہیں ہی
کچھ جنگ میں حاجت انھیں جوشن کی نہیں ہی

خوبی میں زمانے سے نرالے ہیں یہ ساعد
سانچے میں فقط نور کے ڈھالے ہیں یہ ساعد
بارِ سپر و تیغ سنبھالے ہیں یہ ساعد
ہاں کفر کا در توڑنے والے ہیں یہ ساعد
پہنچے کو کسی حور کا پہنچا نہیں پہونچا
اس حسن کو حسنِ یدِ بیضا نہیں پہونچا

کیا پنجہ ہی اس صاحبِ صمصام کا پنجہ
انگشت ملائے تو پھرے سام کا پنجہ
ہم پنجہ نہ پنجے سے ہو ضرغام کا پنجہ
مخصوص یہ شمشیر کے ہی کام کا پنجہ
یہ انگلیاں سب عقدہ کشائی کو بنی ہیں
پنجے یہ وہ قربان ہیں جو پنجتنی ہیں

روشن گرِ مصباح انال ہیں یہ ناخن
حلالِ دو صد عقدۂ مشکل ہیں یہ ناخن
یوں دیکھو تو رشکِ مہِ کامل ہیں یہ ناخن
ترشیں تو مہِ نو کے مقابل ہیں یہ ناخن
قطعِ نظر اس کی صفتیں اور بھی سو ہیں
ہر ہفتہ میں دس بدر ہیں اور دس مہِ نو ہیں

مصروفِ ثنا تھی سپہِ شام کہ ناگاہ
میداں سے بڑھا ماہِ نبی ہاشم ذیجاہ
نعرہ کیا ضیغم نے کہ اے لشکرِ روباہ
وہ شیر ہوں میں جس کا پدر ہے اسد اللہ
بھاگے ہو وہ جب فوج پہ وار اپنے چلے ہیں
ہم بیشۂ ضرغامِ الٰہی کے پلے ہیں

گھر حسن کا اور علم کا گنجینہ ہے سینہ
رخ شمعِ تجلی ہے تو یہ سینہ ہے سینا
دل بغض سے خالی ہے تو نے کینہ ہے سینہ
دشمن سے بھی ہے صاف وہ آئینہ ہے سینہ
ہے غیرتِ آئینہ تن اس رشکِ قمر کا
اس پہلو سے پہلو نظر آتا ہے ادھر کا

آمادہ ہے دل باپ کی خیبر شکنی پر
قربان ہے جاں آلِ رسولِ مدنی پر
تیار ہر انگشت ہے شمشیر زنی پر
شاہد ہے کمر شیر کی نازک بدنی پر
تن عطر میں خوشبو سے پسینے کی بسا ہے
ٹلنے کو عجب حسن سے مرنے پہ کسا ہے

ہٹنے کے نہیں قاف کے ہمسر یہ قدم ہیں
چھوڑینگے نہ جا سدِّ سکندر یہ قدم ہیں
شاہوں کے سروں کے لیے افسر یہ قدم ہیں
ہاں زورقِ اسلام کے لنگر یہ قدم ہیں
گیتی جو الٹ جائے تو پروا انھیں کب ہے
ثابت قدمی کفشِ دلاور کا لقب ہے

ہے جس کا پدر قاتلِ کفار وہ میں ہوں
کہتے ہیں جسے صفدر و جرار وہ میں ہوں
جو لشکرِ دیں کا ہے علمدار وہ میں ہوں
کٹتی نہیں جس شیر کی تلوار وہ میں ہوں
چاہی نہیں مشکل میں مدد جن و ملک سے
تلوار ہمارے لیے اتری ہے فلک سے

خادم ہوں میں اس کا جو نبی کا ہے نبیرا
درگاہِ خدا میں ہے دعا جس کی پذیرا
ہم شیروں کا طفلی سے شجاعت ہے وتیرا
گہوارے میں اژدر کو مرے باپ نے چیرا
کب بند کھلا جو اسد اللہ نے باندھا
عفریت کے ہاتھوں کو ید اللہ نے باندھا

عالم میں لقب صاحبِ صمصام ہے کس کا — شہرہ بجہاں روم سے تا شام ہے کس کا
حیدر کے سوا شیرِ خدا نام ہے کس کا — کاٹے پرِ جبریل کو یہ کام ہے کس کا
انساں کوئی جنات کے لشکر سے لڑا ہے — کون آگ میں پانی کے لیے کود پڑا ہے
مرحب پہ چلی کون سے جرار کی شمشیر — اور عمرو ہوا کس کی زبردستیوں سے زیر
کس شخص نے صفین میں لاشوں کے کیے ڈھیر — جو قاتلِ عنتر ہے کہو کون ہے وہ شیر
کس سے ہوا جو کام ہوا دستِ علی سے — خیبر کا وہ در تھا کہ اکھڑتا وہ کسی سے

خندق پہ اسے توڑ کے پل کر دیا کس نے — بشاش دلِ ختمِ رسل کر دیا کس نے
مصباحِ رہِ کفر کو گل کر دیا کس نے — تا چرخِ بریں فتح کا غل کر دیا کس نے
تھی لشکرِ کفار میں صد حیف کی آواز — یاں عرش سے تا فرش تھی لاسیف کی آواز
چکھا ہے شجاعوں نے مزا تیغ کے پھل کا — حیدر کی نہ تھی ضرب طمانچہ تھا اجل کا
پوشیدہ ہے قصہ نہ احد کا نہ جمل کا — بت توڑے ہیں کعبے میں ابھی ذکر ہے کل کا
اس دن کے شرف کیا شبِ معراج سے کم تھے — سر عرش پہ تھا دوشِ محمد پہ قدم تھے

بتلاؤ لقب فاتحِ صفین کا کس کا — حق جس سے نمودار ہے وہ دین ہے کس کا
ہر فعلِ حسن لائقِ تحسین ہے کس کا — آئنہ کرے دیں کو یہ آئین ہے کس کا
گر بدر میں وہ شیرِ وغا جنگ نہ جاتا — آئینۂ ایماں سے کبھی زنگ نہ جاتا
مصحف کی عبارت سے عیاں شانِ علی ہے — ذاتِ احدی آپ ثنا خوانِ علی ہے
خورشید کو رجعت ہو وہ فرمانِ علی ہے — جن و ملک و انس پہ احسانِ علی ہے
محسن سے پھرے کیوں سبب اس کا نہیں کھلتا — بے اُن کی عنایت کوئی عقدہ نہیں کھلتا

ہے سورۂ نور ابنِ شہنشاہِ ولایت — سمجھو اُسے مصباحِ شبستانِ ہدایت
یہ مصحفِ ناطق کے صحیفے کی ہے آیت — پایا ہے شرف وہ کہ نہیں جس کی نہایت
شبیر ہے یوں آلِ رسول دوسرا میں — یٰسین ہے جس طرح سے قرآنِ خدا میں

اس صولت و شوکت سے رجز خواں ہوا ضیغم
نے جنگ صفین ہونے لگیں درہم و برہم
سرکا کے سپر جس سے خود چتر زری کو
منھ پھیر کے عباس نے قبضے پہ دھرا ہاتھ
اے کعبۂ تسلیم و رضا قبلۂ حاجات
واللہ جواں آپ سے نایاب جہاں ہیں
آپ آئے ہیں اس وقت مدارات کروں کیا
مشکیزے کو بھر لیجئے حاضر ہے یہ دریا
کچھ مجھ سے دغا ہو تو قسم لیجئے آکر
مرضی ہو تو لکھدوں میں ابھی خطِ غلامی
آپ آئیں تو ہووے ابھی یہ فوج اسامی
گر آپ کا دل صاف ہو بندے کی طرف سے
منھ دیکھ کے اُس کا متبسم ہوئے عباس
میں جانتا ہوں ہے تجھے ایسا ہی مرا پاس
میں کیا ہوں ہر اک طفل بھی اس گھر کا جری ہے
بچپن سے غلامی میں ہا کرتا ہوں دن رات
لازم ہے محمد کے نواسے کی مدارات
ملتی ہے نجات اُن کے سوا کس کے ملے سے
ہے مدح کے قابل پسر حضرتِ زہرا رضہ
حاضر ہے کوثر بھی ہے اور سایۂ طوبےٰ
شبیر کے ہم دامنِ دولت میں پلے ہیں

تھرّا گئے دل کانپ اُٹھا لشکرِ اظلم
نکلا پسرِ سعد لعیں فوج سے اُس دم
کی دور سے تسلیم علمدارِ جری کو
تب کہنے لگا جوڑ کے ہاتھوں کو وہ بدذات
ہیں فوج سے کرتا ہوں تمنا آپ کی دن رات
حضرت سے اولوالعزم زمانے میں کہاں ہیں
بندے کو سرافراز کیا شکر کی ہے جا
اب ہو چکے ہیں آپ مجھے ہوتی ہے ایذا
سایہ میں مرے چتر کے دم لیجئے آکر
ہے فخر کہ آقا ہو مرا آپ سا نامی
جھک جھک کے قدمبوس ہوں سب فوجِ شامی کو
نذریں لئے سردار بڑھیں فوج کی صف سے
فرمایا کہ جو کہتا ہے تو لائے خدا راس
پر بھائی سے برگشتہ ہوں میں اس کی نہ کہہ اس
بھائی کے تصدق سے مری ناموری ہے
اُن کا جو نہوں میں کوئی پوچھے نہ مری بات
ہے اُن کی ملاقات پیمبر کی ملاقات
ل اُس سے کہ ملتا ہے خدا جس کے ملے سے
میں بندۂ ناچیز ہوں تعریف مری کیا
پانی کی نہ خواہش نہ ہمیں چتر کی پروا
سایہ میں جو اُن کے ہیں وہ طوبیٰ کے تلے ہیں

ہے چتر سے بہتر علمِ شاہ کا سایہ   پنجہ یہ نہیں سر پہ ہے اللہ کا سایہ
حق مجھ پہ رکھے فاطمہ کے ماہ کا سایہ   ہے ظلِ ہما سیدِ ذی جاہ کا سایہ
پروا نہیں حصے میں اگر زر نہیں آیا   یہ چتر سلیماں کو میسر نہیں آیا

آقا سے کدورت ہے غلاموں سے صفائی   ہرگز یہ مدارات تری مجھ کو نہ بھائی
پچھتائے گا اچھی نہیں نیکوں سے برائی   وہ پیاسے ہوں اور پانی پیئے ساری خدائی
شبیر کو ایذا ہے مجھے رنج بڑے ہیں   ڈیوڑھی کے قریں دھوپ میں بے سایہ کھڑے ہیں

سوچا عمرِ سعد کہ خالی گئے سب وار   قابو میں کسی طرح نہ آئے گا علمدار
وہ چپ جو ہوا بول اُٹھا شمرِ ستمگار   کیوں کرتے ہیں بیعت میں تامل شہِ ابرار
حاکم ہے زبردست نہ کچھ زور چلے گا   سر تیغ سے کٹ جائیگا خیمہ بھی جلے گا

یہ سنتے ہی عباس کو غیظ آگیا اک بار   تھرانے لگا جسم اُگلنے لگی تلوار
بڑھ کر کہا کیا بکتا ہے او ظالمِ غدار   یاں کچھ ترے حاکم کی حقیقت نہیں زنہار
مرتد ہے مرے کفر سے سرمست ہے ظالم   کیا دستِ خدا سے بھی زبردست ہے ظالم

کیا منھ ہے جو بھائی پہ کوئی ہاتھ اٹھائے   رستم ہو تو مہلت نہ مری تیغ سے پائے
بجلی سی جو چمکے تو کوئی تاب نہ لائے   جل جائے وہ خیمہ کے جلانے کو جو آئے
ہے زینبِ دل سوختہ جس میں وہ گھر ہے   سیدانیوں کی آہ میں بجلی کا اثر ہے

یہ کہہ کے سروہی کو علمدار نے کھینچا   باگوں کو ادھر فوج ستمگار نے کھینچا
نقشہ ملک الموت کا تلوار نے کھینچا   سر خوف سے بانبی میں ہر اک مار نے کھینچا
دہشت سے ہرن دشت کی حد چھوڑ کے بھاگے   دریا کی ترائی کو اسد چھوڑ کے بھاگے

بجلی سی جو چمکی تو درندوں کے اُڑے ہوش   گھر چھٹ گئے بچوں کی ہوئی یاد فراموش
سب کوہ کے دامن میں درندے ہوئے روپوش   تھرانے لگے کان کھڑے کر کے سیہ گوش
ہلتی تھی زمیں شورِ دف و صنج و دہل تھا   شیر آتا ہے۔ چیتے رہو چیتوں میں یہ غل تھا

رانوں میں علمدار نے گھوڑے کو جو مسکا
اُڑنے میں تامل نہ ہوا ایک نفس کا
ممکن نہ ہوا کا گذر اُس تک نہ ہوس کا
غل تھا یہ چھلاوا ہی کہ سایہ ہی فرس کا
شبدیز نظر کو بھی رسائی نہیں دیتا
ہاں تارِ نظر ہی کہ دکھائی نہیں دیتا

گھوڑے کی وہ چھل بل وہ چمک تیغِ دودم کی
یاں گر کے گئی واں دھر آئی تو وہ چمکی
تاب اس کی ہر اک راہ دکھاتی تھی عدم کی
جل جل کے صفیں خاک ہوئیں فوجِ ستم کی
غل تھا کہ چلے آگے کیا روبہ بشر کا
تلوار نہ سمجھو یہ زبانۂ سقر ہی

ہم گھاٹ پہ ہیں۔ نہر ادھر ہی اُدھر آتش
ہی زیر قدم آگ تو بالائے سر آتش
میداں میں ہی دوزخ کی طرح شعلہ در آتش
کھینچے لیے جاتی ہی میان سقر آتش
بچ کر کرۂ نار سے کس طرح نکل جائیں
بھاگیں تو گریں نہر میں یاں ٹھہریں تو جل جائیں

جب تیغ پکڑ کر پسرِ عقدہ کشا آئے
کس طرح سے نیزوں کا ہر اک بند نہ بھٹائے
ٹوٹے ہوئے دل ہیں تو ظفر کیا کوئی پھر پائے
ٹوکے کوئی ضیغم کو کہاں سے یہ جگر لائے
شیروں سے جہاں میں کسے یارا ہی وغا کا
اور شیر بھی وہ شیر جو ہی شیر خدا کا

یہ زور گھٹا ہی کہ کمانیں ہیں کیا دے
ہیں چلہ نشیں تیر ہوئے سست ارادے
ہیں کشمکشِ فوج سے پامال پیادے
غل تھا کسی گوشے میں کوئی ہم کو چھپا دے
ہوں تیر اجل کا جو نشانہ تو بجا ہی
سید سے لڑے کیونکہ یہ ہماری ہی خطا ہی

روباہوں کی فریاد کو سنتا تھا نہ وہ شیر
تھا جوشِ شجاعت سے جہاں آنکھوں میں اندھیر
سن سن صفِ اعدا پہ چلی جاتی تھی شمشیر
پشتے کہیں کشتوں کے کمانوں کے کہیں ڈھیر
ترکش تھی قلم تیغ سے بیدادگروں کے
ایک ایک قدم خاک پہ تودے تھے سروں کے

جس صف پہ گئی تیغ وہ بیجان نظر آئی
سر کاٹ کے یاں سے جو پھری واں نظر آئی
گرتی ہوئی بجلی سرِ میداں نظر آئی
دم میں کہیں سیل اور کہیں طوفاں نظر آئی
اعجاز کے انداز دمِ جنگ دکھائے
اک آبِ دمِ تیغ نے سو رنگ دکھائے

کاٹے ہوئے نیزوں کے کہیں بند پڑے تھے
جو زخمی تھے آنکھیں وہ کیئے بند پڑے تھے
پنجہ کہیں بازو کہیں اور شانے کہیں تھے

تھے غرق بخوں خود کسی جا تو کہیں سر
چار آئینے ٹکڑے تھے کہیں اور کہیں مغفر
ہاتھ اُن کے نہ تھے تن پہ بہادر جو پڑے تھے

یوں سرخ ہوا خوں سے دمِ تیغِ ہلالی
کھینچی قلمِ فکر نے تصویرِ خیالی
دل آب ہی غربت پہ شہِ تشنہ گلو کی

اِک ضرب نہ اُس تیغ کی دشمن نے اُٹھائی
خفت دمِ شمشیر سے جوشن نے اُٹھائی
اِک دم میں نہ مغفر تھا نہ سر تھا نہ گلا تھا

کر دیتی تھی ہر چشم کو خیرہ چمک اُس کی
کیوں دھوم سماسے نہ ہے تا سمک اُس کی
مقراض سی چلتی تھی تنِ اہلِ ستم پر

ہر ضرب میں سر برچھیوں والوں کے اڑائے
دم میں ورق اعدا کے رسالوں کے اڑائے
کم چلتی ہے ایسی بھی ہوا باغِ جہاں میں

بڑھکر جو کوئی شہپرِ غضبناک پہ آیا
تلوار کا سر گردنِ سفاک پہ آیا
چھوٹا نہ جہنم کا کتا استفری سے

زخموں میں جوانانِ تنومند پڑے تھے
تھا باپ کہیں اور کہیں فرزند پڑے تھے
پہنچے کہیں جا پہنچے تھے دستانے کہیں تھے

بکھری ہوئی کڑیاں کہیں جوشن کی سراسر
گھوڑوں کے کہیں زین کہیں باگیں کہیں پاکھر
تلواروں کے پھل ڈھالوں کے پھولوں میں پڑے تھے

جیسے لبِ معشوق پہ ہو پان کی لالی
لیکن نہیں یہ بات بھی کچھ رنگ سے خالی
تلوار بھی پیاسی ہے لعینوں کے لہو کی

دو تھا جو سپر سر پہ تہمتن نے اُٹھائی
تن کیا ہے شکست اُس سے جب آہن نے اُٹھائی
لوہے کو بھی کھا جاتی تھی منہ تھا کہ بلا تھا

دوزخ کے دہانے سے سوا تھی لپک اُسکی
کرتے ہیں صفت سیف زباں آج تک اُس کی
بس قطعہ یہ جامہ تھا اوسی تیغ دودم پر

ٹکڑے صفِ جنگاہ میں بھالوں کے اڑائے
پھل تیغ کے پھول آہنی ڈھالوں کے اڑائے
سر اُڑتے تھے یوں برگ اُڑیں جیسے خزاں میں

خالق کا غضب اُس سگِ ناپاک پہ آیا
سر اُڑ کے گرا نہر میں تن خاک پہ آیا
دوزخ میں بہ خشکی سے گیا اور وہ تری سے

جس طرح تپاں رن میں صفِ فوج کو دیکھا
جب فرد کو دو ٹکڑے کیے پھر سے زوج کو دیکھا
جاتی تھی جو اک برق سے گردوں پہ چمک کے
یاں سے کبھی واں آئے چمک کر ادھر آئی
اُس صف سے زرہ پوشوں کو تک کر ادھر آئی
شمشیر مہِ نو تھی کہیں ہالہ کہیں تھی
ہر وار میں چلّوں کو کمانوں سے اُڑایا
بڑھ بڑھ کے پھر ہروں کو نشانوں سے اُڑایا
جو راہ ہوئی بند وہ تدبیر سے کھولی
چلّے کو اگر بڑھ کے کماندار نے کھینچا
ہاتھ اپنا اُدھر ڈر کے جفاکار نے کھینچا
سہما ہوا وہ دشمنِ دیں غش میں پڑا تھا
سرداروں کے سر خاک پہ ہر بار گرائے
اس طرح پڑے خاک پہ دو چار گرائے
گرتی تھی جو اک برق سی بیداد گروں پر
چار آئنہ کو کاٹ کے اُس شیر کی تلوار
آہن پہ بھی رکتی نہ تھی وہ صاعقہ کردار
تھی پنج تنی تیغ نئے ڈھنگ تھے اُس کے
اُس تیغ نے سب رن کی زمیں خون سے رنگی
کوئی کہیں کشتہ ہے کہیں رومی کہیں زنگی
ہر طائرِ جاں ڈھونڈھتا تھا راہِ عدم کو

بیتاب تلاطم میں نہ یوں موج کو دیکھا
دیکھا کبھی پستی کو کبھی اوج کو دیکھا
کرتے تھے ملک بند دریچوں کو فلک کے
نے سر ہوئی وہ صف نہ تڑپ کر ادھر آئی
یہ واں گئی اور آگ بھڑک کر ادھر آئی
بجلی تھی کہیں شعلہ، جوالہ کہیں تھی
ہاتھوں کو جواں مردوں کے شانوں سے اُڑایا
جرّار نے نیزوں کو سنانوں سے اُڑایا
نیزہ کی گرہ ناخنِ شمشیر سے کھولی
جوں کاہ رُبا تیر کو تلوار نے کھینچا
تلوار نے چھوڑا تھا کہ بس نار نے کھینچا
اک رشتۂ جاں لاکھ کشاکش میں پڑا تھا
کس طرح اُٹھے جس کو وہ تلوار گرائے
جیسے کوئی فولاد کی دیوار گرائے
جا پڑتے تھے اس صف کے سر اس صف کے سروں پر
یوں تن میں در آتی تھی کہ صابوں میں جوں تار
خود و زرہ و بکتر و دستانے تھے بیکار
یہ چار تو ہر وار میں جو رنگ تھے اُس کے
مارے گئے جتنے تھے جواں فوج میں جنگی
ہل چل تھی کہ سینوں میں نفس کرتے تھے تنگی
پر تن سے نکلنے کی نہ جا ملتی تھی دم کو

اسواروں کے تن نے تگ و دو ہو گئے نے سر — بھاگے سپرِ ریگ کے تو ہو گئے بے سر
ستورہ گئے دو دو سو میں تو سو ہو گئے نے سر — دس میں جو بچا ایک تو نو ہو گئے بے سر
تھا شور کہ بھاگو کسے طاقت ہے وغا کی — موج آتی ہو دریا کی طرح بحرِ فنا کی
غازی سے جو لڑنے سپہ شام میں آئے — آہو کی طرح پنجۂ ضرغام میں آئے
پہنی جو زرہ جامے کو اندام میں آئے — دی موت نے آواز کہ اب دام میں آئے
سمجھے ہو غلط یہ کہ حصار آہنی ہوگا — دم میں نہ زرہ ہوگی نہ چار آئنہ ہوگا
شعلہ کی لپک فوج کو دکھلا کے پھر آئے — دس بیس کے سر خاک پہ برسا کے پھر آئے
دریا سے چمک کر گئے لہرا کے پھر آئے — چلاتے تھے ناری کہ اجل جا کے پھر آئے
مہلت ہو جو دم بھر تو کسی گھات سے بھاگیں — حیراں ہیں کہاں مرگِ مفاجات سے بھاگیں
بجلی سی اُدھر صف پہ گری اور اِدھر اُلٹی — بازو تھا قلم ہاتھ سے جس کے سپر اوٹھی
گر سنگ پہ بیٹھی تو بسانِ شرر اوٹھی — جس غول سے جس صف سے اٹھی غل میں ترا اٹھی
رہ رہ کے اُڑاتے تھے جو اعدا کے سروں کو — چھاتی تلے جبریل چھپاتے تھے پروں کو
قوت اسد اللہ کے غازی نے دکھائی — شان اپنی لڑائی کی تو غازی نے دکھائی
لشکر شکنی شیرِ حجازی نے دکھائی — بجلی کی تڑپ دشت میں تازی نے دکھائی
لڑنے جو بڑھا ڈر سے لہو گھٹ گیا اُس کا — گھوڑے کی پڑی ٹاپ کہ سر پھٹ گیا اس کا
بجلی میں نہ ایسی کبھی چھل بل نظر آئی — کاوے تھے کہ پھرتی ہوئی اک کل نظر آئی
تاروں سے چمکتی ہوئی ہیکل نظر آئی — آیا وہ جدھر فوج میں ہل چل نظر آئی
دریا تھا کہ دکھلاتے روانی نظر آیا — جب ٹاپ پڑی خاک سے پانی نظر آیا
جانباز قوی ہیکل و خوش رو و توانا — کوڑا کسے کہتے ہیں کبھی اُس نے نہ جانا
دو دور ہے نہ کاہ میسر تھی نہ دانا — کاووں میں بھلا لگتا تھا کیا جھوم کے آنا
صرصر تھا کسی جا تو کہیں کبک دری تھا — پوئی میں جو طاؤس تو اُڑنے میں پری تھا

گردن تلک اسوار چھپے پیش و پس ایسا
سائے پہ بھی بل کرتا تھا فاقوں میں کس ایسا
مرکب جو لڑائی میں خدا دے تو بس ایسا
اسوار جو ایسا ہو تو ہووے فرس ایسا
رف رف بھی اس انداز سے فر فر نہیں جاتا
یوں تختِ سلیماں بھی ہوا پر نہیں جاتا

تھا شور کہ بھاگو یہ لڑائی ہی علی کی
پنجہ یہ علی کا یہ کلائی ہی علی کی
جرات اسی جرار نے پائی ہی علی کی
نے سر ہوئے جاتے ہیں دُہائی ہی علی کی
ای شیرِ ژیانِ اسد اللہ اماں دے
ای قوتِ بازوئے ید اللہ اماں دے

اب زیست کا اپنی کوئی اسباب نہیں ہی
دہشت سے تری کس کا جگر آب نہیں ہی
گھر موت کا ہی تیغ کی اب آب نہیں ہی
تلوار نہ چمکا کہ ہمیں تاب نہیں ہی
کر رحم محمد کے نواسے کا تصدق
یہ مشک ہی جس کی اسی پیاسے کا تصدق

نوشاہ کے اس لاشۂ پامال کا صدقہ
اکبر کی جوانی کا اور اقبال کا صدقہ
پیاسے علی اصغر کے سن و سال کا صدقہ
خون اب نہ بہا فاطمہ کے لال کا صدقہ
دم بند ہوئے ڈر سے تری تیغِ دو دم کے
آزاد کر اب ہم کو تصدق میں علم کے

حقا کہ تجھے قوتِ خیبر شکنی ہی
تلوار کا مالک ہی شجاعت کا دھنی ہی
بس اب نہ بگڑ ہم سے کہ جانوں پہ بنی ہی
تو فیض کا دریا ہی غنی ابنِ غنی ہی
مشہور ہی قاتل پہ جو احسان کیے ہیں
حیدر نے تو دشمن کے گنہ بخش دیئے ہیں

حضرت نے سنی جب یہ لعینوں کی دہائی
کیا رحم ہی امت کے لیئے چشم بھر آئی
گھبرا کے بلندی سے یہ آواز سنائی
بس بس مرے بھائی مرے بھائی مرے بھائی
اس وقت اماں دے انھیں گو نسلِ دنی کی
عباس ہیں قربان یہ امت ہی نبی کی

روتا ہو سنی جاتی نہیں مجھ سے یہ فریاد
دشمن کی بھی ہم لوگ سدا کرتے ہیں امداد
بچوں پہ مرے ہووے تو ہو پیاس کی بیداد
مر جائے سکینہ مگر امت نہ ہو برباد
پانی نہیں ملتا تو چلے آؤ برادر
اگر مری چھاتی سے لپٹ جاؤ برادر

غازی نے صدا دی کہ میں ہوں تابعِ فرماں
اقبال سے حضرت کے مرے ہاتھ ہی میداں
میداں کی تو سب خوں میں سرشار صفیں ہیں
پھر آنے کا موقع نہیں اے عاشقِ باری
سنتے نہیں دشمن کی کبھی منت وزاری
اُمت نے ہمیں خوں سے رضا مند کیا ہی
یہ کہہ کے لیا شیر نے دریا کا کنارا
اک آن میں تلوار کے گھاٹ اُن کو اتارا
تیر آئے ہزاروں پہ نہ گھائل ہوئے عباس
پانی میں یکایک جو پڑا عکس عَلَم کا
ٹپکا جو پسینہ رُخِ سقائے حرم کا
کوسوں گئی پھولوں کی مہک دشتِ بلا سے
دی خضر نے آواز کہ اے یوسفِ ثانی
رو کر یہ پکارا اسداللہ کا جانی
خشکی میں تباہی ہے سفینے پہ نبی کے
جل جائے کلیجہ تو نہ میں پیاس بجھاؤں
حسرت ہے کہ یہ مشک لئے خیمہ میں جاؤں
تلواریں بھی برسیں تو نہ تیور پہ بل آئے
فرماکے یہ رکھا تہِ راں تیغِ دودم کو
پھر جھک کے بھرا مشکِ یتیمانِ حرم کو
کیا ساتھ دیا پیاس میں اُس بحرِ عطا کا

بندے سے وغا کرتے ہیں یہ دشمنِ ایماں
اب نہر کو لیتا ہی غلام اے شہِ ذی شاں
باقی فقط اب گھاٹ کی دو چار صفیں ہیں
مر جائے گی بن پانی سکینہ مری پیاری
آتش میں جلا دینے کے قابل ہے یہ ناری
پردیسیوں پر آبِ رواں بند کیا ہی
پھرتی سے جھپٹ کر اسے مارا اُسے مارا
سمٹا ہوا لشکر متفرق ہوا سارا
تلوار لیئے نہر میں داخل ہوئے عباس
تھا پنجۂ خورشید کہ آئینے میں چمکا
پانی میں ملا عطرِ گلِ باغِ ارم کا
فردوس کی بو آگئی دریا کی ہوا سے
گرمی میں گوارا ہو تجھے نہر کا پانی
ہفتم سے ہی آقا کو مرے تشنہ دہانی
اطفال تڑپتے ہیں حسین ابنِ علی کے
کوثر کا ہو پانی تو نہ لب تک اُسے لاؤں
ٹھنڈا مرا دل ہو جو سکینہ کو پلاؤں
جینے کا مزہ کیا جو وفا میں خلل آئے
اور داب لیا دوسرے زانو سے علم کو
دریا سے نکالا فرسِ تیز قدم کو
افسانہ رہا خلق میں گھوڑے کی وفا کا

دیکھا جو عمر نے کہ چلا شاہ کا غم خوار
لو مشک لیے جاتا ہے عباس علمدار
ہے موت جو قابو میں نہ یہ شیر اب آیا
ہے شیث کدھر لیکے کمانداروں کو بیچ جا
نوفل بھی پرا اپنے سواروں کا جمائے
خشکی میں نبی زادوں کی کشتی کو ڈبو دو
جو تیر بہادر کے لگا دے وہ گہر لے
باور جو نہ ہو مہر مری فرد پہ کر لے
کچھ غم نہیں مجھ کو جو خزانہ مرا لٹ جائے
پانی کے نہ دینے سے ہم ان شیروں پہ چیرہ رہیں
دنیا میں یہی مالکِ شمشیرِ دو سر ہیں
پانی جو گیا خیمۂ شاہِ شہدا میں
ساحل سے بڑھا آتا ہے وہ گھاٹ پہ جاؤ
مشکیزہ سے پانی تو لہو تن سے بہاؤ
دیکھوں میں کہ یاں جشن ہے واں بزم عزا ہے
آنکھوں سے میں دیکھوں کہ گرا گھوڑے سے عباس
یہ مشک و علم خون میں تر لے کے مرے پاس
خلعت تمہیں پہناؤں کہ آرائشِ تن ہو
یہ سن کے پھری دور سے بھاگی ہوئی سب فوج
نقارہ جو تھی فرد وہ دو ل لچی ہوئی زوج
دم لیکے صفِ جنگ میں تنہا نے صدا کی
چلانے لگا پیٹ کے زانو وہ جفاکار
دوڑو صفت ابر کرو تیروں کی بوچھار
مشکیزہ گیا خیمے تلک اور غضب آیا
نیزوں کی سناں ابنِ انس ڈھکے ہلائے
سقائے حرم راہ نکلنے کی نہ پائے
ہاں خوں میں سکینہ کے بہشتی کو ڈبا دو
اس شیر کو جو ذبح کرے خوں میں وہ زر لے
سر لیکے پھرے جو وہ سپر ان کے بھر لے
عباس علمدار مگر بھائی سے چھٹ جائے
ہٹتے ہیں کوئی یہ اسد اللہ کے پسر ہیں
تلواروں میں آنے کے لئے سینہ سپر ہیں
یہ آگ لگا دیویں گے میدانِ وغا میں
جب جانوں جو اس شیر کا سر کاٹ کے لاؤ
تیغوں سے چراغِ شہِ مرداں کو بجھاؤ
ٹوٹے کمرِ سبطِ پیمبر تو مزا ہے
کانوں سے سنوں میں کہ سکینہ ہوئی بے آس
غل ہو کہ نہ شبیر کے بچوں کی بجھی پیاس
اور لاش علمدار کی محتاجِ کفن ہو
جس طرح کہ آندھی سے سمندر میں اٹھے موج
افتادہ نشانوں کو دوبارہ ہوا پھر اوج
بیٹھی ہوئی آواز کھلی طبل وغا کی

سب شام کی فوج ابنِ یداللہ پہ آئی — کس شور سے گھنگور گھٹا ماہ پہ چھائی
سب تیروں کی بوچھار جو ذی جاہ پہ آئی — تلوار کی بجلی صفِ گمراہ پہ آئی
روکیں سپریں رہنے قدم پیچھے ہٹا کے — اک دم میں دھوئیں اُڑ گئے ڈھالوں کی گھٹا کے

کس طرح رُکے ایک سے دو لاکھ کا ریلا — اک قہر کا دریا تھا یہ کیا کیا اُسے جھیلا
سقائے یتیمانِ حرم جان پہ کھیلا — واحسرتا و دردا وہ ہزاروں پہ اکیلا
اس جنگ کو پوچھے کوئی اُس تشنہ جگر سے — پانی نہ ملا ہو جسے چوبیس پہر سے

لاکھوں سے لڑے یوں علمِ شہ کو سنبھالے — کچھ مشک پہ آفت ہو تو کیونکر اُسے ٹالے
فرصت یہ کہاں تیر جو سینہ سے نکالے — دم لینے میں سو جسم پہ پڑ جاتے تھے بھالے
سر زخمی ہی خون بہ کے ٹپکتا ہی گلے سے — پر مشک ہٹاتے نہیں چھاتی کے تلے سے

تھا شور کہ یہ شبیرؑ کا یاں جانے نپائے — ہاں غازیو یہاں تشنہ دہاں جانے نپائے
بازوئے امام دو جہاں جانے نپائے — جس گھر کا بہشتی ہی یہ واں جانے نپائے
برباد کرو محنتِ سقائے سکینہ — گر پیاس سے مرتی ہی تو مر جائے سکینہ

ملتی جو نہ تھی راہ تو حیران تھا علمدار — بہتی میں تگ و دو سے تھکا جاتا تھا رہوار
ہر ضرب میں سر خاک پہ گر پڑتے تھے دو چار — ٹوٹی ہوئی تھی خون میں ڈوبی ہوئی تلوار
سرخ آنکھیں تھیں غصہ سے پسینہ تھا جبیں پر — کُہنی سے ٹپکتا تھا لہو خانۂ زیں پر

ناگاہ پسِ پشت گئے دو ستم ایجاد — تھا ایک حکیم ابنِ طفیل اک بن و قاد
مکار ستمگار دغا پیشہ و کیاد — سادات کو کعبہ میں کریں ذبح وہ جلاد
جو مشک کو تاکے تھے نظر اُن کی اُدھر تھی — پہلو سے اجل آتی ہی اس کی نہ خبر تھی

شانے پہ جو ظالم نے برابر سے کیا وار — جس ہاتھ میں تھی تیغ قلم ہو گیا اک بار
غصے میں جو قاتل پہ چلے داب کے رہوار — ہیہات چلی دوسرے قاتل کی بھی تلوار
عباس دلاور کو اُسی ہاتھ کا غم تھا — وہ ہاتھ بھی رہتی ہیں گر جس میں علم تھا

اک چوٹ لگی دل پہ گرا جب علمِ شاہ
کیا ہمتِ عالی تھی ارادہ تھا عجب واہ
اس وقت عجب شان تھی اُس تشنہ دہن کی
مجبور تھا غازی کہ نہ تھی ہاتھ میں شمشیر
واحسرت و دردا کہ لگا مشک پہ اک تیر
گھوڑے سے گرا خاک پہ سقائے سکینہ
دریا پہ ہوا شور کہ ضرغام کو مارا
واللہ بڑے صاحبِ صمصام کو مارا
لو کر علمِ صاحبِ معراج لیا ہے
پہونچی یہ صدا کان میں حضرت کے جو ناگاہ
خم ہو کے پکارے کہ کمر ٹوٹ گئی آہ
لو صاحبو حضرت پہ فدا ہو گیا بھائی
تم ساتھ رہو باپ کے اے اکبرِ مہرو
اُٹھ اُٹھ کے کئی بار گرے ہیں شہِ خوشخو
اک دم بھی جدا ہو گے جو اس وقت پدر سے
اب کوئی نہیں شاہ کے جینے کا سہارا
ڈیوڑھی پہ یہ غل سُن کے سکینہ نے پکارا
کیوں روتے ہیں قربان میں شاہِ شہدا پر
کہ دے کوئی پانی نہیں ملتا تو نہ لائیں
پانی پہ لگے آگ وہ دریا پہ نہ جائیں
صدقے میں قصور اُن کی محبت میں نہیں ہے

چلائے یہ کیا قہر ہوا اے مرے اللہ
پکڑے ہوئے تھا مشک کو دانتوں میں ذی جاہ
گویا دہنِ شبیر میں گردن تھی ہرن کی
ہر سو نگراں تھا کوئی بنتی نہ تھی تدبیر
پانی جو بہا اور بھی حالت ہوئی تغئیر
مشکیزے پہ منہ رکھ کے کہا ہائے سکینہ
پیاسا شہِ مرداں کے گل اندام کو مارا
لو فتح ہوئی شاہِ خوش انجام کو مارا
صفین کے کشتوں کا عوض آج لیا ہے
بیکس پہ گرا یاس میں کوہِ غمِ جانکاہ
دوڑی یہ بیاں کرتی ہوئی زینبِ ذیجاہ
ہے ہے مرے بھائی سے جدا ہو گیا بھائی
ماتم ہے جواں بھائی کا دل پر نہیں قابو
تھامو مرے ماں جائے کا ٹوٹا ہوا بازو
میں بالوں کو بکھرا کے نکل آؤں گی گھر سے
عاشق مرے ماں جائے کا دنیا سے سدھارا
کیا کہتے ہو تم سب ارے لوگو کسے مارا
کیا دشت میں کچھ بن گئی ہے میرے چچا پر
زخم تبر و تیر و سناں تن پہ نہ کھائیں
ہے ہے مرے مظلوم پدر کو نہ رلائیں
کیوں لڑتے ہیں پانی مری قسمت میں نہیں ہے

ہی ہی کہیں لُٹ جائے نہ زہرا کی کمائی
معلوم تھی مجھ کو تو مقدر کی بُرائی
اس پیاس نے شرمندہ کیا سبطِ نبی سے
تھا زوجۂ سقائے سکینہ کا عجب حال
کہتی تھی گیا نہر پہ کیوں فاطمہ کا لال
نے وجہ یہ حالِ شہِ دیں غیر نہیں ہی
میں رانڈ ہوئی دل مرا دیتا ہی گواہی
یہ ایک اُدھر نہر پہ دو لاکھ سپاہی
پیاسے پہ جو کوہِ غمِ جانکاہ گرا ہی
فضہؑ سے کہا پردے کا اس وقت نہ کر دھیان
ہی ہی مجھے ماتم کا نظر آتا ہی سامان
دریا پہ ہیں یا شام کے لشکر میں نہاں ہیں
فضہؑ گئی روتی ہوئی اور پیٹتی آئی
سیدانیو مارا گیا شبیرؑ کا بھائی
ڈیوڑھی سے ہٹو لشکرِ غم آتا ہی لوگو
طور اُن کی ملاقات کا اب حشر پہ ٹھہرا
تھامے ہیں کمر زخم کلیجے میں ہی گہرا
پانی جو بہا جان گنوا دی اسی غم میں
رہوار بھی کوتل ہی کہ مارا گیا اسوار
منھ دیکھ کے دریا کی طرف تکتا ہی رہوار
آنسو ہیں رواں خاک میں سب بال اٹے ہیں

مرجاؤنگی زخمی جو ہوا شاہ کا بھائی
پچتاتی ہوں کیوں خشک زباں اُن کو دکھائی
اب آنکھ مری چار نہ ہووے گی کسی سے
ماتھا تو بھرا خاک سے اور بکھرے ہوئے بال
غل کیسا ہوا لُٹ گیا لوگو مرا اقبال
اللہ کرے خیر مگر خیر نہیں ہی
پردیس میں آئی مرے بچوں پہ تباہی
کس کس سے لڑے دلبرِ ضرغامِ الٰہی
یا مشک چھدی یا علمِ شاہ گرا ہی
بچے مرے روتے ہیں لبوں پہ ہی مری جان
لاوے مرے وارث کی خبر میں ترے قربان
دیکھ آ کہ سکینہ کے چچا جان کہاں ہیں
تھا لب پہ کمر رکھ کہ دہائی ہی دہائی
حیدر کے بھرے گھر کی ہوئی آج صفائی
عباسؑ نہ آئیں گے علم آتا ہی لوگو
خم ہو گئی ہی ہی کمرِ دلبرِ زہرا
افشاں ہی لہو سے علمِ دیں کا پھریرا
تیروں سے چھدی مشک لٹکتی ہی علم میں
ہرنی سی لگی ہی سپر و تیغِ علمدار
سر زخمی ہی ڈھلکا ہوا زین خوں سے ہی گلنار
گردن ہی چھدی تیروں سے اور بال کٹے ہیں

حضرت کو ہی بھاوج کے رنڈاپے کا بڑا غم
عباس کے خیمے میں بچھا دو صفِ ماتم
پردیس میں عموں سے چھٹی ہائے سکینہ
فضہ نے کہا یہ جو بصد گریہ و زاری
سر پیٹ کے یہ زوجۂ عباس پکاری
لوگو شہِ والا کے مصاحب نہیں آئے
ناگہ علمِ شاہ چمکتا نظر آیا
مشکیزۂ بے آب لٹکتا نظر آیا
لشکر کی جو زینت کو قضا لوٹ گئی تھی
تھامے ہوئے دامانِ علم سبطِ پیمبر
رایت کو سنبھالے ہوئے چلاتے تھے اکبر
عمو ہے تمامی ہوئی اس جاہ و حشم کی
ڈیوڑھی سے جھکا کر جو اسے خیمے میں لائے
غل پڑ گیا ہی ہی اسد اللہ کے جائے
پیاسے گئے پانی نہ پیا نہر میں جا کے
عباس کے فرزند تڑپتے تھے زمیں پر
کہتا تھا بڑا خاک پہ سر اپنا پٹک کر
دل سینے میں بیتاب ہی ٹکڑے ہیں جگر کے
سب خیمے میں ہیں اُن کو کیا کس کے حوالے
سمجھاتے تھے اکبر اُسے گودی میں سنبھالے
تڑپو نہ کہ بیتاب امامِ دوسرا ہیں

پُرسے کے لیئے آئینگے اب قبلۂ عالم
پیٹیں وہیں سر کھول کے سب بی بیاں باہم
تھامو اُسے ایسا کہ نہ مرجائے سکینہ
ہی ہی کا ہوا غل کہ زمیں ہل گئی ساری
مجھ کو تو دکھا دو مرے وارث کی سواری
ہی ہی علم آیا مرے صاحب نہیں آئے
ماتم تھا کہ پنجہ بھی لچکتا نظر آیا
اور خون پھریرے سے ٹپکتا نظر آیا
صدمے سے علم کے بھی کمر ٹوٹ گئی تھی
خوں منھ پہ ملے چاک گریباں کھلے سر
حمزہ کی وفات آج ہوئی اُٹھ گئے حیدر
بس آخری ہی آج زیارت یہ علم کی
حضرت کے حرم زیرِ علم پیٹتے آئے
مشکیزہ بھی تیروں سے چھدا زخم بھی کھائے
صدقے تری سقائی کے قربان وفا کے
تھامے تھے حسین ایک کو اور ایک کو اکبر
للہ ہمیں چھوڑ دو اس وقت بہادر
سر پیٹینگے ہم جائینگے لاشے پہ پدر کے
لاشے کو کہیں فوجِ ستم روند نہ ڈالے
رستہ نہیں دینے کے تمھیں برچھیوں والے
لاشے کی نگہبانی کو واں شبرِ خدا ہیں

ناشاد سکینہ کا عجب حال تھا غم سے
آنکھوں کو چرائے ہوئے سلطانِ امم سے
یہ تشنہ جگر قابلِ تعزیہ ہی لوگو
عاشق نے مرے میرے لئے جان گنوائی
اب شاہ کہاں پائینگے اس طرح کا بھائی
جانے ہوئے کیا غازی تھی کیا جاہ و حشم تھا
اب کون مری پیاس کا غم کھائے گا ہی ہی
کیا جانتی تھی بیچ یہ پڑ جائے گا ہی ہی
روکے نہ کوئی واسطے دیتی ہوں خدا کے
اس شور میں زینب سے کہا شہ نے کہ جاؤ
زینب نے کہا بانوئے بیکس ادھر آؤ
تقدیر نے لوٹا اُسے آفت کی سفر میں
لے آئیں اُسے بی بیاں کرتی ہوئی زاری
دیکھو تو ذرا خوں میں بھری مشک ہماری
مشکیزہ تو دیکھا تنِ صد پاش کہاں ہی
یہ سن کے اُٹھے خاک سے روتے ہوے سرور
بھاوج سے یہ فرمایا کہ ای بیکس و مضطر
لاشا نہ اُٹھانا یہ وصیت ہی اخی کی
پھر کر جو لگی دیکھنے وہ بیکس و ناچار
دم گھٹنے لگا سینے میں تڑپا یہ دلِ زار
طاقت یہ نپائی کہ گرے جاکے علم پر

ماں تھامتی تھی اور وہ لپٹتے تھے علم سے
چلاتی تھی فریاد چچا چھٹ گئے ہم سے
کیوں پانی کو بھیجا مری تقصیر ہی لوگو
جیتی رہی رونے کو مجھے موت نہ آئی
پانی جو نہ پایا مجھے صورت نہ دکھائی
اُن ہاتھوں کے قربان میں جن میں یہ علم تھا
کون اب مرے مشکیزہ کو بھر لائے گا ہی ہی
ڈوبا ہوا خوں میں یہ علم آئے گا ہی ہی
اب جاکے میں سر پیٹوں گی لاشے پہ چچا کے
اب زیرِ علم زوجۂ عباس کو لاؤ
پہلے جو مناسب ہو تو رنڈ سالہ پنھاؤ
اِک دن تھا کہ یہ بن کے دلہن آئی تھی گھر میں
چلائی سکینہ کہ چچی جان میں واری
وہ زیرِ علم خاک پہ گر کر یہ پکاری
بتلاؤ کہ وارث کی مرے لاش کہاں ہی
مسند پہ لٹایا علم اور ڈالدی چادر
مجبور تھا دریا سے میں لا نا سکیں کیونکر
سمجھو کہ یہی لاش ہی عباسِ علی کی
معلوم ہوا صاف کہ ہی لاشِ علمدار
تاریکی سی آنکھوں کے تلے چھاگئی اک بار
غش ہوگئی منہ رکھ کے سکینہ کے قدم پر

چلائے حرم ہائے علمدار علمدار	لوٹے گئے ہم ہائے علمدار علمدار
نکلا ترا دم ہائے علمدار علمدار	تنہا ہے علم ہائے علمدار علمدار
اے شیر جواں کس کی نظر کھا گئی تجھ کو	بتیس برس کا تھا کہ موت آگئی تجھ کو
کیا پیٹے گی ماں جائے کی جب گھر میں سنائی	مادر کو بڑھاپے میں دیا داغ جوانی
یوں مٹ گئی ہے ہے شہ مرداں کی نشانی	خوں بہ گیا اور ہاتھ نہ آیا ترے پانی
روئیں گے جوانانِ مدینہ ترے غم میں	مر جائے گی ناشاد سکینہ ترے غم میں
اے سیدِ لب تشنہ کے غمخوار برادر	مظلوم کے بیکس کے مددگار برادر
اے بھائی کی راحت کے طلبگار برادر	غمخوار خوش اطوار وفادار برادر
کہتے نہیں اب شہ سے کہ کیوں روتے ہو بھائی	خاک اُڑتی ہے یاں نہر پہ تم سوتے ہو بھائی
اس مدح میں ہر چند خموشی ہے مرا ننگ	پر ہے دلِ حاسد کی طرح وقت بہت تنگ
تھا سچ بھی انیس آج کے پڑھنے کا نیا ڈھنگ	ہر مصرعۂ رنگیں نے دکھایا ہے عجب رنگ
حق یہ ہے کہ تو بلبلِ بُستانِ رضا ہے	تھوڑی سی بھی مہلت جو فلک دے تو مزا ہے

رُباعی

خورشید شرف برج شرف میں ہوگا	جو ہر معدن میں دُرِ صدف میں ہوگا
مشرق میں کہ مغرب میں کرو دفن اُسے	جو عاشقِ حیدر ہے نجف میں ہوگا

رُباعی

ہر برگ سے قدرتِ احد پیدا ہے	ہر پھول سے صنعتِ صمد پیدا ہے
سینہ ہے بشر کا وہ محیطِ زخار	ہر ایک نفس سے جزر و مد پیدا ہے

مرثیہ ۱۲

جب بادبانِ کشتیِ شاہِ اُمم گرا
یعنی زمیں پہ فوجِ خدا کا علم گرا
گھوڑے سے واں برادرِ عالی ہمم گرا
یاں فاطمہ کے لعل پہ کوہِ الم گرا
صدمہ ہوا یہ دل پہ امامِ انام کے
خم ہو گئے کلیجے کو ہاتھوں سے تھام کے

بجتا تھا واں سپاہ میں نقارۂ ظفر
ماتم تھا نوجوانیِ عباس کا ادھر
بیٹھے تھے فرشِ خاک پہ سلطانِ بحر و بر
اکبر کھڑے تھے سامنے چپکے جھکائے سر
پاسِ ادب سے شاہ کے کچھ کہہ نہ سکتے تھے
چہرہ تھا سُرخ آنکھوں سے آنسو ٹپکتے تھے

اعدا پکارتے تھے کہ یا شاہِ دیں پناہ
باقی ہی کوئی اور کہ بس ہو چکی سپاہ
عباس سا تو اب کوئی ہو گا نہ خیر خواہ
بھیجو کسی کو جلد کہ ہم دیکھتے ہیں راہ
چننے دو گل پسر کو شہادت کے باغ سے
کب تک بچایئے گا کلیجے کو داغ سے

دنیا سے کوچ کر گئے عباسِ نامدار
اب بے چراغ ہی لحدِ شیرِ کردگار
حضرت کا شکر و صبر ہی عالم پہ آشکار
مثلِ خلیل کیجیے فرزند کو نثار
آہیں نہ بھریے بیٹھ کے سر کو نہ روئیے
جب جانیں ہم کہ کھو کے پسر کو نہ روئیے

بھائی کا داغ اور ہی داغِ پسر ہی اور
بازو کا درد اور ہی دردِ جگر ہی اور
قوت بدن کی اور ہی نورِ نظر ہی اور
سینے کا زخم اور ہی دردِ کمر ہی اور
گر صبر ہی تو گود کے پالے کو بھیجئے
نیزوں میں اپنے گیسوؤں والے کو بھیجئے

دشوار ہی اگر غمِ فرزندِ نوجواں
مرنے کو آپ آئیے ای قبلۂ زماں
مشتاق تیر ہیں تبر و خنجر و سناں
جان اپنی دیجئے جو ہی پیاری پسر کی جاں
اصغر سے کچھ غرض ہی نہ اکبر سے کام ہی
ہم کو تو آپ کے سرِ انور سے کام ہی

حضرت نے مسکرا کے نظر کی سوئے پسر
فرمایا کیا ارادہ ہی اے غیرتِ قمر
عباس کے فراق نے مارا غلام کو
شہ نے کہا خوشی ہی بہر حال خاکسار
پر ہیں نہ دو نگار رخصتِ میدان کا ہزار
راضی ہوں وہ تو داغ انھیں دے کے جائیے
روکونگا میں تمھیں یہ نہ کیجو کبھی خیال
صدقے ہی نورِ عین تصدق ہی جان و مال
ماں کون باپ کون عطا کبریا کی ہی
تو طرح کا ملال ہوا میں نے کچھ کہا
بھائی کا انتقال ہوا میں نے کچھ کہا
آنکھوں کا نور جائے کہ گھر لٹے چراغ ہو
خیمے میں آئے روتے ہوئے اکبر حزیں
اک آہِ سرد بھر کے یہ بولا وہ مہ جبیں
روتے ہیں غیر سید والا کے حال پر
اعدا کا ظلم بھائی کا غم تین دن کی پیاس
اب میں ہوں اور کوئی نہیں شاہِ دیں کے پاس
گھیرے ہیں سب امامِ غریب الدیار کو
تنہا کہاں امام کہاں وہ ہجومِ عام
فریاد ہی کوئی نہیں آتا ہمارے کام
مظلوم باپ آنکھوں کے آگے ہلاک ہو

نعلینِ عرش سا پہ جھکا یا پسر نے سر
کی عرض اذن دیجیے یا شاہِ بحر و بر
بس اب نہیں ہی صبر کا یارا غلام کو
تم سے جو سو پسر ہوں تو اس راہ میں نثار
اس امر میں تمھاری پھوپھی کو ہی اختیار
پالا ہی جس نے اُس سے رضا لیکے جائیے
صابر خدا کی راہ میں ہی فاطمہ کا لال
طفل و جوان و پیر کا حافظ ہی ذوالجلال
اولاد ہی تو کیا ہی عنایت خدا کی ہی
بیجاں حسن کا لال ہوا میں نے کچھ کہا
سب باغ پائمال ہوا میں نے کچھ کہا
حاضر دل و جگر ہی تمھارا بھی داغ ہو
چھاتی لگا یا ماں نے پھوپھی نے بلائیں لیں
نرغے میں ظالموں کے اکیلے ہیں شاہِ دیں
اماں مقامِ رحم ہی بابا کے حال پر
بازو شکستہ ضعفِ بصارت ہجوم یاس
اس پر بھی اضطراب نہیں کچھ نہ ہے حواس
تنہا کھڑے ہیں تولے ہوئے ذوالفقار کو
میں یاں ہوں اتنے اور بڑھی ہو گی فوجِ شام
سنتا ہی صفحۂ دو جہاں سے بدر کا نام
بیٹا جوان ہم سا نہ پیوند خاک ہو

تقدیر نے کیا نہ شہادت سے بہرہ یاب
اچھا مریں گے بعدِ شہِ آسماں جناب
ہم بھی نہیں اگر نہیں فرزندِ بوتراب
ذرہ کہاں غروب ہوا جبکہ آفتاب
دنیا کا نور نیرِ اعظم کے ساتھ ہے
اپنی تو زندگی شہِ عالم کے ساتھ ہے

جب گھر لُٹا تو شوکتِ شاہانہ پھر کہاں
صاحب نہ ہو تو رونقِ کاشانہ پھر کہاں
اندھیر جب ہو روشنیٔ خانہ پھر کہاں
گل ہو گئی جو شمع تو پروانہ پھر کہاں
ہم ہوں جہاں میں دلبرِ ختمِ رسل نہ ہو
بلبل کی زندگی کا مزا کیا جو گل نہ ہو

دنیا سے ہم کو جلد اُٹھالے ہمارا رب
آغوشِ قبر میں ہو الٰہی ہمیں یہ شب
صدقے ہوں غیر سبطِ نبی کے قدم پہ سب
بیٹا مدد نہ کر سکے بابا کی ہے غضب
مانع ہیں آپ اور یہ بھی سدِ راہ ہیں
میرا قصور کچھ نہیں زہرا گواہ ہیں

مجھ کو تو آرزو ہے کہ سر کو فدا کروں
راہِ خدا میں فوج سے تنہا وغا کروں
سر سے حقوقِ والدِ ماجد ادا کروں
مالک مرے اگر نہ رضا دیں تو کیا کروں
واں اقتلوا الحسین کا اعدا میں شور ہے
پر کچھ ہمارا پالنے والوں سے زور ہے

تم دونوں صاحبوں سے مرے اب ہیں دو سوال
اول تو یہ کہ دیجے مجھے رخصتِ جدال
رکھ لیجے آبروئے پسر بہرِ ذوالجلال
آگے مرے شہید نہ ہو فاطمہ کا لال
للہ ہاتھ اُٹھائیے اب نورِ عین سے
اماں ہمیں عزیز نہ کیجے حسین سے

ہے دوسری یہ عرض جو رخصت نہیں قبول
جلدی ہو کربلا سے روانہ یہ دل ملول
یثرب سے کیا علاقہ ہے بطحا سے کیا حصول
نہ جائیں گے نجف نہ سوئے روضۂ رسول
جنگل کی راہ لیں گے گریباں کو پھاڑ کے
کافی ہیں منہ چھپانے کو دامن پہاڑ کے

پوچھیں جو دوستانِ مدینہ مری خبر
کہہ دیجیو نہ آئیں گے اب وہ کبھی ادھر
صدقے امامِ دیں پہ ہوئے سارے نامور
کچھ اُن سے ہو سکی نہ مددگاری پدر
بستی بسا کے رن میں شہ کربلا رہے
کنبے سے منہ چھپا کے وہ جنگل میں جا رہے

رونے لگا یہ کہہ کے جو وہ چودھویں کا ماہ
بھاوج کے منھ پہ پاس سے زینبؓ کی نگاہ
بنت علی تو خاک پہ تھرا کے گر پڑی
ماں کو اٹھا کے خاک سے رونے لگا پسر
مجھ کو بھی لیلو ساتھ جو منظور ہی سفر
اچھا رضا حسین سے لیلو تو جائیو
کیوں پالنے کا حق یہی ہوتا ہی میں نثار
قدرت خدا کی اب نہیں کچھ ہم کو اختیار
سہرا دکھا کے مادر پُر غم کو چھوڑیو
مرتے ہیں اشتیاق ہیں وہ دن خدا دکھائے
غل ہو کہ لو حسین بہو گھر میں بیاہ لائے
جیتے ہیں گر تو حسرت دل یوں نکالینگے
اک دن وہ تھا کہ سوتے تھے چھاتی پہ رات بھر
یاد آتی ہیں وہ ہنسلیاں وہ کان کے گہر
غازی ہو صف شکن ہو سعادت نشان ہو
دادا کا مرتبہ تمھیں دے رب ذوالجلال
قابل ہی رحم کرنے کے واری ہمارا حال
کس سے ہو پھر اُمید اگر تم سے یاس ہو
دنیا میں کوئی شخص لگاتا ہی گر شجر
بالفرض یہ جہاں میں نہ پھولے پھلے گا گر
کچھ تو ملے ہمیں بھی ثمر اس نہال کا

بنت علی کی آنکھوں میں دنیا ہوئی سیاہ
گردن ہلا کے ماں نے بھری ایک سرد آہ
بانو پسر کے پاؤں پہ غش کھا کے گر پڑی
بیٹے کے گرد پھر کے یہ بولی وہ نوحہ گر
زینبؓ پکاری چھوڑ کے ہم کو چلے کدھر
کاندھا مرے جنازے کو دے لو تو جائیو
اللہ واری بھول گئے سب ہمارا پیار
بن بیاہے تم ابھی تو ہوا ہی میرے گلعذار
اے دُلہن تو صدقے گئی ہم کو چھوڑیو
یہ دائی اپنے ہاتھ سے دولہا تمھیں بنائے
اچھا نہ ہم سے آنکھ ملانا دُلہن تو آئے
اب ہم تمھاری طرح سے پوتے کو پالینگے
کُرتا وہ پہنے دوڑتے پھرنا اِدھر اُدھر
یا آج تیغ ہاتھ میں ہی دوش پر سپر
کیا کام ہم سے نام خدا اب جوان ہو
قایم تمھارے سر پہ رہے فاطمہ کا لال
بچپن کی دائیوں کا بھی رکھیے ذرا خیال
اب تو تمھیں ہمارے بڑھاپے کی آس ہو
ہوتی ہی یہ امید کہ دے گا کبھی ثمر
خوش ہونگے اس درخت کے سایہ میں بیٹھ کر
صدقے گئی ریاض ہو اٹھارہ سال کا

قوت تمھیں ہو دل کی تمھیں پارۂ جگر
لاشیں بھی گھر میں آئیں تو پیٹا نہیں نے سر
اکبر تو ہی اگر مرے پیارے نہیں نہیں

بانہیں یہ کر کے منھ پہ لیا گوشۂ ردا
بس گر پڑا پھوپھی کے قدم پر وہ مہلقا
میں بے وفا نہیں ہوں یہ روشن ہی آپ پر
منھ سے ہٹایئے تو ردا بہر کردگار

چادر ہٹا کے منھ سے یہ بولی وہ دلفگار
اصغر ہو یا کہ تم ہو مجھے سب سے یاس ہی

اکبر نے ماں کے چہرۂ اقدس پہ کی نظر
تم سے پھوپھی خفا ہیں جھکا وہ قدم پہ سر
سر کی نہ کچھ خبر ہی نہ چادر کا ہوش ہی

جلدی سے ہاتھ جوڑ کے بولا وہ لالہ فام
بس اب زباں سے کچھ نہیں کہنے کا یہ غلام
بندے پہ کی ہی ماں نے یہ شفقت نہ باپ نے

انصاف کیجے کسے پیاری نہیں ہی جاں
کرتا ہی کوئی باغ جوانی کا رائگاں
لیکن جہاں سے آج گزرنا ہی خوب ہی

اکبر نے یہ کلام کیے جب بصد ادب
لیکر بلائیں چہرے کی بولی وہ تشنہ لب
سچ ہی جہاں میں ملتا کوئی باوفا نہیں

یہ بھی خبر نہیں مجھے کب مر گئے پسر
میں کہتی تھی جیے یہ مرا غیرت قمر
روشن ہی گھر میں چاند ستارے نہیں نہیں

سرچوب سے پٹک کے کہا وا محمدا
کی عرض رو کے ای پھوپھی ماں کر دیں کیا
نرغہ ہی فوج کا مرے مظلوم باپ پر
اچھا نہ جائینگے سوئے میدان کارزار
ہیں کون صدقے جاؤں تمھیں کو ہی اختیار
رخصت گلا کٹانے کی لو ماں تو پاس ہی

ماں نے کیا اشارہ کہ ای غیرت قمر
قربان جاؤں عذر کرو ہاتھ باندھ کر
واری یہ پالنے کی محبت کا جوش ہی

تقصیر عفو کیجے ای خواہر امام
میری تو ماں ہیں آپ مجھے کیا کسی سے کام
راتوں کو جاگ کر مجھے پالا ہی آپ نے

اور وہ علی الخصوص کہ جو ہوئے نوجواں
روتے ہیں پیر بھی جو چھٹے گلشن جہاں
عزت پہ بات آئے تو مرنا ہی خوب ہی

الفت کا جوش آگیا بنت علی کو تب
کرتے ہو کس لئے میں تمھیں روکتی ہوں کب
واری تمھارے سر کی قسم میں خفا نہیں

کیوں کانپتے ہو اشک ہیں آنکھوں سے کیوں رواں
لو میں نے دی رضا تمھیں اے میرے نوجواں
یوں تو تمام گھر کو محبت ہے آپ سے
جس شب کو رونے لگتے تھے سوتے سے چونک کے
دشمن تمہارے ہوتے تھے ناخوش کبھی اگر
جب تم کراہتے تھے یہ غش کھاکے گرتی تھی
آنکھیں بچھائیں ماں نے جو تم گھٹنیوں چلے
نازوں سے منتوں سے مرادوں سے تم پلے
مادر نے اپنی عمر مصیبت میں کھوئی ہے
بانو نے ہاتھ جوڑ کے زینب سے یہ کہا
اس قافلہ میں آپ ہیں اب فاطمہ کی جا
صدقے ہے یہ بھی صورتِ پروانہ آپ پر
یہ ذکر تھا کہ آئے شہنشاہِ بحر و بر
بانو بھی روئی شہ کے قدم پر جھکا کے سر
سنتی تھی ہیں کہ رن سے علمدار آتے ہیں
بانو کے منھ کو دیکھ کے حضرت نے یہ کہا
وہ چپ ہوئی تو بولے بہن سے شہِ ہدا
راہیں سب ان کے روکنے کی بند ہو گئیں
ہاتھوں کو جوڑ کر علی اکبر نے عرض کی
زہرا کی وہ بہو ہیں تو یہ دخترِ علی
رو رہا جو میں تو ماں نے گلے سے لگا لیا

تم راست گو ہو سچ ہے تمھارا یہ سب بیاں
تم جانو آگے صدقے گئی اور تمھاری ماں
کچھ ماں کا حق بھی کم نہیں ہوتا ہے باپ سے
گودی میں لیکے تم کو یہ پھرتی تھی تا سحر
بس جاگنا تھا اور دعائیں تھیں رات بھر
جھولے کے گرد صورتِ پروانہ پھرتی تھی
تلوؤں سے اس نے دیدۂ حق بیں سدا ملے
صدقے ہوئی کبھی تو لگایا کبھی گلے
برسوں یہ بی بی ایک ہی کروٹ سے سوئی ہے
صدقے گئی کنیز کی خدمت کا ذکر کیا
میں نے بھی دی جو آپ نے بیٹے کو دی رضا
پر کیا کرے کہ آج مصیبت ہے باپ پر
لے لیں بلائیں بھائی کی زینب نے دوڑ کر
بولی لپٹ کے بالی سکینہ کہ اے پدر
لو اب تو گھر سے نہر پہ بھیا بھی جاتے ہیں
کیوں سچ ہے تم نے بیٹے کو مرنے کی دی رضا
کہیے پھوپھی بھتیجوں میں کیا فیصلہ ہوا
سنتا ہوں میں کہ تم بھی رضا مند ہو گئیں
اماں نے بھی رضا ہے دی اور پھوپھی نے بھی
آقا سوال رد نہیں کرتے کبھی سخی
مرنے کا اذن دیکے پھوپھی نے جلا لیا

عاشق ہیں یہ حضور کی یا شاہِ نامدار — مجھ سے ہوں سو پسر تو کریں آپ پر نثار
دیکھی ہیں کس نے بی بیاں ایسی فلک وقار — وہ ہاجرہ کا فخر یہ مریم کا افتخار
سب فاطمہؑ کا صبر ہی خو ہو تو ایسی ہو — بیٹی ہو اس طرح کی بہو ہو تو ایسی ہو

ماں نے کہا پسر کی فصاحت تو دیکھیے — نامِ خدا زباں کی طاقت تو دیکھیے
زینب یہ بولیں ذہن کی جودت تو دیکھیے — ہر بات میں ثبوتِ اجازت تو دیکھیے
کیا بات بھائی ان کی بھلا بول چال کی — گویا زبان ہے مصحفِ ناطق کے لال کی

رومال رکھ کے آنکھوں پہ بولے امامِ دیں — تم دو گی رخصت ان کو مجھے یہ نہ تھا یقین
سچ ہے اجل سے کچھ کسی انساں کا بس نہیں — آیا تھا اتنی عمر ہی لیکر یہ مہ جبیں
بیجا ہے روکنا جو یہ طالب رضا کے ہیں — ای بنتِ فاطمہؑ یہ کرشمے قضا کے ہیں

آیا بنائے ہستی انساں میں جب خلل — رونا ہے نے حصول کہ ہے سعی بے محل
جاتا ہے کوئی آج جہاں سے تو کوئی کل — رو و کہ خاک اڑاؤ نہیں چھوڑتی اجل
نہ فاطمہ رہیں نہ امیرِ عرب رہے — ہم شکل جن کے یہ ہیں وہ دنیا میں کب رہے

رو کر کہا پسر سے کہ اچھا سدھاریے — پوشاک تو پہنیے یہ کپڑے اتاریے
زینب سے بولے ہاتھ نہ سینے پہ ماریے — شانہ منگا کے گیسوئے اکبر سنواریے
لے آؤ مصطفےٰ کی قبا ان کے واسطے — خلعت رکھا تھا ہم نے اسی دن کے واسطے

آنسو بہا کے بانوے ناشاد سے کہا — پروان آج چڑھتا ہے صاحب یہ مہ لقا
لاؤ عمامہ شبِ معراجِ مصطفا — ارمان تھا بہت تمھیں اکبر کے بیاہ کا
جاتے ہیں برچھیوں میں انھیں دیکھ بھال لو — دولہ بنا کے بیاہ کی حسرت نکال لو

کشتی میں لائی بنتِ علی بیاہ کا لباس — اکبر یہ ہاتھ جوڑ کے بولے بدرد و یاس
کپڑے تو میں نہ پہنونگا یہ اے فلک اساس — تازہ ابھی ہے ماتم عباس حق شناس
ہیں سوگوار ہاتھ میں رومال دیجیے — گردن میں لا کے شالِ عزا ڈال دیجیے

محتاج قبر ہی ابھی لختِ دلِ حسنؑ
ہم کس طرح سے پہنیں یہ شادی کا پیرہن
بھائی کے غم میں چاک گریباں ہی شاہ کا
تڑپی یہ سن کے زوجۂ عباسِ نامور
کبرا نے آہ سرد بھری اک جھکا کے سر
فریادِ شاہ دیں کی صدا تا فلک گئی
جب بہر جنگ اکبرِ شبیر سن سخن چلے
واری اجاڑ کر کے ہمارا چمن چلے
پردا اُٹھا جو خیمۂ گردوں پناہ کا
خدام تازی علی اکبر کو در پہ لائے
ہاتھوں کو جوڑ کر علی اکبر قریب آئے
اللہ کتنا شوقِ شہادت ہی آپ کو
دنیا سے کوچ کرتا ہی تم سا جواں پسر
جھک کر قدم کے سمت یہ بولا وہ نامور
رونے کو ضبط کیجے جگر کو سنبھالیے
شہ نے کہا کہ تم نہ ہوئے جب تو گھر کہاں
اس وقت تم کو روئیں نہ ایسا جگر کہاں
گھر تھامے کون تم تو کمر توڑے جاتے ہو
فرزند نے جو روحِ محمد کی دی قسم
منھ دیکھ کر پسر کا یہ بولے بچشم نم
پھر اس طرف کی راہ اُدھر جا کے لیجیو

عریاں پڑے ہیں عون و محمد سے گلبدن
عباس نامدار نے پایا نہیں کفن
مر کر کفن ملے یہی جوڑا ہی بیاہ کا
قاسم کی ماں پکاری کہ ہی ہی مرے پسر
بیٹوں کے غم سے ہل گیا زینبؑ کا بھی جگر
عمو کا حال سن کے سکینہ بلک گئی
بانو پکاری ای مرے گل پیرہن چلے
پیچھے جواں پسر کے امام زمن چلے
اک برج سے طلوع ہوا مہر و ماہ کا
آنکھوں سے اشک قبلۂ کونین نے بہائے
چلائے شہ کہ چھوڑ چلے ہم کو ہائے ہائے
دو چار گام ساتھ تو چلنے دو باپ کو
ای لعل قبر تک تمھیں پہونچا تو دے پدر
تکلیف ہو گی آپ کو یا شاہِ بحر و بر
ناموس نکلے آتے ہیں گھر کو سنبھالیے
بیٹا نہ ہو تو لطفِ حیاتِ پدر کہاں
خود ننگے خبر ہیں ہم کو کسی کی خبر کہاں
ہم کو سنبھالنے کو کسے چھوڑے جاتے ہو
بس تھرتھرا کے بیٹھ گئے قبلۂ اُمم
اچھا سدھارو خیر نجا ینگے ساتھ ہم
مر جائیں ہم تو جلد خبر آ کے لیجیو

روتا ہوا بڑھا سوئے گلگوں وہ گلبدن
گھوڑا سجا ہوا تھا بہادر کا یا دُلہن
آہو خجل تھے کبک دری کو حجاب تھا
پہنچا عجب شکوہ سے رن میں وہ مہ جبیں
آئے رسول حق یہ ہر اک کو ہوا یقیں
تصویر سر سے تا بقدم مصطفےٰ کی ہے
مثلِ کماں کشیدہ ہیں ابروئے بے نظیر
سر بر نہ ہونے دینگے عدو کو مژہ کے تیر
قربان چشم سرمہ کشیدہ کی شان پر
ہے جلوۂ جبین مبیں چاند سے دوچند
زیبا ہے اختروں کو جو گردوں کرے سپند
ہے عین راستی پہ کجی دل نواز ہیں
آنکھوں کو عین کعبہ سمجھتے ہیں حق پرست
صانع نے کر دیا صفِ مژگاں کا بندوبست
مردم میں روشنی ہے اسی نور عین سے
ہم شکل ہیں جناب رسالت مآب کے
گیسو ہیں یا ہیں ماہ پہ لکّے سحاب کے
دونوں سے نور میں مہ و خورشید ماند ہیں
گلزارِ حسن سے کوئی دیکھے دہن کا رنگ
شرمندہ ہے لبوں سے عقیق یمن کا رنگ
بلبل بھی مدح خواں چمنِ مرتضیٰ کی ہے

گویا چڑھے براق پہ محبوبِ ذوالمنن
ہر گام پر دکھاتا تھا طاؤس کا چلن
دریا پہ موج تھا تو ہوا پر عقاب تھا
کوسوں فروغ حسن سے روشن تھی زمیں
غل تھا یہ نوجواں تو ہے یوسف سے بھی حسین
اس حسن کے بشر بھی ہیں قدرت خدا کی ہے
ارجن بھی جس سے سہم کے ہو جائے گوشہ گیر
ہیں اس کمان و تیر کے قرباں جوان و پیر
چلّہ چڑھا ہوا ہے کیانی کمان پر
گیسوئے مشک بیز ہیں یا عنبریں کمند
پایا ہے ابروؤں نے عجب رتبۂ بلند
آنکھوں پہ کیوں جگہ نہ ملے سرفراز ہیں
کیفیتِ رحیق محبت سے ہیں یہ مست
عین الکمال سے انھیں پہنچے نہ تا شکست
دیکھے کوئی ان آنکھوں کو چشم حسین سے
کہتا ہے حسن خود کہ نثار اس شباب کے
رخسار ہیں کہ پھول کھلے ہیں گلاب کے
زلفیں گواہ ہیں کہ اندھیرے کے چاند ہیں
اُڑتا ہے غنچہ و سمن و یاسمن کا رنگ
رنگیں بیاں ہیں سب سے جدا ہے سخن کا رنگ
غنچہ سے پھول جھڑتے ہیں قدرت خدا کی ہے

اللہ رے نورِ گوہرِ دندانِ آبدار
بجلی چمک رہی ہے بدخشاں ہیں بار بار
الماس صدقے حاصلِ بحرِ عدن نثار
ہیں گوہر خزینۂ محبوبِ کردگار
دولت ملی ہے اکبرِ شیریں مقال کو
ان موتیوں سے عشق ہے زہرا کے لال کو

روشن ہے دشت گردنِ نازک کے نور سے
فی الواقعی فزوں ہے ضیا شمعِ طور سے
موسیٰ دکھاتے ہیں یدِ بیضا کو دور سے
شیشہ بھرا ہوا ہے شرابِ طہور سے
گردن بھی بے عدیل گلا بے مثال ہے
تکمہ سہیل ہے تو گریباں ہلال ہے

ظاہر ہیں ان کے ہاتھوں کی زور آزمائیاں
مثلِ علی کرینگے صفوں کی صفائیاں
سرکیں ہیں دم میں بدر و احد کی لڑائیاں
زورِ یداللہی سے بھری ہیں کلائیاں
بالا رہا ہے سب سے جہاں میں علی کا ہاتھ
پہنچے یہ واں جہاں نہیں پہونچا کسی کا ہاتھ

سینہ خزینۂ کرم و عدل و داد ہے
ہاں لا کلام مصحفِ ربِ عباد ہے
جو رطب و یابس اس میں ہے سب ان کو یاد ہے
ایمان جانتا ہے جو خوش اعتقاد ہے
دولت جو نوح کی ہے سفینے میں ان کے ہے
جو طور پر ضیا تھی وہ سینے میں ان کے ہے

وہ سینہ جس کا مصحفِ اکبر مشبہ بہ
نیزے لگائیں اس پہ لعین کیا غضب ہے یہ
بیداد برچھیوں کی ہو تیروں کا برسے مینہ
سوراخ ہو بدن کی قبا صورتِ زرہ
دیندار آنکھیں ملتے ہیں دستِ فقیہ پر
کیا ہاتھ تھے اٹھے جو نبی کی شبیہ پر

کس طرح کوئی وصف سراپا کرے رقم
جلوہ خدا کے نور کا ہے سر سے تا قدم
قطرہ کہاں کہاں صفتِ قلزمِ کرم
مورِ ضعیف و مدحِ سلیمانِ ذی حشم
ہاں سب تعلیاں شعرا کی فضول ہیں
بس خاتمہ ہوا کہ شبیہِ رسول ہیں

کس شان سے کھڑے ہیں علی اکبرِ جواں
ادھر اس طرف کھلے ہوئے ہیں فوج کے نشاں
کہتا ہے ابنِ سعد ستمگار سخت جاں
شبیر کے چراغ کو جلدی بجھا دو ہاں
صدمہ مفارقت کا امامِ زماں پہ ہو
دیکھیں حسین اور سرِ اکبر سناں پہ ہو

کہتی ہے فوج سب کہ خدا سے ڈر اے امیر
چپ رہ ارے مٹا دیں یہ تصویر بے نظیر
حاکم کے گر عتاب کا ڈر ہو نہ اے شریر
اس کے قدم پہ جا کے گریں سب جوان و پیر
دنیا میں دوسرا کوئی تجھ سا شقی نہیں
بتلا یہ کون ہے جو ہمارا نبی نہیں

تیرے ہمارے بیچ میں ہے روئے مصطفےٰ
کھا تو قسم نہیں ہیں یہ گیسوئے مصطفےٰ
قامت ہے صاف قامتِ دلجوئے مصطفےٰ
ایسے نہ تجھے ملے ہوئے ابروئے مصطفےٰ؟
سب روشنی جمالِ رسولِ زمن کی ہے
جنگل بسا ہوا ہے یہ بو کس بدن کی ہے

کیوں ایسے امرِ زشت کا ہو مرتکب بشر
ایمان کا جس میں خوف ہو اور آبرو کا ڈر
آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ ہیں سید البشر
اُترا ہے آسمان سے ملک وہ نہیں ہیں گر
بیشک کرم کیا ہے رسالت پناہ نے
تجھ کو تو کور کر دیا ہے حبِ جاہ نے

کہنے لگا یہ تب روسارے سے وہ فتنہ گر
مجھ سے نشانِ خیر ورا سن لو سر بسر
ہوتا نہ تھا مگس کا تنِ پاک تک گزر
سایہ کبھی نہ جسم کا پڑتا تھا خاک پر
ہوتا تھا دھوپ میں جو گزر اُس جناب کا
رہتا تھا فرقِ پاک پہ سایہ سحاب کا

جس راہ سے گزرتے تھے پیغمبرِ زماں
پھولوں کی تین روز مہک رہتی تھی وہاں
محبوبِ کبریا ہیں ارم میں بیاں کہاں
اکبرؑ ہے یہ حسینؑ کا فرزندِ نوجواں
محبوبِ کبریا نہیں کوئی ملک نہیں
ہمصورتِ رسول ہے کچھ اس میں شک نہیں

بالفرض گر نبی ہو تو پھر تم کو خوف کیا
فرمان جو امیر کا حاکم کی جو رضا
اکثر بہادروں نے رسولوں سے کی دغا
پتھر سے توڑے گوہرِ دندانِ مصطفےٰ
در پے رہے جناب رسالت پناہ کے
تلواریں ماریں فرق پہ شیرِ الٰہ کے

اسلام کس کو کہتے ہیں ایماں ہے کس کا نام
بندے ہیں زر کے ہم کو نہیں کچھ کسی سے کام
دشمن کی مدح واہ یہ ہے کونسا کلام
ہوتی ہے دیر جاؤ یہ قصہ کرو تمام
گر یوں کرو گے رحم ہر اک نورِ عین پر
کیونکر چھری پھراؤ گے حلقِ حسین پر

اکبرؑ کو غیظ آگیا سنتے ہی یہ کلام
دی ابنِ سعد کو یہ صدا تو لکر حسام

یہ کیا کلام کرتا ہے تو او نمک حرام
لیجو زباں سے پھر نہ امامِ اُمم کا نام

اُن کے قدم پہ جن و بشر جان دیتے ہیں
نامِ حسینؑ صلِّ علیٰ کہہ کے لیتے ہیں

سُن کر صدائے شبیر ہٹا فوج سے شریر
یاں سے بڑھے تھے یہ کہ چلے اس طرف سے تیر

صفدر نے لی نیام سے تیغِ قضا نظیر
سمٹی زمین لرزنے لگا آسمانِ پیر

بجلی عیاں ہوئی غضبِ کردگار کی
یاد آگئی ہر اک کو چمک ذوالفقار کی

پڑھ کر رجز دلیر ور آیا سپاہ میں
گویا جھپٹ کے شیرِ نر آیا سپاہ میں

ہل چل ہوئی جری جدھر آیا سپاہ میں
خیبر کا معرکہ نظر آیا سپاہ میں

بجلی خدا کے قہر کی تھی یا حسام تھی
پہلے ہی وار میں صفِ اوّل تمام تھی

دوزخ میں ناریوں کے پرے پیش پس گئے
پانچ اس طرف پہنچ نہ چکے تھے کہ دس گئے

آگے گئے سوار تو پیچھے فرس گئے
جب برقِ تیغ کوند گئی سر برس گئے

چھایا تھا ابرِ غم سپہ بد صفات پر
غل تھا کہ اولے پڑتے ہیں کشتِ حیات پر

جوہر شناس تیغِ زباں منہ ادھر کریں
تیزی کو حرف حرف کی مدِ نظر کریں

دشمن ہزار سینے کو اپنے سپر کریں
مصرعے وہ جانگزا ہیں کہ ٹکڑے جگر کریں

بیتوں میں ذوالفقار کی سب آب و تاب ہے
بین السطور تیغِ حسینی کی تاب ہے

در پے تھی سرکشوں کی جو وہ تیغِ جاں ستاں
گوشوں سے تھی بلند صدائے اماں اماں

ترکش سے تیر بھاگتے تھے تیر سے کماں
گردن سے سر رگوں سے لہو اور بدن سے جاں

یارا عقابِ تیر کو پرواز کا نہ تھا
رن میں کہیں نشان قدر انداز کا نہ تھا

قبضہ ہر ایک تیغ سے ہر تن سے سر لیا
برچھی سے پھل تو نیزہ زنِ فرس سے تبر لیا

ڈھالوں سے پھول لے گئے پھولوں سے زر لیا
اپنا خراج تیغ نے اُن سب سے بھر لیا

بہرِ حصولِ جزیہ جو وہ تیغ تُل گئی
اک اک گرہ بندھی ہوئی نیزے کی کھل گئی

ترکش وہ جن کو جانتے تھے سب اجل کا گھر
ہر اک عقاب تیر کے ٹوٹے ہوئے تھے پر
اُس جنگ میں دہن کو نہ سوفار کھولے تھے
سر لوٹتے تھے برچھیوں والوں کے ہر طرف
پامال تھے سوار رسالوں کے ہر طرف
خاطر نشاں نہ تھی کسی آفت نشان کی
جی سنسنا گئے وہ جدھر سن سے آگئی
جلتے ہوئے کباب کی بو تن سے آگئی
کچھ واں فقط نہ فوج ہی آفت رسیدہ تھی
ثابت نہ تھے بدن پہ کسی تیغ زن کے ہاتھ
سب تھک گئے مگر نہ تھکے صف شکن کے ہاتھ
پہنچا تھا ہاتھوں ہاتھ جو دستِ خدا کا زور
رن میں جمے تھے دلبرِ ضرغام دیں کے پاؤں
دہشت سے اُٹھ گئے تھے سپاہ لعیں کے پاؤں
جس دم وہ حرب و ضرب اسے یاد آتی ہے
دبکر سوار شام کے لشکر کے رہ گئے
روحیں کہاں کی ڈھیر تن و سر کے رہ گئے
تنہا نہ ریت پر کسی ناکس کی لاش تھی
سر سے عدو کے خود جدا تن سے سر جدا
سینے سے پسلیاں تو شکم سے کمر جدا
ٹکڑے تھے عضو قطع تھا جامہ حیات کا

کاٹے ہوئے پڑے تھے وہ ریتی پہ سر بسر
طاقت نہ تھی کہ شاخ کماں تک کریں گذر
طائر ڈرے ہوئے تھے کہ منقار کھولے تھے
ٹکڑے پڑے تھے دشمنِ دیں بھالوں کے ہر طرف
پر کالے اُڑتے پھرتے تھے ڈھالوں کے ہر طرف
انبار تھیں کٹی ہوئی شاخیں کماں کی
گویا سموم کوہ کے دامن سے آگئی
چمکی تو الاماں کی صدا رن سے آگئی
خوں میں زمیں بھی صورتِ بسمل تپیدہ تھی
اُڑتا تھا سر جسے یہ لگاتے تھے تن کے ہاتھ
وہ معرکہ رہا اُسی گل پیرہن کے ہاتھ
ہر ضرب میں دکھا دیا خیبر کشا کا زور
سچ ہے کہیں اکھڑتے ہیں کن رکیں کے پاؤں
تھمتی نہ معرکہ میں جو ہوتے زمیں کے پاؤں
یہ زلزلہ نہیں ہے زمیں کانپ جاتی ہے
خالی صفوں میں سرو نفس بھر کے رہ گئے
ہر چند سنگدل تھے پہ مر مر کے رہ گئے
اک اک شقی کی لاش پہ دس دس کی لاش تھی
شانوں سے ہاتھ ہاتھ سے تیغ و سپر جدا
گھٹنوں سے دونوں اپنے ضلالت اثر جدا
عالم مرکبات میں تھا مفردات کا

جس پر چلی وہ تیغ فنا ہو کے رہ گیا
سر تن سے جسم سر سے جدا ہو کے رہ گیا

بڑھ کر تھمی تو حشر بپا ہو کے رہ گیا
گردن سے تا کمر کوئی لا ہو کے رہ گیا

تھا ایک ہاتھ میں سر اسوار زین پر
رہوار کی کٹی ہوئی گردن زمین پر

سرسبز سب پہ تھا شجرِ گلشنِ رسولؐ
تھے زرد مثل برگ خزاں دیدہ سب جھول

گرتے تھے بار بار یہی تھا ثمر حصول
برچھی سے پھل کمان سے ناخن سپر سے پھول

زہرا کا باغ اُجاڑ کے راحت سے سوئے تھے
آخر اُگے نہ سب وہی کانٹے جو بوئے تھے

لکھتا ہوا وہم قلم اب سرعتِ عقاب
نعل اُس کے ماہِ نو ہیں تو سم رشکِ آفتاب

پستی میں سیل ہے تو بلندی میں ہے سحاب
سرعت میں برق گرم روانی میں جوئے آب

اُڑنے میں اُس فرس کو پرندوں پہ اوج ہے
اک شور تھا قدم نہیں دریا کی موج ہے

افزوں ہے زلفِ حور سے خوشبو ایال کی
دیکھیں تو لیں بلائیں صدا بال بال کی

پریاں خرامِ ناز میں شاگرد چال کی
غصہ میں جست شیر کی شوخی غزال کی

وہ حسن تن پہ ساز کا جوبن یراق کا
دُلدل کے ہاتھ پاؤں تو چہرہ براق کا

نازک مزاج و نسترن اندام و تیزرو
گردوں مسیر بادیہ پیما و برق دو

اُس کا نہ اک قدم نہ زغندیں ہرن کی سو
دو روز سے نگاہ ملی تھی اُسے نہ جو

رفتار میں ہوا تھا اشارے میں برق تھا
سرعت میں کچھ کمی تھی نہ چھل بل میں فرق تھا

صرصر سے تند بو سے سبک وہولے سے تیز
چالاک فہم و فکر سے ذہنِ رسا سے تیز

طاؤس و کبک و نسر و عقاب و ہما سے تیز
جانے میں اُڑ کے ہدہدِ شہرِ صبا سے تیز

ذی جاہ تھا سعید تھا فیروز بخت تھا
رہوار کیا ہوا پہ سلیماں کا تخت تھا

سمٹا جما اُڑا اِدھر آیا اُدھر گیا
چمکا پھرا جمال دکھایا ٹھہر گیا

تیروں سے اُڑ کے برچھیوں میں بے خطر گیا
برہم کیا صفوں کو پروں سے گزر گیا

گھوڑوں کا تن بھی ٹاپ سے اُس کے فگار تھا
ضربت تھی نعل کی کہ سروہی کا وار تھا

جب خوب لڑ چکا شہِ دیں کا سرورِ جاں
نکلا اُدھر سے جنگ کو اک شام کا جواں
بدکار و بد سرشت و بد آئین و بد زباں
سرہنگ و جنگ جو و سلح شور و پہلواں
غرا تھا اپنے زور پہ خانہ خراب کو
رستم کو مانتا تھا نہ افراسیاب کو

افزوں تھا دیو سے بھی تنِ توشِ نابکار
قوت میں عمرو عنتر و مرحب کا یادگار
اسفند یارِ عصر و نمودار و نامدار
شیر آئے سامنے تو کرے تیرے شکار
شورش مزاج میں تو ستم آب و گل میں تھا
نہ آنکھ میں حیا تھی نہ رحم اس کے دل میں تھا

بارِ گناہ حاکم فاسق تھا خودسر
تھی روسیاہی پسرِ سعد کی سپر
ذی الجوشن شقی کا جو تھا ناخلف پسر
پہنے تھا اُس کے تن کی زرہ بر میں بد گہر
ظاہر کماں سے سرکشیِ بدنہاد تھی
قبضہ میں تیغِ بدعتِ ابن زیاد تھی

میداں میں یوں رجز پڑھا اُس نے بشدومد
تھرّا کے قلب ہل گئی سُہراب کی لحد
گرمارہا تھا رخش کو وہ بانیِ حسد
یاں سے بڑھا سرورِ دلِ ضیغمِ صمد
پڑھتے دعا ملک عقب بادپا چلے
مرحب کے قتل کرنے کو شیرِ خدا چلے

وہ کفر تھا یہ دیں تھے وہ ظلمت یہ نورِ رب
یہ رشکِ آفتابِ درخشاں وہ تیرہ شب
وہ ننگِ روزگار تو یہ عزتِ عرب
یہ خیر ہیں رسول وہ شر ہیں ابولہب
کاذب تھا وہ شقی یہ صداقت نشان تھے
وہ جسمِ کفر کا تھا یہ ایماں کی جان تھے

تازی کو تیز کر کے یہ غازی نے دی صدا
او غول گرفتہ کچھ تجھے دعویٰ ہے گر تو آ
انساں کو اپنے آپ ستایش نہیں روا
قابل ہیں جس کے سب وہ ہمارا ہے مرتبا
ذی قدر ہیں سعید ہیں عالی جناب ہیں
ذرے بھی جانتے ہیں کہ ہم آفتاب ہیں

یوسف نہیں ہے وہ جو کرے دعوئے جمال
کب بدر نے کہا کہ میں ہوں صاحبِ کمال
پایا ہے آفتاب نے کیا اوج کا جلال
کی سرکشی ادھر تو اُدھر آگیا زوال
شیطاں کو وصل نار کا آدم کو نور کا
یہ عجز کا ثمر ہے وہ پھل ہے غرور کا

ظالم کسی کے فخر کو ہم مانتے ہیں کب
روشن ہے آفتاب سے اپنا نسب حسب
کس کا ہے جد شفیعِ امم سیدِ عرب
ہم سے بزرگ کوئی نہیں غیرِ ذاتِ رب
جو دوست ہے خدا کا پسر اُس ولی کے ہیں
کافی ہے بس یہ فخر کہ پوتے علی کے ہیں

شامی بڑھا ادھر کو جو بھالا سنبھال کے
صفدر نے دی صدا کہ ذرا دیکھ بھال کے
مہمیز کی فرس کو جو کاوے پہ ڈال کے
رہوار شیر بن گیا آنکھیں نکال کے
سیماب ہو جو گرم تو پھر کیا قرار لے
نزدیک تھا شقی کو فرس سے اتار لے

پیچھے ہٹا جھجک کے جو خونخوار کا سمند
آگے بڑھا حسین کا فرزند ارجمند
دونوں طرف نبرد میں نیزے ہوئے بلند
عقدے ہنر کے کھل گئے بندھنے لگے جو بند
لہراتے تھے ہوا سے پھریرے کھلے ہوئے
دو اژدہے تھے جنگ کے اوپر تلے ہوئے

گہ ڈانڈ پر تھی ڈانڈ سناں پر کبھی سناں
انیوں سے اُڑ رہے تھے شرارے کہ الاماں
ہر طعن تھی غضب کی تو آفت کی ہر تکان
طاقت کا جائزہ تھا شجاعت کا امتحاں
یہ بھی عرق میں وہ بھی پسینے میں غرق تھا
پر زورِ ضرب میں حق و باطل کا فرق تھا

کرار کی بندھی ہوئی چوٹیں تھیں سب ادھر
زخمی کبھی گلا تھا کبھی ہاتھ گاہ سر
ہشیار کرکے صید کو جھپٹا وہ شیرِ نر
نیزے سے کارِ تیغ لیا واہ رے ہنر
سر بر بھلا ہوئے ہیں سخی سے دنی کہیں
بونڑی کہیں تھی ڈانڈ کہیں تھی انی کہیں

گرزِ گراں اُٹھا کے بڑھا وہ سیہ دروں
آنکھیں غضب سے سُرخ ہوئیں مثلِ جامِ خوں
چلتا ہے کوئی سامنے اعجاز کے فسوں
ہر ضرب میں خفیف ہوا خود وہ ذوفنوں
تھا ان کا ہاتھ فضلِ خدا سے علی کا ہاتھ
نے زخم کھائے ہو گیا جھوٹا شقی کا ہاتھ

ظالم نے گرز پھینک کے قبضہ میں کی کماں
آیا مثالِ پیل قوی ہیکل و دماں
چھوڑا شقی نے تیرِ سہ پہلو کہ الاماں
تھا سر پہ تیغ تول کے شہزادۂ جہاں
ضربت تھی یا کہ قہرِ خدائے قدیر تھا
گوشہ تھا نہ کماں تھی نہ چلّہ نہ تیر تھا

رُخ پھیر کر چلا تھا کہ غازی نے دی صدا | او کج نہاد و سرکش و بدکیش و بے حیا
کیوں ہٹ گئی ہے کھینچ کے تلوار منھ پہ آ | میداں سے بھاگتا ہے یہ ہے تیسری خطا
تیغیں پکڑ کے جنگ و جدل پر تلے نہیں | ہم پر تو کچھ ابھی ترے جوہر کھلے نہیں

لی زردرو نے میان سے شمشیر بر قدم | دو بجلیاں چمک کے ہوئیں یک بیک علم
لکے سیاہ ابر سپر کے اُٹھے بہم | چالاکیاں دکھانے لگے اسپ خوش قدم
دونوں طرف ہوئی تگ و دو کارزار میں | یہ گرد اڑی کہ چھپ گیا گردوں غبار میں

چوٹیں ستم کی چلنے لگیں اور غضب کے وار | کس کس ہنر سے رد کیئے اُس نے ادھر کے وار
اس شان سے شقی پہ چلے تشنہ لب کے وار | یاد آگئے ہر اک کو امیرِ عرب کے وار
رُخ زرد تھا ہراس سے اُس ہرزہ گرد کا | یاں ٹھاٹھ تھا علیِ ولی کی نبرد کا

شوکت وہی شکوہ وہی اور وہی جلال | تیور وہی حواس وہی اور وہی کمال
تیغ و سپر میں شیر الٰہی کی چال ڈھال | دعویٰ نہ اس پہ کچھ نہ تکبر نہ قیل و قال
نقشہ دکھا دیا شہِ دُلدل سوار کا | جب حرب کی تو نام لیا کردگار کا

ڈھالوں کے پرزے ہو گئے پیہم رکے جو وار | بھرتا تھا اژدہے کی طرح دم سیاہ کار
دانتوں کو پیس پیس کے آتا تھا بار بار | لیکن نہ بڑھنے دیتا تھا حضرت کا یادگار
بڑھ بڑھ کے یوں وہ ہوتا تھا پسپا دلیر سے | جس طرح زخمی صید دبکتا ہے شیر سے

لایا کلام سخت جو لب پر وہ بدزباں | بس آگیا جلال میں شہزادۂ جہاں
دستِ اجل بڑھا کہ اُٹھی تیغ جانستاں | اُڑ کر گیا فرس پہ سمندِ سبک عناں
گھبرا کے خود اجل کے شکنجے میں آگیا | عصفور شاہ باز کے پنجے میں آگیا

نہ وہ تہمتنی تھی نہ وہ زور گیو کا | منھ پھر گیا طمانچۂ ضیغم سے دیو کا
ظالم شکار بن گیا گیہاں خدیو کا | کافر وہ تھا تو ہاتھ بھی مارا جنیو کا
نکلی بغل سے تیغ عجب کر و فر کے ساتھ | اِک ہاتھ تن کے ساتھ گرا ایک سر کے ساتھ

دیکھا جو باپ نے کہ پسر کو ہوئی ظفر
بس جھک گئے زمین پہ شہنشاہ بحر و بر
سجدے سے سر اُٹھا کے پکارے بچشم تر
یارب لڑا ہے تیسرے فاقے سے یہ پسر
قابو میں دل نہیں ہے بہت بے قرار ہوں
ہاں تیرے رحم و لطف کا اُمیدوار ہوں

بہتر نہیں ہے اس سے مرے پاس کوئی شے
مایہ ہے تو یہ ہے جو بضاعت ہے تو یہ ہے
گزری بہار زیست کی آیا زمان دے
اب کوئی دم میں عمر کا بھی مرحلہ ہے طے
حرمت سے اس پسر کو شہادت حصول ہو
یارب فقیر کا ہے یہ ہدیہ قبول ہو

مقبول جس طرح ہوئی قربانی خلیل
اُس طرح سرفراز ہو یہ بندۂ ذلیل
دنبہ وہاں بہشت سے لائے تھے جبرئیل
میں اُس کا ملتجی نہیں اے خالق جلیل
اُمت بھی بخشی جائے پسر بھی سعید ہو
مقبول ہو اگر یہ ذبیحہ تو عید ہو

مصروف تھا دعا میں ادھر فاطمہ کا لال
ڈوبا ہوا تھا فوج عدو میں وہ نونہال
بڑھ کر وغا کرے یہ کسی کی نہ تھی مجال
لاکھوں سے معرکہ تھا ہزاروں سے تھی جدال
سوکھے تھے ہونٹ رنگ بھی فاقوں سے زرد تھا
بازو تھکا ہوا تھا کلائی میں درد تھا

یہ دیر سے لڑے ہوئے وہ فوج تازہ دم
فاقوں کا ضعف پیاس کا صدمہ پدر کا غم
ہاتھوں کا زور کم ہوا جاتا تھا دم بدم
پرسیت میں جمے ہوئے تھے شیر کے قدم
آنکھیں تو سرخ غیظ سے تیوری چڑھی ہوئی
طاقت گھٹی ہوئی تھی پہ ہمت بڑھی ہوئی

نکلا پرے سے ایک جفا کار و کینہ خواہ
تھا کید میں خلیفۂ شیطان وہ روسیاہ
چلایا دیکھ کر طرف بارگاہ شاہ
آفت ہے پالنے کی محبت بھی آہ آہ
اس نوجواں کے ہجر میں آخر نکل پڑی
لو گھر سے بنت فاطمہ زہرا نکل پڑی

تھا عشق سے پھوپھی کے تو واقف وہ لالہ فام
گھبرا گیا حسین کا فرزند نیک نام
گردن پھرا کے جا نظر کی سوئے خیام
منھ پھیرنا تھا آہ کہ تھا موت کا پیام
برچھی کسی کی سینۂ انور پہ چل گئی
دل اور جگر کو توڑ کے باہر نکل گئی

گھوڑے پہ ڈگمگانے لگا تھام کر جگر
فرمایا آہ ہم کو دغا کی نہ تھی خبر
سب ہو گئے وہ دست بلوریں لہو میں تر
رہوار سے لپٹ گئے ہرنی پہ رکھ کے سر
جز بے کسی نہ تھا کوئی اس ماہرو کے ساتھ
ٹکڑے کبد کے زخم سے نکلے لہو کے ساتھ

لیتا تھا غش میں ہچکیاں وہ چودھویں کا ماہ
جو گرز فرق پاک پہ مارا کسی نے آہ
بیٹھا گلے بتبر کہ حالت ہوئی تباہ
رہوار سے گرا پسر شاہ دیں پناہ
بنت رسول رونے کو منہ ڈھانپنے لگی
تڑپا وہ نوجوان کہ زمیں کانپنے لگی

سرکاٹ لو یہ غل جو لگے کرنے اشقیا
گردن سے تیر کھینچ کے بابا کو دی صدا
ای نور عین فاطمہ ای سبط مصطفا
ای بحر فیض ای قمر برج ہل اتا
جلد آئیے غلام پہ احسان کیجیے
مشکل کو دم نکلنے کی آسان کیجیے

جس دم سنی حسین نے یہ جاں گزا صدا
صابر اگرچہ تھے پہ کلیجہ الٹ گیا
ہاتھوں سے دلکو تھام کے دوڑے برہنہ پا
نعرہ کیا کہ ای علی اکبر کروں میں کیا
لکر غریب و بیکس و تنہا سے جائیو
آے ضعیف باپ تو دنیا سے جائیو

ہی ہی مرے شفیق پسر مہرباں پسر
خوشرو پسر سعید پسر قدرداں پسر
مادر کا چین باپ کا آرام جاں پسر
کم گو پسر شہید پسر نوجواں پسر
مقتل کدھر ہی کوئی بتاتا نہیں مجھے
ای نور عین کچھ نظر آتا نہیں مجھے

مجھ کو غریب دشت بلا کہہ کے پھر پکار
اک بار یا شہہ دوسرا کہہ کے پھر پکار
ای شبیر سید الشہدا کہہ کے پھر پکار
صدقے ہو باپ یا ابتا کہہ کے پھر پکار
میری بھی جان تن سے ترے ساتھ جائے گی
مر جاؤنگا یہیں جو نہ آواز آئے گی

کچھ ہوش دست و پا کا نہیں بے حواس ہوں
زخمی ہی قلب کشتۂ اندوہ و یاس ہوں
غمگیں ہوں مردہ دل ہوں حزیں ہوں اداس ہوں
دم توڑو تم تو ہی غضب اے مہ جبیں پاس ہوں
کیونکر قرار آئے دل ناصبور کو
لاؤں کہاں سے ڈھونڈھ کے آنکھوں کے نور کو

ناگاہ آئی حضرتِ زہرا کی یہ صدا
دم توڑتا ہی گود میں میری یہ مہ لقا
دیکھے یہ تم کو تم اِسے اک بار دیکھ لو
چلائے سر کو پیٹ کے شبیر نامدار
جو یا ہوں اُن کا میں انھیں میرا ہی انتظار
عاشق کا حال دیکھ لیں کچھ بات کرکے جائیں
دوڑے یہ بات کہ کے جو سلطان بحر و بر
اُٹھا یہ دل میں درد کہ خم ہو گئی کمر
تڑپے جو گر کے اور تڑپ کے ٹھہر گئے
ہوش آیا تین ساعت کامل کے بعد جب
آنسو بہا کے رکھدیئے بیٹے کے لب پہ لب
دل سے گلے لپٹنے کی حسرت نکال دو
بابا سے کوئی بات تو اے مہ لقا کرو
اینٹھی ہی گر زبان تو آنکھوں کو وا کرو
دادی کے پاس چشمۂ کوثر پہ جاتے ہو
اکبر نے آنکھیں کھول کے دیکھا رُخ پدر
فرمایا شہ نے زانو پہ رکھ کر سر پسر
یاں سے اُٹھا کے آل پیمبر میں لے چلیں
کی عرض مہلت اتنی کہاں اے شہ اُمم
دولت ملی کہ دیکھ لیئے آپ کے قدم
ساتھ آئے تھے جو چاہنے والے وہ دور ہیں

ہائے ہائے حسین تیرے تڑپنے کے ہیں فدا
جاں اس کی تجھ میں اٹکی ہی ہائے میرے دلربا
آؤ پسر کا آخری دیدار دیکھ لو
اماں خدا کے واسطے اکبر سے ہو شیار
کہد یجیئے کہ آتا ہی بابائے جگر فگار
دنیا سے کوچ ہی تو ملاقات کرکے جائیں
بیٹے کی لاش باپ نے دیکھی لہو میں تر
دیکھا جو زخم منھ کے قریب آگیا جگر
غل پڑ گیا صفوں میں کہ شبیر مر گئے
دیکھا کہ مٹ رہی ہی شبیہہ رسول رب
چلاتے تھے کہ چھوڑ چلے ہم کو ہی غضب
باہیں اُٹھا کے باپ کی گردن میں ڈالدو
غفلت کا وقت یہ نہیں ذکر خدا کرو
صدقے پدر اشارے میں مطلب ادا کرو
حوروں سے باتیں ہوتی ہیں جو مسکراتے ہو
گالوں پہ اشک آنکھوں سے ٹپکے ادھر اُدھر
روتے ہو کس کے واسطے اے غیرتِ قمر
غم ماں کا ہی تو آؤ تمھیں گھر میں لے چلیں
اب کیجیے قبلہ رو کہ نکلتا ہی تن سے دم
غیر از غم فراق مجھے کچھ نہیں ہی غم
روتا ہوں اس لیئے کہ اکیلے حضور ہیں

شہ نے کہا مرے لیئے بیٹا نہ روؤ بس
ہو گا جہاں سے جانے میں تھوڑا سا پیش و پس

دنیا کی آرزو ہی نہ جینے کی کچھ ہوس
میرے لیئے ہی اب دمِ خنجر ہر اک نفس

اکبر ترے الم سے جگر چاک چاک ہی
جب تو نہ ہو تو باپ کے جینے پہ خاک ہی

بتلاؤ کس اُمید پہ یہ نیم جاں جیئے
افسوس شیر قتل ہو اور ناتواں جیئے

دنیا میں حسین کا تم سا نہ کوئی جواں جیئے
وہ باپ کس طرح جیئے کیونکر وہ ماں جیئے

پہلے نہ ہم گزر گئے شرمندگی یہ ہی
ہم دونوں تیرے ساتھ مریں زندگی یہ ہی

یہ بات سُن کے لینے لگا ہچکیاں پسر
سوکھی زباں دکھائی کہ پیاسا ہوں ای پدر

زردی اجل کی چھا گئی چہرے پہ سر بسر
دو بار لی کراہ کے کروٹ اِدھر اُدھر

دنیا سے انتقال ہوا نورِ عین کا
ہنگام ظہر تھا کہ لٹا گھر حسین کا

نکلی ادھر تو جسم سے اکبر کی جانِ زار
یاں بیبیاں ہوئیں درِ خیمے پہ بے قرار

فضہ پکاری ڈیوڑھی سے بڑھ کر یہ ایک بار
اکبر پہ کیا گزر گئی ای شاہِ نامدار

چھُریاں غم والم کی کلیجے پہ چلتی ہیں
جلد آیئے کہ حضرتِ زینب نکلتی ہیں

گھبرا کے شاہِ دیں نے اٹھا لی پسر کی لاش
لپٹائے تھے کلیجے سے لختِ جگر کی لاش

لائے قریب خیمہ جو اُس سیمبر کی لاش
غل پڑ گیا کہ آتی ہی رشکِ قمر کی لاش

زہرا کی بیٹیاں جو کھلے سر نکل پڑیں
سب بیبیاں خیام سے باہر نکل پڑیں

سر ننگے شہ کے گرد تھیں سیدانیاں تمام
تھے بیچ میں شہید کا لاشہ لیئے امام

بانو پکارتی تھی کہ یا شاہِ تشنہ کام
جیتا ہی یا جہاں سے گیا میرا لالہ فام

منکا ڈھلا ہے۔ ہونٹوں پہ سوکھی زبان ہی
ای جانِ فاطمہ مرے بچے میں جان ہی

زینب تڑپ تڑپ کے یہ کہتی تھی بار بار
یہ لاش میری گود میں دیجے بہن نثار

طاقت نہیں ہی آپ ہیں یا شاہِ نامدار
صدقے گئی لرزتا ہی فاقوں سے جسمِ زار

شہ کہتے تھے یہ کام ہی مجھ خستہ جان کا
تجھ سے بہن اُٹھے گا نہ لاشہ جوان کا

لاشہ پسر کا خیمہ میں لائے امام پاک
شہ نے لٹا کے لاش جو کی آہ دردناک
پہلے گماں تھا غش میں وغا کرکے آئے ہیں
لاشے کے پاس ہائے پسر کہ کے ماں گری
دل پر ہر اک کے برق غم نوجواں گری
چھوٹی بہن جو لاشے سے آکر لپٹ گئی
بس اے انیسؔ اب نہیں آگے بیاں کی تاب
گر قدرداں ہیں کم تو نہ کر اتنا اضطراب
تو ذاکر حسین علیہ السلام ہے

مسند رسول حق کی بچھائی بروئے خاک
دل بیبیوں کے ہو گئے سینے میں چاک چاک
آخر یقین سب کو ہوا مر کے آئے ہیں
ہاتھوں سے دل پکڑ کے پھوپھی نیچاں گری
غش کھا کے ہو کوئی یاں گری اور کوئی واں گری
اک حشر ہو گیا صف ماتم الٹ گئی
لکھوں حرم کے بین تو ہوتی ہے اک کتاب
جلدی مدد کریں گے شہ آسماں جناب
تیری انہیں کو فکر ہے جن کا غلام ہے

رباعی

ہے مدح ایں علی کے دربانوں میں
خورشید فلک فخر سے آملتا ہے
خادم بھی ہے کمترین ثنا خوانوں میں
دن کو ذروں میں شب کو پروانوں میں

رباعی

عمر اپنی غم شہ میں بسر کر لے تو
رکھ ہاتھوں کو اپنے شغل ماتم میں سدا
آنکھوں کو بھی آنسوؤں سے تر کر لے تو
پھر قصر جناں انیسؔ مر کر لے تو

مرثیہ (۱۳)

یوسف کو عزیزوں نے چھڑایا جو پدر سے
فرقت ہوئی یعقوب کو اُس رشکِ قمر سے
رنگِ رُخِ پُر نور اُڑا دردِ جگر سے
دنیا ہوئی اندھیر چھپا چاند نظر سے
دل آب ہوا جاتا تھا فرزند کے غم میں
بیٹا تو کنوئیں میں تھا پدر چاہِ الم میں

تھا چشم کے چشموں سے رواں اشک کا سیلاب
بریاں دل مجروح تپاں صورتِ سیماب
آرام کی صورت نہ کوئی زیست کے اسباب
فرزند جب آنکھوں سے نہاں ہے تو کہاں خواب
بستر کو کبھی دیکھ کے دلبند کے روئے
تکیوں سے لپٹ کر کبھی فرزند کے روئے

پیراہنِ یوسف کبھی آنکھوں سے لگاتے
کُرتے کی کبھی سونگھ کے بو اشک بہاتے
رو رو کے یہ فرماتے جو کپڑے نظر آتے
پوشاک یہ جس کی ہے اُسے ہم نہیں پاتے
افسوس کہ وہ خلق سے بن باپ سدھارے
کپڑے تو دھرے رہ گئے اور آپ سدھارے

جاتے تھے عصا تھامے ہوئے شہر میں گھر گھر
بیٹے سے ملاقات نہ ہوتی تھی میسر
جو راہ میں ملتا تھا تو یہ کہتے تھے رو کر
ملتا نہیں گم ہو گیا یوسف مرا دلبر
اب جان نکلتی ہے جلا دے مجھے کوئی
فرزند سے للہ ملا دے مجھے کوئی

ہر بات پہ رو کر کفِ افسوس کو ملتے
ہر گام پہ بسمل کی طرح گر کے سنبھلتے
اشک آنکھوں سے ہر مرتبہ رخساروں پہ ڈھلتے
گہ ضعف سے گرتے کبھی اُٹھتے کبھی چلتے
جب شہر میں پاتے تھے نہ اُس رشکِ قمر کو
صحرا کی طرف ڈھونڈھنے جاتے تھے پسر کو

سایہ میں درختوں کے کبھی بیٹھ کے روتے
اشکوں سے کبھی دشت کے دامن کو بھگوتے
صحرا کے پرندوں سے مخاطب کبھی ہوتے
دریا سے یہ کہہ کر کبھی منھ اشکوں سے دھوتے
اب اُس کی جدائی کی مجھے تاب نہیں ہے
تجھ میں تو مرا گوہرِ نایاب نہیں ہے

تھے چار طرف دشت میں فرزند کے جویا
چلاتے تھے ای لعل تو کس قبر میں سویا

یوسف تجھے کس چاہ میں لوگوں نے ڈبویا
خود گم ہوں کہ پیارے تجھے ان آنکھوں سے کھویا

کچھ تیرا پتہ ای مرے مہرو نہیں ملتا
سب آنکھوں کے آگے ہیں مگر تو نہیں ملتا

کیا جانیئے ہو دھوپ میں یا سر پہ ہی سایا
کھانا بھی کہیں چین سے کھایا کہ نہ کھایا

گرمی کے ہیں دن پانی بھی ٹھنڈا کہیں پایا
آرام مرے ہجر میں کیونکر تجھے آیا

راحت بھی کوئی دم ہی کہ دکھ سہتے ہو بیٹا
جنگل ہی کہ بستی ہی کہاں رہتے ہو بیٹا

گر شام کو خورشید نہاں ہوتا ہی پیارے
تو دیکھتے ہیں لوگ اُسے صبح کو سارے

گر دن کو چھپے شب کو نکلتے ہیں ستارے
تو کونسی بدلی میں ہو ای چاند ہمارے

حیرت ہی مرے دیدۂ دیدار طلب کو
جلوہ ترا دن کو نظر آتا ہی نہ شب کو

للہ ملاقات کی صورت تو بتاؤ
آنکھوں کی بصارت بھی چلی اب نہ رُلاؤ

ای لعل کبھی خواب میں بابا کے تو آؤ
مادر کے تڑپنے کو ذرا دیکھ تو جاؤ

چہرے سے ردا کا کبھی کونا نہیں چھٹتا
جس روز سے تم چھوٹے ہو رونا نہیں چھٹتا

برسوں جو اسی طرح رہے مضطر و دلگیر
طاقت تو گھٹی رنج بڑھا غم سے ہوئے پیر

تھے فرق سے تا ناخن پا درد کی تصویر
اب جائیں کہاں ضعف ہوا پاؤں کی زنجیر

زور اپنا دکھایا کمرِ راست کے خم نے
بٹھلا دیا بیٹے کے بچھڑنے کے الم نے

بیت الحزن اور آپ نہ کھانا تھا نہ سونا
گر دن تھا تو رونا تھا جو تھی رات تو رونا

آہیں کبھی کرنا کبھی منھ اشکوں سے دھونا
اک کہنہ حصیر اور نہ تکیہ نہ بچھونا

آرام نہ نالے گریہ وزاری کوئی دم تھا
رخساروں پہ تھے زخم اور آنکھوں پہ ورم تھا

افراطِ الم سے یہ جوانی میں ہوا حال
معلوم یہ ہوتا تھا کہ ہیں پیر کہن سال

اک طائر روح اور رگو نکا تھا فقط جال
کوئی نہ رہا ریشِ مبارک میں سیہ بال

روئے شب و روز جدائی میں پسر کی
آنکھیں بھی ہوئیں نذر اُسی نور نظر کی

فرمایا جب آنکھوں کی بصارت ہوئی زائل
بہتر ہوا مضطر نہیں سینے میں مرا دل

یوسف کی نظر آئے نہ جب شکل و شمائل
بینائی سے کیا فائدہ کیا آنکھوں سے حاصل

جو نور نظر تھا وہ نظر بند ہوا ہے
ان آنکھوں کے حجرے نہ کھلیں اب تو بجا ہے

پوچھا بھی گر کوئی ملاقات کو آیا
بتلاؤ کہ یوسف کا پتہ ہے کہیں پایا

افسوس کہ پیارے کی خبر کوئی نہ لایا
ایسا نہیں بچھڑا کہ ملے گا مرا جایا

کیا لطف ہے گر جیتے رہے کھو کے پسر کو
اے جان نکل اب کہ قرار آئے جگر کو

مطلع دوم

یا رب کوئی فرزند جدا ہو نہ پدر سے
اٹھ جاتا ہے جینے کا مزا مرگ پسر سے

موت آکے نہ لیجائے یہ دولت کسی گھر سے
جاتا نہیں یہ داغ موئے پر بھی جگر سے

فرزند کا غم بانوئے ناشاد سے پوچھو
یہ داغ کسی صاحب اولاد سے پوچھو

ہر چند کہ یعقوب کے گیارہ تھے پسر اور
آرام مگر دل کو نہ آتا تھا کسی طور

یعقوب محمد کی مصیبت پہ کرو غور
آقا پہ تمھارے ہوئے کیا کیا ستم و جور

حقا کہ رضا جوئے خدا وہ شہ دیں تھا
اُس لعل کو کھویا کہ جو یوسف سے حسیں تھا

یعقوب کے آگے جو پسر برچھی کو کھاتا
ہے دل کو یقیں منھ سے کلیجہ نکل آتا

فرزند کا دُکھ باپ سے دیکھا نہیں جاتا
اکبر سے پسر کو کوئی ہاتھوں سے گنوانا

ہوتا ہے قلق گل ہوا گر خار کے نیچے
رکھے تو کلیجہ کوئی تلوار کے نیچے

غیروں کے لیئے اپنی کمائی کوئی کھوئے
دل باپ کا مانے کہ پسر قبر میں سوئے

خوں میں کوئی اپنے دُرِ یکتا کو ڈبوئے
فرزند جواں قتل ہو اور باپ نہ روئے

فرزند کا غم بانوئے ناشاد سے پوچھو
یہ درد کسی صاحب اولاد سے پوچھو

یعقوب پہ ثابت تھا کہ زندہ ہے جگر بند
یوں روتے تھے جس طرح کہ مرجاتا ہے فرزند

تھی اُن سے سوا بیٹے کی الفت اُنہیں صد چند
لیکن پسر فاطمہ تھا خرم و خرسند

فرماتے تھے فرزند عنایت ہے خدا کی
دینے میں ہے کیا عذر امانت ہے خدا کی

کرتا ہی سفر یوسفِ شاہنشہِ عالی
تقدیر نے حسرت بھی نہیں کوئی نکالی
کرتی ہی نظر یاس سے جب روئے پسر پر
آہوں کے کلیجے میں در آتے ہیں جو بھالے
بیٹے سے اشارہ ہی کہ ای گیسوؤں والے
جنت میں ہمیں ساتھ نہ لیجاؤ گے بیٹا
حال اپنا اشاروں میں جو ماں کرتی تھی اظہار
رخصت جو طلب باپ سے کرتا ہو وہ دلدار
فرزند بھی گھربار بھی سب نذرِ خدا ہی
ہم شاد ہیں کیوں روتے ہو ای اکبرِ گلفام
کردے گا خدا اپنے سفر کا بھی سرانجام
حق تم پہ ہی زینب کا وہ ہاں روکے تو روکے
میں باپ ہوں الفت مری کیا ای مرے پیارے
مشکل ہی دو چاہنے والے ہیں تمھارے
دامن جو وہ پکڑیں تو چھوڑا سکتے ہو بیٹا
یہ ہم نہ ہوں جو تم نے کہا منھ سے وہ مانا
اشکوں کے بہانے کو بھی سمجھینگی بہانا
جو ماں کا وہی زینبِ دلگیر کا حق ہی
نزدیک ہمارے تو ہی رخصت میں تامل
بالوں کو جو بکھرائینگی وہ صورتِ سنبل
صدقے کوئی ہوگی کوئی قدموں پہ گرے گی

کنعانِ حسین ابنِ علی ہوتا ہی خالی
ہاتھوں سے جگر تھامے ہی ماں پالنے والی
چل جاتی ہی اک ظلم کی برچھی سی جگر پر
بسمل کی طرح لوٹتی ہی دل کو سنبھالے
واری تجھے اس پیچ سے اللہ نکالے
کیا چھوڑ کے مادر کو چلے جاؤ گے بیٹا
رہجاتا ہی روکر پسر بیکس و ناچار
فرماتے ہیں حضرت کہ سجو جنگ کے ہتھیار
مادر سے کہو باپ تو راضی برضا ہی
تم شوق سے سر دے کے کرو خلد میں آرام
میرا تو یہ مطلب ہی کہ اُمت کا بنے کام
ہم تم کو نہ روکیں گے جو ماں روکے تو روکے
یکساں ہی رہے یا نہ رہے پاس ہمارے
جان ایک کی اور ایک کے ہو آنکھ کے تارے
نے دونوں کے راضی کیئے جا سکتے ہو بیٹا
دیکھیں گے کہ جاؤ گے کچھ آسان ہی جانا
دشوار ہی مشکل ہی رضا جنگ کی پانا
یاں پالنے کا حق ہی تو واں شیر کا حق ہی
دو قمریاں اک سرو ہی دو بلبلیں اک گل
ہووے گا بپا نالہ و فریاد کا اک غل
ماں پکڑے گی دامن تو پھوپھی گرد پھرے گی

تو جان لیا ہم نے کہ ماں نے تری مانا
ہوئے گا گوارا تجھے زینب کا رُلانا
ہو جائے گا دم تن سے ترے ساتھ روانا
تو جان ہے سب گھر کی مناسب نہیں جانا
مرجائینگی گر دیر ہوئی آنے میں بیٹا
دو جانوں کا نقصان ہے ترے جانے میں بیٹا

دو جانیں تلف ہوتی ہیں اس جانے سے حاصل
رخصت کا سخن لب پہ بھلا لانے سے حاصل
واں جاؤ تو جاؤ مرے پاس آنے سے حاصل
تدبیر نکالو کوئی غم کھانے سے حاصل
اک ہم ہوئے ایسے کہ کیا صبر پسر کو
اُن سے تو سنبھالا نہیں جائے گا جگر کو

ہو ایک تو کوئی اُسے سمجھائے مری جاں
بہنیں ترے صدقے ہیں پھوپھی ہے ترے قرباں
اور ماں کی جو پوچھو اُسے سو طرح کے ہیں دھیان
پوتے کے کھلانے کی ہوس بیاہ کا ارماں
منصب ہو یہ دنیا سے سفر کرنے کے دن ہیں
راتیں یہ مرادوں کی ہیں یا مرنے کے دن ہیں

اکبر نے کہا باپ سے یہ ماں کو سُنا کر
خادم کو نہ روکینگی پھوپھی اور نہ مادر
وہ آپ کہینگی کہ فدا ہو مرا دلبر
حضرت سے زیادہ انھیں پیارا نہیں اکبر
زہرا کی بہو یہ ہیں تو وہ بنت علی ہیں
جو چاہیں سو دیں یہ بھی سخی وہ بھی سخی ہیں

فرزندوں کو حضرت پہ پھوپھی جان نے وارا
بیٹی ہوئی رانڈ اُن کی مگر دم نہیں مارا
اس وقت میں مجھ کو بھی نہیں کرنے کی پیارا
ہاں آپ کی فرقت نہیں ہونے کی گوارا
دھڑکا ہے رنڈاپے کا جو رنجیدہ ہیں اماں
ناداں نہیں سنجیدہ و فہمیدہ ہیں اماں

وارث ہے جو سر پر تو ہے عورت کے لئے تاج
ہوتی ہے رنڈاپے میں ردا کے لئے محتاج
کوکھ اُجڑے تو اُجڑے پہ نہ دنیا میں لٹے راج
سایہ ہے فقط آپ کا ان کے لئے معراج
ہاں باپ کی خدمت کو پسر حق نے دئے ہیں
فرزند اگر ہیں تو اسی دن کے لئے ہیں

ممکن ہے کہ یہ اپنی کمائی کو بچائیں
اور فاطمہ کے لعل کو ہاتھوں سے گنوائیں
یہ وہ ہیں کہ مرضی جو ذرا آپ کی پائیں
اصغر کو بھی جھولے سے ابھی نذر کو لائیں
تلواروں سے دل کو نہ بچائیں نہ جگر کو
خود بھیجدیں تلواروں میں بیمار پسر کو

حضرت سے پھوپھی جان کو جیسی ہی محبت
ہیں آپ کے بدلے یہ گرفتارِ مصیبت
حُر کے لیئے سجّادے پہ مشغولِ دعا ہیں
مطلق نہیں دھیان اُن کو رہے یا کوئی جائے
کچھ غم نہ ہوا ہاتھ سے دو لعل گنوائے
کیا ذکر خفا ہونے کا خوشنود ہیں وہ تو
بانو نے کہا زینبِ بیکس سے کہ ہمشیر
ہر بات ہی یہ میرے کلیجے کے لیئے تیر
اکبر سے محبت کے گلے مجھ کو بڑے ہیں
کیا ہوئے گا سینے میں دھڑکتا ہی مرا دل
اس وقت مدد کیجے کہ آسان ہو مشکل
کچھ آپ ہی سمجھایئے اس غنچہ دہاں کو
یہ آپ سے ہرگز نہیں کرسکنے کے تکرار
زینب نے کہا تم سے بچھڑتا نہ یہ دلدار
رخصت نہ اگر دو گی تو قدموں پہ جھکے گا
لٹ جائے گی اٹھارہ برس کی یہ کمائی
دولہا نہ بنایا نہ دلھن بیاہ کے آئی
میں خوش تھی کہ اب ساتھ دلہن لیکے چلینگے
بانو سے بھی زینب سے بھی کہنے لگے سرور
چپ رہ گئی زینب تو کلیجے کو پکڑ کر
ہیں جان گئی بیٹے کی اور باپ کی مرضی

یہ بھائی بہن میں کبھی دیکھی نہیں اُلفت
کیا دور ہی بن ملنگے اگر دیں تجھے رخصت
جو آپ پہ قربان ہو بہ اُس پہ فدا ہیں
اُن کو تو وہ پیارا ہی جو کام آپکے آئے
اس کی ہیں وہ جو یا کہ بہن بھائی کو پائے
جاں اپنی فدا کرنے کو موجود ہیں وہ تو
سنتی ہو یہ تم باپ کی اور بیٹے کی تقریر
میں کیا کروں کچھ مجھ کو بن آتی نہیں تدبیر
ہی پاسِ ادب سبطِ نبی پاس کھڑے ہیں
کیوں لائے ہیں ہمراہ پسر کو شہِ عادل
نے آس کرینگے ہوئے جب بیاہ کے قابل
گویائی کی طاقت تو نہیں میری زباں کو
میں باندھتی ہوں ہاتھوں کو کھلوایئے ہتھیار
وہ کیا کرے ہی باپ مصیبت میں گرفتار
یہ صاحبِ غیرت نہ رُکے گا نہ رُکے گا
ہو جائے گا پھر بیکس و تنہا مرا بھائی
مر جاؤنگی ہی ہی علی اکبر کی جدائی
کیا اس کی خبر تھی کہ نہ پھولے نہ پھلیں گے
کیا کہتی ہو جائے کہ نہ جائے علی اکبر
بانو نے کہا حکم سے لونڈی نہیں باہر
مختار ہو صدقے گئی جو آپ کی مرضی

واجب ہے اطاعت مجھے یا سیدِ ابرار
طاقت ہے میں اس امر میں کر سکتی ہوں تکرار
میں آپ کی گھر آپ کا اور آپکے دلدار
لونڈی کے بھی مالک ہو اور اکبر کے بھی مختار
شکوے نہیں گر ہیں تو محبت کے گلے ہیں
یہ لعل مجھے آپ کے صدقے میں ملے ہیں

ہر کام کا وہ ان ہیں جو کام آپکے آئے
ارشاد جسے کیجیئے وہ مرنے کو جائے
فرماؤ تو لونڈی علی اصغر کو بھی لائے
حسرت ہے کہ مادر انھیں نوشاہ بنائے
پر غم نہیں اس کا بھی کہ یہ ہم سے جدا ہوں
اب تو یہی شادی ہے کہ حضرت پہ فدا ہوں

شہ بولے نہیں جس میں خوشی ہوئے تمہاری
اکبر رہیں ہم جائیں سوئے لشکرِ ناری
بانو نے کہا میں تو رضامند ہوں واری
کہہ دیجیئے اب ان سے کہ منگوائیں سواری
سب جائیں مگر آپ کا جانا نہیں منظور
خاتونِ قیامت کا رُلانا نہیں منظور

گر کہیئے تو آنسو بھی نہ آنکھوں سے بہاؤں
بیٹے کی محبت کے سخن لب پہ نہ لاؤں
ہاتھوں کو بھی پھیلا کے گلے سے نہ لگاؤں
روتی ہوئی پہنچانے کو در تک بھی نہ جاؤں
اولاد جو پیاری ہے تو حضرت ہی کے دم تک
کہیئے تو بلائیں بھی نہ لوں سر سے قدم تک

پھٹ جائے کلیجہ بھی تو منھ سے نہ کروں آہ
دامن بھی نہ پکڑوں جو یہ میدان کی لیں راہ
گو دل پہ گرے ہجر میں کوہِ غم جانکاہ
نہ روؤں نہ پیٹوں نہ کہوں ہائے مرا ماہ
سمجھوں نہ کہ غفلت میں یہ کیا ہو گیا مجھ سے
پالا تھا کسے کون جدا ہو گیا مجھ سے

شہ نے کہا کیا کہنا ہے واللہ تمہارا
ہوتا نہیں یہ داغ کسی ماں کو گوارا
ہاتھوں سے نہ کھوئے کوئی اس طرح کا پیارا
کس صبر سے اس راہ میں فرزند کو وارا
ہر دکھ میں ہر اک رنج میں راضی برضا ہیں
یہ کام انھیں کا ہے جو خاصانِ خدا ہیں

جیتا نہیں وہ جس کے مقدر میں ہے مرنا
مشکل ہے مگر صبر کی سل چھاتی پہ دھرنا
آفت تو ہے فرزند کا دنیا سے گزرنا
انسان کو لازم ہے مگر صبر بھی کرنا
برسوں سے یہی رنگِ گلستانِ جہاں ہے
جس گل پہ بہار آج ہے کل اس پہ خزاں ہے

کچھ پھول تو دکھلا کے بہار اپنی ہیں جاتے
کچھ گل ہیں کہ پھولے نہیں جامے میں سماتے
بلبل کی طرح روتے ہیں فریاد و فغاں سے
مرتا ہی جواں سامنے اور دیکھتے ہیں پیر
سر پیٹ کے فریاد کرے مادرِ دلگیر
آرام جسے دیتے ہیں چھاتی پہ سُلا کر
مٹی سے بچاتے ہیں سدا جس کا تنِ پاک
مادر جسے عریاں نہیں کرتی تہِ افلاک
غربت میں کوئی پوچھنے والا نہیں ہوتا
بس ہوتا تو فرزند سے ہم پہلے نہ مرتے
ٹلے اُن کے کوئی آن نہ دنیا میں ٹھہرتے
پر دخل ہمیں مرضیِ معبود میں کب ہی
منظور ہمیں شیعوں کی ہی عقدہ کشائی
ہوگی جو کسی باپ سے بیٹے کی جدائی
جب اپنے پسر کے لیئے فریاد کریں گے
فرزند صغیر اُن کا تلف ہوگا کوئی گر
ہو جائے گی بیوہ جو کسی شخص کی دختر
بھولینگے مرے غم میں الم خویش و پسر کا
تھا مجھ کو تردد کہ نہ دوگی انھیں خصت
بانو نے کہا تم ہی زہرا پہ سخاوت
خوشنودیِ خالق جو مجھے مد نظر ہی

کچھ سوکھ کے کانٹوں کی طرح ہیں نظر آتے
غنچے بہت ایسے ہیں کہ کھلنے نہیں پاتے
کچھ بس نہیں چلتا چمن آرائے جہاں سے
ماں باپ کا کیا زور ہی جو خواہشِ تقدیر
جز صبر بن آتی نہیں لیکن کوئی تدبیر
رکھ آتے ہیں ہاتھوں سے اُسے قبر میں جا کر
اُس گل پہ گرا دیتے ہیں اب سیکڑوں من خاک
وہ قبر میں سوتا ہی دھری رہتی ہی پوشاک
شمعیں بھی جلاؤ تو اُجالا نہیں ہوتا
کوچ اُن کا نہ ہوتا کہ سفر خلق سے کرتے
یہ غسل و کفن دے کے ہمیں قبر میں دھرتے
واں ہم سے بھی پہلے علی اکبر کی طلب ہی
عباس کو رو وینگے جو مر جائے گا بھائی
دھیان آئے گا اکبر نے سناں سینے پہ کھائی
وہ داغ کلیجے کا مرے یاد کریں گے
ہیں دوست مرے یاد کرینگے غمِ اصغر
کبرا کے رنڈاپے پہ وہ روئے گا مقرر
مرہم یہی اُن لوگوں کے ہی زخم جگر کا
پر کیوں نہ ہو زہرا کی بہو صاحبِ عزت
کیا صبر مرا کیا مرا دل کیا مری ہمت
صدقے گئی یہ آپ کی صحبت کا اثر ہی

میکے میں نہ ہوئی کبھی اس صبر کے قابل
یہ فیض اسی گھر سے ہوا ہے مجھے حاصل
شوہر تو ملا ابنِ علی سا شہِ عادل
بیٹا علی اکبر سا ملا حور شمائل
ہاتھ آ گیا خورشید تو ایسا قمر ایسا
کس بی بی نے پایا ہے گھر ایسا پسر ایسا

سسرا وہ کہ جس شہ کے قبضے میں خدائی
کی جس نے رسولوں کی سدا عقدہ کشائی
ساس ایسی کہ جو احمدِ مختار کی جائی
نند ایسی کہ جس عابدہ کا آپ سا بھائی
خود مصحفِ اکبر میں بیاں جن کا کیا ہے
رشتہ مجھے اُن موتیوں سے حق نے دیا ہے

جب خواب میں آئی تھیں مرے آپکی ماں
کس پیار سے چھاتی سے لگایا تھا مرا سر
ارشاد کیا تھا یہ دلہن مجھ کو بنا کر
میں فاطمہ ہوں ہے ترا دولہا مرا دلبر
لاتی ہوں کمائی کو شہِ عقدہ کشا کی
لے دیکھ لے صورت کو مرے ماہِ لقا کی

لونڈی نے جو گردن سر زانو سے اُٹھائی
حضرت کی یہی چاند سی صورت نظر آئی
اُس حسن کے نظارہ کی میں تاب نہ لائی
پر بیکسی و یاس سی تھی چہرے پہ چھائی
قطرے کئی رخساروں پہ آنکھوں سے ڈھل آئے
حضرت تو ہنسے اور مرے آنسو نکل آئے

زہرا نے کہا ہے یہ مری آنکھوں کا تارا
فرزند کو احمد نے اسی لعل پہ وارا
لیجو مرے پیارے سے کمائی کو نہ پیارا
صدقے گئی وہ آج کھلا مجھ پہ اشارا
حق اُن کی محبت کا ادا کرتی ہے بانو
دولت یہی اک ہے سو فدا کرتی ہے بانو

بانو نے یہ تقریر جو کی تھام کے رقت
اکبر کی طرف دیکھ کے رونے لگے حضرت
فرمایا کہ اُن سے بھی تو لو مرنے کی رخصت
جس بی بی نے اٹھارہ برس کی ہے ریاضت
گو چپ ہے مگر اُس کو قلق ماں سے سوا ہے
تم پر مری ہمشیر کا حق ماں سے سوا ہے

زینب نے کہا جس میں رضائے شہِ عالی
میں نے تو کوئی بات نہیں منہ سے نکالی
کیا غم ہے نہ پوچھا مجھے ماں سے تو رضا لی
مالک ہیں وہی میں تو ہوں اک پالنے والی
صدقے گئے فرزند پھوپھی سوگ نشیں ہے
سمجھیں تو مرا حق ہے نہ سمجھیں تو نہیں ہے

بچپن میں یہ چھاتی پہ مری کاہے کو سوئے
کنگھی نہیں کی گیسوئے مشکیں نہیں دھوئے
کیوں روئے ہیں پہ کس لیئے حضرت کو قلق ہو
سی کر نئے کرتے انھیں کس روز پنھائے
رکھتی تھی میں کس دن انھیں دولھا سا بنائے
پوچھے تو کوئی گھٹنیوں جس روز چلے تھے
راتوں کو رہا کون چھٹی چلوں میں بیدار
پہلو میں رہا دل کی طرح کس کے دلدار
بے میری اجازت جو یہ مرنے کو چلے ہیں
جب دودھ بڑھانے کا ہوا خیر سے ہنگام
قرباں رہی اٹھارہ برس جو سحر و شام
کیوں اُن کی بلا لیکے نہ پہلے ہی موئی میں
یالے مرے پوچھے نہ کہیں جاتے تھے زنہار
اس فاقے پہ باندھی کمر اور سج لیئے ہتھیار
بھیگیں جو مسیں موت کا پیغام یہی تھا
خوش ہیں کہ رضا مرنے کی لی اپنے پدر سے
میں ساتھ ہی نکلونگی ردا پھینک کے سر سے
دلبند کلیجے سے جدا میں نے کیئے ہیں
اب تک مری آنکھوں سے ہٹے ہیں کبھی دو بل
بستی مری ویران ہو آباد ہو جنگل
سر سبز ہو جو نخل اُکھاڑا نہیں جاتا

کب جاگی میں تا صبح جو یہ چونک کے روئے
ان کے لیئے کب میں نے پسر ہاتھ سے کھوئے
حقدار میں کاہے کو مرا کونسا حق ہو
اسپند کیا کب یہ کہیں جا کے جو آئے
نازان کے پھوپھی نے کبھی کاہیکو اُٹھائے
ان تلوؤں سے یہ دیدۂ تر کس نے ملے تھے
کس نے کہو سرمہ دیا ان آنکھوں میں ہر بار
کس بی بی نے گیسو میں یہ منت کے رکھے چار
پوچھے تو کوئی کس کی مرادوں کے پلے ہیں
اس شادی کا کس نے کیا کنبے میں سرانجام
پوچھا بھی نہ ہاں سچ ہے اب اس بی بی کا کیا کام
سب لوگ تو ان کے ہوئے کوئی نہوئی ہیں
یا آج ہیں دنیا سے سفر کرنے کو تیار
مجبور ہیں پا کے یہ ایسے ہوئے مختار
آغاز خطِ سبز کا انجام یہی تھا
اُلفت کے سبب بس نہ چلا ماں کا پسر سے
کس طرح سے جاتے ہیں بھلا جائیں تو گھر سے
اس لعل پہ دو لعل فدا میں نے کیئے ہیں
میں جیتی ہوں یہ جائینگے کیونکر سوئے مقتل
اٹھارہ برس کی ہے ریاضت کا یہی پھل
ہاتھوں سے چمن اپنا اُجاڑا نہیں جاتا

مرنے کا نہ لیں نام مجھے آتا ہے وسواس — زینب نہیں جینے کی جو یہ بھی نہ رہے پاس
نہ عون و محمد ہیں نہ قاسم ہیں نہ عباس — اب تو یہی میری ہے مراد اور یہی آس
تیار جنازہ مرا کر لیں تو سدھاریں — ہاتھوں سے مجھے قبر میں دھر لیں تو سدھاریں

سن کر یہ سخن بی بیاں رونے لگیں ساری — حضرت کے بھی اکبر کے بھی آنسو ہوئے جاری
بانوئے دو عالم پہ یہ رقت ہوئی طاری — غش ہو گئی اور ہوش میں آئی کئی باری
نہ دھیان سکینہؑ کا نہ اصغر کی خبر تھی — زینب پہ کبھی اور کبھی اکبر پہ نظر تھی

بیٹے سے یہ فرمانے لگے قبلۂ عالم — رخصت نہ ملے گی تمھیں کیوں کہتے تھے ہم
دو چاند سے فرزند ہوئے ہیں ابھی بے دم — مر جائے گی اس درد رسیدہ کو نہ دو غم
ماں کی یہی مرضی ہے بابا کی خوشی ہے — زینب کی خوشی حضرتِ زہرا کی خوشی ہے

لازم ہے کہ حقدار کے حق کو نہ بھلاؤ — کہتی ہیں بچانے کو اگر یہ تو نہ جاؤ
خود چاہتے تھے ہم کہ رضا ان کی نہ پاؤ — دن پھولنے پھلنے کے ہیں کیوں چھریاں کھاؤ
جاں اپنی جوانی میں نہ دو باپ کے بدلے — امت پہ فدا ہونگے ہمیں آپ کے بدلے

لو مرنے کو ہم جاتے ہیں تم گھر سے خبردار — بہنوں سے خبردار برادر سے خبردار
لوٹے نہ کوئی آلِ پیمبرؐ سے خبردار — بنتِ اسد اللہ کی چادر سے خبردار
کیوں روتے ہو اے لعل جھکائے ہوئے سر کو — دیکھو تو ادھر اب تو نہ روکو گے پدر کو

کہرام ہوا شہ نے یہ بیٹے سے کہا جب — سینوں کو لگے پیٹنے ہاتھوں سے حرم سب
بانو نے کہا ہائے مرا راج لٹا اب — اکبر کا تو رنگ اڑ گیا گھبرا گئی زینبؑ
روئی جو سکینہ قدمِ شہ سے لپٹ کر — کبرا بھی لگی پیٹنے گھونگھٹ کو الٹ کر

زہرا کی صدا آئی کہ فریاد ہے فریاد — سب دیکھتے ہیں اور مرا گھر ہوتا ہے برباد
فکر اپنی ہے سب کو مرا دکھ درد نہیں یاد — ایسی مری اولاد سے پیاری ہوئی اولاد
بہنیں نہیں یا گود کا پالا نہیں کوئی — شبیر کا کیا روکنے والا نہیں کوئی

اس وقت ہی کس سوچ میں زینبؑ مری جائی
کی میری کمائی سے عزیزا اپنی کمائی
فرزندوں کے مرنے سے ہلاکت کے قریں ہی
جس وقت سنی حضرتِ زہراؑ کی یہ تقریر
کی عرض بصد عجز کہ یا حضرتِ شبیرؑ
کیوں آپ ہوئے مستعدِ جنگ یہ کیا تھا
کیا اس لیے روکا تھا رہیں اکبرِ ذیجاہ
حضرت تو ہیں واقف بن ابنی نہیں یا شاہ
بیٹے مرے کیا تھے علی اکبرؑ ہیں تو کیا ہیں
ہم شکل یہ جن کے ہیں اگر آج وہ ہوتے
اس لشکرِ اعدا کو علی خوں میں ڈبوتے
کس درد سے فریاد و بکا کرتی ہیں اماں
اکبر سے کہا لو مری جاں رن کو سدھارو
جو دشمنِ اولادِ علی ہیں انھیں مارو
اس طرح کے مرنے میں بڑا نام ہی بیٹا
تسلیم کو خوش ہو کے جھکے اکبرِ ذی جاہ
کانپے فلک اس زور سے شبیر نے کی آہ
خیمے سے پدر ساتھ پسر کے نکل آیا
گھوڑے پہ چڑھے شاہ سے رخصت ہو کے اکبرؑ
کس صدمۂ جانکاہ سے رخصت ہوئے اکبرؑ
کتنا دلِ بیتاب کو سمجھاتے تھے شبیرؑ

منظور نہیں گود کے پالے کی جدائی
دنیا میں وہ پھر پائے گی اس طرح کا بھائی
معلوم ہوا ہوش میں اس وقت نہیں ہی
روتی ہوئی قدموں پہ گری بھائی کے ہمشیر
صدقہ علی اکبرؑ کا مری بخشیے تقصیر
روکا تھا جو اکبر کو وہ جھگڑا ہی جدا تھا
اور تشنہ دہن آپ سدھاریں کے سوے جنگاہ
گر جان بھی کام آئے تو موجود ہی واللہ
سو ایسے پسر کو کھو پہ زہراؑ کی فدا ہیں
میدان میں حضرت کے لیے جان کو کھوتے
وہ چاہنے والے تو ہیں سب قبر میں سوتے
سن لیجیے بیٹی کا گلا کرتی ہیں اماں
زینبؑ کا بنا کام بگڑتا ہی سنوارو
اب حق یہی میرا ہی کہ سر باپ پہ وارو
ہاں شیروں کے بیٹوں کا یہی کام ہی بیٹا
دل تھام کے غش ہو گئی بنتِ اسداللہ
ماں ڈیوڑھی تلک روتی گئی بیٹے کے ہمراہ
خورشید بھی ہمراہ قمر کے نکل آیا
کس صدمۂ جانکاہ سے رخصت ہوے اکبرؑ
شہ پھرتے نہ تھے راہ سے رخصت ہوے اکبرؑ
ہر گام پہ مڑ مڑ کے ٹھہر جاتے تھے شبیر

چلّاتے تھے اب بھی جو بُلا لو تو چلے آئیں
کیوں پھیر دیا راہ تو بتلاؤ کدھر جائیں
اے نورِ بصارت تمھیں ڈھونڈیں تو کہاں پائیں
وہ کہتا تھا تکلیف بس اب آپ نہ فرمائیں
مجھ کو جو اجل کا نہ پیام آئے گا بابا
پھر آپ کی خدمت میں غلام آئے گا بابا

یہ کہ کے بڑھے رن کی طرف اکبرِ دلگیر
طاقت جو نہ تھی بیٹھ گئے خاک پہ شبیر
روشن جو ہوا دشت تو گھبرا گئے بے پیر
ذرّوں میں نظر آنے لگی مہر کی تنویر
نورِ رُخِ احمد جو دوبارا نظر آیا
خورشیدِ جہاں تاب ستارا نظر آیا

کہتا تھا کوئی موسیِ عمراں ہے یہ غازی
اِک سو تھا یہ غل عیسیِ دوراں ہے یہ غازی
کتنوں کو یقیں تھا مہِ کنعاں ہے یہ غازی
چلّاتی تھیں پریاں کہ سلیماں ہے یہ غازی
کچھ متفق اس پہ تھے کہ یہ روحِ نبی ہیں
کہتے تھے مسلماں کہ رسولِ عربی ہیں

وارث ہے رسولوں کے تبرّک کا یہ ذی جود
عمامۂ محبوبِ خدا سر پہ ہے موجود
آدم کا کمر بند و کلہ خودِ سرِ ہودؑ
پیراہنِ یوسف زرہِ حضرتِ داؤد
شانِ نبوی عزت و توقیرِ حسینی
نیزہ جو حسن کا ہے تو شمشیرِ حسینی

گیسوئے مسلسل رُخِ روشن پہ جو ہیں چار
ہے ان سے عیاں سلسلۂ احمدِ مختار
یہ مصحفِ رخسار کی سطریں ہیں نمودار
ہیں معنیِ پیچیدہ کھلے گر تو ہو طومار
زلفوں میں کرو غور ذرا رُخ کی ضیا کو
دیکھو شبِ معراج میں محبوبِ خدا کو

چہرے کو اگر صبح کہیں زلف کو گر رات
دن ہوتا ہے جب خلق سے کرتی ہے سفر رات
دنیا میں سدا شام سے ہے تا بسحر رات
یاں بیچ میں خورشید ادھر رات ادھر رات
گیسو و رُخسارۂ دل افروز بہم ہے
کیا قدرتِ حق ہے کہ شب و روز بہم ہے

دنیا میں کوئی آج نہیں ثانیِ اکبرؑ
یوسف کی زباں پر ہے ثنا خوانیِ اکبرؑ
یہ ماہِ دو ہفتہ ہے کہ پیشانیِ اکبرؑ
خورشید ہے یا چہرۂ نورانیِ اکبرؑ
یہ جلوہ گری مہر کی پر تو میں نہیں ہے
ابرو میں جو خم ہے وہ مہِ نو میں نہیں ہے

سجدے کا نشاں اور یہ پیشانیٔ انور
طالع سرِ خورشید پہ ہے زہرۂ ازہر
حقا کہ یہ ہے تاج سرِ عرش کا گوہر
دکھلائے تو کوئی فلک اس طرح کا اختر
حصے میں ستارا یہ نہیں اور کسی کے
تارا یہ وہ ہے گھر میں جو اترا تھا علی کے

ابرو جو کمانیں ہیں تو مژگاں ہیں سیہ تیر
ہے جن کے ہر اک گوشہ پہ قرباں دلِ شبیر
ہے دیدۂ ابرو سے عیاں جنگ کی تصویر
دو مردمِ خونریز ہیں کھینچے ہوئے شمشیر
اب دیکھیں تو کون آنکھ ملا سکتا ہے رن میں
الٹیں گی صفیں فوج کی اک چشم زدن میں

آغاز ہے سبزہ ابھی اٹھارواں ہے سال
کس فصل میں اس گل کو خزاں کرتی ہے پامال
اک نورِ مجسم ہے زہے حشمت و اجلال
خورشید پہ نقطے ہیں کہ رخسار و ذقن میں خال
سیارے ہوں اسپند جو سارے تو بجا ہے
تاروں کو فلک ان پہ اتارے تو بجا ہے

سبزہ رخِ گلگوں پہ نکلنے نہیں پایا
نخلِ قد ابھی پھولنے پھلنے نہیں پایا
موسم بھی لڑکپن کا بدلنے نہیں پایا
ہاتھوں میں حنا بیاہ کی ملنے نہیں پایا
چہرے سے عیاں ہے کہ جوانی میں بھی کم ہے
دو سال ابھی عشرۂ ثانی میں بھی کم ہے

پستہ ہے کہ غنچہ ہے دہن عقل ہے یاں گم
لالے کی کلی میں نہیں دیکھا یہ تبسم
دانتوں کی چمک دیکھ کے ہنگامِ تکلم
اشکوں کی طرح آنکھ سے گر جاتے ہیں انجم
تابش میں جو دنداں شکنِ برق ہوئے ہیں
دریائے خجالت میں گہر غرق ہوئے ہیں

نے شل ہے یہ گردن و بازو و بر و دوش
ساعد کی ضیا دیکھ کے موسیٰ کے اڑے ہوش
ہے ضو سے ہتھیلی کی قمر ابر میں روپوش
یہ انگلیاں روشن ہیں کہ شمعیں ہوئیں خاموش
ناخن نے دکھایا جو رخ جلوہ گر اپنا
شرما کے مہ نو نے جھکایا ہے سر اپنا

سینہ ہے وہ سینہ کہ جو کینہ سے بری ہے
نور اس میں ہے یا آئنہ میں عکس پری ہے
کب قرصِ مہ و مہر میں یہ جلوہ گری ہے
یاں روشنیٔ طورِ چراغِ سحری ہے
دیکھے جو اسے علم کے گنجینے کو دیکھے
اس سینے کو دیکھے تو نہ آئینے کو دیکھے

نے مثل ہی سینہ کی طرح پیشکم صاف ۔ ہی صاف تو یہ بات کہ دشوار ہیں اوصاف
دیکھیں جو نظر بھر کے اسے صاحب انصاف ۔ خورشید سے روشن ہی تو آئینے سے شفاف
ضو ایسی نہ آئینۂ مہتاب میں دیکھی ۔ مخمل نے یہ نرمی نہ کبھی خواب میں دیکھی

ہیں ان کے قدم راہ رو جادہ تسلیم ۔ ہاتھ آئے ہیں کیا پاؤں نہیں عزت و تکریم
ان قدموں پہ جو سر ہو وہ ہی لائق تعظیم ۔ ثابت قدمی ان سے سدا پاتی ہی تعلیم
روشن جو زمیں ہی تو یہ پرتو ہی انھیں کا ۔ جو راہ خدا میں ہو وہ پیرو ہی انھیں کا

ناگاہ رجز خواں ہوا وہ شیر غضبناک ۔ میں شیر کا فرزند ہوں ای لشکر سفاک
دادا مرا حیدر ہی وصی شہ لولاک ۔ ہر رجس سے دنیا کے جسے حق نے کیا پاک
عیسیٰ کو نہ موسیٰ کو نہ آدم کو ملا ہی ۔ جو فضل الٰہی سے شرف ہم کو ملا ہی

مشہور ہیں جو صاحب توقیر وہ ہم ہیں ۔ ہی جن کا شرف عرش پہ تحریر وہ ہم ہیں
بھیجی جنھیں اللہ نے شمشیر وہ ہم ہیں ۔ آیا ہی جنھیں آیۂ تطہیر وہ ہم ہیں
ناری ہی وہ اس گھر سے جو الفت نہیں رکھتا ۔ عالم میں کوئی ہم پہ فضیلت نہیں رکھتا

ہی نور الٰہی کی ضیا گھر میں ہمارے ۔ اترے ملک عرش علا گھر میں ہمارے
نعمت کے طبق آئے سدا گھر میں ہمارے ۔ نازل ہوا قرآن خدا گھر میں ہمارے
خورشید کو رجعت ہو وہ اعجاز بیاں ہیں ۔ قرآن زباں جس کی ہی ہم اس کی زباں ہیں

روشن گر آئینۂ دیں ہیں تو ہمیں ہیں ۔ گر مہر نبوت کے نگیں ہیں تو ہمیں ہیں
اور بعد نبی تخت نشیں ہیں تو ہمیں ہیں ۔ اسرار الٰہی کے امیں ہیں تو ہمیں ہیں
قدسی ہیں معرف سحر و شام ہمارے ۔ جو عرش پہ لکھے ہیں وہ ہیں نام ہمارے

ہر شخص کی مشکل میں ہمیں عقدہ کشا ہیں ۔ خورشید سخا ابر کرم عین عطا ہیں
مردوں کو جلایا ہی وہ اعجاز نما ہیں ۔ ہم طرۂ دستار سر عرش خدا ہیں
عالم پہ ازل سے ہی عنایات ہماری ۔ ہی خلقت آدم کا سبب ذات ہماری

حال اپنی شرافت کا ہے سب خلق پہ حالی
اللہ نے بخشا ہے ہمیں رتبہ عالی

فردوس کے مختار ہیں کونین کے والی
ہیں نور خدا ہم سے کوئی جا نہیں خالی

گر تحت ثریٰ اوج ثریا پہ کبھی ہیں
یاں ہیں کبھی اور طارم اعلا پہ کبھی ہیں

اسرار الٰہی کے جو ماہر ہیں تو ہم ہیں
باطن میں ہیں تو ہم ہیں جو ظاہر ہیں تو ہم ہیں

ہر آیۂ مصحف کے اگر سر ہیں تو ہم ہیں
قاری ہیں تو ہم ہیں جو مفسر ہیں تو ہم ہیں

قرآن کو جو پوچھو تو وہ حصہ ہے ہمارا
توریت اور انجیل میں قصہ ہے ہمارا

طالب ہو تو اعجاز رسولوں کے دکھا دیں
تو مردوں کو عیسیٰ کی طرح دم میں جلا دیں

بیمار چہل سال کو لاؤ تو شفا دیں
اور خضر سے رہبر کو بھی ہم راہ بتا دیں

پتھر کو کریں موم بلا لیویں شجر کو
ٹکڑے کریں انگلی کے اشارے سے قمر کو

معبود کو خود اوج ہے منظور ہمارا
کعبہ جسے کہتے ہیں وہ ہے طور ہمارا

گو یاں ہیں مکیں پر ہے مکاں دور ہمارا
ہم خاک پہ ہیں عرش پہ ہے نور ہمارا

اللہ کے ہم ظاہر و باطن میں ولی ہیں
گہ سر خفی اس کے ہیں اور گاہ جلی ہیں

غل عرش پہ ہے رتبۂ برتر کا ہمارے
دربان ہے جبرئیل امیں گھر کا ہمارے

خاقان ہے ادنیٰ سا گدا در کا ہمارے
قیصر بھی غلام ایک ہے قنبر کا ہمارے

اس گھر کے وہ محتاج ہیں جو صاحب زر ہیں
اللہ کے ہاتھوں کے سبھی دست نگر ہیں

اللہ نے سب طرح کی دولت ہمیں دی ہے
عزت ہمیں بخشی ہے شرافت ہمیں دی ہے

کونین کو بخشیں وہ سخاوت ہمیں دی ہے
قائل ہیں عرب جس کے وہ جرأت ہمیں دی ہے

روباہوں کے بلوے سے تردد ہمیں کیا ہے
ہم شیر ہیں اس شیر کے جو شیر خدا ہے

زیبا ہے ہمارے ہی لیے رتبۂ شاہی
ہیں حکم شریعت کے ہمیں آمر و ناہی

ہے آل محمد کا غضب قہر الٰہی
برہم ہوں تو آجائے زمانہ پہ تباہی

برق غضب حضرت باری نہیں رکتی
لاکھوں سے کبھی تیغ ہماری نہیں رکتی

ہیں فاتح بدر و احد خندق و خیبر
ان ہاتھوں سے مارا گیا مرحب سا دلاور
اک ضرب میں کاٹا سرِ عمرو و سرِ عنتر
دو انگلیوں سے چاک کیا کلۂ اژدر
منصور و مظفر رہے تائید احد سے
کعبہ میں سرِ لات کو توڑا ہی لگد سے

شہرہ ہی ہمارا عرب و روم و عجم میں
تلوار سے رستم کو بھگا دیتے ہیں دم میں
باندھا ہی گلا دیو کا طاقت ہی وہ ہم میں
اور گاڑ دیا دیں کا نشاں بیت الحرم میں
جنات کے لشکر سے کئی بار لڑے ہیں
پانی کے لیے آگ میں ہم کود پڑے ہیں

میں اُس کا پسر ہوں جو خدا کا ہی شناسا
فرزند ہوں اس کا جو نبیؐ کا ہی نواسا
جان اس کی ہوں پانی نہ ملا جس کو ذرا سا
میں وہ ہوں پدر جس کا ہی دو روز سے پیاسا
دلدار ہوں خاتونِ قیامت کے پسر کا
ٹکڑا ہوں محمدؐ کے کلیجے کا جگر کا

ای قوم ابھی اٹھارہ برس کا ہی مرا سن
راتیں ہیں جوانی کی مرادوں کے ہیں یہ دن
ماں باپ کو راحت نہیں اک آن مرے بن
پر جان کا صرفہ میں کروں یہ نہیں ممکن
کھانے کی نہ پروا ہی نہ پانی کی ہوس ہی
میں وہ ہوں جسے مرگِ جوانی کی ہوس ہی

فرما کے رجز شیر نے شمشیر علم کی
اور نادِ علی پڑھ کے دم تیغ پہ دم کی
تعریف کرے کیا کوئی اس کے چم و خم کی
سیدھی صفِ دشمن کو ملی راہ عدم کی
کیا آگ بھی اس شعلۂ پر قہر کے اندر
چنگاریاں اُڑ اُڑ کے گریں نہر کے اندر

ڈھالوں کی گھٹا چار طرف چھا گئی گھنگھور
تیروں کے برسنے کا ہوا مینہ کی طرح شور
گرجے صفتِ رعد جوانانِ سلحشور
اکبر جو بڑھے شام کے بادل کا گھٹا زور
جاتے ہی وہ شمشیر نہ پھرتی نظر آئی
اک برق سی ہر غول پہ گرتی نظر آئی

تھا حملۂ اکبر غضبِ حضرتِ باری
دو ہو گیا شمشیر جسے شبیر نے ماری
اک برقِ جہندہ تھی وہ رکتی کسے ناری
تیغوں کا یہ عالم تھا کہ تھیں جنگ سے عاری
دشمن کو گرا کر بھی نہ منھ موڑتی تھی وہ
دم تن سے نکل جاتا تھا تب چھوڑتی تھی وہ

اِک معجزۂ موسیٰ عمراں تھی وہ شمشیر
بجلی سی کبھی یاں تو کبھی واں تھی وہ شمشیر

اِک حشر کا عالم تھا غضب جنگ ہوئی تھی
تھے فوجِ شقاوت کے پرے مضطرب الحال
تھا ہول کے مارے یہ ستمگاروں کا احوال
رُخ پھیرے تھے وہ جو قدر انداز بڑے تھے

غل تھا یہ کمانوں میں کہ ہم گوشہ گزیں ہیں
چلاتے تھے یہ تیر کہ ہم چلہ نشیں ہیں
کس طرح سے قابوے زبردست سے نکلیں
ہر وار پہ اکبرؑ کو صدا دیتے تھے شبیر
ٹکڑے کیے یوں ڈانڈ کے کٹ کٹ گئے بے پیر
فردوس میں جنت کا محل ملتا ہے تم کو

رو رو کے یہ کہتے تھے ابھی سیدِ ذیجاہ
اک ظلم کی برچھی جو لگی سینے پہ ناگاہ
آلودہ بخوں کھینچ کے جو برچھی کا پھل آیا
برچھی کو تو اُس شیر نے جلاد سے چھینا
دی باپ کو آواز کہ اے شاہ مدینا
اٹھارہ برس آپ کے سایہ میں پلے ہم

آوازِ پسر سنتے ہی حالت ہوئی تغییر
برچھی سے تو زخمی ہوئے واں اکبرِ دلگیر
تھا کون اُٹھاتا جو زمیں سے انھیں آکر

شعلہ تھی کہیں اور کہیں ثعباں تھی وہ شمشیر
گوئے تھے سرِ کفار تو چوگاں تھی وہ شمشیر

افراط سے کشتوں کے زمیں تنگ ہوئی تھی
تلوار لگانے کی جگہ روکتے تھے ڈھال
سوفار اُدھر تیر کا چلّے کی طرف بحال
چلوں کی طرح تیر کشاکش میں پڑے تھے

شہزادے ترے خون کے درپے لعیں ہیں
بدکیش و خطاکار ہیں دشمن دیں ہیں
بس ہو جو ہمارا تو نہ ہم شست سے نکلیں
شاباش مرے شیر یہ تھی جنگ کی تدبیر
یہ بند نہ کھلتے کبھی جز ناخنِ شمشیر
کیا دیکھیے اس جنگ کا پھل ملتا ہے تم کو

اکبر پہ اُدھر ٹوٹ پڑا لشکرِ گمراہ
دل تھام کے غازی نے کہا یا اسد اللہ
اِک لختِ جگر سینے سے باہر نکل آیا
پر ڈوب گیا خون میں وہ چاند سا سینا
برچھی سے جگر چھد گیا دشوار ہے جینا
جلد آئیے یا شاہ کہ دنیا سے چلے ہم

چلا کے کہا ہائے کلیجے پہ لگا تیر
بسمل سے تڑپنے لگے یاں حضرتِ شبیر
اُٹھ کر کبھی دوڑے تو گرے ٹھوکریں کھا کر

میداں میں جو شہ آئے تو اکبر کو نہ پایا
لاشوں میں کہیں لاشہ صفدر کو نہ پایا
ڈھونڈا کیے ہمشکل پیمبر کو نہ پایا
غازی کو بہادر کو دلاور کو نہ پایا
دریا پہ گئے جھک کے کبھی چاہ کو دیکھا
لیکن نہ کہیں جلوہ گر اوس ماہ کو دیکھا

اعدا سے کہا کیا ہوا یارو مرا پیارا
میدان سے کس سمت مرا شبیر سدھارا
کس ظالمِ بے رحم نے اُس لعل کو مارا
بتلاؤ سلامت ہے کہ سر تن سے اُتارا
صورت نہ دکھاؤ گے جو اُس تشنہ گلو کی
ندی اسی میداں میں بہا دونگا لہو کی

یہ کہتے ہی لی میان سے شمشیر شرربار
اور غیظ میں آیا پسرِ احمدِ مختار
آئی یہ صدا حیدرِ کرار کی یکبار
اکبر کا پتا دیتا ہوں میں اے مرے دلدار
صحرا میں وہ اک نخل تلے خون میں تر ہے
آغوش میں زہرا کے ترا نورِ نظر ہے

ناگاہ نظر پڑ گئی اُس نورِ نظر پر
چھاتی پہ کبھی ہاتھ کو مارا کبھی سر پر
اک کوہ غم و درد گرا شہ کے جگر پر
بس ہائے پسر کہکے گرے لاشِ پسر پر
چلائے کہ دنیا سے سفر کرتے ہو بیٹا
ہے ہے یہ پدر جیتا ہے تم مرتے ہو بیٹا

سمجھا یہ پدر پاؤں رگڑنے کا اشارا
میدانِ شہادت میں قدم آپ نے مارا
جن آنکھوں کو ان خاک بھرے تلووں پہ وارا
دیکھیں انھیں آنکھوں سے ہم اب کوچ تمہارا
باہوں کو زمیں پر جو پٹکتے ہو اُٹھا کے
کیا ہاتھ نہیں چھوٹتے پنجہ سے قضا کے

لپٹے علی اکبر یہ سخن سُن کے پدر سے
اشک آنکھوں سے جاری ہوئے کی آہ جگر سے
دیکھا شہِ مظلوم کو حسرت کی نظر سے
بیٹا تو چھٹا باپ سے اور باپ پسر سے
چلائے شہِ دیں کہ سفر کر گئے اکبرؑ
زہرا کی صدا آئی کہ ہاں مر گئے اکبرؑ

خاموش انیس اب کہ نہیں طاقتِ گفتار
غش ہو گئے مجلس میں کئی شہ کے عزادار
جانکاہ ہے یہ ماتمِ فرزندِ خوش اطوار
ہے حق بطرف وئیں اگر سیدِ ابرار
واحسرت و دردا کہ عجب غنچہ دہاں مُرد
ایں ماتم سخت است کہ گویند جواں مُرد

مرثیہ ۱۴

دولت کوئی دنیا میں پسر سے نہیں بہتر
راحت کوئی آرام جگر سے نہیں بہتر
لذت کوئی پاکیزہ ثمر سے نہیں بہتر
نکہت کوئی بوئے گل تر سے نہیں بہتر
صدموں میں علاجِ دلِ مجروح یہی ہے
ریحاں ہے یہی راح یہی روح یہی ہے

ماں باپ کا دل غنچۂ خنداں ہے اسی سے
وہ گل ہے کہ گھر رشکِ گلستاں ہے اسی سے
سب راحت و آرام کا ساماں ہے اسی سے
آبادیِ کاشانۂ انساں ہے اسی سے
کس طرح کھلے دل کہ جگر بند نہیں ہے
گھر قبر سے بدتر ہے جو فرزند نہیں ہے

یہ وہ ہے عصا پیر جواں رہتا ہے جس سے
یہ وہ ہے نگیں نام و نشاں رہتا ہے جس سے
وہ شمع ہے پُر نور مکاں رہتا ہے جس سے
وہ در ہے قوی رشتۂ جاں رہتا ہے جس سے
کھوتے نہیں یہ مال زر و مال کے بدلے
موتی بھی لٹا دیتے ہیں اس لال کے بدلے

صولت یہی شوکت یہی اجلال یہی ہے
ثروت یہی حشمت یہی اقبال یہی ہے
سرمایہ یہی نقد یہی مال یہی ہے
گوہر یہی یاقوت یہی لال یہی ہے
دلبند ہو پہلو میں تو غم پاس نہیں ہے
کچھ پاس نہیں گر یہ رقم پاس نہیں ہے

ماں باپ کی آسایش و راحت ہے پسر سے
تلخی میں بھی جینے کی حلاوت ہے پسر سے
خوں جسم میں آنکھوں میں بصارت ہے پسر سے
ایامِ ضعیفی میں بھی طاقت ہے پسر سے
آرامِ جگر قوتِ دل راحتِ جاں ہے
پیری میں یہ طاقت ہے کہ فرزند جواں ہے

وہ شے ہے خوشی در پہ کھڑی رہتی ہے جس سے
وہ چین ہے راحت کی گھڑی رہتی ہے جس سے
وہ لال ہے امید بڑی رہتی ہے جس سے
وہ دُر ہے یہ دُرجان لڑی رہتی ہے جس سے
آرامِ جگر تاب و تواں ساتھ ہے اس کے
پھرتا ہے جدھر رشتۂ جاں ساتھ ہے اس کے

مالک سے بھرے گھر کے اُجڑ جانے کو پوچھو
گھر والوں سے اس تفرقہ پڑ جانے کو پوچھو
ماں باپ سے قسمت کے بگڑ جانے کو پوچھو
یعقوب سے یوسف کے بچھڑ جانے کو پوچھو
اللہ دکھائے نہ الم نورِ نظر کا
بہ جاتا ہی آنکھوں سے لہو قلب و جگر کا

اب رخصت اکبر ہی شہِ تشنہ دہاں سے
فرزند بچھڑتا ہی امامِ دو جہاں سے
پیری میں چھڑاتا ہی فلک تازہ جواں سے
کس فصل میں درپیش ہی فرقت تن و جاں سے
آتی ہی اجل گود کا پالا نہیں جاتا
صابر سے کلیجے کو سنبھالا نہیں جاتا

فرماتے ہیں فرزند سے آنکھوں کو جھکا کر
دیکھ آؤ ذرا مادرِ ناشاد کو جا کر
کہتا ہی وہ ناشاد جواں اشک بہا کر
اب جاؤنگے خیمے میں سناں سینے میں کھا کر
منھ نیزہ و شمشیر سے موڑا نہیں جاتا
سب چھوڑیں مگر آپ کو چھوڑا نہیں جاتا

مولا یہ غلام اب متمنی ہی رضا کا
مشتاق ہی یہ خشک گلا آبِ بقا کا
شہرہ ہی علمدار دلاور کی وغا کا
کچھ کام تو خادم سے بھی ہو راہِ خدا کا
اس خاک کا ذرہ ہو تو خورشید وہی ہی
جو آج مرے زندۂ جاوید وہی ہی

جینے پہ مرے عشق خدا جس کو نہیں ہی
پتھر ہی محبت کا مزا جس کو نہیں ہی
خاک اُس زر و گوہر پہ بقا جس کو نہیں ہی
لٹتی ہی یہ دولت کہ فنا جس کو نہیں ہی
ادنیٰ ہو تو اعلیٰ ہو گدا ہو تو غنی ہو
حصہ یہ اوسی کا ہی جو قسمت کا دھنی ہی

ڈوبے گا جو حیدر کے سفینے میں نہیں ہی
نام اُس کا شفاعت کے نگینے میں نہیں ہی
دل مردہ ہی گر درد بھی سینے میں نہیں ہی
مرنے میں جو لذت ہی وہ جینے میں نہیں ہی
سر دینے کی لذت کوئی سرداروں سے پوچھے
زخموں کا مزا شہ کے نمک خواروں سے پوچھے

پھر موت ہی گر عمر ملی لاکھ برس کی
بلبل سے اب اُٹھتی نہیں تکلیف قفس کی
واماندوں کو آتی ہی یہ آواز جرس کی
ایذا ہی مسافر کو فقط چند نفس کی
اس دن کے سوا توشۂ عقبیٰ نہ ملے گا
ڈھونڈے گا تو پھر قافلہ ایسا نہ ملے گا

دوری نہیں کچھ عمرِ سفر ہوتی ہے کوتاہ
ہمت ہو تو کٹ جاتی ہے نرمی سے کڑی راہ
سالک ہے وہی راہِ رضا سے ہے جو آگاہ
آ سیل کی صورت تجھے کوثر کی ہے گر چاہ
جاتا ہے وہیں پھر کے جو آتا ہے جہاں سے
دن بھر میں کہاں مہر پہونچتا ہے کہاں سے

کوتاہیِ قسمت نے چھڑایا ہمیں سب سے
محجوب محمدؐ سے خجل شاہِ عرب سے
سر دیں گے دمِ صبح ارادہ تھا یہ شب سے
تڑپا کیے اور کچھ نہ کہا پاسِ ادب سے
دشمن پہ نہ ایسے الم و غم ہوں جہاں میں
قاسمؑ تو ہوں فردوس میں اور ہم ہوں جہاں میں

چھوٹے جو ہوں وہ جوہرِ شمشیر دکھائیں
ہم خاک بسر روتے ہوئے لاشوں پہ جائیں
عباس علی خوں میں لبِ نہر نہائیں
بعد اُن کے بھی سر دینے کا ہم اذن نہ پائیں
فرزند فدا باپ پہ ہوتے نہیں شاید
ہم حیدرِ کرار کے پوتے نہیں شاید

بچپن میں ہمیں آپ نے شمشیر عطا کی
مٹ جائینگے جوہر جو ہمیں نے نہ وغا کی
ہم شیر ہیں شیروں کی قسم شیرِ خدا کی
حرمت ہے شجاعت کی تو عزت ہے وفا کی
قبضوں میں کمانیں رہیں ہتھیاروں سے کھیلے
بچپن میں جو کھیلے بھی تو تلواروں سے کھیلے

نہ صبر میں حضرت سا کوئی ہے نہ رضا میں
گھر آپ نے صدقے کیا سب راہِ خدا میں
یہ حوصلہ کس کا ہے کہ روئے نہ عزا میں
کیجے مری امداد بھی اس رنج و بلا میں
گر بعد خدا کے ہیں تو ماں باپ ہیں مولا
دیجے مجھے رخصت کہ سخی آپ ہیں مولا

اے سالکِ منہاجِ علی راہ دکھا دے
دروازۂ رحمت مجھے للہ دکھا دے
مشتاق ہوں جس در کا وہ درگاہ دکھا دے
دربارِ شہنشاہِ فلک جاہ دکھا دے
واں پہنچیں جہاں عرش بھی پایا نہیں رکھتا
ہمسائے میں اُس کے ہوں جو سایا نہیں رکھتا

یہ کہہ کے جو قدموں پہ گرا وہ مہِ انور
سر چھاتی سے لپٹا کے یہ کہنے لگے سرور
ہیں مانعِ تحصیلِ سعادت نہیں دلبر
جو تم سے بن آئے وہ کرو اے علی اکبرؑ
یہ سنتے ہی دنیا سے گزر جائے گی زینبؑ
رونا مجھے اس کا ہے کہ مرجائے گی زینبؑ

راہ رحمت

عمر اُس نے گنوائی ہے محبت میں تمہاری
سب ہیں پہ وہ عاشق ہیں حقیقت میں تمہاری
اٹھارہ برس کاٹے ہیں الفت میں تمہاری
کیونکر اُسے صبر آئے گا فرقت میں تمہاری
اللہ ہی چاہے تو نہ حائل کوئی شے ہو
یہ مرحلہ ایسا ہے کہ دو باتوں میں طے ہو

بسم اللہ اگر عزم ہے تو خیمے میں جاؤ
ماں سے بھی پھوپھی سے بھی رضا جنگ کی لاؤ
رو کو نگانہ میں شوق سے پھر برچھیاں کھاؤ
آبِ دمِ شمشیر سے یہ پیاس بجھاؤ
دیر اب کہیں دنیا سے گزرنے میں نہ ہووے
ہاں جلد کہ عرصہ مرے مرنے میں نہ ہووے

شہرت ہو جواب دیجیے سر راہِ خدا میں
سو نفع سے بہتر ہے ضرر راہِ خدا میں
آبادی ہے لُٹ جائے جو گھر راہِ خدا میں
ہو عید جو قرباں ہو پسر راہِ خدا میں
اِک یہ بھی عطا ہے کہ بنے کام ہمارا
دولت تو اُسی کی ہے سب اور نام ہمارا

یہ سُن کے گیا خیمے میں وہ صاحبِ توقیر
اُلفت سے پھری گرد پسر بانوئے دلگیر
لپٹا کے گلے کہنے لگی شاہ کی ہمشیر
سنولا گئی ہے دھوپ میں چاند سی تصویر
دو دن سے اس آفت میں نہیں سوئے ہو بیٹا
آنکھوں پہ ورم کیسا ہے کیا روئے ہو بیٹا

حضرت کی تو ہے خیر کہو اے مرے دلیر
اشک آنکھوں سے ٹپکا کے یہ بولا وہ دلاور
اب خیر کہاں کٹ گیا سب شاہ کا لشکر
نہ آپ کے بیٹے نہ بھتیجا نہ برادر
عمو نے بھگایا تھا جنھیں وہ بھی پھرے ہیں
مظلوم پدر لاکھ سواروں میں گھرے ہیں

اک ہم ہیں کہ بابا کی مدد کر نہیں سکتے
اظہارِ جواں مردی جد کر نہیں سکتے
فوجوں کے ہٹا دینے میں کد کر نہیں سکتے
نے حکم کوئی وار بھی رد کر نہیں سکتے
دربار میں سر دینے کی باری نہیں آتی
سب مرتے ہیں اور موت ہماری نہیں آتی

رخصت ہمیں ماں دیں نہ پھوپھی دیں نہ پدر دیں
مجبور ہیں کیونکر قدمِ شاہ پہ سر دیں
دم بھر میں یہ میدانِ وغا لاشوں سے بھر دیں
سرکش جو بڑھے آتے ہیں پسپا انھیں کر دیں
اندوہ و مصیبت کی صفیں ہٹ نہیں سکتیں
وہ بیڑیاں ہیں پاؤں میں جو کٹ نہیں سکتیں

جائیں گے کدھر جب نہ رہے سیدِ عالی
کیسی یہ مصیبت فلکِ پیر نے ڈالی
یا کوہ ہیں یا دشت کے میداں ہیں مرینگے
الفت میں بگڑتا ہی بنا کام ہمارا
شہرہ تھا بہت روم سے تا شام ہمارا
یہ منزلِ اندوہ و بلا کاٹ کے مرتے

ہمروں کے شجاعانِ عرب خلد میں پہنچے
پھر راحت و آرام ہی جب خلد میں پہنچے
آفت میں کوئی رونے والا ہی نہ ہوتا
کس کو ہی نظر تشنہ دہانی پہ ہماری
رونے کی ہی جا مرتبہ دانی پہ ہماری
چرچا نہ فدا ہونے کا دنیا میں رہے گا

ہتھیار کہاں پھینکیں کہاں چھپنے کو جائیں
تنہا ہیں سفارش کے لیے کس کو بلائیں
اعجاز ہو تو کام مرا بند نہ ہو گا
زینبؑ نے کہا کس پہ یہ غصہ ہی میں واری
کیا وجہ یہ کس بات پہ ہی گریہ و زاری
انصاف کرو صدقے گئی اہلِ وفا ہو

کیوں کاٹو گلا غیظ سے کیوں ہونٹ چباؤ
مر جاؤنگی سر پیٹ کے آنسو نہ بہاؤ
تقصیر ہمیں سے ہوئی لو جانے دو بیٹا

نے دوست نہ ہمدرد نہ مولیٰ نہ موالی
یہ آج کا جینا نہیں وہ حال سے خالی
یا بیڑیاں پہنے ہوئے زنداں ہیں مریں گے
اب صفحۂ ہستی سے مٹا نام ہمارا
آغاز تو وہ اور یہ انجام ہمارا
گر منع نہ ہوتا تو گلا کاٹ کے مرتے

دنیا سے بصد عیش و طرب خلد میں پہنچے
اے واہ ہمیں رہ گئے سب خلد میں پہنچے
اے کاش پھوپی نے ہمیں پالا ہی نہ ہوتا
دے گا نہ کوئی نذر بھی پانی پہ ہماری
جلتے رہے خاک ایسی جوانی پہ ہماری
مانع ہوئے ماں باپ یہ کوئی نہ کہے گا

کس بن میں رہیں کون سے جنگل کو بسائیں
امداد کریں شیرِ خدا فاطمہؑ آئیں
یونہی تو کوئی رخصت پہ رضا مند نہ ہوگا
کچھ منہ سے کہا میں نے کہ مادر نے تمہاری
سج لیجئے ہتھیار طلب کیجے سواری
روکیں تو پھر پالنے والوں سے خفا ہو

میں شہ سے دلا دونگی رضا شوق سے جاؤ
لو رخ کی بلائیں تو میں بیلوں دھر آؤ
الجھی ہوئی زلفوں کو تو سلجھانے دو بیٹا

بانو نے کہا لو انھیں یوں کون منائے
غصہ بھی اٹھائے وہی جو ناز اٹھائے
سمجھی میں یہ حضرت سے خفا ہو کے ہیں آئے
اس پردے میں پیغام جدائی بھی ہیں لائے
کچھ ان کی ہیں کچھ آپ کے ہیں بھائی کی باتیں
میں خوب سمجھتی ہوں یہ دانائی کی باتیں

بانو کا یہ کہنا تھا کہ رخصت کا ہوا غل
رانڈوں میں شہیدوں کی مصیبت کا ہوا غل
آفت کی پڑی کوک قیامت کا ہوا غل
اُس شور میں اکبر کی بھی رخصت کا ہوا غل
گھبرا گئے سجادِ حزیں چونک کے غش سے
سمجھے کہ سفر ہو گیا اصغر کا عطش سے

فضہ سے کہا کیا ہوا کیسی ہے یہ زاری
سر پیٹ کے وہ خادمۂ خاص پکاری
شبیر اکیلے ہیں غضب ہو گیا واری
اب جاتی ہے رن کو علی اکبر کی سواری
ماں خاک اُڑاتی ہے بہن غش میں پڑی ہے
سب بی بیاں حلقہ کیے گرد اُن کے کھڑی ہیں

فرمایا عصا لا کہ برادر سے مل آئیں
غازی سے مجاہد سے دلاور سے مل آئیں
دریائے شہادت کے شناور سے مل آئیں
شبیر کے پیارے علی اکبر سے مل آئیں
بھائی کا نہیں کوچ یہ رخصت ہے نبی کی
ہم آپ چلیں گے کہ زیارت ہے نبی کی

فضہ نے عصا دے کے جو بازو کو سنبھالا
بستر سے اُٹھا کانپ کے وہ گیسوؤں والا
خم ہو گیا تھا دردِ کمر سے قدِ بالا
تھرا کے پڑا پاؤں کہیں اور کہیں ڈالا
اشک آنکھوں سے بہتے تھے گریبانِ قبا پر
ہر بار ٹھہر جاتے تھے سر رکھ کے عصا پر

آوازِ حزیں تھی کہ مری جانِ برادر
بیمار برادر ترے قربان برادر
ہم آتے ہیں ٹھہرے رہو اک آن برادر
ذی قدر برادر مرے ذی شان برادر
ہم روئیں تمھیں تم ہمیں روتے ہوئے جاؤ
بھائی سے بغلگیر تو ہوتے ہوئے جاؤ

عابد کی طرف دیکھ کے دوڑے علی اکبر
آنکھوں کو ملا ہاتھوں سے قدموں پہ ملا سر
سجاد نے فرمایا کلیجے سے لگا کر
گردن میں مرے ڈال دو باہوں کو برادر
شانے کے قریں زلفِ معنبر رہے بھائی
چہرہ مرے چہرے کے برابر رہے بھائی

ای روشنیِ خانۂ زہرا ترے صدقے
ای تشنہ لب ای بیکس و تنہا ترے صدقے
گھر آج اُجڑتا ہی لٹے جاتے ہیں بھائی
غربت میں مبارک تمہیں ہمراہیِ شبیرؑ
مرنے کی اجازت نہیں دیتے شہِ دلگیر
لٹ جائے گا گھر بعد شہنشاہِ زمن کے
ای اکبرِ مہرو تجھے پاؤں گا کہاں میں
ای زینتِ پہلو تجھے پاؤں گا کہاں میں
نے غسل و کفن آپ تو میداں میں رہینگے
بھیّا یہ نقاہت مری اور بوجھ یہ گھر کا
عمو کا سہارا نہ تمہارا نہ پدر کا
گھر جلنے میں رہنے کا نہیں ہوش کسی کو
ای راحتِ جان یاورو غمخوار ہمارے
پہلے نہ چلی حلق پہ تلوار ہمارے
ملتے ہیں کہاں ساتھ کے کھیلے ہوئے بھائی
اللہ ری ان بھائیوں کی گریہ وزاری
ماں کہتی تھی قربان میں الفت کے تمہاری
سہرا اسداللہ کی جائی کو دکھائے
غش آنے لگا جب تو کہا بھائی سے روکر
آہستہ چلے جاتے ہیں بھائی سوئے کوثر
مر کر بھی پسر قبلہ و کعبہ کے قریں ہو

ای باپ کے عاشق مرے شیدا ترے صدقے
ای رہ روِ فردوسِ معلّیٰ ترے صدقے
ہم قافلے والوں سے چھٹے جاتے ہیں بھائی
کیا دیکھیے واماندوں کو دکھلاتی ہی تقدیر
تپ کیا مجھے آئی کہ پڑی پاؤں میں زنجیر
ہیہات گلا ہوئے گا حلقے میں رسن کے
ای صفدرِ خوشخو تجھے پاؤں گا کہاں میں
ای قوتِ بازو تجھے پاؤں گا کہاں میں
ہم بیڑیاں پہنے ہوئے زنداں میں رہینگے
کیا زور ہی جو حکمِ شہِ جن و بشر کا
غربت تو یہ اور سامنا اس لشکرِ شر کا
بچوں کو سنبھالو نگا کہ ناموسِ نبیؐ کو
دلدار مددگار پرستار ہمارے
افسوس ہوئے تم نہ عزادار ہمارے
فریاد کو ہم آج اکیلے ہوئے بھائی
جس طرح برستا ہی کبھی ابرِ بہاری
بس صبر کرو تپ میں غش آجائیگا واری
بھائی کا خدا داغ نہ بھائی کو دکھائے
کچھ ہم سے وصیت تو کرو ای علی اکبر
پانی جو ملے یاد ہمیں کیجو برادر
تربت مری پائینِ مزارِ شہِ دیں ہو

اس معرکہ سے جب ہو وطن آپ کا جانا
صغرا کو کئی بار کلیجے سے لگانا
کہنا کہ بہن پھر گیا بابا سے زمانا
وعدہ تو کیا تھا پہ نہ تم تک ہوا آنا
شبیرؑ پہ فوجوں کی گھٹا چھا گئی صغرا
آنے ہی کو ہم تھے کہ اجل آگئی صغرا

یہ کہہ کے پھوپھی پاس گئے اکبرِ دلگیر
ہاتھوں کو بھی جوڑا کہ بحل کیجیے تقصیر
منہ دیکھ کے مادر کا یہ کی یاس سے تقریر
دودھ آپ بھی بخشیں تو ملے عزت و توقیر
اس مژدہ سے تن میں مرے جان آئے گی اماں
دو روز کی یہ پیاس ابھی بجھ جائے گی اماں

زینب نے کہا میں ہوں رضامند ثناخواں
تقصیر تری کچھ نہیں اے اکبرِ ذی شاں
ماں بولی میں ان سوکھے ہوئے ہونٹوں کے قرباں
لو دودھ بھی بخشا تمہیں ماں نے بدل و جاں
آگے ترے دنیا سے سفر کر نہ گئی میں
یہ ذکر سنا ہائے غضب مر نہ گئی میں

یہ سن کے تڑپنے جو لگی زینبِ ناشاد
ہے ہے علی اکبر کی ہوئی رانڈوں میں فریاد
جس وقت چلا خیمے سے وہ غیرتِ شمشاد
غل تھا کہ ہو فاطمہ کی اب ہوئی برباد
یوں گرد حرم روتے تھے اس سروِ رواں کے
جس طرح کہ ماتم ہو جنازے پہ جواں کے

فضہ نے جو پردہ درِ دولت کا اٹھایا
خورشیدِ مبیں برجِ شرف سے نکل آیا
ذروں پہ جو پڑنے لگا اوس مہر کا سایا
چلائی زمیں سب سے فزوں ہے مرا پایا
میں رتبے میں ہوں چرخِ چہارم سے زیادہ
خورشید مرے پاس ہیں انجم سے زیادہ

پستی مری اس نور سے ہے طورِ تجلّی
بھاری ہے ترازوئے فلک سے مرا پلّا
دامن ہے مرا حور و ملائک کا مصلّا
مجھ پر وہ مرے جس کو علی سے ہے تولّا
تا حشر رہا فیض یہ شاہِ شہدا کا
تسبیح مری ہوئے گی اور ذکر خدا کا

پہونچے جو قرینِ شہ کے تو کی عرض کہ حضرت
اقبال سے مولا کے ملی جنگ کی رخصت
فرمایا کہے دیتی ہے چہرے کی بشاشت
مسعود و مبارک سفرِ گلشنِ جنت
مرضی ہو تو یہ پیر بھی دے ساتھ تمہارا
لے جائیں گے ہم تھامے ہوئے ہاتھ تمہارا

اکبر نے کہا آپ سلامت رہیں آقا
کوثر کی نہ خواہش ہے نہ جنت کی تمنّا
توقیر ملی خلق میں ماں باپ کے آگے
نام آپ کے بابا کا ہے کونین میں شاہا
جو آپ نے طفلی میں کہا اُس کو نباہا
قرباں مجھے کیجیے یہ تمنائے دلی ہے
فرمایا الا ای پسرِ عاقل و دانا
جو آیا ہے اک دن اُسے درپیش ہے جانا
وقفہ کبھی دن کا ہے تو عرصہ کبھی شب کا
تھی صبح کہ احباب مسافر ہوئے سارے
اب جاتے ہو تم بعدِ زوال ای مرے پیارے
تم اور نہ بھائی نہ بھتیجا نہ پسر ہے
اک ہم ہیں کہ اس پیاس میں کام آئے ہیں سب کے
فاقے سے کئی روز کے جاگے ہوئے شب کے
اعدا نے جہاں دوست کو مارا وہیں پہونچے
اتنا بھی کوئی اب نہیں ای اکبرِ مہرو
تلواروں سے مجروح ہو سر تیروں سے پہلو
پامال ہمیں لشکرِ نا اہل کرے گا
ہر طرح گزر جائے گی ای اکبرِ ذی جاہ
کچھ جان چلی جاتی ہے تن سے ترے ہمراہ
جس پاس پسر ہو وہ جواں بخت ہے بیٹا

دنیا کا شرف دولتِ دیں عزتِ عقبیٰ
ہوں میں فقط آبِ دمِ شمشیر کا پیاسا
مشتاق ہوں اس کا کہ مروں آپ کے آگے
یٰسین کہیں حق نے کہا ہے کہیں طٰہا
چاہا وہی مولا نے جو اللہ نے چاہا
میراثِ خلیل آپ کو حصّے میں ملی ہے
ہے ذاتِ خدا قادر و قیوم و توانا
آگے کوئی پیچھے کوئی ہوتا ہے روانا
جب طے ہوئی منزل تو مکاں ایک ہے سب کا
دن وہ پہر آیا تھا کہ عباس سدھارے
عرصہ نہیں کچھ آتے ہیں ہم بعد تمہارے
روتے ہیں ہم اس پر کہ ضعیفی کا سفر ہے
لاشے ہمیں لے آئے شجاعانِ عرب کے
ہوتا تھا یہ ثابت کہ غش آجائے گا اب کے
میداں میں ہمیں جس نے پکارا وہیں پہونچے
جب تیروں سے غربال کریں جسم جفا جو
گھوڑے سے اُتارے تو کوئی تھام لے بازو
پر خیر یہ مشکل بھی خدا سہل کرے گا
پر الفتِ اولاد سے عاجز ہے بشر آہ
غش آتا ہے گرتے ہیں سنبھالو ہمیں للہ
یہ ہجر تو کچھ موت سے بھی سخت ہے بیٹا

کس طرح سنبھالوں کہ دلِ زار نہ تڑپے
کچھ دل کی کہوں قلب جو اک بار نہ تڑپے
اس طرح کوئی مرغِ گرفتار نہ تڑپے
یوں مرتے ہوئے صاحبِ آزار نہ تڑپے
تازہ غمِ محبوبِ خدا ہو گیا مجھ کو
ابتک تو میں اچھا تھا یہ کیا ہو گیا مجھ کو

گزری نہیں اس طرح کی ایذا کبھی دل پر
لکھے لال پہ صدمہ نہیں پہنچا کبھی دل پر
برچھی کبھی سینے پہ ہے نیزہ کبھی دل پر
گہ دل ہی کلیجے پہ کلیجہ کبھی دل پر
اب اشکوں کی ندی بھی بہائی نہیں جاتی
وہ آگ لگی ہے کہ بجھائی نہیں جاتی

لو چھاتی سے لپٹو کہ قرار آئے جگر کو
فرزند نے خم ہو کے رکھا پاؤں پہ سر کو
حضرت نے کہا چھاتی سے لپٹا کے پسر کو
برباد کیے جاتے ہو اکبر مرے گھر کو
منظور یہ تھا ساتھ مروں ساتھ فدا ہوں
پر خیر سدھارو کہ میں راضی برضا ہوں

مطلع دوم

رخصت ہوئے جب شہ سے علی اکبرِ ذی شاں
گھوڑے پہ چڑھے آپ کھلا رحل پہ قرآں
وہ زلف کی چھل بل وہ ضیائے رخِ تاباں
اک برق چمکتی ہوئی پہنچی سرِ میداں
زردی رُخِ خورشید پہ چھائی نظر آئی
پرتو سے زمیں رن کی طلائی نظر آئی

سب دشت بسا پھولوں سے بُو تن کی جو پھیلی
فردوس میں مہمانِ خدا جن کے طفیلی
نور ایسا جہاں چادرِ مہتاب بھی میلی
گیسو وہ کہ مجنوں ہو جنھیں دیکھ کے لیلی
اک عشق ہی ہونٹوں سے حلاوت طلبوں کو
گر دیکھے تو چاٹا کرے شیریں بھی لبوں کو

آنکھوں سے خجل آہوئے چینی و ختائی
دونوں نے یہ چتون یہ سیاہی نہیں پائی
مردم کے لیے فخر ہے یاں ناصیہ سائی
شیروں کو تپ آتی ہے دمِ چشم نمائی
یاں کچھ گلِ بادام حقیقت نہیں رکھتا
نرگس وہ کہے کیا جو بصارت نہیں رکھتا

دیوانی ہوں پریاں نظر آئے جو یہ رفتار
گو شوقِ شہادت ہے پہ عجلت نہیں زنہار
تھم تھم کے اٹھاتے ہیں قدم مردمِ ہموار
پہونچا نہ سلیماں سے کبھی مور کو آزار
لازم ہے سدا پاس ضعیفوں کا قوی کو
دیکھا ہے کبھی شیر کی آہستہ روی کو

پیشانی پہ ٹھہرے یہ نظر کو نہیں یارا — سجدے کا نشاں ہے کہ چمکتا ہے ستارا
دشمن کے لیے تیغ ہے ابرو کا اشارا — پلکیں بھی ہیں خونریزیِ اعدا پہ صف آرا
خال ایسے کہ اختر سبھی شرماتے ہیں جس سے — آنکھیں وہ ہرن شیر دبک جاتے ہیں جس سے
وہ شان وہ شوکت وہ تہور وہ جلالت — چھپتے ہیں کہیں جوہرِ شمشیرِ اصالت
طینت میں کرم طبع میں انصاف و عدالت — اقبالِ علی شانِ شہنشاہِ رسالت
دیکھا جو وہ رُخ عرش کے سرتاج کو دیکھا — زلفوں کو جو دیکھا شبِ معراج کو دیکھا
جو رُخ میں صباحت وہ کہاں نورِ سحر میں — چشمِ اسد اللہ کا سب رعب نظر میں
تابندہ ذرہ حضرتِ داود کی بر میں — کاندھے پہ سپر لب پہ رجز تیغ کمر میں
شوکت اسد اللہ کی تصویر نبی کی — داوُد کی آواز تھی تقریر نبی کی
بھیگی ہیں مسیں سبزۂ خط بھی ہے نمودار — گویا کہ خضر آبِ بقا کے ہیں طلبگار
وہ فصلِ شباب اور وہ رنگِ گُلِ رخسار — دنداں وہ سب الماس سے وہ لعلِ گہربار
واں جوڑے ہوئے ہاتھ فصاحت بھی کھڑی ہے — تقریر مسلسل ہے کہ موتی کی لڑی ہے
کس حسن سے لب پر ہے ستایش اب و جد کی — اعدا کو دکھاتے ہیں وغا بدر و احد کی
نعرہ ہے کہ حیدر نے رسولوں کی مدد کی — توڑا ہے درِ قلعہ کو شدّت میں رمد کی
گردش کبھی دی اور کبھی اونچا کیا سر سے — ہلکا تھا وہ در دستِ مبارک میں سپر سے
نے جسر تھا خندق سے اُترنے میں تامل — خندق کا وہی در کو بہادر نے کیا پل
جب تک نہ گئی فوجِ نبی قلعہ میں بالکل — تھامے رہے اک ہاتھ سے در صاحبِ دلدل
وہ پائے مبارک تھے ہوا پر نہ زمیں پر — مولا کے قدم تھے پرِ جبریلِ امیں پر
تقسیمِ غنیمت سے ہوئی جبکہ فراغت — پھر توڑ کے اُس در کو لگے ہٹنے جو حضرت
فولاد ہوا موم زہے زورِ ولایت — کس میں تھی سوا بازوئے احمد کے یہ طاقت
سب ٹکڑے برابر تھے عجب عدل و کرم تھا — تولا تو نہ جو بھر تھا زیادہ نہ وہ کم تھا

آغاز رجز تھا کہ ہوئی تیغوں کی بوچھار
تلوار کا کھنچنا تھا کہ تھا فوج میں رہوار
اس شان سے لختِ دلِ شبیرِ صمد آیا

ہل چل تھی کہ تلوار چلی فوج پہ پسن سے
طائر بھی ہوا ہو گئے سب ظلم کے بن سے
غل تھا یہ جری مثلِ یداللہ لڑے گا

تلوار تھی جرار کی یا قہرِ خدا تھی
بجلی جو ادھر تھی تو اُدھر سیلِ فنا تھی
نے سر ہوئی وہ صف جو نظر چڑھ گئی اُس کی

جس صف پہ چلی خون میں غلطاں کیا اُس کو
جو آگے بڑھا غول سے نے جاں کیا اُس کو
نے سر تھا ازل سے تھی خطا اصل میں جس کی

کیا ہاتھ تھا کیا تیغ تھی کیا ہمتِ عالی
جب جھوم کے ڈھالوں کی گھٹا آتی تھی کالی
ملتا تھا نشاں رن میں صفوں کا نہ پروں کا

آفاق میں جن کی قدر اندازی کا تھا شور
نے جاں کوئی سرکش کوئی بدکیش لبِ گور
سوفار کو چلّے سے ملانا کسے سوجھے

کیا حرب تھی قربانِ جگر گوشۂ شبیر
آیا جو کماں لیکے کمیں سے کوئی بے پیر
جو وار تھا صفدر کا خدائی سے جدا تھا

شہزادۂ عالم نے بھی لی میان سے تلوار
رہوار کی چل پھر میں صفیں پس گئیں دو چار
گویا صفِ آہو پہ یکا یک اسد آیا

ڈھالیں تو رہیں ہاتھوں میں سر اُڑ گئے تن سے
آگے تھا ہرن شیر سے اور شیر ہرن سے
تر ہو گی زمیں خوں سے وہ رن آج پڑے گا

سر تھا تو الگ تھا جو کمر تھی تو جدا تھی
تلوار تھی یوں سر پہ جب آئی تو قضا تھی
چاٹا جو لہو اور بُرش بڑھ گئی اُس کی

مجمع تھا جدھر دم میں پریشاں کیا اُس کو
بخشی جسے جاں بندۂ احساں کیا اُس کو
مارا اُسے دیندار نہ تھا نسل میں جس کی

دم بھر میں نمودار صفیں ہوتی تھیں خالی
بجلی سی چمک جاتی تھی شمشیرِ ہلالی
تھا شور کہ مینہ آج برستا ہے سروں کا

ہاتھ اُن کے پیادوں کی طرح ہو گئے کمزور
کر دیتی تھی تابندگی برق دو دم کور
رُخ پھر گئے ہوں جب تو نشانہ کسے سوجھے

نکلا جو کماں سے تو قلم ہو کے گرا تیر
گوشہ تھا نہ چلّہ تھا نہ حلقہ تھا نہ زہ گیر
قبضے سے کماں ہاتھ کلائی سے جدا تھا

یا شیرِ خدا کہ کے جب اعدا میں دَر آئے
یوں غیظ و غضب میں اِدھر آئے اُدھر آئے
جانوں کو بچاتے تھے پیادے ہی نہ ہٹ کر
کٹ کٹ کے ہر ایک ضرب میں گرتے تھے سپر پر

پھر جاتی تھی گردن پہ کبھی گاہ جگر پر
نکلی جو کمر سے تو چلی خانۂ زیں پر
نہ خود نہ چہرہ نہ جھلم چھوڑتی تھی وہ
نہ حلق نہ سینہ نہ شکم چھوڑتی تھی وہ

آجاتی تھی آواز زرہ سے ضرب کی زہ سے
واں شامیوں میں شب تھی ادھر نور کا تڑکا
تڑپاتا تھا ہر قلب کو سر کٹنے کا دھڑکا
تن جلتے ہیں پھر کس سے جو برق اس میں نہیں ہے

اللہ ری زباں آوری تیغِ بلا نوش
گھاٹ ایسا کہ ڈرسے لبِ دریا بھی ہیں خاموش
کٹتے ہیں گلے تیز زبانی سے اسی کے
ناہیں وہ کہ شہ رگ کسی گردن میں نہ چھوڑیں

جوہر وہ کہ حلقہ کسی جوشن میں نہ چھوڑیں
منھ وہ ہے کہ دم سے شطِ خوں بہتی ہے جس کے
بجلی کی طرح شام کی جب فوج گھر آئی
دعویٰ تھا مگر بھول گئی ہرزہ سرائی
ہر بار ہے موجود تو ہر بار نہیں ہے

انبارِ تن و سر کے دو دستہ نظر آئے
جیسے صفِ آہو کی طرف شیرِ نر آئے
گر پڑتے تھے گھوڑے بھی سواروں پہ اُلٹ کر
برچھی پہ نہ پھل تھا نہ کوئی پھول سپر پہ

مرکز کی طرح تھی کبھی دشمن کی کمر پر
زیں سے تھی جو مرکب میں تو مرکب سے زمیں پر
نہ ہاتھ نہ بیرق نہ علم چھوڑتی تھی وہ
نہ خوں نہ رگیں تن میں نہ دم چھوڑتی تھی وہ

غل تھا کہ یہ کڑیاں نہیں اُٹھنے کی زرہ سے
قرنا کی وہ آواز وہ کڑ کیتوں کا کڑکا
اک غل تھا کہ دو لاکھ پہ بھاری ہے یہ لڑکا
سر جسم سے اُڑ جائیں گے فرق اس میں نہیں ہے

زرہیں ہمہ تن چشم تھیں ڈھالیں ہمہ تن گوش
باڑھ ایسی کہ ہیں مچھلیاں پانی میں زرہ پوش
دریا بھی ہے چکر میں روانی سے اسی کے
دشمن کا گلا قلعۂ آہن میں نہ چھوڑیں

پیٹے وہ قیامت کہ لہو تن میں نہ چھوڑیں
قبضہ وہ ہے قبضے میں ظفر رہتی ہے جس کے
پھر تیغ نے بجلی صفِ اعدا پہ گرائی
چلاتے تھے بھاگو کہ وہ خونخوار پھر آئی
یہ مرگ مفاجات ہے تلوار نہیں ہے

شمشیر کے اک جزو سے ہے تیر جو ہم نام
تھم جاتی ہے بجلی مگر اس کو نہیں آرام
مریخ لرزتا ہے تو جوہر سے اسی کے

چار آئینہ یوں کٹتے تھے ایک ایک جواں کے
سہمے تھے کمانداروں کے دل غوغے سے جاں کے
چلاتے تھے سب مثل اجل آتی ہے یہ تو

لڑنے جو بڑا بول کوئی بول کے آیا
شہبازِ اجل صید پہ پر کھول کے آیا
حق جس کی طرف ہے وہ زبردست رہا ہے

ہم چشم تھا ابروئے حسینوں کے خم اس کا
ناگن بھی اترتا ہی نہ تھا چڑھ کے سم اس کا
جوہر کی چمک دیکھی نہ ہیروں کے نگوں میں

اک برق سی گرتی تھی ہر اک دشمنِ جاں پر
ترکش پہ کبھی سن سے کبھی گاہ کماں پر
دل سے کہیں جینے کی ہوس قطع نہ ہو جائے

لوہے سے اسی تیغ کے آئینہ بنے گر
پائے نہیں ابتک کسی حربے نے یہ جوہر
قطاع طریق آئے تو وہ خوف سے ہٹ جائے

معشوق کو عاشق سے جدا کرتی تھی شمشیر
جھکتی تھی جدھر حشر بپا کرتی تھی شمشیر
مریخ بھی دل باختہ تھا سامنے اس کے

رعب اس نے یہ پایا ہے کہ تھراتے ہیں اندام
گیتی کو الٹ دے یہ قیامت ہے وہ صمصام
تیروں کو چڑھی رہتی ہے تپ ڈر سے اسی کے

جس طرح کہ مہتاب میں ٹکڑے ہوں کتاں کے
چلّہ نہ کھنچا تھا کہ یہ تھی سر پہ کماں کے
سیفی سے بھی جلدی کہیں چل جاتی ہے یہ تو

یہ تیر بھی شمشیر دو دم تول کے آیا
اڑتا ہوا سر بیچ میں اس غول کے آیا
سچ ہے کہ بڑے بول کا سر پست رہا ہے

اللہ ری چمک برق بھی بھرتی ہے دم اس کا
ہر ہاتھ میں ہاتھ اس کا تو بازو و قلم اس کا
یوں دوڑتی تھی تن میں لہو جیسے رگوں میں

گہ سر پہ کبھی ڈھال پہ تھی گاہ سناں پر
کس طرح بھلا ذکر برش لاؤں زباں پر
دم بند ہے ڈر سے کہ نفس قطع نہ ہو جائے

عکس اس میں جو دشمن کا نظر آئے تو بے سر
ذکر اس کی برش کا جو مسافر کے ہو لب پر
کیسی ہی کڑی راہ ہو اک آن میں کٹ جائے

ہر آن حق اکبر کا ادا کرتی تھی شمشیر
جب اٹھتا تھا ہر حمدِ خدا کرتی تھی شمشیر
گردوں سپر انداختہ تھا سامنے اس کے

ہل چل میں یہ صف گرتی تھی جب صف پہ اُترکی
بھولا ہوا تھا باپ محبت کو پسر کی
نہ ہوش تھا تن کا نہ خبر تیغ و سپر کی
بھاگے تو یہ سمجھے کہ مہم پاؤں نے سر کی
مرتے تو لہو تیغ کی گردن پہ نہ ہوتا
کرتے نہ مدد پاؤں تو سر تن پہ نہ ہوتا

سو سو کا سر اک ضرب میں کٹتے نہیں دیکھا
بڑھ کر کبھی جرّار کو ہٹتے نہیں دیکھا
یوں غیظ میں شیروں کو جھپٹتے نہیں دیکھا
گھوڑے کو کسی باگ پہ پھٹتے نہیں دیکھا
جب ہاتھ اُٹھا برچھیوں پھر آتا ہے گھوڑا
پتلی کے اشارے کو سمجھ جاتا ہے گھوڑا

آفت میں زمانہ تھا تلاطم میں خدائی
دکھلا گئی تیغ اپنی برش سر پہ جب آئی
چلاتی تھیں پریاں کہ سلیماں کی دہائی
ہر صف کو دکھا دیتا ہے ہاتھ اپنی صفائی
وہ چور تھا ٹاپوں سے جو توسن پہ چڑھا تھا
اسوار تو اسوار فرس رن پہ چڑھا تھا

ہر نعل تھا غیرت دہِ تیغِ صفہانی
کف منہ سے گرانا یہ غضب کی تھی نشانی
جب ٹاپ پڑی خاک سے پیدا ہوا پانی
تیزی یہ ہوا میں تھی نہ دریا میں روانی
یوں رکھتا تھا آہستہ قدم دوشِ صبا پر
بوئے گلِ تر جاتی ہے جس طرح ہوا پر

سرعت میں تگ و دو میں چھلاوے سے زیادہ
دریا یہ سمجھتا تھا ہر اک موج کو جادہ
باگ اس کی تھی کیا جو دلِ راکب کا ارادہ
تیار کفل تنگ کمر سینہ کشادہ
شعلہ ہوا لپکا جو ذرا غیظ میں آ کے
بجلی کی رگیں آگ کا دم پاؤں ہوا کے

جب خاک پہ جنگل میں قدم رکھتا تھا تن کے
رشکِ مہِ نو گردنِ پر نور کے منکے
سر اپنا پٹکتے تھے طاؤس چمن کے
جب جم کے اُڑا وہ تو اُڑے ہوش ہرن کے
پامال ہوا جاتا تھا دل کبکِ دری کا
گھوڑے کی اچانک کہ جھمکڑا تھا پری کا

گر لاکھ مدد گردشِ ایام کو پہنچے
واں پہنچے یہ اور صبح نہ اتمام کو پہنچے
کب سرعتِ شبدیز سبک گام کو پہنچے
جس بن میں نسیم سحری شام کو پہنچے
وقفہ کہیں یہ اسپ سبک پَے نہیں کرتا
خورشید بھی منزل کوئی یوں طے نہیں کرتا

گر آگ کہوں آگ یہ سرعت نہیں رکھتی
گر کہیے ہوا وہ یہ حرارت نہیں رکھتی
گر برق کہوں برق یہ جودت نہیں رکھتی
گر حور کہوں حور یہ صورت نہیں رکھتی
یاں قدر نہ بجلی کی نہ کچھ پیکِ ہوا کی
بس خاتمہ اس پر ہے کہ قدرت ہے خدا کی

پریوں کی بھی اس طرح سواری نہیں چلتی
ان پھرتیوں سے بادِ بہاری نہیں چلتی
اس زور سے تلوار دو دھاری نہیں چلتی
چلتے ہیں قدم یوں کہ کٹاری نہیں چلتی
دو گام بھی ساتھ اس کے فرس چل نہیں سکتا
اس طرح یہ چلتا ہے کہ بس چل نہیں سکتا

جس وقت وغا کا نہ رہا ایک کو یارا
خیمے سے نکل کر پسرِ سعد پکارا
دو لاکھ نے بھی مل کے نہ اک طفل کو مارا
اب چادریں اوڑھو کہ مٹا نام تمہارا
جی ہار دیا فوج نے عزت گئی سب کی
لے آب ہوئی آج سے تلوار عرب کی

سنتے ہی غیظ اک یلِ غدّار کو آیا
میداں میں اڑاتا ہوا رہوار کو آیا
کس غیظ سے تولے ہوئے تلوار کو آیا
دلبندِ ید اللہ سے پیکار کو آیا
کاندھے پہ سپر لب پہ سخن بے ادبی کے
ظالم کو عداوت تھی گھرانے سے نبی کے

رستم کی طرح اپنے تن و توش پہ غرّا
خورشید پہ غالب کبھی ہوتا نہیں ذرّا
بدکار جہاں حسنِ لیاقت سے معرا
گردن تھی ازل سے تہِ شمشیرِ تبرّا
پرہول ہو رستہ وہ سیہ رو جو گزر جائے
صورت وہ کہ عفریت جسے دیکھ کے ڈر جائے

وہ خود تہمتن سے بھی جس کا نہ اٹھے بار
چار آئینہ اک قلعۂ فولاد کی دیوار
اژدر تو خود اور مارِ سیہ نیزۂ خونخوار
وہ گرزِ گراں سر جو کرے کوہ کو مسمار
خنجر وہ کہ مریخ کا رنگ اڑتا تھا جس سے
ڈھال ایسی کہ تلوار کا منہ مڑتا تھا جس سے

کافر نے رجز پڑھ کے نگادر کو نکالا
اکبر بھی بڑھے چلنے لگا بھالے پہ بھالا
اژدر تھے زبانوں کو نکالے تہ و بالا
گردن کو لڑائے ہوئے تھا کالے سے کالا
پڑتی تھی سناں پر جو سناں دشتِ وغا میں
چنگاریاں اڑتی نظر آتی تھیں ہوا میں

ہر طعن میں یاں مڑ گئے واں اڑ گئے رہوار
چوٹیں جو کئی کھا کے جھجکنے لگا غدّار
کیا بند بندھے لختِ دل عقدہ کشا پر
غصے میں کماں لیکے بڑھا سرکش و بے پیر
پنجہ تھا کہ سرپنجۂ ضرغامِ عدو گیر
یا دیکھتی تھی فوج فرس کی تگ و دو کو
پھر گرزِ گراں شیر کو غدّار نے مارا
چمکا جو تبر زین ملک الموت پکارا
شیروں کے جگر کانپ گئے خوف سے بر میں
خفت ہوئی جھٹکے کئی ظالم نے جو کھائے
روباہ ظفر شیر پہ کس طرح سے پائے
ہاں سر کا شرف پاؤں کو حاصل نہیں ہوتا
اکبر نے کہا خیر بھگا گر ہے تو دم لے
دم لیکے بس اب میان سے شمشیرِ دو دم لے
ناخن جو نہ ہو عقدۂ مشکل نہیں کھلتا
مرغوب ہے درہم کی نہ دینار کی جھنکار
دلچسپ نہیں ظرفِ طلاکار کی جھنکار
وارفتہ اسی کی ہے زرہ ڈھال اسی کی
ہے طولِ عمل نیزۂ خطی کا ہلانا
ہے گرز فقط بارِ گراں دوش پہ لانا
ایسا کوئی منصب ہے عرب میں نہ عجم میں

نقطہ پہ سمٹنے میں وہ پھر جانے میں پرکار
نیزے کو اڑا لے گیا نیزے سے یہ جرّار
دیکھا تو سناں خاک پہ تھی ڈانڈ ہوا پر
سر پر تھا عقابِ علیِ اکبر صفتِ تیر
غل تھا کہ زہے زورِ جگر گوشۂ شبیر
یا پنجۂ خورشید میں دیکھا مہِ نو کو
اوس ضرب کو رد کرکے بڑھا شاہ کا پیارا
لو قطع ہے اب نخلِ حیاتِ ستم آرا
دو ٹکڑے ہوا گرزِ گراں ایک تبر میں
پیسے کبھی دانت اور کبھی ہونٹھ چبائے
پھر گرد ہے خاک اڑ کے اگر عرش پہ جائے
اسفل کبھی اعلیٰ کے مقابل نہیں ہوتا
نے تیر سے بڑھے وار کریں ہم تو قسم ہے
کیا کرتے ہیں ہم دیکھ ذرا شیروں کے حملے
جب تک کہ نہ تلوار کھنچے دل نہیں کھلتا
بھاتی ہے نہ زنجیر کی نہ تار کی جھنکار
کانوں کو بھلی لگتی ہے تلوار کی جھنکار
کٹتے ہیں گلے جس سے وہ ہے چال اسی کی
کرتی ہے کماں تیرِ سفاہت کا نشانا
لوہے کو مگر تیغ کے مانے ہے زمانا
جب کھنچ گئی تلوار تو ہے فیصلہ دم میں

خوش تر ہی خم اُس کا خم ابروئے صنم سے
پایا ہی رہِ راست کو تلوار کے خم سے
دشمن جو بڑھے تاب کہاں رہتی ہی اُس کو
تلوار سے کانپا کیے کفارِ عرب سب
سر تا بقدم عمر بھی تھا جہلِ مرکب
نصرت تھی جدھر تیغ چلی حق کے ولی کی
سرسبز کیا گلشنِ اسلام اسی نے
شاہوں کو دیئے موت کے پیغام اسی نے
کانپا کیے خاقانِ جہاں حرب سے اِس کے
آفاق میں ہی دبدبہ شاہی کا اسی سے
اقبال چمکتا ہی سپاہی کا اسی سے
یاد اُن کو نہ بھولی کوئی دم تیغِ علی کی
چارآینہ مردوں کے لیے دفعِ ضرر ہی
گہ ہاتھ کی زینت ہی گہے زیبِ کمر ہی
خوش قد ہی خوش اسلوب ہی خوش رو ہی حسیں ہی
جب تیزیِ شمشیر زباں اُس کو دکھائی
تلوار علم کر کے جو ڈھال اس نے اٹھائی
خورشید یہ ہوا زرد اُڑی گرد یہ بن کی
شبدیز کو اگر سنے بھی کاوے پہ لگایا
مُنھ کھولے ہوئے شبیر پہ حملے کو سگ آیا
لائی تھی اجل کھینچ کے شمشیر کے منھ پر

بت اُس نے نکالے ہیں اشارے ہی حرم سے
سیکھے کوئی آتش نفسی تیغِ دودم سے
سیفی کی دعا وردِ زباں رہتی ہی اُس کو
دنیا سے جہنم کو گئے عنتر و مرحب
ظلمت نہ رہی کفر کی وہ قتل ہوا جب
اللہ نے کی آپ ثنا ضربِ علی کی
کعبے سے جدا کر دیئے اصنام اسی نے
قبضے میں کیا روم سے تا شام اسی نے
جاری ہوا سکّے کا چلن ضرب سے اس کے
آغاز ہی ملکوں کی تباہی کا اسی سے
بیٹھا ہی عمل شیرِ الٰہی کا اسی سے
جبریل بھی کھاتے ہیں قسم تیغِ علی کی
جوہر ہیں زرہ قبضۂ شمشیر سپر ہی
رکھ لیجیے پہلو میں تو آرامِ جگر ہی
جب یہ ہو تو حاجت کسی حربے کی نہیں ہی
ٹھنڈا تو ہوا تھا پہ حرارت بھی کچھ آئی
معلوم ہوا تیرہ گھٹا کوہ پہ چھائی
گھوڑے کی لگا پو سے زمیں ہل گئی رن کی
واں سے بھی تڑپ کر فرس تیز تگ آیا
پر دب گئے الگ زد سے گیا اور الگ آیا
آسکتا ہی روباہ کہیں شیر کے منھ پر

اکبر نے صدا دی کہ ٹھہر سامنے آکر
مردانہ دکھا وار حریفانہ وغا کر
ناداں ہے تمیز حق و باطل نہیں رکھتا
یہ خوف! کہیں جان نہ گھبرا کے نکل جائے
ایسا نہ ہو تلوار کوئی کھا کے نکل جائے
یک جا صفتِ سایۂ آہو نہیں تھمتا

تجھ سا تو جواں لشکرِ بدخو میں نہیں ہے
گھوڑا ہے یہ چالاک پہ قابو میں نہیں ہے
ہم ایک ہیں جانباز کہ فوجوں سے لڑے ہیں
نیزے کے ہلانے میں بھی تو زور کو ہارا
اک ضربِ تیر تھی کہ ہوا گرز دو پارا
آ تیغِ جوانانِ خوش اقبال کے منہ پر

یہ سن کے بڑے غیظ و غضب سے وہ ایل آیا
بارے شجرِ جرات و ہمت میں پھل آیا
یہ پھولنے پھلنے کی مگر فصل نہیں ہے
تلواریں کھنچیں برچھیاں چمکیں علم اٹھے
نظارہ کو گردوں پہ ملائک بہم اٹھے
اکبرؑ جو مقابل ہوئے اس ضال و مضل سے

چلائے کہ اے بیر بہادر ترے قرباں
کچھ یہ نوجوں سے بھی قوی تر ہے مری جاں
کیا پیاس بہت ہے کہ پکارا نہیں جد کو

کیوں منہ کو چھپاتا ہے سپر چہرے پہ لاکر
دیکھ اپنے رسالے کے جواں سے نہ حیا کر
تو اپنے تن و توش پہ کچھ دل نہیں رکھتا
بودا ہے جو لڑنے کی جگہ پا کے نکل جائے
پنجے سے نہ شیروں کے شکار آ کے نکل جائے
سیماب ٹھہر جاتا ہے پر تو نہیں تھمتا

ہاں زورِ شجاعت ترے بازو میں نہیں ہے
فوجیں ہیں ادھر یاں کوئی پہلو میں نہیں ہے
کیا تجھ کو کہیں گے جو صفیں باندھے کھڑے ہیں
کیوں ہم نے کماں چھین لی اور تیر تمہارا
لڑنے پہ تبرا ہے ترا او ستم آرا
چہرے کو چھپاتا ہے جھلم ڈال کے منہ پر

اکبر نے کہا آ کہ مقامِ اجل آیا
بس روک لے بودا کہ فرس منہ کے بل آیا
گر پڑتا ہے جلدی تری کچھ اصل نہیں ہے
گھوڑوں کی تگ و پو میں برابر قدم اٹھے
گر گر کے ادھر خاک پہ شاہِ امم اٹھے
شبیر قریب آگئے بیتابیِ دل سے

یہ پیاس کئی روز کی یہ دھوپ یہ میداں
اس دیو پہ اللہ ظفر دے تمہیں اے جاں
اب دل نہیں قابو میں ہم آتے ہیں مدد کو

رونے لگے اکبر یہ صدا سُن کے پدر کی
کی عرض دعا بس ہی شہ جن و بشر کی
غازی ہیں الم تشنہ دہانی کا نہیں ہی
تشویش نہ فرمائیے میں نے اسے مارا
مرحب کی طرح طول میں کرتا ہوں دو پارا
دل آپ بڑھائیں گے تو بڑھ بڑھ کے لڑونگا
ہر چند سن اس کا ہی زیادہ مرے سن سے
بیزاری ہی جن و ملک و انس کو ان سے
اُس چاہ کے اژدر بھی چرائے ہیں دم ابتک
خادم کی لڑائی نہیں کچھ قابلِ تعریف
غم یہ ہی کہ مولا کو نہایت ہوئی تکلیف
گردن میں تہ تیغ اب اس عربدہ جو کی
حضرت نے کہا خیر خدا حافظ و ناصر
بیکس و بے پر ہی مدد کرنے کو حاضر
تیور کہیں چھپتے ہیں شجاعِ ازلی کے
ہاں دہنی طرف آنے نہ دیجو اُسے زنہار
مغرور تن و توش پہ اپنے ہی یہ غدار
دشمن جو لڑے جم کے تو پھر لطف سوا ہی
یہ سُن کے بڑھا جنگ کو وہ شبر نرینہ
شوکت وہی سب تھی وہی حملے کا قرینہ
یوں سینہ کشادہ گئے اوس عہد شکن پر

جوڑے ہوئے ہاتھوں کو رُخ شہ پہ نظر کی
اس وقت نہیں پیاس قسم آپکے سر کی
اس شغل میں کچھ دھیان بھی پانی کا نہیں ہی
آیا ہی تو جاتا ہی کہاں یہ ستم آرا
اللہ کی تائید ہی مولا کا سہارا
اس دیو سے میں سورۂ جن پڑھ کے لڑوں گا
پانی بھی لبوں تک نہیں پہنچا کئی دن سے
ہم وہ ہیں کہ جا بر نہ ہوئے دیو بھی جن سے
مشہور ہی افسانۂ بیر الالم اب تک
آقا کے کرم سے ہی بہت پیاس میں تخفیف
ہی دھوپ کڑی سایہ میں لیجائیے تشریف
چھینٹیں نہ پڑیں قبلۂ عالم پہ لہو کی
جرأت میں نہ تم کم ہو نہ ہیں صبر میں قاصر
دب جائے گا ادنیٰ سے بھی ادنیٰ ہی یہ کافر
اعلیٰ سے تم اعلیٰ ہو کہ پوتے ہو علی کے
گھوڑے کو بڑھائے ہوئے روکے ہوئے تلوار
خود منھ کے بھل آئے گا جو خالی گئے دو وار
ہاں تھام لو باگ اس کے فرس کی تو مزا ہی
پہونچا تھا جسے زورِ علی سینہ بہ سینہ
شبدیز پہ تھے آپ کہ خاتم پہ نگینہ
جس طرح جھپٹتا ہی کبھی شیر ہرن پر

لڑجانا وہ ڈھالوں کا وہ تلواروں کی جھنکار
مرحب تھا اودھر اور ادھر حیدرِ کرار
بجلی سی فزوں تھی تڑپ آتش نفسوں کی
ہمیز پہ ہمیز تھی اور کوڑے پہ کوڑا
کل پھر گئی جس باگ پہ جس نے جسے موڑا
اس زور سے تیروں کی بھی سریاں نہیں چلتیں
زن سے جو وہ تلوار گئی سن سے یہ آئی
وہ کھینچ کے سپر سے گئی جوشن سے یہ آئی
ہاں بعدِ علی کم ہوئی جنگ و جدل ایسی
غصّے میں جو سفاک نے کی رخش کو ہمیز
بس تھام لی اکبر نے عنانِ فرسِ تیز
ہوش اُڑ گئے اُس بانیِ بیداد و ستم کے
تازی کی عناں چھوڑ کے اک ہاتھ جو مارا
گھوڑا جو گرا دشتِ ستم ہل گیا سارا
دکھلا دیا صفدر نے جو ارشادِ پدر تھا
مصروف تھے لڑنے میں ادھر اکبرِ دلگیر
تھرّاتے تھے ہاتھ اور زباں پر تھی یہ تقریر
بیکس ترے بندے پہ عجب وقت پڑا ہے
ہفتم سے ہے پانی کا تلاطم مرے گھر میں
دے صبر کہ بے تاب نہ ہوں ہجرِ پسر میں
فرزندِ جواں باپ سے منھ موڑ رہا ہے

آفت کی لڑائی تھی قیامت کا ہر اک وار
تلوار پہ تلوار تھی رہوار پہ رہوار
اسواروں تک آ جاتی تھیں ٹاپیں فرسوں کی
ہر مرتبہ منھ ڈالتا تھا گھوڑے پہ گھوڑا
زخمی ہٹے پر کھیت کو دونوں نے نہ چھوڑا
یوں جھوم کے چلتی تھیں کہ پریاں نہیں چلتیں
وہ خود سے ملتی ہوئی گردن سے یہ آئی
وہ صدر سے خالی گئی توسن سے یہ آئی
غل تھا کبھی دیکھی نہیں ردّ و بدل ایسی
شہزادے کے گھوڑے کے قریب آ گیا شبدیز
جھجکا تھا وہ گھوڑا کہ چلی تیغ شرر ریز
سر کٹ کے گرا فرق پہ چالیس قدم کے
چاروں سُم رہوار کٹے صاف قضا را
بس چور ہوا پس کے وہ کافر ستم آرا
نہ پاؤں تھے گھوڑے کے نہ اسوار کا سر تھا
بے تاب تھے تھامے ہوئے دل حضرتِ شبیر
یہ سب تری تائید ہے اے مالکِ تقدیر
یا رب یہ پسر تیسرے فاقے سے لڑا ہے
نہ بحر میں پیاسوں کا ٹھکانا ہے نہ بر میں
لوٹا ہے مجھے امتِ احمد نے سفر میں
چھوٹا جو ہے گہوارے میں دم توڑ رہا ہے

طالب نہیں اس کا کہ سلامت یہ پھر آئے
مجروح تری راہ میں جو برچھیاں کھائے

خادم کے بزرگوں کا جو منصب ہے وہ پائے
جرات جو دکھائی ہے تو غربت بھی دکھائے

دنیا سے پُر ارمان سفر کرنے پہ روئیں
سب پیر و جواں اس کے جواں مرنے پہ روئیں

یہ کہہ کے علی اکبرِ مہ رو کو پکارے
احسنت مرے شیر مرے پیاس کے مارے

ٹھہرو کہ پدر چوم لے ہاتوں کو تمہارے
خالی ہے علمدار کی جا اے مرے پیارے

جعفر اسی کس بل سے اسی ڈھب سے لڑے تھے
خیبر میں علی بھی یوں ہی مرحب سے لڑے تھے

بالیدہ ہوا شہ کی صدا سن کے وہ جرّار
مجرا کیا رہوار سے جھک جھک کے کئی بار

کی عرض شہادت کی دعا کا ہوں طلبگار
اب پیاس نے مارا مجھے یا سیدِ ابرار

گرمی سے غش آتا ہے جھکا جاتا ہے سر بھی
ہتیار بھی سب گرم ہیں جلتا ہے جگر بھی

قوّت کا مٹا زور گھٹا زورِ جوانی
اب دیتی ہے پیغامِ اجل تشنہ دہانی

ہے دھوپ کڑی اے اسد اللہ کے جانی
جاں آئے زرہ پر جو چھڑک دے کوئی پانی

سنبھلوں تو بھگا دوں ابھی اس لشکرِ شر کو
ایسی ہو کوئی چیز کہ ٹھنڈک ہو جگر کو

حضرت نے کہا پانی کا ملنا تو ہے دشوار
اب دور کرو خود سے کیا تم کو سروکار

جلتی ہے زرہ گر تو اُتارو مرے دلدار
کافی ہے لڑائی میں جواں مرد کو تلوار

رہنے دو جو ہو دھوپ میں آرام سپر سے
جو سینہ سپر ہو اسے کیا کام سپر سے

کہتے تو کہا یہ پہ ہوا دل تہ و بالا
اک سیب تر و تازہ گریباں سے نکالا

بولا یہ اُسے سونگھ کے وہ گیسوؤں والا
فرزند میں جان آگئی اے سیدِ والا

اعجازِ امامت شہِ خوشخو نے دکھایا
پانی کا اثر سیب کی خوشبو نے دکھایا

اُس سیبِ سمن بو کی ثنا کا کسے یارا
دیدہ اُس کی ہے یوسف کے زنخداں کا نظارا

اُٹھ جائے گر اُس کی طرف انگشتِ اشارہ
اللہ ری لطافت کہ وہ ہو جائے دوپارا

بہتر کوئی سیب اس سے نہیں خلدِ بریں میں
بو آج تک اس کی ہے مرا رشتۂ دیں میں

تسلیم کی اور اسپِ صبا دم کو اڑا کر ۔۔۔ پھر ڈوب گیا فوج میں وہ نیرِ دلاور
یاں بیٹھ گئے تھام کے دل سبطِ پیمبر ۔۔۔ واں شام کے بادل میں گھرا وہ مہِ انور
تیروں کی جو بوچھار ہوئی چھن گیا سینہ ۔۔۔ روزن ہوئے اتنے کہ زرہ بن گیا سینہ

ٹکڑے ہوئے تیغوں سے پہ ہمت کو نہ ہارے ۔۔۔ مجروح نے اتنی نفر اس فوج کے مارے
صحرا میں کبھی تھے کبھی دریا کے کنارے ۔۔۔ پھر دیکھ گئے باپ کو پھر رن کو سدھارے
رو کے نہ پدر قتل ہو لختِ جگر ایسا ۔۔۔ باپ ایسا ہو صابر تو جری ہو پسر ایسا

لڑتے تھے کہ پیشانیِ انور پہ لگا تیر ۔۔۔ سب خوں سے بھری احمدِ مختار کی تصویر
لکھا ہی کمیں میں تھا کوئی ظالمِ بے پیر ۔۔۔ برچھی جو لگی سینے میں حالت ہوئی تغیر
اللہ ری شجاعت کہ نہ ابرو پہ بل آیا ۔۔۔ پھل اس نے جو کھینچا تو کلیجہ نکل آیا

ٹکڑے جو بہے خوں کے ڈریڑوں میں جگر کے ۔۔۔ غش ہو گئے سر گردنِ رہوار پہ دھر کے
نزدیک سے پھر وار چلے تیغ و تبر کے ۔۔۔ پسلیاں کٹ کٹ گئیں ٹکڑے ہوئے سر کے
تلواریں تھیں یا آپ تھے یا سر پہ خدا تھا ۔۔۔ جس ہاتھ سے لڑتے تھے وہ پہنچوں سے جدا تھا

جس وقت ہوا دینے لگا زخمِ جگر کا ۔۔۔ سینے میں رکا کے دم اس تشنہ قمر کا
گرتے ہوئے گھوڑے پہ خیال آیا پدر کا ۔۔۔ چلائے کہ اب کوچ ہے دنیا سے پسر کا
بیکس کی مسافر کی مدد کیجیے بابا ۔۔۔ اپنے علی اکبر کی خبر لیجیے بابا

بیٹے کی صدا سن کے ہوا صدمۂ جانکاہ ۔۔۔ اک ہوک کلیجے میں اٹھی بیٹھ گئے شاہ
معلوم ہوا جان چلی آہ کے ہمراہ ۔۔۔ دل تھام کے ہاتھوں سے کہا یا اسد اللہ
ماں باپ کے جینے کا مزا لے گئے بیٹا ۔۔۔ عہدہ جو تمہارا تھا ہمیں دے گئے بیٹا

چلائے بتاؤ علی اکبر کدھر آئیں ۔۔۔ ڈھونڈھیں تمہیں اس بحر میں یا سوئے بر آئیں
بیتاب ہے دل قلب میں لشکر کے در آئیں ۔۔۔ تم آ نہیں سکتے تو ہمیں لاش پر آئیں
رنگ اڑ گیا تھا گیسوؤں پر گرد جمی تھی ۔۔۔ نور آ کے جو سنبھلے تو بصارت میں کمی تھی

بیٹا ہمیں پھر یا ابتا کہ کے پکارو
ناشاد گرفتار بلا کہ کے پکارو

جو وقت معین ہے وہ ہرگز نہ ٹلے گا
مہرو علی اکبرؑ علی اکبرؑ علی اکبرؑ
گلرو علی اکبرؑ علی اکبرؑ علی اکبرؑ

اس عمر کا پودا کوئی بے برگ نہ ہووے
اٹھارھواں یہ سال یہ غربت یہ جوانی
دیکھی تھی نہ ابتک یہ شجاعت یہ جوانی

کس درجہ مشابہ تھے رسولِ عربی سے
لے آئی جو بیتابیِ دل لاشِ پسر پر
اک تیر لگا قلب شہِ جن و بشر پر

اوپر کے دم اُس شیر کو بھرتے ہوئے دیکھا
ہونٹوں پہ زباں رُخ پہ عرق خاک پہ گیسو
گردن تو کج اور حلق پہ اک تیر سہ پہلو

یہ زیرِ لب آواز کہ آقا نہیں آئے
اے دردِ جگر تھم کہ شہِ بحر و بر آلیں
اے روح توقف شہِ والا ادھر آلیں

ارمان دلِ زار پسر ہوش میں نکلے
چلائے شہِ دیں علی اکبر پدر آیا
تم ڈھونڈھتے تھے اے مہِ انور پدر آیا

کچھ دِل کی کہو بات کرو ہوش میں آؤ

مظلوم غریب الغربا کہ کے پکارو
لب تشنۂ و مجروحِ جفا کہ کے پکارو

خنجر مری گردن پہ اسی طرح چلے گا
دِلجو علی اکبرؑ علی اکبرؑ علی اکبرؑ
خوشخو علی اکبرؑ علی اکبرؑ علی اکبرؑ

تجھ سا کوئی دنیا میں جواں مرگ نہ ہووے
یہ شان یہ اقبال یہ شوکت یہ جوانی
یوں خاک ہوئی ہائے یہ صورت یہ جوانی

گویا کہ حسین آج بچھڑتا ہے نبیؐ سے
جھکنے میں نظر پہلے پڑی زخمِ جگر پر
سینے پہ کبھی ہاتھ کو مارا کبھی سر پر

بابا نے جواں بیٹے کو مرتے ہوئے دیکھا
پتھرائے ہوئے آنکھ کئی تیغوں سے ابرو
چہرے پہ لہو گالوں پہ ڈھلکے ہوئے آنسو

نزدیک اجل آگئی بابا نہیں آئے
اے جان نہ گھبرا شہِ جن و بشر آلیں
اے موت ٹھہر جا پدر آلیں پدر آلیں

حسرت ہے کہ دم باپ کے آغوش میں نکلے
اُٹھو مرے پیارے مرے دلبر پدر آیا
ناشاد پدر بیکس و نلے پر پدر آیا

صدقے پدر آؤ مرے آغوش میں آؤ

منہ کھولے ہو کیوں تیر کو گردن سے نکالوں
گر درد نہو ہاتھوں کو بازو سے سنبھالوں

گرتا ہے پہاڑ اس کو میں کس طرح سے مانوں
مرتے اُسے دیکھوں جسے آغوش میں پالوں

بہ بہ کے لہو میں جگر آتا ہے تمہارا
سینے سے کلیجا نظر آتا ہے تمہارا

کچھ منہ سے تو بولو علی اکبرؑ علی اکبرؑ
آنکھوں کو تو کھولو علی اکبرؑ علی اکبرؑ

رخصت بھی تو ہو لو علی اکبرؑ علی اکبرؑ
لو باپ کو رو لو علی اکبرؑ علی اکبرؑ

دولہا بھی اس آرام سے سوتے نہیں بیٹا
ہم روتے ہیں اور تم ہمیں روتے نہیں بیٹا

ہم آئے ہیں لو پاس ہمارا کرو بیٹا
اِک آن کی تکلیف گوارا نہیں بیٹا

کچھ کچھ تو مرے درد کا چارہ کرو بیٹا
بولا نہیں جاتا تو اشارہ کرو بیٹا

حوریں تمہیں گھیرے ہیں کہ مہمان نئے ہو
باتیں ہیں یہ کس سے کہ ہمیں بھول گئے ہو

غش میں جو سنی باپ کی آواز پسر نے
بس ہاتھوں کو پھیلا دیا اس شکلِ قمر نے

لپٹا لیا چھاتی سے شہِ جن و بشر نے
منہ کھول کے دکھلائی زباں تشنہ جگر نے

فرمایا کہ قطرہ مرے جانی نہیں ملتا
مجبور ہوں اکبر مجھے پانی نہیں ملتا

کی عرض علی آئے ہیں یا شاہِ خوش انجام
ہاتوں میں ہیں کوثر کے چھلکتے ہوئے دو جام

ایک جام مجھے دے کے بصد شفقت و انعام
فرماتے ہیں پی لے اسے اے اکبرِ گلفام

میں کہتا ہوں مجروح ہوں آوارہ وطن ہوں
دونوں نہ مجھے دیجیے کہ بہت تشنہ دہن ہوں

اشک آنکھوں سے ٹپکا کے یہ فرماتے ہیں حیدر
شبیرؑ بھی پیاسا ہے بہت اے مرے دلبر

گھبرا نہ کہ نزدیک ہے اب چشمۂ کوثر
حصہ یہ ترے باپ کا ہے اے علی اکبرؑ

دو دن سے اُٹھائے ہیں تعب تشنہ لبی کے
یہ تیسرا فاقہ ہے نواسے پہ نبی کے

یہ کہتے ہی آنکھوں سے بس آنسو ہوئے جاری
مُنہ پھیر کے دیکھا سوئے صحرا کئی باری

کی عرض حضور آتی ہے زہرا کی سواری
پھر درد اُٹھا سینے میں پھر غش ہوا طاری

کھولے ہوئے آنکھوں کو مسافر ہوئے اکبرؑ
ہچکی کا بس آنا تھا کہ آخر ہوئے اکبر

لکھا ہی کہ نکلا علی اکبرؑ کا اِدھر دم
نکلی دَرِ خیمہ سے اُدھر زینبِ پُرغم
سر ننگے تھیں پیچھے کئی سیدانیاں باہم
منھ پیٹتی تھی کوئی کوئی کرتی تھی ماتم
ہلتا تھا فلک نالہ و فریاد و بکا سے
ایک حشر تھا ہی ہی علی اکبرؑ کی صدا سے

خورشید چھپا گرد اُڑی زلزلہ آیا
اک ابرِ سیہ دشتِ پُر آشوب میں چھایا
پھیلی تھی جہاں دھوپ واں ہو گیا سایا
بجلی کو سیاہی میں چمکتا ہوا پایا
جو حشر کے آثار ہیں سارے نظر آئے
گرتے ہوئے مقتل میں ستارے نظر آئے

محبوبِ الٰہی کی نواسی کا تھا یہ حال
سر پر نہ ردا تھی نہ قصابہ تھا نہ رومال
کچھ چہرے پہ کچھ دوش میں بکھرے ہوئے تھے بال
ہر گام تھی بسمل کی تڑپ زخمیوں کی چال
ٹوٹا تھا مصیبت کا فلک زار و حزیں پر
تھی نصف ردا دوش پہ اور نصف زمیں پر

چلاتی تھی جنگل کی مجھے راہ بتا دو
سیدانی ہوں رستہ مجھے للہ بتا دو
کس ابر میں پنہاں ہی مرا ماہ بتا دو
لاشے پہ کدھر ہیں شہِ ذی جاہ بتا دو
آنکھوں میں بصارت بھی نہیں جاؤں کدھر کو
میں پہلے پہل ڈھونڈھنے نکلی ہوں پسر کو

زینبؑ کی صدا سنتے ہی دوڑے شہِ والا
دامانِ عبا فرق پہ ہمشیر کے ڈالا
فرمایا قدم خیمے سے کیوں تم نے نکالا
ای بنتِ علی مر گیا وہ گیسوؤں والا
ٹکڑے ہی بدن کشتۂ شمشیر ہیں اکبرؑ
دیکھو گی کسے خاک پہ اب ڈھیر ہیں اکبر

خاموش انیس آگے نہیں تابِ قلم کی
شق ہوتی ہی چھاتی دمِ تحریر قلم کی
کیونکر کوئی روداد لکھے اہلِ حرم کی
حقا کہ نہایت نہیں شبیرؑ کے غم کی
مصروف ہر اک اشک بہانے میں رہے گا
ماتم علی اکبرؑ کا زمانے میں رہے گا

مرثیہ (۱۵)

دشمن کو بھی خدا نہ دکھائے پسر کا داغ
دل کو فگار کرتا ہی لختِ جگر کا داغ
آنکھوں کا نور کھوتا ہی نورِ بصر کا داغ
مرنا جوان بیٹے کا ہی عمر بھر کا داغ
یہ حال ابن فاطمہؑ کے دل سے پوچھیے
زخمِ جگر کے درد کو گھایل سے پوچھیے

جب برچھی کھا کے گم ہوا اکبر سا نونہال
فرزندِ فاطمہ کا کہوں کس زباں سے حال
لرزہ تھا جسمِ پاک میں خورشید کی مثال
چلاتے تھے شہید ہوا ہائے میرا لال
تھامے ہوئے کلیجے کو گھبرائے پھرتے تھے
اک اک قدم پہ ٹھوکریں کھا کھا کے گرتے تھے

آنکھوں میں اشک لب پہ فغاں دل میں درد
ہاتھوں میں رعشہ چہرۂ اقدس کا رنگ زرد
صدمے سے ہاتھ پاؤں کبھی گرم گاہ سرد
مثلِ کماں خمیدہ کمر گیسوؤں پہ گرد
دیکھی جو کوئی لاش تو گھبرا کے گر پڑے
جلدی کبھی چلے کبھی غش کھا کے گر پڑے

ہردم پکارتے تھے کہ اکبر کدھر گئے
ای نورِ چشمِ بانوے نے پر کدھر گئے
مرتا ہی باپ ای مرے دلبر کدھر گئے
آواز دو شبیہِ پیمبر کدھر گئے
ای میرے شیر کیا کسی جنگل میں چھپ رہے
ای میرے چاند کون سے بادل میں چھپ رہے

اکبر ہماری آنکھوں میں اب تیوراتے ہیں
ہاتھوں کو تھام لو کہ قدم تھرتھراتے ہیں
کھوئے گئے ہیں خود کہ نہیں تم کو پاتے ہیں
کیا جانیں اضطراب میں کس سمت جاتے ہیں
اکبر سنبھال لو کہ نہایت نحیف ہیں
بیٹا ابھی جوان ہو تم ہم ضعیف ہیں

ای میرے لمبے گیسوؤں والے ترے نثار
ای باپ کی ضعیفی کے پالے ترے نثار
کھائے جگر پہ زخم کے بھالے ترے نثار
بابا کو پاس اپنے بلالے ترے نثار
فرزندِ فاطمہ کی نحیفی پہ رحم کر
ای نوجوان پدر کی ضعیفی پہ رحم کر

بیٹا پکار لو کہ بہت بے قرار ہوں
بیکس ہوں بے وطن ہوں غریب الدیار ہوں
اہلِ ستم تو ہنستے ہیں میں اشکبار ہوں
آفت میں مبتلا ہوں بلا سے دوچار ہوں
بولو پدر سے تشنہ دہانی کا واسطہ
صورت دکھا دو اپنی جوانی کا واسطہ

صدقے پدر تڑپتے ہو کس نخل کے تلے
باغِ جہاں میں آہ نہ پھولے نہ تم پھلے
ناشاد نامراد ہی اس دہر سے چلے
رو رو کے کیوں نہ دستِ تاسف پدر ملے
اک داغ تیرے خلق سے جانے کا رہ گیا
ارمان ماں کو بیاہ رچانے کا رہ گیا

بیٹا ہماری آنکھوں میں عالم سیاہ ہی
ای نورِ عین باپ کی حالت تباہ ہی
دم چڑھ گیا ہی خالقِ عالم گواہ ہی
جائیں کدھر کہ لشکرِ کیں سد راہ ہی
طاقت جو تھی بدن میں وہ سب بھائی لے گئے
اب تم ہماری آنکھوں کی بینائی لے گئے

جی چاہتا ہی پھر تمھیں اک بار دیکھ لوں
محبوبِ حق کا آخری دیدار دیکھ لوں
منہ پر لٹکتے گیسوئے خمدار دیکھ لوں
ڈوبے لہو میں چاند سے رخسار دیکھ لوں
اکبر گلے سے لپٹو تو بابا کو کل پڑے
اب ہی یقین کہ منہ سے کلیجہ نکل پڑے

آئی کسی طرف سے نہ اکبر کی جب صدا
اعدا کو تب پکارے شہنشاہِ کربلا
سبطِ نبی کے حال پہ اب رحم کی ہی جا
بتلاؤ کس طرف ہی مرا لالِ مہ لقا
برچھی ستم کی کھا کے وہ پیارا کدھر گیا
ای فوجِ شام چاند ہمارا کدھر گیا

ای ظالموں کہاں ہی مرا نوجواں پسر
اس کی تلاش میں میں پھرا ہوں کدھر کدھر
اب مضطرب بہت ہوں سنبھلتا نہیں جگر
یوسف مرا مجھے نہیں آتا کہیں نظر
کیا قتل کر کے چاہ میں لاشہ گرا دیا
کیا زیرِ خاک میرے قمر کو چھپا دیا

ہی تم میں کوئی صاحبِ اولاد یا نہیں
دردِ دلِ حسین سے آگاہ کیا نہیں
اس وقت ہوش سبطِ نبی کے بجا نہیں
یہ حال ہی کہ آنکھوں سے کچھ سوجھتا نہیں
اکبر جو مل گئے تو ٹھہر جائے گا حسین
ورنہ تڑپ کے خاک پہ مر جائے گا حسین

کہتے تھے اہل ظلم کہ یا سیدِ اُمم
حضرت کے نورِ چشم سے واقف نہیں ہیں ہم
اک نوجواں تو آیا تھا باشوکت و حشم
چھاتی پہ اُس جری کے لگا نیزۂ ستم
دو بار گرتے گرتے وہ غازی سنبھل گیا
گھوڑا کسی طرف اُسے لیکے نکل گیا

سچ ہے عجب حسین تھا وہ غیرتِ چمن
سنبل سے گیسو پھول سا مُنھ چاند سا بدن
شیریں زباں شگفتہ مزاج اور کم سخن
کیا کیا لڑا ہے لاکھوں سے تنہا وہ صف شکن
چرچے اسی کے حسن کے لشکر میں ہوتے ہیں
یاں کے بھی لوگ اس کی جوانی پہ روتے ہیں

آغاز تھیں مسیں ابھی تھا عالمِ شباب
گویا زمیں پہ چرخ سے اُترا تھا آفتاب
پیاسا تھا تین روز کا وہ آسماں جناب
غیرت یہ تھی کہ پینے کو ہم سے نہ مانگا آب
سوکھے تھے ہونٹھ پیاس کی کچھ انتہا نہ تھی
لیکن طلب سے اُس کی زباں آشنا نہ تھی

برچھی ستم کی ہو گئی سینے کے وار پار
رہوار سے جدا نہ ہوا پر وہ شہسوار
گھیرے تھے چار سمت سے زخمی کو نیزہ دار
برسا رہے تھے تیر کماں دار دس ہزار
مانند شیر جھومتا تھا فاشِ زین پر
بوندیں ٹپک رہی تھیں لہو کی زمین پر

برچھی کے ساتھ چھد کے نکل آیا تھا جگر
مانندِ گل تھی تن کی قبا خوں میں تر بتر
تلوار ایک ہاتھ میں ایک ہاتھ میں سپر
گہ فوج پر نظر تھی کبھی زخم پر نظر
بیٹھا گلے پہ تیر تو دم اس کا رُک گیا
ہاتھوں سے دل کو تھام کے گھوڑے پہ جھک گیا

چلائے شاہِ دیں کہ وہی میرا لال تھا
وہ یوسفِ حسینؑ عدیم المثال تھا
آیا زوال اُس پہ جو بدرِ کمال تھا
باغِ محمدی کا وہ تازہ نہال تھا
یہ داغ دل حسینؑ کو پہلے پہل ملا
برچھی سی اس کو مار کے کیا تم کو پھل ملا

ناسور اس الم سے کلیجے میں پڑ گیا
میں لُٹ گیا تباہ ہوا گھر اُجڑ گیا
کیا نوجواں ضعیفی میں مجھ سے بچھڑ گیا
سبطِ نبی کی زیست کا نقشہ بگڑ گیا
صدقے کرو پدر کو اب اُس نورِ عین پر
تلوار لاکے پھیر دو حلقِ حسین پر

جنگل سے آئی اتنے میں اکبر کی یہ صدا
اب جاں بلب ہوں آیئے یا شاہِ کربلا
ہے عنقریب کوچ سوئے گلشنِ بقا
حسرت یہ ہے کہ دیکھ لوں دیدار آپ کا
آلودہ خوں بھرا ہوا چہرہ ہے گرد سے
بسمل سا لوٹتا ہوں کلیجے کے درد سے

سُن کر صدا پکارے شہنشاہِ نامدار
ہمشکل مصطفےٰ تری آواز کے نثار
دوڑے گئے جو لاش پہ نالاں و بے قرار
دیکھا کہ غش پڑا ہے زمیں پر وہ گلعذار
دیکھا لہو پسر کا تو دل تھرتھرا گیا
آنکھوں کے نیچے شہ کی اندھیرا سا آگیا

لاشِ پسر سے دوڑ کے لپٹے امامِ پاک
کانپی زمیں تڑپ کے جو کی آہِ دردناک
چلاتے تھے کہ غم سے کلیجہ ہے چاک چاک
اے لال تیرے بعد ہے اس زندگی پہ خاک
میں دیکھتا ہوں پاؤں زمیں پر رگڑتے ہو
اٹھارھویں برس میں پدر سے بچھڑتے ہو

تقدیر جب کہ تجھ سے جواں کو جدا کرے
پھر یہ ضعیف باپ بھلا جی کے کیا کرے
دُکھ میں کسی کو یوں نہ فلک مبتلا کرے
اب جلد موت آئے ہماری خدا کرے
بدلے عصا کے ہاتھ میں بیٹے کا ہاتھ ہو
ہے آرزو جہاں سے سفر ہو تو ساتھ ہو

اکبرؑ نے جب کہ غش میں سنی زاریٔ پدر
دیکھا لہو بھری ہوئی آنکھوں کو کھول کر
زخمِ جگر دکھا کے کہا یوں بچشمِ تر
اب کوئی دم میں گلشنِ ہستی سے ہے سفر
اب والدہ سے تا بقیامت فراق ہے
مادر کے دیکھنے کا بہت اشتیاق ہے

شہ نے کہا کھڑی ہے وہ ڈیوڑھی پہ کھولے بال
آؤ میں لے چلوں تمہیں اے میرے نونہال
فرزند کو جو لیکے چلا فاطمہؑ کا لال
رستے ہی میں ہوا علی اکبرؑ کا انتقال
چلائے شاہِ دیں کہ جہاں سے گزر گئے
مادر کو دیکھنے بھی نہ پائے کہ مر گئے

ڈیوڑھی پہ لاش لائے پسر کی جو شاہِ دیں
باہر نکل کے بی بیاں سر پیٹنے لگیں
زینب کو یوں پکارا وہ زہرا کا نازنیں
دوڑو بہن کہ قتل ہوا اکبرِ حزیں
دولھا بنے ہیں خون کی مہندی لگائے ہیں
سہرا تمہیں دکھانے کو مقتل سے آئے ہیں

خیمے میں ہائے ہائے کا اک غل ہوا بپا
نکلی درِ خیام سے زینب برہنہ پا
ہاتھوں سے کوکھ پکڑے ہوئے ماں بصد بکا
چلاتی تھی ارے مرے بچے کو کیا ہوا
کس کا جواں پسر تھا کہ بابا سے چھٹ گیا
یہ کس کی کوکھ اجڑ گئی گھر کس کا لٹ گیا

خیمے میں لا کے شہ نے لٹائی پسر کی لاش
غل پڑ گیا کہ اکبرِ غازی کی آئی لاش
اس نوجواں پسر کی جو بانو نے پائی لاش
پھیلا کے ہاتھ چھاتی سے جلدی لگا لی لاش
کہتی تھی ماں نثار ہوں آنکھیں تو وا کرو
ان خوں میں ڈوبی زلفوں پہ مجھ کو فدا کرو

اماں نثار کس کی نظر تجھ کو کھا گئی
اٹھارھویں برس میں تجھے موت آ گئی
جنت کے بوستاں کی فضا تجھ کو بھا گئی
یاں سے سواری جانبِ ملکِ بقا گئی
واری گئے نہ قبر میں اماں کو گاڑ کے
جنت میں جا بسے مری بستی اجاڑ کے

میری امید کچھ نہ بر آئی ہزار حیف
تم نے دلہن نہ مجھ کو دکھائی ہزار حیف
چھاتی پہ برچھی ظلم کی کھائی ہزار حیف
پانی کی ایک بوند نہ پائی ہزار حیف
بابا پہ صدقے ہو گئے ایذا قبول کی
ابتک لیے ہو منہ میں انگوٹھی رسول کی

بابا کے سامنے تمہیں مرنے کی تھی ہوس
نہ کچھ پھوپھی کا زور چلا اور نہ میرا بس
دی جان تم نے پانی کی خاطر ترس ترس
ہی ہی یہ کیسا آیا تھا اٹھارہواں برس
نے جان کس نے کر دیا بانو کی جان کو
کس کی نظر لگی مرے کڑیل جوان کو

ای لال تجھ پہ کیسی مصیبت گذر گئی
وہ حسن کیا ہوا وہ جوانی کدھر گئی
اڑ اڑ کے ریت نرگسی آنکھوں میں بھر گئی
اکبر تمہاری پالنے والی نہ مر گئی
چین آئے گا نہ دن کو نہ راتوں کو سوؤنگی
جب تک جیوں گی تیری جوانی کو روؤنگی

ہی ہی نہ تیرا بیاہ رچانا ہوا نصیب
ہی ہی دلہن نہ بیاہ کے لانا ہوا نصیب
پوتے کو گود میں نہ کھلانا ہوا نصیب
شادی کے بدلے خاک اڑانا ہوا نصیب
ندی لہو کی چاند سی چھاتی سے بہ گئی
بہنوں کو نیگ لینے کی حسرت ہی رہ گئی

باتیں تمہارے بیاہ کی جب لوگ لاتے تھے
سن کر دولہن کا ذکر نہ آنکھیں اٹھاتے تھے
بہنیں بلاتی تھیں تو نہ تم پاس آتے تھے
کیا مسکرا کے شرم سے گردن جھکاتے تھے
بن بیاہے اٹھ گئے مرے پیارے جہان سے
ناشاد و نامراد سدھارے جہان سے

ہنس ہنس کے اب یہ ماں کسے دولہ بنائے گی
واری جواب دو دولہن اب کس کی آئے گی
اب سالی کس کے ہاتھ میں مہندی لگائے گی
ماں بیاہنے کو دھوم سے اب کس کو جائے گی
بستی مری اجڑ گئی ویرانہ ہو گیا
شادی کہاں کی گھر تو عزا خانہ ہو گیا

یہ بین کر کے غش ہوئی بانوئے نیک نام
اٹھ اٹھ کے پیٹنے لگیں سب بی بیاں تمام
لاشِ پسر کو لے گئے مقتل میں پھر امام
بس اے انیس آگے نہیں طاقتِ کلام
کس کو جوانیِ علی اکبر کا غم نہیں
گو بند مختصر ہیں پہ رونے کو کم نہیں

رباعی

ہی مملکتِ جسم میں شاہی دل کی
کچھ تو نے نہ دوستی نباہی دل کی
بعد اس کے دعائے موسپیدی کرنا
پہلے دھولے ذرا سیاہی دل کی

ایضاً

کس بات میں کید کس میں تزویر نہیں
جز حرفِ غلط زباں پہ تقریر نہیں
اس عہد میں راستی کا کیونکر ہو رواج
مسطر کج ہے قلم کی تقصیر نہیں

مرثیہ (۱۶)

حضرت سے جب برادرِ خوش خو جدا ہوا
تنہا ہوئے کہ زینتِ پہلو جدا ہوا

جو گھر کی روشنی تھا وہ مہرو جدا ہوا
جس سے قوی تھے ہاتھ وہ بازو جدا ہوا

تیغِ خزاں چلی شہِ مرداں کے باغ میں
ٹوٹی کمر حسینؑ کی بھائی کے داغ میں

دشمن کو بھی نہ بھائی کا ماتم خدا دکھائے
پوچھو اسی کے دل سے کمر جس کی ٹوٹ جائے

فرماتے تھے پسر سے یہ رو کر کہ ہائے ہائے
اکبر بتاؤ بھائی کو بھائی کہاں سے لائے

عباس کیا جدا ہوئے گھر میرا لُٹ گیا
بچپن کا ساتھ ہائے غضب آج چھٹ گیا

اعدا میں شور تھا کہ اکیلے ہوئے امام
وہ مر گیا کہ جس سے لرزتا تھا روم و شام

تھا لشکروں کو خوفِ علمدارِ نیک نام
بیکس ہوئے حسین لڑائی ہوئی تمام

کیا ہو سکے گا اب شہِ گردوں اساس سے
اک نوجواں پسر ہے وہ مرتا ہے پیاس سے

غصّے سے کانپتے تھے علی اکبرِ دلیر
تکتے تھے رو کے فوج کو ہر دم مثالِ شیر

کہتے تھے ہائے موت نے کیوں کی ہے اتنی دیر
میں تو خدا کی راہ میں ہوں زندگی سے سیر

اکبر بھی جلد قافلہ والوں سے جا ملے
مشکل ہے دیکھیے ہمیں کیونکر رضا ملے

دیکھا امامِ دیں نے کہ ہے غیظ میں پسر
تیغِ علی کو ٹیک کے اُٹھے بچشمِ تر

فرمایا دیکھتے ہو لعینوں کا شور و شر
ہے شادیٔ شہادتِ عباسِ نامور

اعدا کی ہے خوشی ہمیں جتنا ملال ہو
تم غیظ میں نہ آؤ کہ صابر کے لال ہو

قدموں پہ سر کو رکھ کے یہ بولا وہ مہ جبیں
کب تک غلام صبر کرے یا امامِ دیں

مجھ کو سُنا سُنا کے یہ کہتے ہیں اہلِ کیں
اب فاطمہ کے لال کا یاور کوئی نہیں

پیاسے جو ہیں وہ جان کو کھوتے نہیں ہیں کیا
ہم شبیرِ کردگار کے پوتے نہیں ہیں کیا؟

اچھا کہیں جب کہتے ہیں بڑھ بڑھ کے بدخصال
پاسِ ادب سے عرض کی ہم کو نہیں مجال
باندھیں گے جب کمر تو کھلے گا ہمارا حال
لشکر کے سرکشوں کو کیا کس نے پائمال
میداں سے دم و رہ کے دلاور کہاں گئے
لاشے کہاں تڑپتے رہے سر کہاں گئے

ہم حق پہ ہیں تو پھر ہمیں مرنے سے کیا ہراس
فاقہ نہ ہم پہ شاق نہ سولہ پہر کی پیاس
صابر ہیں بندگانِ شہنشاہِ حق شناس
لب تشنہ جائیں گے یونہیں کوثر پہ جد کے پاس
پیاسے جہاں سے آپ کے آگے سفر کریں
دریا خود آئے گر تو زباں کو نہ تر کریں

پانی سے کیا انھیں جنھیں ہو آبرو کا دھیان
ہم اور سوالِ آب کریں گے خدا کی شان
گر لاکھ بار پیاس سے آئے لبوں پہ جان
ہونٹوں پہ بھی پھرائیں نہ سوکھی ہوئی زباں
ابرِ عطا و فیض ہیں دریا نوال ہیں
کوثر کو جو لٹائے گا ہم اس کے لال ہیں

دیکھا حسین نے کہ رکے گا نہ دلربا
رو کر کہا کہ باپ سے پہلے مرو گے کیا
کی عرض دم بدم یہی خالق سے ہو دعا
فرمایا لاؤ اپنی پھوپھی جان سے رضا
میں خوب جانتا ہوں کہ جینے سے سیر ہو
جلدی مگر کہ ہم سے نہ مرنے میں دیر ہو

خیمے میں آئے اکبرؑ مہرو جھکائے سر
لپٹا لیا کلیجے سے زینبؓ نے دوڑ کر
رو کر کہا کہو مرے بھائی کی کچھ خبر
اکبرؑ نے عرض کی تنِ تنہا ہیں اب پدر
رونے کی جا ہے قبلۂ و کعبہ کے حال پر
سب فوج کی چڑھائی ہے زہرا کے لال پر

ہے تین دن کی پیاس یہ دھوپ اور یہ زوال
نیلے ہیں ہونٹ زرد ہے رخ ضعف ہے کمال
تیغوں پہ تیغیں سامنے ہیں ڈھال پر ہے ڈھال
چلّے چڑھا رہے ہیں کمانوں پہ بدخصال
اتنا کوئی نہیں ہے کہ سینہ سپر کرے
تیروں کی اب مہم ہے خدا اس کو سر کرے

یہ سن کے پیٹنے لگی زینبؓ جگر فگار
رانڈوں میں واحسین کی ہر سو ہوئی پکار
بولی پسر سے بڑھ کے یہ بانوئے نامدار
تم رن سے ایسے وقت میں کیوں آئے میں نثار
ہاں کس لیے رنڈاپے کا پیغام لائے ہو
کس نے طلب کیا تھا جو گھبرا کے آئے ہو

میں مرگئی تھی کیا جو چلے آئے بے حواس
ہے ہے یہ دکھ یہ رنج یہ صدمہ یہ بھوک پیاس
کس کی مدد امامِ دو عالم نے کی نہیں
کیسا لہو سفید ہے دنیا کا ہائے ہائے
یوں ناز اُٹھا اُٹھا کے جو پالے وہ تیر کھائے
کیا وقت ہے نثار شہِ مشرقین کے
بتلاؤ پاس سب ہیں رفیقانِ پر جگر؟
قاسم کہے ہیں سینوں میں تلواروں کو سپر؟
تم گھر میں آئے گر تو سنو مجھے کچھ گلا نہیں
بچے نہیں جواں ہو بہادر ہو میں نثار
یہ معرکہ یہ جنگ ہے دنیا میں یادگار
جینا ہے تب جو فاطمہ کا مہ لقا جیے
کہتی ہوں صاف میں کہ نہ بھائے مجھے یہ طور
غافل وہ ہے مآل کی جانب کرے جو غور
مرجاتے ہیں دغا میں صفیں توڑ توڑ کے
گھر کیسا ماں کہاں کی تمہیں کیا کسی سے کام
اچھا خدا نہ کردہ جو زخمی ہوئے امام
ماں ہو کے میں کہوں تمہیں کیونکر نہ دھیان ہو
یہ کہہ کے منھ کو ڈھانپ کے روئی وہ نوحہ گر
کہنے لگیں یہ حضرتِ زینبؑ جھکا کے سر
گھر لٹ رہا ہے کشتۂ اندوہ و یاس ہوں

چھوڑ آئے کس کو تیغوں میں سبطِ نبی گھرے ہیں
کیا کہتے ہونگے دل میں شہنشاہِ حق شناس
سچ ہے مصیبتوں میں کسی کا کوئی نہیں
بیٹا جوان باپ کو آفت میں چھوڑ آئے
سیّد تری مدد کو یہ لونڈی کسے بلائے
کاٹے مرا گلا کوئی بدلے حسینؑ کے
بھائی سے دور تو نہیں عباسِ نامور؟
زینبؑ کے دونوں چاند ہیں پہلو میں جلوہ گر؟
تنہا تو نورِ چشمِ رسولِ خدا نہیں
بھولو پھوپھی کو دل سے اُٹھا دو ہمارا پیار
یہ موت زندگی ہے عبادت ہے کارزار
اچھا پدر کو کھو کے جیے گر تو کیا جیے
میں منھ نہ دیکھتی کبھی ہوتا جو کوئی اور
مضطر نہ ہو ہزار ستم ہوں ہزار جور
گھر میں بھی مرد آتے ہیں میداں کو چھوڑ کے
نیزوں میں باپ گھر میں جگر بندِ تشنہ کام
پھر آبرو رہے گی مری اور تمہارا نام؟
جاؤ سدھارو نامِ خدا اب جوان ہو
اکبر نے کی پھوپھی کی طرف یاس سے نظر
حق ہے یہ سب جو کہتی ہیں بانوئے نامور
واری مجھے تو ہوش نہیں بے حواس ہوں

بن آئے تم سے جو وہ کرو ای پھوپھی کی جان
حافظ علیؑ خدا و پیمبرؐ نگاہبان

آنسو بہا کے آنکھوں سے بولا وہ نوجوان
میرا ہی سب قصور ہے والدہ کو دھیان

جو خود لہو گرائے تو سینے پہ باپ کے
وہ تیر لگتے دیکھے کا سینے پہ باپ کے؟

عمو سے پہلے تھی نہ مجھے مرنے کی آرزو
چارہ ہی کیا رضا جو نہ دیں شاہ نیک خو

سو سو طرح سے کی دُرِ مطلب کی جستجو
کھوتا ہے کوئی دیدہ و دانستہ آبرو

میں اور سر نہ شہ کے قدم پر فدا کروں
لکھی ہے بخت میں جو ندامت تو کیا کروں

جب میں گرا قدم پہ کہا ماں سے اذن لاؤ
جوڑے جو ہاتھ بولے کہ زینب سے پوچھ آؤ

رن کی طرف بڑھا تو یہ فرمایا گھر میں جاؤ
مالک ہیں اور لوگ ابھی برچھیاں نہ کھاؤ

میں کس طرح کہوں کہ سدھارو سوار ہو
دونوں خوشی سے دیں جو رضا تب نثار ہو

اب کی خدا کے فضل سے قسمت نے یاوری
دیکھیں حضور گود کے پالے کی صفدری

رگ رگ میں ہے لہو کے عوض نورِ حیدری
ہمسا بھی دوسرا کوئی دنیا میں ہے جری

اُس کو ہراس کیا ہے جو شیروں کا شیر ہو
بخشیں نہ آپ دودھ تو مرنے میں دیر ہو

تسلیم کو جھکا جو یہ کہکر وہ سیمبر
بنتِ علی زمیں پہ گری تھام کر جگر

ماں کو یقیں ہوا کہ چلا اب جواں پسر
پھیلا کے دونوں ہاتھ پکاری وہ نوحہ گر

اتنا تو منھ سے کہدو کہ رن سے کب آؤ گے
واری مرے گلے سے نہ کیا مل کے جاؤ گے

قدموں پہ ماں کے جھک گیا بڑھکر وہ نونہال
رخ کی بلائیں لیکے یہ بولی وہ خوش خصال

کیا کچھ خفا ہو تم مری باتوں سے میرے لال
اکبر یہ ہاتھ جوڑ کے بولے کہ کیا مجال؟

صدقہ یہ آپ کا ہے کہ عالی مقام ہوں
خادم ہوں جاں نثار ہوں ادنیٰ غلام ہوں

یوں ہی پسر کے واسطے ماں باپ کا عتاب
جیسے ثمر پہ تابِ جہاں تابِ آفتاب

احساں کیا غلام پہ ای آسماں جناب
کیجے دعا کہ اب ہوں شہادت سے کامیاب

ہیں آپ صابرہ غم و اندوہ و یاس میں
اب دودھ بخشیے کہ افاقہ ہو یاس میں

ہاتھوں سے دل کو تھام کے بولی وہ سوگوار
میں صدقے تم پہ اور مرے ماں باپ بھی نثار
کیا دودھ ایسی چیز ہی بخشا ہزار بار
ماں کو دعائیں دے کے یہ بولا وہ ذی وقار
اب دل سے دور رنج و غم و درد ہو گیا
تر ہو گئی زبان جگر سرد ہو گیا

باندھے کمر جو خیمہ سے نکلا وہ گُل بدن
دیکھا کہ قبلہ رو ہیں شہنشاہِ بے وطن
عمامہ دستِ پاک پہ ہی لب پہ یہ سخن
اکبر کو بہرہ یاب کر اے ربِّ ذو المنن
بیٹے کے ساتھ نکلے نہ ماں اضطراب میں
یارب خلل نہ ہو کہیں کارِ ثواب میں

اٹھارہ سال کی یہ ریاضت ہی گلعذار
پالا جو ہی دکھوں سے پھوپھی اس پہ ہی نثار
ماں آنما کی آنچ سے ہووے گی بے قرار
تو صبر کر عطا انھیں اے میرے کردگار
فرقت ہی اس کی تلخ جو فرزند اہل ہو
ہاں تو مدد کرے تو یہ مشکل بھی سہل ہو

سب مشکلوں میں تو نے سدا کی مری مدد
آساں اس امرِ صعب کو بھی کر دے یا احد
اکثر جہان میں ترے بندے ہیں لاولد
مجھ پہ تو وہ کرم ہی کہ جس کی نہیں ہی حد
نانا نبیؐ ہی باپ علیؑ ماں بتولؑ ہی
بیٹا بھی وہ دیا جو شبیہ رسولؐ ہی

ہو جائے بہرِ شکر جو ہر موئے تن زباں
شمہ نہ ہو سکے ترے اوصاف کا بیاں
اے خالقِ زمین و زماں ربِّ انس و جاں
لاتا ہی نذر بندۂ مسکین و ناتواں
دیتا ہوں واسطہ میں جنابِ امیر کا
مقبولِ بارگاہ ہو ہدیہ فقیر کا

بعد اس دعا کے چپ ہوئے شاہِ نامدار
حضرت کے پاس جا کے یہ بولا وہ گلعذار
لایا غلام رخصتِ میدانِ کارزار
فرمایا صاف ہوتا ہی چہرے سے آشکار
مشکل ہی سہل جس کو بھروسا خدا کا ہی
اے مہ لقا اثر یہ ہماری دعا کا ہی

طے ہو گیا وہ امر کہ جس کا یقیں نہ تھا
مجمل تو کچھ کہو تمہیں کیونکر ملی رضا
کی عرض سُن کے بیکسیِ شاہِ کربلا
اماں نے اور پھوپھی نے تڑپ کر یہی کہا
سب چلتے ہیں تیر قبلۂ عالم پناہ پر
دوڑو سپر ہو فاطمہ زہرا کے ماہ پر

بنتِ علی یہ کہتی تھیں مجھ سے بصد قلق
کام آؤ شہ کے ہے میرے پالنے کا حق
تھا فرطِ غم سے والدہ صباح کا رنگ فق
ایسا گلہ کیا کہ ہوا میں عرق عرق
سنے خود وہ تھیں غمِ شہِ عالی جناب میں
خود مجھ کو دودھ بخش دیا اضطراب میں

آنسو بہا کے کہنے لگے شاہِ نیک ذات
حقا کہ ہیں وہ بی بیاں ایسی ہی خوش صفات
دنیا میں یوں لٹائے کوئی ایسی کائنات
ان کی محبتیں میں نہ بھولوں گا تا حیات
کیونکر نہ ہو کہ دونوں ہیں خو ہی بتولؓ کی
بیٹی ہے ایک ایک بہو ہے بتولؓ کی

یہ کہہ کے دونوں ہاتھ بڑھائے سوئے پسر
اکبر نے جھک کے رکھ دیا شہ کے قدم پہ سر
بانہ پکڑ کے کہنے لگے شاہِ بحر و بر
بیٹا ملو گلے سے کہ بیتاب ہے جگر
اے نورِ عین ہجر ترا مجھ پہ شاق ہے
تیرا سفر رسولِ خدا کا فراق ہے

لپٹا پدر سے اُٹھ کے وہ آغوش کا پلا
بیٹے کو پیار کرنے لگے شاہ کربلا
سوکھے لبوں پہ رکھ دیے لب منہ پہ منہ ملا
چوما کبھی دہن کبھی ماتھا کبھی گلا
نکہت جو سر بسر تھی رسولؐ کریم کی
بو سونگھتے تھے گیسوئے عنبر شمیم کی

فرماتے تھے فدا ترے اے گلبدن جواں
میرے حسیں جواں مرے گل پیرہن جواں
صفدر جواں شکیل جواں تیغ زن جواں
پیارے مرے جواں مرے شیریں سخن جواں
عالم میں اس طرح کے بھی خوش رو نہیں ہوئے
فاقوں کی تلخیوں میں تُرش رو نہیں ہوئے

اے ثانیِ رسولؐ فلک جاہ الفراق
اے شیرِ بیشۂ اسد اللہ الفراق
اے شہ سوارِ عرصۂ جنگاہ الفراق
درپیش ہے ہمیں بھی یہی راہ الفراق
سیرِ بہشت و خلد مبارک ہو آپ کو
کوثر پہ یاد کیجیو مظلوم باپ کو

گھوڑے پہ جلوہ گر ہوا شہزادۂ زماں
آنکھوں میں پھر گیا شبِ معراج کا سماں
قبضے میں تیغ بر میں زرہ دوش پر کماں
اللہ رے رعبِ حق کہ اُٹھا شورِ الاماں
بڑھتے ہی راہ گلشنِ فردوس مل گئی
رن کی زمیں سمند کی ٹاپوں سے ہل گئی

وہ شان وہ شکوہ وہ اقبال وہ جمال
گویا پئے جہاد چلے شیر ذوالجلال

گرمی سے تھا جو چاند سے چہرے کا رنگ لال
خورشید کو نہ آنکھ ملانے کی تھی مجال

غصے کی وہ نظر کہ خدا کا عتاب تھا
انساں تو کیا ہزبر کا زہرہ بھی آب تھا

قامت کے آگے پست ہی سروِ روانِ باغ
رخسار ہیں شگفتہ گلِ ارغوانِ باغ

خوشبو سے بس گیا تھا بیابان بسانِ باغ
سبزہ میں پھول ہوتے ہیں اکثر میانِ باغ

کیا خوشنما ہی خط رخِ جانِ بتول پر
دیکھو نئی بہار کہ سبزہ ہی پھول پر

غنچے ہزار ہوں تو نثارِ دہانِ تنگ
نازک لبوں میں سب ہی لبِ مصطفٰے کا ڈھنگ

یاقوت کیا ہی سامنے ان کے ہے وہ بھی دنگ
دل خوں ہوا مگر نہ ملا لعل کو یہ رنگ

وہ کونسا نگیں ہی جو شیریں مقال ہو
ہاں اس کا جوہری ہو تو زہرا کا لال ہو

دشمن ہوئی جو امت نااہل و بے وفا
زخمی ہوئے وہ لب تو جفا پر ہوئی جفا

دندانِ صاف گوہرِ دندانِ مصطفٰے
نے برق میں یہ شرق نہ موتی میں یہ صفا

گیسو ملے ہوا سے تو جنگل مہک گئے
جب ہنس کے بات کی تو ستارے چمک گئے

وہ شہسوار اور وہ سمندِ فلک نورد
پائی کبھی صبا نے نہ جس کے قدم کی گرد

بازارِ برق گرم روانی سے اس کی سرد
یوں چال میں پری تو چھلاوا دمِ نبرد

اس کی سبک روی سے خجالت سحاب کو
دریا پہ جائے اور نہ خبر ہو حباب کو

نیزے کو گاڑ کر جو رجز خواں ہوئے جناب
یاد آگئی ہر اک کو صدائے ابوتراب

فق تھا کسی کا رنگ تو زہرہ کسی کا آب
ہٹنے لگیں صفیں یہ ہوا دل کو اضطراب

گھبرا کے دور فوج کے نامی جواں گئے
جو مورچے یہاں تھے سرک کر وہاں گئے

تنہا پہ دو طرف سے چلے تیر ایک بار
لی میان سے دلیر نے شمشیرِ آبدار

چمکی وہ تیغ کیا کہ ہوئی آسماں کے پار
اترا گئی صفوں کے ادھر اڑ کے راہوار

پہونچے تھے سم ابھی نہ برابر زمین پر
گھوڑوں پہ تن سواروں کے تھے سر زمیں پر

پھر تو جمی صفوں کی صفائی تھی ہر طرف
وہ شیر ہر جگہ تھا لڑائی تھی ہر طرف
تلوار سے سروں کی جدائی تھی ہر طرف
مثل صبا فرس کی رسائی تھی ہر طرف
سر کس جگہ نہ گرتے تھے کاوا کہاں نہ تھا
بجلی کہاں نہ تھی وہ چھلاوا کہاں نہ تھا

موت آئی اس پہ جھک کے جہاں ناگہاں گئی
زخمی کیا فنا کیا مارا جہاں گئی
ٹوٹا پرا جو مورچہ صف الٹی وہاں گئی
حیرت تھی فوج کو کدھر آئی کہاں گئی
رکیب آئی نکل سامنے لی راہوار کی
غل تھا یہ ران باگ ہے دلدل سوار کی

اللہ رے ضرب تیغ صفاہانی جری
سر اڑ گئے تنوں سے چلی جب وہ سرسری
خالی کیے پرے پہ نہ خوں میں کبھی بھری
دعویٰ یہ تھا کہ ہم سے ہے حصے میں صفدری
گو خوں سے لالہ رنگ ہے دشت مصاف ہے
جو چاہے دیکھ لے مرا منہ پاک صاف ہے

فوجوں کو دے جواب وہ تیزی زبان میں
ترکش میں چھوڑے تیر نہ چلّے کمان میں
پانی وہ تھا کہ آگ لگا دی جہان میں
نازل ہوا تھا آیۂ برق اس کی شان میں
نے فتح پھیرتی تھی نہ منہ کارزار سے
دعوائے ہمدمی تھا اسے ذوالفقار سے

جوہر وہی برش کا وہی طور خم وہی
تیزی وہی غضب کی وہی گھاٹ دم وہی
چلنا اسی طرح کا چمک دم بدم وہی
رنگت زمردی وہی پانی میں سم وہی
نے مثل آبرو میں اصالت میں نیک تھی
مل جائیں دو زبانیں بھی اس کو تو ایک تھی

پڑتا تھا پیلہ جو چمک کر ادھر ادھر
چل جاتے تھے کلیجوں پہ خنجر ادھر ادھر
کٹ کر تنوں سے گرتے تھے سر ادھر ادھر
زخمی تڑپ رہے تھے برابر ادھر ادھر
رکتا نہ تھا سمند کہیں اونچ نیچ میں
ندی لہو کی بہتی تھی لشکر کے بیچ میں

آفت کا معرکہ تھا قیامت کی جنگ تھی
کوسوں لہو سے رن کی زمیں لالہ رنگ تھی
اللہ ری برق وشرق کہ بجلی بھی دنگ تھی
چمکی کسی سوار پہ جب زیر تنگ تھی
جو کھینچتے ہیں سر وہی پامال رہتے ہیں
نام آوروں کی تیغوں کے منہ لال رہتے ہیں

کاسے سروں کے ٹھوکریں کھاتے تھے جا بجا
گوشوں میں گورخوں کو چھپاتے تھے جا بجا
بھاگیں نہ کس طرح قدر انداز سہم کے
نے رُخ کمانیں تیروں سے چلّے کماں سے دور
برچھی سے پھل گرے ہوئے نیزے سناں سے دور
رایت جھکے ہوئے تھے صفیں پائمال تھیں
بھاگے تھے خود اپنی بلا سر پہ ٹال کے
تلواریں منہ چھپاتی تھیں دامن میں ڈھال کے
چار آئنے پڑے تھے زمیں پر کٹے ہوئے
کس کے لیے وغا میں وہ تلوار سم نہ تھی
کس کی سپر بہیئت کلائی قلم نہ تھی
فوجوں کا جائزہ تھا کہ دشتِ مصاف تھا
جس صف پہ آئی کاٹ گئی خود سروں کے ہاتھ
فرماتے تھے اُڑا کے برابر پروں کے ہاتھ
پیراک مانتے نہیں دریا کے شور کو
میں جاں بلب وہی ہوں جو مرتا تھا پیاس سے
کیوں دور بھاگے جاتے ہو شیروں کے پاس سے
کیوں ہونٹھ خشک ہو گئے کیا تشنہ کام ہو
بر میں اسد ہوں بحرِ وغا میں نہنگ ہوں
مشتاقِ زخمِ نیزہ و تیغ و خدنگ ہوں
میں دق ہوں اور تمہیں نہ ہزیمت بری لگے

تودے کمانوں کے نظر آتے تھے جا بجا
لیکن سروں پہ تیغ کو پاتے تھے جا بجا
واں تیر کیا کہ جلتے تھے پرِ مرغِ وہم کے
مرغانِ تیر سہمے ہوئے آشیاں سے دور
پیروں سے عقل دور تہور جواں سے دور
کاندھوں پہ روسیاہوں کے ڈھالیں نڈھال تھیں
بھالے چھپے تھے امن کی جا دیکھ بھال کے
زرہیں تھیں یا کھلے ہوئے حلقے تھے جال کے
لٹکے تھے جوشنوں کے گریباں پھٹے ہوئے
آتے ہی کاٹ جانے میں افعی سے کم نہ تھی
منہ پر کسی جواں کے سلامت جھلم نہ تھی
چہروں کے کاٹ دینے میں کیا ہاتھ صاف تھا
تھرا رہے تھے خوف سے نام آوروں کے ہاتھ
چلتے ہیں کارزار میں یوں صفدروں کے ہاتھ
دیکھا مرے تھکے ہوئے ہاتھوں کے زور کو
دیکھو لڑا ہوں لاکھوں میں کس کس جواں سے
ماروں کسے کہ مرتے ہو تم خود ہراس سے
تلوار سے مرو کہ جوانوں میں نام ہو
حیدر سے تھے شیرِ حق تو میں ضرغامِ جنگ ہوں
بھاگے ہو چار آئنہ باندھے میں ننگ ہوں
دل کھول کر لڑو کہ لڑائی میں جی لگے

کچھ تیغ سے بھی تیز تھے سیفِ زباں کے وار
کٹ کٹ کے سر جھکاتے تھے لشکر کے نامدار
گھوڑے بڑھا بڑھا کے ہٹاتے تھے بار بار
کیا تاب تھی کرے جو کوئی مر کے آنکھ چار
زہرے تھے آب غیظ جو تھا اس جناب کو
گھورا ہے شپرک نے کبھی آفتاب کو

دق تھے مبارزانِ عرب و روم و مصر و شام
غل تھا کہ آج مٹ گئے نام آوروں کے نام
بجلی سی کوندتی تھی اِدھر اور اُدھر حسام
یہ گر کے مر گیا تو وہ پس کر ہوا تمام
وہ بھی قریبِ مرگ تھے جو دور دور تھے
کاسے سروں کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے چور تھے

جب صف پہ نیزہ بازوں کی اُڑ کر گیا سمند
جی سن سے ہو گیا کہ یہ گھوڑا ہے یا پرند
سر یوں اُڑے کہ ہو گئے رستے اُدھر کے بند
ہر دم تھی تیغ عقدہ کشا کی برش دو چند
نیزے سمند کے چار طرف تل کے رہ گئے
باندھے تھے جتنے بند وہ سب کھل کے رہ گئے

ٹکڑے تھیں بیرقیں تو نشاں سب تھے سرنگوں
ثابت الف تیروں کے تھے نہ کمانوں کے نوں
بہتا لہو کی آئی یہ برسا زمیں پہ خوں
چلاتے تھے زمیں پہ تڑپ کر سیہ دروں
تھراتے ہیں پیادوں کے دِل اُس کے کاٹ سے
ندی چڑھی ہوئی ہے سرِ کب جا و گھاٹ سے

خالی کیے دلیر نے جنگل بھرے ہوئے
لہرا رہے تھے خون سے جل تھل بھرے ہوئے
سر یوں گرے اُدھر تھے جدھر دل بھرے ہوئے
جیسے کبھی برستے ہیں بادل بھرے ہوئے
اِس زور شور سے کوئی لڑتا نہیں کبھی
یوں دونگڑا اساڑھ میں پڑتا نہیں کبھی

چھائی ہوئی تھی ڈھالوں کی ہر سو گھٹا سیاہ
بجلی چمک رہی تھی کہ اللہ کی پناہ
چھپنے کی نے جگہ نہ کہیں بھاگنے کی راہ
ندی چڑھی تھی فوج کا بیڑا تھا سب تباہ
جو گھاٹ پر تھا خون میں وہ شور بور تھا
سارا یہ تیغ تیز کے پانی کا شور تھا

چلا رہا تھا یوں پسرِ سعد کینہ جو
کس سے کہوں بہائے جو اس شیر کا لہو
جاتا ہے تین روز کا پیاسا کنارِ جو
جانوں کے ساتھ آج گئی سب کی آبرو
گھیرو کرن میں نیزوں کی اس آفتاب کو
کیوں خاک میں ملاتے ہو موتی کی آب کو

نام آوروں کو چاہیے عزت کا اب خیال
حاضر ہیں خلعت و زر و جاگیر و اسپ و مال
باقی مجاہدوں میں یہی نورِ عین ہے

نکلا یہ سن کے غیظ میں اک پہلوانِ روم
سرہنگ و پر غرور سیہ قلب و نحس و شوم
مرحب تھا کفر و شرک میں طاقت میں گیو تھا

چہرہ مہیب غیظ سے آنکھیں لہو کے جام
موذی سیاہ بخت سیاہ دل سیاہ فام
کندہ سقر کے قعر کا مبتلا گناہ کا

کیا ذکر خود کا سر و گردن کا کیا حساب
سینے کے تھے کواڑ کہ خیبر کا بند باب
راتب شقی کا رزقِ سپاہِ یزید تھا

ٹکڑے کرے پہاڑ کو وہ گرزِ گاؤ سر
زنجیرِ آہنی سے کسے جنگ پر کمر
دستانے دونوں دستِ تعدی پسند پر

اکبر بھی مسکرائے ستم گر کو دیکھ کر
ہمت پکاری ای اسدِ حق کے شیر نر
جوشن سمیت کھینچیے دو ایک حسام میں

پڑھتا ہوا رجز جو بڑھا وہ ستم شعار
بولا کلام زور تعلی وہ نابکار
گویا ہوں یہ تو کس کو مجال سخن ملے

کردو ریاضِ فاطمہ زہرا کو پائمال
خوں اس کا جو بہائے وہ بھر لے کٹلاسے ڈھال
خنجر ہی پھر تو اور گلوئے حسین ہے

گیتی کے چار دانگ میں تھی جس شقی کی دھوم
لنگر سے جس کے ہل گئی مقتل کے مرز و بوم
گھوڑے پہ تھا شقی کہ پہاڑی پہ دیو تھا

تھرائے سام خوف سے کاندھے پہ وہ حسام
کھاتا تھا لاکھ بل جو کوئی لے علی کا نام
دشمن تھا خاندانِ رسالت پناہ کا

گویا تھا اک قرابہ معکوس پر شراب
تنّور گرم تھا شکمِ خانماں خراب
تھا بار بار نعرۂ ہل من مزید تھا

پہنے ہوئے زرہ پہ زرہ بر میں بدگہر
منہ پھیرے جس سے تیغ وہ فولاد کی سپر
پاکھر بھی آہنی تھی شقی کے سمند پر

فرمایا آدمی ہے کہ صحرا کا جانور
یہ نابکار آئے تو جاتا ہے اب کدھر
لائی ہے موت دیو کو لوہے کے دام میں

چلنے لگے ادھر سے بھی تیغِ زباں کے وار
لب کیا ہلے کہ چل گئی حیدر کی ذوالفقار
منہ پھر گیا جواب وہ دنداں شکن ملے

فرمایا ہم سے مکر کی باتیں خدا کی شان
نیزے سے چھید لیتے ہیں کذاب کی زباں
روباہ اور شیر کے بچوں کا امتحان
کیا تاب کیا مجال ہے اور کیا کسی کی جان
لے تیغ اگر بڑھوں تو ابھی تو ہلاک ہو
ٹکڑوں کمر پکڑ کے تو پیوند خاک ہو

ہم سے ہیں سب جہاں کے زبردست زیر دست
جو سر بلند تھے انھیں ہم نے کیا ہے پست
عمرو ابن عبدود سے دلاور کو دی شکست
ہے دیکھنے کا یہ تن و توش او شکم پرست
بالا کو پست پست کو بالا نہ جانیو
تلواریں کھانا منہ کا نوالا نہ جانیو

لادا ہے تو نے جسم پہ کیوں بوجھ اس قدر
آہن ہے اپنی تیغ کے آگے خیار تر
ظالم تجھے خرابیِ خیبر کی ہے خبر
مرحب کو کس نے بھیج دیا جانب سفر
کیا جانے جس کو شیروں سے پالا پڑا نہ ہو
لوہا ہے نرم موم سے جب دل کڑا نہ ہو

ان جودتوں سے ہو گیا ظالم کا ذہن کند
بھاری سبق تھا بھول گیا سب نوشت و خواند
بڑھ کر جو دل بڑھانے لگے افسرانِ جُند
آیا اُڑا کے رخش کو وہ مثل بادِ تند
برچھا ادھر شقی نے لیا دیکھ بھال کے
اکبر ادھر سنبھل گئے بھالا سنبھال کے

نیزے ہلے وہ چل گئیں چوٹیں کہ الاماں
ہر طعن قہر کی تھی قیامت کی ہر کاں
چنگاریاں اُڑیں جو سناں سے لڑی سناں
دو اژدہے گتھے تھے نکالے ہوئے زباں
پھیلے شرر پرندوں کی جانیں ہوا ہوئیں
شمعوں کی تھیں لویں کہ ملیں اور جدا ہوئیں

ان کی طرف خدا تھا اُدھر لشکرِ غنیم
سردارِ شام سب تھے میانِ امید و بیم
وہ کفر میں قوی یہ رہِ حق میں مستقیم
دونوں طرف سے تھی کشش و کوششِ عظیم
ہالے تھے دو ملے ہوئے گھوڑوں کی گشت سے
خاک آسماں پہ جاتی تھی اُڑ اُڑ کے دشت سے

گھوڑا تھا یا چمکتی تھی بجلی اِدھر اُدھر
گہ منہ کفل پہ تھا کبھی پٹھے قریب سر
غل تھا شکار بند ہے یا ہما کے پر
نے استخواں ہے اسپ جہاں سیر کی کمر
سب اُن سے زیر دست ہیں عوفی کمال ہیں
یہ شہسوار دوشِ محمد کے لال ہیں

اُن کا نہ ایک وار نہ اُس کے ہزار بند — بڑھ بڑھ کے کھول دیتا تھا یہ شہسوار بند
کیّا دنیزہ بازی میں تھا بار بار بند — چوٹوں سے نیلگوں تھے جفا جو کے چار بند
خالی گئی نہ فرق کی نے دست و پا کی چوٹ — کھلتی بھی ہے بندھی ہوئی مشکل کشا کی چوٹ

ڈوبی گرہ میں نیزۂ ظالم کی جب سناں — گھوڑا اڑا کے ہاتھ کو اکبر نے دی تکاں
اللہ رے زور اُٹھ گیا گھوڑے سے پہلواں — دست شقی سے چھوٹ گئی ڈانڈ ناگہاں
نیزے کے ساتھ شور اُٹھا اُس گروہ سے — لو اژدہے کو لے گیا سیمرغ کوہ سے

نیزہ اُڑا اچکا تو پکارا وہ شہسوار — دیکھا ہماری ضرب کو کیوں او ستم شعار
حربوں سے دور کے ہی دلیروں کو ننگ و عار — جوہر کھلیں جو تیغ سے دم بھر ہو کارزار
کمزور کو خدا نے زبردست کر دیا — یہ تیری سرکشی نے تجھے پست کر دیا

ظالم نے ڈھال دوش سے لی اور کمر سے تیغ — بدلا تھا اس نے ٹھاٹھ کہ چمکی اِدھر سے تیغ
ڈوچار بار ڈوب کے نکلی سپر سے تیغ — چلنے میں گھٹتی بڑھتی تھی کس کس ہنر سے تیغ
مضطر تھا اپنی زیست سے دشمن کو یاس تھی — جب ہاتھ اُٹھ گیا یہ کلائی کے پاس تھی

چمکی سپر کے پاس کبھی برق کی مثال — ثانے پہ آئی سینے پہ لی جب شقی نے ڈھال
سر کو بچا کے کاٹ گئی وہ زرہ کے جال — چوٹیں کڑی پڑی تھیں کہ مضطر تھا بد خصال
روکے کسے جواب دے کدھر پھرے — بجلی کے ساتھ ساتھ کہاں تک سپر پھرے

شمشیر تیز سن سے جو آئی جھجک گیا — ضربت بھی کی تو ہاتھ شقی کا بہک گیا
جل کر کبھی بڑھا کبھی پیچھے سرک گیا — شعلہ تھا آگ کا کہ بجھا اور بھڑک گیا
ناری ہے نور حق سے کہاں بچ کے جائے گا — اک دم میں تیغ تیز کا پانی بجھائے گا

دونوں طرف وغا میں بڑی جد و کد ہوئی — پر ڈھال بہر تیغ سکندر کی سد ہوئی
تائید کی خدا نے علی کی مدد ہوئی — جو اُس نے ضرب کی وہ بسر دست رد ہوئی
گرمی میں ابر بن گئے تھے وہ جو برق تھے — اسوار بھی فرس بھی پسینے میں غرق تھے

کرتا تھا ہاتھ اپنی صفائی کو آشکار
جنگ آزمودہ آتش سوزندہ آبدار
جس دن سے اتری سان سے رن چڑھی رہی

آخر دکھا چکا وہ شقی اپنا سب کمال
تلوار کو اٹھا کے پکارا علی کا لال
پسپا نہ ہو لعیں یہی وقتِ نبرد ہے

چمکی جو تیغ ڈھال وہ لایا قریب سر
مغفر سے سر میں تھی سر و گردن سے صدر پر
سب نشۂ غرورِ جوانی اتر گیا

قربانِ تیغ لختِ دلِ بادشاہِ دیں
پاکھر درست تھی نہ سلامت تھا صدرِ زیں
کانپا سمند پاؤں کو ریتی میں گاڑ کے

تکبیر کی صدا سے ہلے دشت و کوہسار
چلائے شاہِ دیں کہ میں اس ضرب کے نثار
بجلی گری ہے تیغِ شقی پر چلی نہیں

تسلیم کر کے شہ کو پکارا وہ نوجواں
تالو ہے خشک اینٹھ گئی ہے مری زباں
دریا پہ قتل ہوتا ہوں میں قحطِ آب سے

ٹھنڈی ہوا کو جان ترستی ہے ہائے ہائے
کیجے دعا کہ جلد شہادت غلام پائے
گرمی سے ہو فراغ عطش سے نجات ہو

تیغ اپنے جوہروں کو دکھاتی تھی بار بار
آفت کا منہ غضب کی روانی ستم کی دھار
اکبر سے بھی وغا میں کچھ آگے بڑھی رہی

پر شہ کے زلفوں والے کا بیکا ہوا نہ بال
ہاں اب ہماری ضرب کو دیکھ او زبوں خصال
روکو ہمارا وار تو جانیں کہ مرد ہے

اک برق سی گری کہ دو پارہ ہوئی سپر
سینے سے جب بڑھی تو ہوا تب وہ باخبر
تلوار تھی کہ حلق سے پانی اتر گیا

گذری کمر سے کاٹ کے زنجیر آہنیں
دو ایک ضرب میں تھا مع اسلحہ لعیں
پھٹ کر گرے زمیں پہ ٹکڑے پہاڑ کے

یاد آیا جبرئیل کو دستِ خدا کا وار
فاقے میں تین دن کے یہ حملے یہ کارزار
افسوس ہے کہ آج جہاں میں علی نہیں

اب پیاس مارے ڈالتی ہے یا شہِ زماں
جلتا ہے دل کلیجے سے اٹھتا ہے جب دھواں
ہتھیار گرم ہیں تپش آفتاب سے

پانی زرہ پہ کوئی چھڑک دے تو جان آئے
اکبر بہ آبرو سوئے کوثر جہاں سے جائے
اب موت لے خبر تو ہماری حیات ہو

یہ کہ کے ابرِ شام میں ڈوبا وہ رشکِ ماہ
یوں چمکی پھر وہ تیغ کہ اللہ کی پناہ
پایا جو بیچ میں تو سمٹ آئی سپاہ
حربوں سے بند ہو گئی چاروں طرف کی راہ
پر کیا وہ ران باگ تھی کیا شہسوار تھا
دابا جہاں سمند کو فوجوں کے پار تھا

ثمر اس طرف کو تھا عمرِ کینہ جو اودھر
بڑھتا کبھی ادھر کبھی وہ ماہرو اودھر
چل کر ادھر سے جب گئے وہ تند خو ادھر
اولے ادھر گرائے تو برسا لہو اُدھر
سبزے کو اس روش سے ہوا روندتی نہیں
بجلی سیاہ ابر میں یوں کوندتی نہیں

چھائی تھی ابرِ شام میں گھنگھور اُدھر گھٹا
یہ شیر جب ادھر سے بڑھا زور اُدھر گھٹا
دریا کے اس طرف سے اٹھا شور اُدھر گھٹا
ڈھالوں کی تھی لہو میں شرابور اُدھر گھٹا
جانیں تھیں اس کے قبضے میں سر تھا تو نذر تھا
یہ آب شور تیغ کا مد تھا وہ جزر تھا

لڑتے تھے پر نہ ہوتا تھا انبوہِ فوج کم
نیزوں کی صف ادھر تو اُدھر برچھیاں بہم
بہرِ وغا کمیں میں گئے بانیِ ستم
جنگل تھا فوج کا کمک آتی تھی دم بدم
مارا جو پیدلوں کو سوار آ کے جم گئے
سو قتل ہو گئے تو ہزار آ کے جم گئے

مانندِ شیر جنگ میں تھی چار سو نگاہ
چھپ چھپ کے بدلیوں سے نکلتے تھے مثلِ ماہ
لیکن اجل سے بس نہیں چلتا کسی کا آہ
دیکھا جو پھر کے یوں نظر آئی عدم کی راہ
چھاتی پہ لگ کے پشت سے نیزہ گزر گیا
اُبلا لہو کہ عمر کا پیمانہ بھر گیا

نیزہ لگا کے زور سے کھینچا لعیں نے جب
ٹکڑے کئی کبد کے نکل آئے ہے غضب
ہرنے پہ سر جھکا کے جو سنبھلا وہ تشنہ لب
تر ہو گئی لہو سے قبائے مصطفیٰ کی سب
غش آیا نبضیں چھٹ گئیں تیور بدل گئے
حلقے رکاب کے بھی قدم سے نکل گئے

فریاد ہے کہ ٹوٹ پڑا لشکرِ گراں
حرنے تمام فوج کے اور ایک نوجواں
گرتے ہوئے فرس سے پکارا وہ نیم جاں
لیجے خبر غلام کی اے قبلۂ زماں
جلدی اٹھائیے مجھے دشتِ نبرد سے
اب جان نکلی جاتی ہے سینے کے درد سے

سُنا تھا یہ کہ شہ پہ گرا آسمانِ غم — اتنا کہا کہ آہ ہوئے اب تمام ہم
دوڑے گرے اُٹھے کئی جا قبلۂ امم — رکھا کسی جگہ تو کہیں جا پڑا قدم
خالق پسر کا داغ دکھائے نہ باپ کو — آنکھوں سے کچھ دکھائی نہ دیتا تھا آپ کو

چلاتے تھے کدھر کو ہو تو ای جواں پسر — عاشق پسر شفیق پسر مہرباں پسر
مہر سے سعید لال مرے قدرداں پسر — ہونٹوں پہ دم ہے باپ کا ای نیم جاں پسر
بیٹا نباہ باپ کا اب تیرے ہاتھ ہے — جلدی نہ کیجیو کہ یہ بیکس بھی ساتھ ہے

کس جا ستم کی سینے پہ کھا کر سناں گرے — آواز پھر دو ای علی اکبرؑ کہاں گرے
کس طرح لڑکھڑا کے نہ یہ ناتواں گرے — پیری میں جس پہ کوہِ غمِ نوجواں گرے
اعدا سے اس ستم کا خدا انتقام لے — اتنا نہیں کوئی کہ مرا ہاتھ تھام لے

جنگل میں پہنچے لاش پہ اُس وقت شاہِ دیں — جب ایڑیاں رگڑ رہے تھے اکبرِ حسیں
چلائے پاس گر کے شہِ بیکس و حزیں — حاضر ہے باپ ای مرے فرزندِ مہ جبیں
بابا کو مطمئن تو کرو منھ سے بول کے — باہیں گلے میں ڈال دو آنکھوں کو کھول کے

تم نے بھی منھ کو باپ سے موڑا ہزار حیف — بیکس کو اس ضعیفی میں چھوڑا ہزار حیف
پہنا نہ بر میں بیاہ کا جوڑا ہزار حیف — قسمت نے تازہ پھول کو توڑا ہزار حیف
بھیگی ہوئی مسوں پہ عجب آب و تاب تھی — ہے ہے ابھی تو آمدِ فصلِ شباب تھی

کیوں تھرتھرا کے کروٹیں لیتے ہو بار بار — کیا ہے کہ خاک پر کسی پہلو نہیں قرار
حضرت سے دم نکلنے میں بولا وہ گلعذار — برچھی کا زخم ہے مری چھاتی کے وارپار
کیا حالِ دل کہوں نہیں طاقت بیان کی — لو الوداع جسم سے رخصت ہے جان کی

ناگاہ رنگ زرد ہوا ہاتھ تھرتھرائے — کروٹ کبھی کراہ کے لی گاہ مسکرائے
اٹھا جو دم سوال میں پانی کے لب ہلائے — ہنستے ہوئے گزر گئے دنیا سے ہائے ہائے
پھیلا کے ہاتھ پاؤں وہ مقتول رہ گیا — خوشبو سوئے بہشت گئی پھول رہ گیا

اللہ باپ کو نہ دکھائے غمِ پسر — صدمہ ہوا کہ غش ہوئے سلطانِ بحر و بر
اکبر کے انتقال کی نوبت بجی ادھر — نکلی ادھر سے دخترِ زہرا برہنہ سر
تھرائی تھی زمیں کوئی دل تھا نہ چین سے — سب وحش و طیر روتے تھے زینب کے بین سے

زخمی تھا سر پٹکنے سے ماتھا کھلے تھے بال — مخدومۂ جہاں سے مشابہ بہت تھی چال
تن کانپتا تھا ضعف سے خورشید کی مثال — کہتے تھے شہ لعینوں سے وا کر کے بصد ملال
ای ظالمو ڈرو غضبِ کردگار سے — منھ ڈھانپ لو کہ نکلی ہیں زہرا مزار سے

چلاتی تھیں کہ گیسوؤں والے کدھر ہی تو — ہی ہی بیکس کے خون کے میں تھالے کدھر ہی تو
کیونکر پھوپھی جگر کو سنبھالے کدھر ہی تو — اماں کی اجڑی گود کے پالے کدھر ہی تو
چھریاں جگر پہ صدمۂ فرقت نے پھیری ہیں — سنتی ہوں میں کہ راہ میں گلیاں اندھیری ہیں

بس ای انیسؔ بس نہ سنے تھے کبھی یہ بین — برپا ہی بزمِ ماتمِ اکبر میں شور و شین
میں ایک کیا نہیں کسی مومن کے دل کو چین — کیجے مدد ان اپنے غلاموں کی یا حسین
عشرت ہو دور عیش کا ساماں کم نہ ہو — جز ماتمِ حضور کوئی اور غم نہ ہو

رباعی

ہی روحِ امیں علی کے دربانوں میں — خادم بھی ہی کمتریں ثنا خوانوں میں
خورشیدِ فلک فخر سے آ ملتا ہی — دن کو ذروں میں شب کو پروانوں میں

مرثیہ (۱۷)

برہم ہے مرقع چمنستانِ جہاں کا
ہوتا ہے سفر خلق سے سلطانِ جہاں کا
سائے میں ہے تیغوں کے بدن جانِ جہاں کا
جنات میں ماتم ہے سلیمانِ جہاں کا
مضطر ہیں ملک شورِ تظلّم ہے فلک پر
آہِ دلِ زہرا سے تلاطم ہے فلک پر

تھرّاتے ہیں لوح و قلم و عرشِ معظّم
کرسی پہ یہ صدمہ ہے کہ ہل جاتی ہے ہر دم
باندھے ہیں ملائک کی صفیں حلقۂ ماتم
ڈر ہے نہ الٹ جائے کہیں دفترِ عالم
ہاتھوں سے عطارد کے قلم چھوٹ پڑا ہے
ہر فرد پہ اک غم کا فلک ٹوٹ پڑا ہے

منھ ڈھانپے ہے رونے کے لیے چرخ پہ مہتاب
سر کھولے ہے خورشیدِ فلک چشم ہے پُر آب
تاروں پہ بھی طاری ہے غم ایسا کہ نہیں تاب
سیاروں پہ ثابت ہے کہ رحمت ہوئی نایاب
قتل پسرِ سیدِ لولاک کا دن ہے
یہ خاتمۂ پنجتنِ پاک کا دن ہے

ہے گلشنِ فردوس کا اس غم سے عجب حال
پژمردہ ہیں گل باغِ خزاں دیدہ کی تمثال
حوروں کے پرے پیٹتے ہیں کھولے ہوئے بال
ہے شور کہ گلزارِ علی ہوتا ہے پامال
پانی نہیں ملتا چمنِ مرتضوی کو
اب جان کے لالے ہیں حسین ابنِ علی کو

نرگس ہے خیاباں میں کھڑی ششدر و حیراں
اس سوگ میں سنبل کے بھی ہیں بال پریشاں
ہر سرو ہے مثلِ علمِ آہ نمایاں
اور ملتے ہیں پتے کفِ افسوس کو ہر آں
ماتم میں ہر اک گل کا گریباں پھٹا ہے
فریاد کی غنچوں کے چٹکنے میں صدا ہے

نہروں کو بھی ہے جوشِ غمِ سبطِ پیمبر
ہر موج ہے سینے پہ رواں صورتِ خنجر
روتے ہیں کنارہ پہ کھڑے حیدرِ صفدر
اک دیدۂ پر آب کی تصویر ہے کوثر
پیاسوں کے لیئے جام جو بھر بھر کے دھرے ہیں
دو چشم کے ساغر ہیں کہ اشکوں سے بھرے ہیں

حضرت پہ ادھر ہوتی ہے اعدا کی چڑھائی
تنہا ہیں نہ بیٹا نہ بھتیجا ہے نہ بھائی
سیدانیاں دیتی ہیں محمدؐ کی دوہائی
اعدا میں یہ غل ہے کہ کرو فتح لڑائی
ڈوبے ہوئے خوں میں شہدا گرد پڑے ہیں
گھوڑے پہ اکیلے شہِ ابرار کھڑے ہیں

ہے تابشِ خور سے عرق افشاں رُخِ گلفام
لب خشک ہیں پانی کا میسر نہیں اک جام
لو چلتی ہے خاک اُڑتی ہے ہے ظہر کا ہنگام
تنہا پہ چلی آتی ہے امڈی سپہِ شام
یہ شوقِ شہادت ہے شہنشاہِ زمن کو
بوچھار سے تیروں کی بچاتے نہیں تن کو

ہیں آگ میں تیغوں کی کھڑے پر نہیں کچھ غم
امت پہ نہ آنچ آئے دعا ہے یہی ہر دم
ہیں گردِ بیاباں میں اٹے گیسوئے پُرخم
نیلے ہیں لب لعل یہ ہے پیاس کا عالم
بو آتی ہے دریا سے برادر کے لہو کی
چھینٹیں ہیں قبا پر علی اکبرؑ کے لہو کی

ذکرِ غمِ عباسؑ بھی اصلا نہیں کرتے
غیرت سے نظر جانبِ دریا نہیں کرتے
خونِ علی اکبرؑ کا بھی دعویٰ نہیں کرتے
اُمت کے ہیں یہ ظلم پہ شکوا نہیں کرتے
پانی کے بھی طالب نہیں گو تشنہ دہن ہیں
کلمے ہیں نصیحت کے محبت کے سخن ہیں

فرماتے ہیں باز آؤ مرے قتل سے یارو
مرنا ہے تمہیں خانۂ عقبیٰ کو سنوارو
کیوں منہ پہ چڑھے آتے ہو چلوں کو اُتارو
میں گوشہ نشینِ حرمِ دہوں مجھے تیر نہ مارو
دنیا پہ کسی کا کبھی قبضہ بھی رہا ہے
مہماں کو بناتے ہو نشانہ یہ خطا ہے

مظلوم مسافر پہ یہ لازم نہیں بیداد
برباد مجھے کر کے نہ ہوگے کبھی آباد
کیا فائدہ خلعت کو پہن کر جو ہوئے شاد
جس روز کفن پہنوگے وہ دن بھی رہے یاد
ظاہر میں تو بے کس ہیں گرفتارِ الم ہیں
کام آتے ہیں جو قبر کی وحشت میں وہ ہم ہیں

واں ہوگا نہ یہ اوج نہ یہ زور نہ یہ زر
نے خیمہ و مسند نہ علم اور نہ لشکر
بر میں تو کفن ہوئیگا اور خاک کا بستر
کام آئے گی اِک دوستیِ آلِ پیمبرؐ
دشوار ہے واں خوفِ نکیرین سے سونا
آرام یہاں دو ہمیں پھر چین سے سونا

تم سب کے عدو دشمن ہو میں ہوں دوست تمہارا
ہاتھ آئے گا کیا ایک مسافر کو جو مارا
آزار دیے لوٹ چکے گھر مرا سارا
بیجاں کیا اس کو جو پسر تھا مرا پیارا
گاڑوں اسے اتنی تمہیں مہلت نہیں دیتے
لاشوں کے اُٹھانے کی بھی فرصت نہیں دیتے

جلتی ہی پڑی دھوپ میں لاشِ علی اکبرؑ
یہ گرم ہوا میں کبھی نکلے نہیں باہر
یہ جسم کہاں اور کہاں خاک کی چادر
مٹی میں چھپا جاتا ہے میرا مہِ انور
دادی سے کہا ہوگا یہ جنت کے چمن میں
بابا نے کفن دے کے نہ گاڑا ہمیں رن میں

حضرت کے سخن سُن کے یہ بولی سپہ شام
کچھ جوہرِ شمشیرِ زباں کا نہیں یاں کام
کھائیں گے ابھی دھوپ بہت اکبرِ گلفام
ہم مستعدِ جنگ ہیں یاں کھینچیے صمصام
صفیّن میں خیبر میں بُرے کھیت پڑے ہیں
لاکھوں سے اکیلے اسد اللہ لڑے ہیں

شہ نے کہا کیا دیکھو گے بیکس کی لڑائی
دو روز سے اک بوند نہیں پانی کی پائی
آنکھوں کی بصارت غمِ اکبر میں گنوائی
ہاتھوں میں جو قوّت تھی وہ سب لے گئے بھائی
ہمدم نہیں اب گود کا پالا نہیں کوئی
جرات بھی مری دیکھنے والا نہیں کوئی

بابا سا کہوں آپ کو یہ منہ مرا کیا ہے
وہ شیرِ خدا سیفِ خدا دستِ خدا ہے
شبیرؑ تو بیکس ہے غریب الغربا ہے
نہ فخرِ شجاعت ہے نہ دعوائے وغا ہے
کی تیغ عطا حق نے یہ رتبہ ہے انھیں کا
کچھ مجھ میں جو قوت ہے یہ صدقہ ہے انھیں کا

یہ سب ہے پہ تم لوگوں سے عاجز نہیں شبیرؑ
جوہر مرے کھل جائیں گے کھینچوں گا جو شمشیر
کہتا ہوں میں اب بھی کہ مری کچھ نہیں تقصیر
حاضر ہوں میں سر کاٹ لے اے فرقۂ بے پیر
نے جنگ نہ بیکس تہ شمشیر جھکے گا
جب تیغ کھنچی پھر نہ مرا ہاتھ رُکے گا

کیوں غیظ میں لاتے ہو غریب الغربا کو
دیکھو نہ ستاؤ خلفِ شیرِ خدا کو
آزار نہ دو روحِ رسولِ دوسرا کو
کوتاہ کرو دستِ تعدی و جفا کو
کیا فاطمہؓ کی آہ کا کچھ خوف نہیں ہے
بندے ہو پر اللہ کا کچھ خوف نہیں ہے

اس پند و نصائح نے نہ کچھ کی انھیں تاثیر
ہر صف سے جگر گوشۂ زہرا پہ چلے تیر

گویا ہوئی اس دم اسد اللہ کی شمشیر
اب میان سے کھینچو مجھے یا حضرت شبیر

ناری ہیں یہ حضرت سے انھیں بغض و حسد ہے
اب تا بہ کجا صبر رحیمی کی بھی حد ہے

پیاروں کا سہا آپ نے غم مجھ کو نہ کھینچا
بھائی کے ہوئے ہاتھ قلم مجھ کو نہ کھینچا

اکبر نے بھی لی راہ عدم مجھ کو نہ کھینچا
قاسم پہ چلی تیغ ستم مجھ کو نہ کھینچا

میں پاس ہوں اور آپ پہ مینہ تیروں کا برسے
کس دن کے لیے پھر مجھے باندھا ہے کمر سے

میں شرم سے آب آب ہوں یا سید ذی جاہ
رکھ لیجئے اب آبروئے تیغ ید اللہ

آنے کا نہیں راہ پہ یہ لشکر گمراہ
میں کوہ گراں کو بھی سمجھتی ہوں پر کاہ

زندہ نہیں اترا ہے کوئی گھاٹ سے میرے
آگاہ ہیں جبریل امیں کاٹ سے میرے

اک ضرب میں میں نے سر مرحب کو اتارا
اک دم میں کیا عمرو سے نامی کو دو پارا

جنات کا لشکر تہ و بالا کیا سارا
آگے مرے لاکھوں نے کبھی دم نہیں مارا

بجلی کی طرح جب صف دشمن پہ گری میں
دم میں حق و باطل کو جدا کر کے پھری ہوں

حضرت نے کہا مجھ پہ کھلے ہیں ترے جوہر
امت یہ محمدؐ کی میں کھینچوں تجھے کیونکر

خوش صبر سے ہوتا ہے بہت خالق اکبر
اے تیغ مناسب ہے توقف ابھی دم بھر

اس دکھ میں ہوں صابر یہ عنایت ہے خدا کی
اک اور مرے پاس امانت ہے خدا کی

اس راہ میں جو کچھ تھا وہ سب میں نے لٹایا
عباس سے بازو کو بھی ہاتھوں سے گنوایا

پیری میں غم اکبر کی جوانی کا اٹھایا
جو باقی ہے وقت اس کی طلب کا نہیں آیا

کس طرح ابھی جنگ پہ تیار ہو شبیرؑ
پہونچا لے اسے بھی تو سبک بار ہو شبیرؑ

یہ ذکر تھا جو ڈیوڑھی سے آواز یہ آئی
بچہ مرا مرتا ہے محمدؐ کی دوہائی

اٹھارہ برس کی تو لٹی میری کمائی
اب اصغر معصوم سے ہوتی ہے جدائی

جلد آئیے رن سے دم امداد ہے آقا
فریاد ہے فریاد ہے فریاد ہے آقا

میداں سے پھرے شاہ صدا بانو کی سُن کر
فضّہ نے کہا بی بیو لو آتے ہیں سرور
اشکوں سے رُخ پاک کو دھونے لگے شبیرؑ

زینب نے کہا صدقے گئی خیمے میں آؤ
حضرت نے کہا بانوئے بیکس کو بلاؤ
شبیرؑ طلبگار رضامندیِ رب ہے

گھبرا گئی سُن کر یہ سخن بانوئے ناچار
حاضر ہے کنیز آپ کی یا سیدِ ابرار
دودھ ان کا بڑھاتی یہ مرے دل میں ہوس ہے

آغوش میں لیجے انھیں ای سیدِ والا
وہ مر گئے اٹھارہ برس تک جنھیں پالا
طاقت ہے مری آپ کو میں ٹوک سکوں گی

بانوئے دوعالم کو رضامند جو پایا
دے کر علی اصغر کو یہ بانو نے سُنایا
برگشتہ یکایک مری تقدیر ہوئی ہے

فرمایا شہ دیں نے کہ ای بانوے نے پر
جینا مجھے دنیا میں گوارا نہیں دم بھر
نے غسل و کفن خاک پہ ہے لال ہمارا

لیکر علی اصغر کو چلے حضرتِ شبیرؑ
زینبؑ نے کہا ہائے علی اصغرِ بے شیر
مُڑ مُڑ کے ہر اک رانڈ کو سمجھاتے تھے شبیرؑ

ڈیوڑھی کے ادھر جمع تھے ناموسِ پیمبر
دَوڑی علی اصغر کو لیے بانوئے مضطر
پردے کے قریب آن کے رونے لگے شبیرؑ

کیا حال ہے بھائی مجھے صورت تو دکھاؤ
گہوارے سے جلدی مرے معصوم کو لاؤ
سرکارِ خدا میں علی اصغر کی طلب ہے

پردے کے قریب آن کے بولی وہ دل افگار
لونڈی کے بھی مالک ہو اور اصغر کے بھی مختار
خالق نے بلایا ہے تو پھر کیا مرا بس ہے

صدقے گئی حاضر ہے مرا ہنسلیوں والا
روئی یہ زباں سے نہیں کچھ حرف نکالا
روکا تھا اُنھیں کب جو انھیں روک سکوں گی

فرزندِ ید اللہ نے ہاتھوں کو بڑھایا
آقا نہ مجھے آخری دیدار دکھایا
لونڈی سے بھلا کونسی تقصیر ہوئی ہے

شرمندہ بہت تم سے ہے فرزندِ پیمبر
کیا سائے میں میں آؤں کہ ہیں دھوپ میں اکبر
اب حال جو اکبر کا وہی حال ہمارا

اور خاک پہ غش کھا کے گری بانوئے دلگیر
تھا شور کہ فریاد ہے ای مالکِ تقدیر
روتے ہوئے مقتل کو چلے جاتے تھے شبیرؑ

اعدا کے قریں سر کو جھکائے ہوئے آئے
آنسو رخ انور پہ بہائے ہوئے آئے
معصوم کو چھاتی سے لگائے ہوئے لائے
اصغر کو ردا اپنی اُڑھائے ہوئے آئے
روتے تھے یہ صدمہ تھا شہ جن و ملک کو
بچّے کو کبھی دیکھتے تھے گاہ فلک کو

کچھ سوچ کے دامن رخ اصغر سے اُٹھایا
گویا کہ قمر ابر سے باہر نکل آیا
ہر صاحب اولاد کو رو کر یہ سُنایا
دو روز سے پانی نہیں اس لال نے پایا
حاضر ہوں میں خنجر مری گردن سے ملا دو
پر تھوڑا سا پانی مرے بچے کو پلا دو

تم لوگوں کے نزدیک جو مجرم ہے تو شبیرؑ
بچّہ ہے یہ اس کی ہے بھلا کونسی تقصیر
حضرت کی ابھی ختم ہوئی تھی نہ یہ تقریر
شمر ستم آرا نے پکارا کہ چلیں تیر
تھی سب کو عداوت خلف شاہ نجف سے
بچّے پہ چلے تیر ستم چار طرف سے

چلّے پہ کمانداروں کے تھا شمر سیہ رو
جھک جھک کے بچاتے تھے اسے سید خوشخو
ناگاہ لگا حلق پہ اک تیر سہ پہلو
بچّے کا گلا چھد گیا اور باپ کا بازو
دم بند ہوا باپ کا تکنے لگے اصغر
منھ کھول کے ہاتھوں پہ سسکنے لگے اصغر

وہ چاند سا رُخ زرد ہوا درد کے مارے
بس ہچکیاں باندھے ہوئے دنیا سے سدھارے
شہ لاش کو ریتی پہ لٹا کر یہ پکارے
اکبر انھیں لو آئے ہیں یہ پاس تمہارے
اصغر بھی رہ حق میں فدا ہو گئے بیٹا
ہم اس کی امانت سے ادا ہو گئے بیٹا

بانو نے سنی سبط پیمبرؐ کی جو زاری
خیمے سے کئی بار نکل کر یہ پکاری
مٹی میں چھپاؤ نہ کمائی کو ہماری
لاش علی اصغر مجھے دے جاؤ میں واری
راحت سے مری گود میں آرام کریں گے
تنہا کبھی سوئے نہیں جنگل میں ڈریں گے

حضرت نے کہا قتل ہوئے اصغر گلفام
اب پہلوئے اکبر میں انھیں کرنے دو آرام
تم سے انھیں مطلب ہے نہ کچھ دودھ سے ہے کام
لو خیمے میں پھر جاؤ یہ ہے صبر کا ہنگام
اب بعد مرے اپنے جگر بند سے ملنا
مقتل میں جو آؤ گی تو فرزند سے ملنا

مطلع

لکھا ہی کہ جب لاش سپر رکھتے تھے سرور
سیدانیاں سب خیمے سے نکلی تھیں کھلے سر
تھا شور کہ ہی ہی علی اصغرؑ علی اصغرؑ
بیتاب تھی تیغ کمر حیدر صفدر
رقت سے یہ احوال تھا تیغ دو زباں کا
جس طرح کہ مر جاتا ہی بچہ کسی ماں کا

سینے میں تڑپتا تھا جو حضرت کا دل زار
لاش علی اصغر سے لپٹ جاتے تھے ہر بار
گویا ہوئی یہ حیدر کرار کی تلوار
ابتو کوئی حجت نہیں یا سید ابرار
دیکھو تو مرا کاٹ کہ میں سیل فنا ہوں
حضرت نے کہا منتظر حکم خدا ہوں

ناگاہ صدا آئی کہ ای سبط پیمبر
تو صبر کے رتبے میں ہی ایوب سے بہتر
دنیا میں نہ ہوگا نہ ہوا ہی ترا ہمسر
ہاں لشکر اعدا کو دکھا تیغ کے جوہر
گو جمع ادھر تیس ہزار اہل ستم ہیں
کیا غم ہی تجھے تیرے مددگار تو ہم ہیں

جو چاہے کرے ہم نے وہ قدرت تجھے دی ہی
ہمت تجھے بخشی ہی شجاعت تجھے دی ہی
جو دی تھی علی کو وہی طاقت تجھے دی ہی
اور اس کے سوا صبر کی دولت تجھے دی ہی
تجھ کو تو رسولوں سے سوا پیار کیا ہی
کونین کا ہم نے تجھے مختار کیا ہی

تو کہہ تو ابھی خاک میں ان سب کو ملا دیں
جو مانگ وہ اصغر کی شہادت کا صلا دیں
پیاسا ہو تو پانی تجھے کوثر کا پلا دیں
عباس کو زندہ کریں اکبر کو جلا دیں
باقی رہے تو اور فنا فوج ستم ہو
جو اجر شہادت کا ہی کچھ اس میں سے نہ کم ہو

مولا نے یہ کی عرض سر عجز جھکا کر
اس بندہ نوازی کے فدا سبط پیمبر
اولاد بھی صدقے ہی تصدق ہو مرا سر
مشتاق ترے قرب کا ہی بندۂ احقر
یہ قوم جفا پیشہ و نا اہل ہی مولا
گر تیری عنایت ہو تو سب سہل ہی مولا

خوش ہوں جو تری راہ میں سینے پہ لگیں تیر
روکوں نہ سپر پر جو پڑے جسم پہ شمشیر
غیظ آئے نہ جب برچھیاں ماریں مجھے بے پیر
تسبیح ترے نام کی ہووے دم تکبیر
چھاتی پہ تو قاتل ہو تہ تیغ گلا ہو
ان سب کے عوض امت عاصی کا بھلا ہو

خونِ علی اصغر کا صلا ہو یہ عنایت
دنیا سے اُٹھیں جب تو ملے گلشنِ جنت
کوثر پہ میں جاؤں تو گزر ساتھ ہو ان کا
دے امن انھیں گرمیِ محشر سے خدایا
آئی یہ ندا ان کو ملے گا یہی پایا
خوش ہو تو کہ رتبے ترے شیعوں کے بڑھیں گے
ہمراہ ترے حشر میں ہونگے ترے زوّار
وہ دوست ہمارے ہیں جو ہیں تیرے عزادار
فردوس انھیں خلعتِ رحمت انھیں دیں گے
یہ سُن کے ہوا شاد یداللہ کا جایا
کی عرض کہ صدقے تری رحمت کے خدایا
نازاں ہوں کہ تو خوش ہے حسین ابن علی سے
یہ کہہ کے بڑھے بہر وغا سرور عالی
دیکھی جو چمک روحوں سے قالب ہوئے خالی
فرمایا کہ ہاں ضربتِ شمشیر کو دیکھو
باندھی ہیں صفیں کہ دبتاؤ کدھر آؤں
کس غول میں تلوار کو چمکا کے دراؤں
پائی ہے ظفر قبضے پہ جب ہاتھ دھرا ہے
مجھ سا نہیں دنیا میں کوئی آج اولعزم
سر کاٹنے کا اب بھی تمہارے جو کروں عزم
یاں مد نظر رحم سے گو نانے ادبی کی

یارب مرے شیعوں کی ہو اولاد کو راحت
نہ قبر میں ایذا ہو نہ تنہائی میں وحشت
دامن ہو مرا حشر میں اور ہاتھ ہو ان کا
ہو سب کے سروں پر علم حمد کا سایا
ہووے گا جہاں شاہ وہیں ہوگی رعایا
وہ حشر کے دن نور کے ناقوں پہ چڑھینگے
کچھ راہ صراط ان پہ نہیں ہوئے گی دشوار
بن جائے گا ہر اشک کا قطرہ دُرِ شہوار
رونے کے عوض اجر شہادت انھیں دینگے
ہر نے پہ کئی بار سرِ عجز جھکایا
جو کچھ کہ شہادت کا صلہ تھا سو وہ پایا
اس وقت کی لذت کوئی پوچھے مرے جی سے
تیغ کمرِ حیدر کرّار نکالی
ڈھالوں کی گھٹا چار طرف جھک گئی کالی
لو فاطمہؑ کے دودھ کی تاثیر کو دیکھو
خالی کروں کس صف کو کسے غول میں جھپ آؤں
خالق کا غضب آئے ادھر میں جدھر آؤں
رگ رگ میں مری زور یداللہ بھرا ہے
تنہا ہوں سفر کر گئے جو تھے مرے ہم بزم
ہو زیر و زبر چشم زدن میں یہ صفِ رزم
جنبش آیا ہے یہ امر کہ امت ہو نبی کی

میں وہ ہوں کہ جس کا ہی پدر شیر الٰہی
خیبر سی لڑائی میں مدد جس نے نہ چاہی
مشہور ہی کفار کے لشکر کی تباہی
اقلیمِ شہادت کی ملی ہی ہمیں شاہی
قبضہ ہی وہی اور وہی تیغ دو سر ہی
جب ہاتھ اٹھایا تو سرِ دست ظفر ہی

برقِ غضبِ خالقِ اکبر ہی یہ شمشیر
ای لشکریو قاتلِ عنتر ہی یہ شمشیر
اعدا کے نگل جانے کو اژدر ہی یہ شمشیر
مقراضِ اجل بہرِ تن و سر ہی یہ شمشیر
پانی سے اور آتش سے خمیر اس کا بنا ہی
بجلی ہی کبھی اور کبھی سیلِ فنا ہی

گھاٹ اس کا ہی بحرِ غضبِ حضرتِ معبود
اک دم میں رہِ امن و اماں ہوتی ہی مسدود
ہی نصرت و اقبال و ظفر بات میں موجود
پشّہ اسی شمشیر کا ہی قاتلِ نمرود
خونِ سرِ اعدا ہی ہمیشہ خورش اس کی
پوچھے کوئی جبریلِ امیں سے برش اس کی

مرحب سا جواں گر ہو تو اک ضرب میں مر جائے
عنتر ہو تو سر تا بہ قدم خون میں بھر جائے
دو کر کے تہمیں گاو زمیں سے بھی گزر جائے
میں کہدوں کہ ای تیغ ٹھہر جا تو ٹھہر جائے
روکوں نہ تو دم لے نہ پرِ روحِ امیں پر
پھل جا کے لگے شاخِ سرِ گاوِ زمیں پر

فرما کے یہ گھوڑے کو جو رانوں میں دبایا
شبدیز نظر کیا کہ ہوا نے بھی نہ پایا
روباہوں کے انبوہ پہ اک شیر سا آیا
اللہ ری سرعت کہ ہرن ہو گیا سایا
غل تھا کبھی یوں آگ سے پارا نہیں اڑتا
اس شان سے جنگل میں چکارا نہیں اڑتا

ملعونوں کو ٹاپوں سے کچلتا ہوا آیا
ہر سو دلِ کفار کو ملتا ہوا آیا
انبوہ میں اڑ اڑ کے سنبھلتا ہوا آیا
غصّے سے کنوتی کو بدلتا ہوا آیا
سب زیرِ قدم جرأت و سرعت کا چلن تھا
اس غول میں تھا شیر تو اس صف میں ہرن تھا

کیجے جو خیال آنکھوں میں بجلی سی چمک جائے
یوں فکرِ منجم بھی نہ بالائے فلک جائے
ساتھ اس کے خیالِ شعرا دوڑ کے تھک جائے
چتون وہ کہ شیروں کی نگہ جس سے جھپک جائے
حیلہ جو وہ کرتا تھا تو ہٹ جاتے تھے گھوڑے
ہر صف میں الف ہو کے الٹ جاتے تھے گھوڑے

مشرق سے جو راکب نے ہاں کہ کے اڑائے
عقلِ حکما دنگ ہو سرعت وہ دکھائے
"ہے" "ہے" الفِ ہاں ابھی یاں وصل نہ پائے
مغرب سے یہ خورشیدِ فلک جا کے پھر آئے
دھوکا پرِ پرواز کا ہو دامنِ دیں پر
طاؤس ہوا پر ہو تو بجلی ہو زمیں پر

ہیں صانعِ قدرت کے کفل سانچے میں ڈھالے
ہیں پیار سے گردن میں عناں ہاتھوں کو ڈالے
کہتے ہیں رکابوں کو جو ہیں دیکھنے والے
ہیں وہ مہِ نو زین کے دامن کو سنبھالے
گردن پہ عجب حسن سے یال اس کی پڑی ہو
گویا کہ پری کھولے ہوئے بال کھڑی ہو

یہ تاحدِ امکاں صفتِ عقلِ رسا جائے
بالائے فلک صورتِ تیرِ دعا جائے
کہسار سے دریا کی طرف مثلِ صدا جائے
دریا پہ جو دوڑاؤ تو مانندِ ہوا جائے
سیر اس کی اگر چشم کو منظورِ نظر ہو
آنکھوں میں پھرے یوں کہ نہ پتلی کو خبر ہو

اڑجانے میں رنگِ رخِ عاشق سے سبک خیز
کاکل وہ کہ زلفِ سرِ لیلیٰ سے دلاویز
پوئی میں غزالوں کی طراروں سے کہیں تیز
آقا کے ارادے کو سمجھتا تھا وہ مہمیز
جوں سایۂ آہو نہ قرار اس کو کہیں تھا
راکب نے جدھر آنکھ سے دیکھا یہ وہیں تھا

بجلی سا چمکتا تھا ادھر فوج میں رہوار
شعلہ سی چمکتی تھی ادھر تیغِ شرر بار
سرگرمِ وغا تھا خلفِ حیدرِ کرار
اک آگ لگا دی تھی جلے جاتے تھے کفار
سوزاں شجرِ قد تھے چناروں کی طرح سے
اڑتا تھا لہو تن کا شراروں کی طرح سے

اس برق سے نیزوں کے نیستاں میں لگی آگ
چلاتے تھے ناری کہ بیاباں میں لگی آگ
مارا جسے اس نے تنِ بیجاں میں لگی آگ
دامن سے جو بھڑکی تو گریباں میں لگی آگ
دو زرخ میں انہیں الفتِ دینار نے کھینچا
یہ آگ ہوئی سرد تو اس نار نے کھینچا

جو نیزۂ خطی تھا سواروں کا قلم تھا
یہ خطِ شکست ان کے مقدر میں رقم تھا
کفار کی تلواروں کا سر شرم سے خم تھا
یاں دم بدم افزوں دمِ شمشیرِ دو دم تھا
بجلی سی گرے جس پہ لہو چاٹ کے اٹھے
ہر غول سے دو دو نہیں سر کاٹ کے اٹھے

جس وقت چمک کر کسی سفاک پر آئی
سر سے کمرِ ظالمِ ناپاک پر آئی
واں سے جو پھری توسنِ چالاک پر آئی
توسن کو بھی دو کرتی ہوئی خاک پر آئی
قبضہ تو رہا دستِ جنابِ شہِ دیں میں
اور تا سرِ دنبالہ دہ آئی وہ زمیں میں

ہر غول میں ضربِ شہِ ذی جاہ کا غل تھا
ہر سو برشِ تیغِ ید اللہ کا غل تھا
مقتل میں کہیں آہ کہیں واہ کا غل تھا
افلاک پہ العظمۃ للہ کا غل تھا
پانی تھے جگر خوف سے بیداد گروں کے
ڈونے ہوئے تھے خوں میں دل سپروں کے

آتے جو پرا باندھ کے اسوار چپ و راست
چلتی تھی عجب شان سے تلوار چپ و راست
وہ بجلیاں گرتی تھیں ہر بار چپ و راست
لاشوں کے نظر آتے تھے انبار چپ و راست
مقتل میں سواروں کے رسالے بھی قلم تھے
بھالے بھی قلم برچھیوں والے بھی قلم تھے

اس شعلۂ آتش سے ہوا تھی شرر افشاں
پامال تھے سبزے کی روش دشمنِ ایماں
گلزار خزاں دیدہ ہوا قتل کا میداں
بکھرے ہوئے تھے چار طرف غنچۂ پیکاں
ٹکڑے شجرِ تیر قلم شاخِ کماں تھی
کیا پھل تھا کہ ڈھالوں کے بھی پھولوں پہ خزاں تھی

گھوڑا کسی سرکش نے پرے سے جو نکالا
چلتی ہوئی تلوار کو حضرت نے سنبھالا
مارا ستم آرا نے قریب آ کے جو بھالا
بجلی سی گری کوند کے تیغِ شہِ والا
اک وار میں ظالم کے ہر اک بند کو کاٹا
جوشن کو چلتہ کو کمر بند کو کاٹا

آیا کوئی شہ زور اگر زور میں آ کر
ضرب اپنی نہ کی شاہ نے وار اس کا بچا کر
چاہا کہ پٹک دوں اسے گھوڑے سے اٹھا کر
اک ہاتھ میں لی تیغ اور اک ہاتھ بڑھا کر
یوں بندِ کمر شاہِ سرافراز نے پکڑا
تھا شور کہ کنجشک کو شہباز نے پکڑا

مارا جو زمیں پر تو زمیں سے نہ اٹھی گرد
مقتل سے گیا قعرِ جہنم کو وہ نامرد
تھے تیغ کی دہشت سے سیہ کاروں کے منہ زرد
گرم اس کی ہوا لگ گئی جس کو وہ ہوا سرد
اعجاز یہ ہنگامِ روانی نظر آیا
پانی میں تو آگ آگ میں پانی نظر آیا

ٹکڑے تھے کمانداروں کے ترکش لبِ دریا
سیماب تھا شبدیز پر پوشِ لبِ دریا
خشکی و تری میں نہ کہیں امن کی جا تھی
تھا شور کہ اے سیدِ ابرار اماں دو
آوازِ نبی آئی کہ دلدار اماں دو
مظلومی و غربت میں بڑا نام ہے بیٹا
سنتے ہی یہ آواز تھمے سیدِ ابرار
چمکار کے گھوڑے کو رکھی میان میں تلوار
ڈر کر جو چھپے تھے وہ ستمگر نکل آئے
بادل کی طرح شہ پہ جھکا شام کا لشکر
دیکھی نہ چمکتی ہوئی جب تیغِ دو پیکر
کیوں تھم گئے کس نے شہ ابرار کو روکا
یاں ضعف سے ہر نے پہ جھکے جاتے تھے سرور
ٹوٹا ہوا تھا تیروں سے سب سینۂ انور
شانے پہ کٹے پیچ عمامے کے پڑے تھے
زخمی تھی جبیں تیروں سے تلواروں سے ابرو
بھالوں سے ستمگاروں کے مجروح تھے پہلو
زخمی نہ ہوا ایسی نہ کوئی تن پہ جگہ تھی
اڈے چلے آتے تھے سواروں کے رسالے
سینے سے اگر کھینچ کے دو تیر نکالے
رہ جاتی تھی برچھی کوئی سینے میں جو اڑ کر

بیجاں تھا کوئی اور کوئی غش لبِ دریا
برسائی تھی شمشیر نے آتش لبِ دریا
ہر صف میں محمدؐ کی دوہائی کی صدا تھی
اب روک لو شمشیرِ شرربار اماں دو
بس پہونچے سزا کو یہ ستمگار اماں دو
جنگ اب نہ کرو عصر کا ہنگام ہے بیٹا
یاد آ گیا امت پہ فدا ہونے کا اقرار
بھر کر نفسِ سرد کھڑا ہو گیا رہوار
خیمے سے حرم قبر سے حیدر نکل آئے
تلواریں کھنچیں چلنے لگے نیزہ و خنجر
سر پیٹ کے چلانے لگی زینبِ مضطر
ہے ہے مرے ماں جائے نے تلوار کو روکا
لگتا تھا بدن پر کہیں نیزہ کہیں خنجر
تھے ایک ہزار اور کئی زخم بدن پر
گردن کو جھکائے ہوئے خاموش کھڑے ہیں
رخساروں پہ تھے خون میں ڈوبے ہوئے گیس
نوکیں تھیں سنانوں کی اور الماس سے با
ہاں خنجرِ خونخوار کی گردن پہ جگہ تھی
خود بیچ میں اور چار طرف چھیوں وا
اس عرصہ میں اک جسم پہ سو پھل گئے بھا
جھک جاتے تھے ہر بار کلیجے کو پکڑ کر

دریا کی ترائی کی طرف دیکھ کے ہر بار
اُٹھو مرے ہمدم مرے صفدر مرے غمخوار
تلوار سے بھائی کو بچاتے نہیں بھائی
پھر رو کے پکارے علی اکبر تمہیں آؤ
واں نہیں آسکتا ہے یہ بیٹے پہ تمہیں آؤ
ہاں آن کے تھامو یہ پدر تم پہ فدا ہو
یہ کہتے تھے حضرت جو لگا پشت پہ بھالا
جبریل نے قدموں سے رکابوں کو نکالا
غش ہو گیا طاری جو شہِ عرش نشیں پر
مرکب سے جدا ہو کے جو تڑپے شہ ابرار
فرمایا کہ منزل پہ تو پہونچا ترا اسوار
اب تیغ لیے ذبح کو جلاد بڑھے گا
نیزے کی سواری ہے اب اور فاطمہ کا لال
ٹاپوں کے تلے لاش مری ہوئے گی پامال
سجاد کو آگاہ مرے حال سے کر دے
اب آئیں گے خیمے کے جلانے کو ستمگار
سجاد سے کہنا کہ میں صدقے ترے بیمار
خاصانِ خدا کے لیے ایذا و محن ہے
گھوڑے کو شہِ دیں نے یہ پیغام دیا جب
خالی اسے دیکھا تو لگی پیٹنے زینب رض
زخمی تھا سراپا نہ کہاں زخم لگے تھے

چلاتے تھے کیا سوتے ہو عباس علمدار
بھائی مرے سینے پہ لگاتے ہیں ستمگار
ہم گھوڑے سے گرتے ہیں تم آتے نہیں بھائی
عباس تو آتے نہیں دلبر تمہیں آؤ
بیکس کی مدد کو مرے صفدر تمہیں آؤ
بیٹا تمہیں بابا کی ضعیفی کے عصا ہو
قربوس پہ تھرا کے گرے سید والا
اور ہاتھوں کو گردن میں ید اللہ نے ڈالا
بس ٹیک دیا گھوڑے نے گھٹنوں کو زمیں پر
گرد شہِ دیں اُٹھ کے لگا پھرنے وہ رہوار
رخصت ہو کہ سر اُترے تو ہم بھی ہوں سبکبار
قاتل ترے اسوار کی چھاتی پہ چڑھے گا
الفت ہے تجھے دیکھ سکے گا نہ مرا حال
زینب نہ نکل آئے کہیں کھولے ہوئے بال
جا بانوئے بیکس کو رنڈاپے کی خبر دے
کہدیجو بہن سے کہ سکینہ سے خبردار
گر بیڑیاں پہنائیں تو کچھ کیجو نہ تکرار
بندھوائیو گردن کہ یہ دادا کا چلن ہے
مقتل سے چلا سر کو پٹکتا ہوا مرکب
یاں قبلۂ عالم پہ عدو ٹوٹ پڑے سب
تیغیں وہیں لگتی تھیں جہاں زخم لگے تھے

خیمے سے جو زینب کے نکل آنے کا تھا دھیان
گر پڑتے تھے اٹھ اٹھ کے زمیں پر شہ ذی شان
ڈیوڑھی سے یہ بانو کی صدا آتی تھی ہر آن
ہی ہی مرے سید تری تنہائی کے قربان
تینوں کے تلے باپ کو تکتی تھی سکینہ
چھاتی سے لپٹنے کو بلکتی تھی سکینہ

شمرِ ستم آرا نے جو خنجر کو نکالا
سجدے میں جھکا فاطمہ کی گود کا پالا
حیدر نے تو ہاتھوں سے کلیجے کو سنبھالا
زہرا نے کہا ہائے مری گود کا پالا
فرزند کے پہلو سے نہ ہٹتے تھے محمد
گر گر کے نواسے سے لپٹتے تھے محمد

قرآں پہ رکھنے جو لگا پاؤں ستمگار
تھرائی زمیں کانپ گیا گنبدِ دوار
دریا میں تلاطم ہوا ٹکرا گئے کہسار
مجروح تھے سر تا بہ قدم سیدِ ابرار
سینہ جو دبا تیروں کی سریاں نکل آئیں
سر کھولے ہوئے قاف سے پریاں نکل آئیں

کس منہ سے کہوں ذبح کیا شاہ کو کیونکر
کافی ہی بس اتنا کہ چلا حلق پہ خنجر
سر لیکے عمرو پاس گیا شمرِ ستمگر
ریتی پہ تڑپتا رہا شہ کا تنِ اطہر
لاشے پہ ادھر لوٹ پڑی فوج شقی کی
لٹنے لگی پوشاک حسین ابنِ علی کی

جابر نے تو مظلوم کی دستار اٹھا لی
لیکر بن اشعث نے عبا دوش پہ ڈالی
لی اسود بے رحم نے تیغ شہ عالی
مالک نے زرہ جسمِ مطہر سے نکالی
دستانے کٹے ہاتھوں سے غازی کے اتارے
بے دینوں نے موزے بھی نمازی کے اتارے

تاجِ سرِ شاہِ شہدا لے گیا کوئی
تیروں سے چھنی تن کی قبا لے گیا کوئی
پیراہنِ محبوبِ خدا لے گیا کوئی
خاتونِ قیامت کی ردا لے گیا کوئی
عریاں تھا بدن خاک پہ تھی پشتِ مبارک
خاتم کے لیے کاٹ لی انگشتِ مبارک

خاموش انیس اب کہ تڑپتا ہی دلِ زار
فریاد کی کانوں میں صدا آتی ہی ہر بار
موجود ہی روحِ حسن و حیدرِ کرار
اس مرثیہ کا دیں گے صلا احمدِ مختار
تاثیر ہر اک بند کی خالی نہ سمجھنا
مضمونِ کتابی ہی خیالی نہ سمجھنا



جب دولتِ سرور پہ زوال آگیا رن میں
آنکھوں کا جو تھا نور وہ کھو گیا رن میں
ماں باپ کو سہرا بھی نہ اکبر نے دکھایا
کس دکھ میں فلک نے علی اکبر کو چھوڑایا
قمری سے عجب سروِ چمن بر کو چھڑایا
یوں دم بھی کسی تازہ جواں نے نہیں توڑا
یوں باپ کی قسمت کو لٹتے نہیں دیکھا
یوں بڑھ کے کسی سرو کو گھٹتے نہیں دیکھا
نازوں کے دعاؤں کے مرادوں کے پلے تھے

بھیگیں جو مسیں ماں نے کیا سجدۂ باری
سبزہ ہوا آغاز تو فرمایا کہ واری
شادی تھی کہ اب گھر میں دلہن لانے گئے رن میں
گیسو ابھی منت کے بڑھائے تھے نہ ماں نے
آئینہ بنایا جسے ربِ دوجہاں نے
توڑا نہیں ایسا گلِ شاداب کسی نے

افسوس نہ کچھ عمر نے اکبر سے وفا کی
کیا دخل ہے بندے کو مشیت میں خدا کی
کچھ بس نہ چلا آگئے یوں موت کے بس میں

جس گل پہ تصدق تھے وہ مرجھا گیا رن میں
جینے کا جو باعث تھا وہ مارا گیا رن میں
پیری میں عجب داغ مقدر نے دکھایا
نیرِ مہر نے کس ماہ سے اختر کو چھڑایا
کس فصل میں بلبل سے گلِ تر کو چھڑایا
یوں پھول کو بھی بادِ خزاں نے نہیں توڑا
اس طرح مقدر کو پلٹتے نہیں دیکھا
اس عمر کا پودا کوئی کٹتے نہیں دیکھا
وا حسرت و دردا کبھی پھولے نہ پھلے تھے

یعنی مرے گلشن میں چلی بادِ بہاری
صد شکر کہ سر سبز ہوئی کشت ہماری
اس کی نہ خبر تھی کہ خزاں آنے کو ہے رن میں
جو کوچ کیا خلق سے اس تازہ جواں نے
اس سینے کو زخمی کیا دشمن کی سناں نے
کھولا کیے منہ اور نہ دیا آب کسی نے

پورے وہ جواں بھی نہ ہوئے تھے کہ قضا کی
ماں کہتی تھی مجھ سے علی اکبر نے دغا کی
پیدا ہوئے اور مر گئے اٹھارہ برس میں

ہوتا ہی برابر کا پسر قوتِ بازو
آرامِ جگر راحتِ جان زینتِ پہلو
ایسا پسر ماہ لقا صفدر و خوش رو
مر جائے تو کیا دل پہ رہے باپ کے قابو
گر پڑتے ہیں اُٹھ اُٹھ کے یہ کمزور ہیں شبیرؑ
جیتے ہیں مگر غم سے لبِ گور ہیں شبیرؑ

اُٹھتی ہی کبھی دل میں کبھی ہوک جگر میں
ہی درد کبھی سینے میں اور گاہ کمر میں
رن میں کبھی جاتے ہیں کبھی آتے ہیں گھر میں
ہی دن کا اُجالا یہ اندھیرا ہی نظر میں
غل کرتے ہیں اعدا پہ سنائی نہیں دیتا
لاشہ علی اکبر کا دکھائی نہیں دیتا

یہ دردِ جگر ہی کہ سنبھلنے نہیں دیتا
یہ زورِ نقاہت ہی کہ چلنے نہیں دیتا
غم اور طرف دل کو بہلنے نہیں دیتا
رعشہ کفِ افسوس بھی ملنے نہیں دیتا
غم کونسا خرمن کے لیے برق نہیں ہی
پر صبر کی طاقت میں ذرا فرق نہیں ہی

آتی ہی صدا دل سے کہ طاقت نہیں مجھ میں
کہتا ہی جگر ضعف ہی قوت نہیں مجھ میں
ہر چشم ہی گریاں کہ بصارت نہیں مجھ میں
کہتی ہی کمر درد سے حالت نہیں مجھ میں
بے مہریِ افلاک نے دل توڑ دیا ہی
شبیرؑ کو سب ساتھیوں نے چھوڑ دیا ہی

پیری میں یہ اندوہ ضعیفی میں یہ دکھ درد
صدمے سے رُخِ پاک ہی کیسر کی طرح زرد
چہرہ جو مکدر ہی تو زلفیں بھی ہیں پُرگرد
تن کانپنے لگتا ہی جو بھرتے ہیں دمِ سرد
جس پھول کے عاشق تھے وہ گلشن میں نہیں ہی
یہ حال ہی گویا کہ لہو تن میں نہیں ہی

دل کا ہی تقاضا کہ تڑپنے کی رضا دو
کہتا ہی جگر خوں مرا آنکھوں سے بہا دو
سر کھینچا ہی نالوں نے کہ گردوں کو ہلا دو
شہ کہتے ہیں یاد اب علی اکبر کی بھلا دو
مختار کا جو حکم ہو کچھ جبر نہیں ہی
اس زخم کا مرہم کوئی جز صبر نہیں ہی

جو اہلِ محبت ہیں بلا اُن کے لیے ہی
صابر جو ہیں یہ درد دوا اُن کے لیے ہی
مظلوم جو ہیں لطفِ خدا اُن کے لئے ہی
ہر رنج میں ایک تازہ مزا اُن کے لیے ہی
سو دُکھ ہوں تو ہوں مجھ میں الفت میں اُسی کے
روتے ہیں تو روتے ہیں محبت میں اسی کے

اکبر تھا تو وہ کیا تھا اگر ہم ہیں تو کیا ہیں — سو ایسے جو بندے ہوں تو خالق پہ فدا ہیں
کچھ غم نہیں گر ہم سے جدا ہیں تو جدا ہیں — یہ کس کی عنایت ہے کہ راضی برضا ہیں
خم تھا جو سر اس راہ میں فرزند نہ دیتا — کیا کرتے اگر وہ ہمیں دلبند نہ دیتا
فدیہ ہوا فرزندِ جواں شکر کی جا ہے — خوشنود ہے ربِّ دوجہاں شکر کی جا ہے
لب پر نہیں فریاد و فغاں شکر کی جا ہے — گردن سے گیا بارِ گراں شکر کی جا ہے
جو ہم کو عطا کی تھی وہ دولت اسے پہونچی — فارغ ہوئے ہم اس کی امانت اُسے پہنچی
اٹھارہ برس تک جو رہا پاس وہ دلدار — تھی یہ بھی عنایت کہ وہ ہے راحم و غفار
ہر حال میں بندے کو اطاعت ہے سزاوار — مجبور ہیں ہم اور وہ ہے قادر و مختار
اکبر سا جواں رشکِ قمر کس نے دیا تھا — وہ صبر بھی بخشے گا پسر جس نے دیا تھا
جینے کا یقیں رحلتِ عباس میں کب تھا — مر جانا برادر کا قیامت تھا غضب تھا
اللہ پہ روشن ہے جو کچھ دل پہ تعب تھا — تڑپے نہیں یہ کس کی عنایت کا سبب تھا
بہتر تھا ہمارے لیے تنہائی کا مرنا — سب سہل ہے جب دیکھ چکے بھائی کا مرنا
داخل ہوئی خیلِ شہدا میں مری اولاد — جو نیک کمائی ہے وہ ہوتی نہیں برباد
سب اس پہ فدا ہیں علی اکبر ہوں کہ سجاد — بندہ وہ ہے صاحب کی جو بھولے نہ کبھی یاد
طاعت تو ہے دشوار اطاعت تو نجائے — بیٹا تو گیا صبر کی دولت تو نجائے
رونے سے ملیں گر علی اکبر تو میں رووں — چھاتی سے لپٹ جائے وہ دلبر تو میں رووں
آباد جو ہو اجڑا ہوا گھر تو میں رووں — رونے سے یہ دولت ہو میسر تو میں رووں
پر کرے ہوئے لال کو پاتے نہیں دیکھا — دنیا سے گیا جو اسے آتے نہیں دیکھا
روئے جو مصیبت میں تو کیا ہوتا ہے ای دل — ہوتا ہے جو قسمت کا لکھا ہوتا ہے ای دل
ہر درد کا الفت میں مزا ہوتا ہے ای دل — صابر سے رضا مند خدا ہوتا ہے ای دل
مطلب نہ رہے یہ جو چلے جی کر کے لیں گے — جیتے ہیں تو فرزند سے اب مر کے ملیں گے

باتیں تھیں اِدھر شکر کی اور صبر و رضا کی
بندھتی تھیں صفیں رن میں اُدھر اہلِ جفا کی
ناگاہ ہوئی خیمے میں اک دھوم بُکا کی
سمجھے شہِ مظلوم کہ اصغر نے قضا کی
فرمایا کہ یا رب کہیں جلدی اجل آئے
تڑپا یہ دلِ زار کہ آنسو نکل آئے

ڈیوڑھی کے قریب آکے شبیرؑ پکارے
جیتے ہیں کہ اصغر سوئے فردوس سدھارے
فضہؓ نے کہا ای اسداللہ کے پیارے
معصوم کا دم ہونٹوں پہ ہے پیاس کے مارے
سنبھلے ہیں کچھ اب پہلے تو گردن بھی ڈھلی تھی
جلد آیئے لونڈی تو بلانے کو چلی تھی

روتے ہوئے خیمے میں شہِ بحر و بر آئے
خوش ہو کے سکینہ نے کہا لو پدر آئے
بانو کو جو شبیرؑ اکیلے نظر آئے
چلائی کہ میداں سے نہ اکبر ادھر آئے
لونڈی نے بڑی دیر سے دیکھا نہیں ان کو
صاحب مرے لٹنے کی خبر کیا نہیں ان کو

کہدے کوئی مرتے ہیں علی اصغرِ گلفام
لائیں جو کہیں سے انھیں پانی کا ملے جام
حضرت نے کہا ان کو کسی سے نہیں کچھ کام
جاگے تھے کئی رات کے اب کرتے ہیں آرام
ہم دارِ محن میں ہیں وہ گلزارِ جناں میں
واماندوں کی لیتا ہے خبر کون جہاں میں

سب قافلے والوں سے وہ منہ موڑ گئے ہیں
اس عالمِ غربت میں ہمیں چھوڑ گئے ہیں
ہاتوں کو دمِ نزع بھی وہ جوڑ گئے ہیں
تنہائی میں بابا کی کمر توڑ گئے ہیں
اپنی بھی کوئی دم میں اجل آتی ہے صاحب
تنہا ہیں جو اُن کی بھی گزر جاتی ہے صاحب

فرما کے یہ گہوارۂ اصغر پہ جھکے شاہ
دیکھا جو دم اُکھڑا تو ہوا صدمہ جانکاہ
خورشیدِ لبِ بام نظر آیا جو وہ ماہ
رانڈوں کے جگر ہل گئے اِس دو سے کی آہ
چھائی ہوئی زردی تھی جو دلبند کے منہ پر
شبیرؑ نے منہ رکھ دیا فرزند کے منہ پر

بل کھائے ہوئے ہاتھ جو تکیوں سے اُٹھائے
منہ رکھ دیا بوسے لیے آنکھوں سے لگائے
رعشہ ہوا ہاتھوں کو قدم سر جو پائے
ڈھونڈی جو ملی نبض تو آنسو نکل آئے
کانٹے جو نظر آ گئے ننھی سی زباں میں
اک درد کا نشتر تھا کہ ڈوبا رگِ جاں میں

ننھے سے جو تکیہ سے ڈھلی جاتی تھی گردن
دم باپ کا رک رک جاتا تھا اور کانپتا تھا تن
نیلے تھے لبِ سرخ جو مثلِ گلِ سوسن
روتے تھے لہو زرد تھا شہ کا رخِ روشن
چھاتی میں دھڑکتا جو دل اس ماہ جبیں کا
صدمہ سے اچھلتا تھا کلیجہ شہِ دیں کا

دیکھی جو مسوڑھوں کی کبودی تو ہوئے زرد
یہ روئے کہ تر ہو گیا شہ کا رخِ پر گرد
وہ ہچکیاں لے لیکے جو بھرتا تھا دمِ سرد
اٹھتا تھا کلیجے میں شہِ دیں کے عجب درد
پتلی جو پھری جاتی تھی اس غنچہ دہن کی
اندھیر تھا آنکھوں میں شہنشاہِ زمن کی

تھا نزع میں وہ غنچہ دہن پیاس کے مارے
اینٹھی تھی زباں موت کے آثار تھے سارے
چھاتی پہ کبھی ہاتھ دھرے گاہ اُتارے
منھ کھولتا تھا پیاس میں پانی کے اشارے
دم رکتا تھا سینے میں تو ڈھل پڑتے تھے آنسو
کھل جاتی تھیں آنکھیں تو نکل پڑتے تھے آنسو

چلاتی تھی بکھرائے ہوئے بالوں کو مادر
دولت مری لٹتی ہے اجڑتا ہے بھرا گھر
فریاد ہے ای لختِ دلِ ساقیِ کوثر
آنکھیں بھی جھپکتے نہیں اب تو علی اصغر
کیا ہو گیا اس صاحبِ اقبال کو میرے
ہے ہے لیے جاتی ہے اجل لال کو میرے

گودی میں لیا شاہ نے گھبرا کے پسر کو
لپٹا لیا خورشید نے چھاتی سے قمر کو
خیمے سے چلے لیکے جو اس نورِ نظر کو
غش آنے لگا مادرِ تفتیدہ جگر کو
سمجھی کہ یہ اب جا کے نہ پھر آئینگے رن سے
فرزند چلا کیا کہ چلی جان بدن سے

اشک آنکھوں سے بہنے لگے دل غم سے بھر آیا
گہوارہ لیے شیر جو خالی نظر آیا
رقت کا ہوا جوش کہ منہ کو جگر آیا
رنگ اڑنے لگا تیر کلیجے میں در آیا
گہوارہ پہ سر دھر کے جو غش کر گئی بانو
ہر بی بی پہ ثابت یہ ہوا مر گئی بانو

سب بی بیاں چلا کے جو کرنے لگیں زاری
گھبرا کے اٹھی اور یہ حضرت کو پکاری
یا سبطِ نبی تن سے چلی جان ہماری
اک لحظہ ٹھہر جائیے میں آپ کے واری
صاحب مری آغوش کے پالے کو دکھا دو
اک بار پھر اس ہنسلیوں والے کو دکھا دو

حضرت نے کہا شوق سے لے شبر کو دیکھو　　لو آکے پھر اس چاند سی تصویر کو دیکھو
بیتاب ہو کیوں اصغر دلگیر کو دیکھو　　کیا صبر کیا ہے دل شبیر کو دیکھو
موت آج جوان کی ہے تو چارا نہیں صاحب　　کیا لال تمہارا ہمیں پیارا نہیں صاحب

تم ماں ہو بڑے دکھ سے اسے تم نے ہے پالا　　ہے حق بہ طرف گر ہو کلیجہ تہ و بالا
پر جان ہماری بھی ہے یہ گیسوؤں والا　　ہر طرح مگر صبر کیا دل کو سنبھالا
خوشنود ہیں وہ عشق ہے اللہ سے جن کو　　اکبر کو فدا کرکے لیے جاتا ہوں ان کو

میں ان کو نہ لیجاؤں اگر ہے تمہیں وسواس　　دوری علی اکبر سے ہوئی یہ تو رہیں پاس
اب تو ہے تمہاری یہی امید یہی آس　　اور اس کے سوا پانی کے ملنے سے بھی ہے یاس
لو چلتی ہے میداں میں ہوا سرد نہیں ہے　　وہ لوگ ہیں واں جمع جنھیں درد نہیں ہے

دھڑکا ہے کہ بے رحم کہیں تیر نہ ماریں　　شرمندہ ہوں تم سے جو یہ کوثر پہ سدھاریں
واں تیز ہیں میرے لیے تلواروں کی دھاریں　　غل ہے کہ حسین آئیں تو سر تن سے اتاریں
قاتل ہیں وہ اکبر کے تو سجاد کے دشمن　　ہیں مجھ سے زیادہ مری اولاد کے دشمن

نیزہ علی اکبر کو مرے سامنے مارا　　پانی کو ترستا ہوا دنیا سے سدھارا
ہیں دشمن اولادِ علی وہ ستم آرا　　اس کو بھی کریں قتل تو کیا زور ہمارا
غم ہو کہ عبث لا کے جگر بند کو کھویا　　تم دل میں کہو باپ نے فرزند کو کھویا

برگشتہ ہے تقدیر مخالف ہے زمانا　　دشوار ہے اب جا کے مرا خیمہ میں آنا
سچ کہتی ہو تم ان کا مناسب نہیں جانا　　الفت ہے اگر ہم سے تو آنسو نہ بہانا
دکھ درد رنڈاپے کا بھی سہ لیجیو بانو　　جو کہنا ہو اللہ سے کہہ لیجیو بانو

لو گود میں فرزند کو اللہ نگہباں　　ہر حال میں زینب کی اطاعت کا رہے دھیان
بانو نے کہا جوڑ کے ہاتھوں کو یہ اس آن　　لونڈی سے خفا کچھ ہوئے میں آپ کے قربان
یوں آپ جسے چاہیے دے جائیے ان کو　　کب میں نے کہا تھا کہ نہ لے جائیے ان کو

میں بھی ہوں کنیز آپ کی یا حضرتِ شبیر
ہر دکھ میں رضا جوئے خدا تابع تقدیر

بیتاب تھا دل کی ہو جو بیجا کوئی تقریر
ہیں آپ خطا پوش بحل کیجیے تقصیر

فرزند کا غم ماں کے کلیجے کو چھری ہے
صدقے گئی یہ آتما کی آنچ بری ہے

خنجر کے تلے جس کا جگر ہو وہی جانے
اس درد کی جس دل کو خبر ہو وہی جانے

دکھ درد میں بیبیاں جس کی بسر ہو وہی جانے
آغوش میں جس ماں کی پسر ہو وہی جانے

شب کٹتی ہے کس طرح سے دن ڈھلتا ہے کیونکر
پوچھے کوئی ماں سے کہ پسر پلتا ہے کیونکر

پہلو میں ہو یا گود میں یا چھاتی پہ سوئے
دھڑکا ہے کہ بچہ کہیں بےچین نہ ہوئے

پلتا ہے پسر ایک جو ماں عمر کو کھوئے
جس نے یہ اٹھائی ہو مصیبت وہ نہ روئے

ماں چپ رہے اور گود سے جائے پسر ایسا
صاحب کوئی لے آئے کہاں سے جگر ایسا

میں آپ کے صدقے مرے ماں باپ بھی قرباں
یہ خادمۂ خاص تو ہے تابعِ فرماں

خوشنود ہوں لیجائیے ان کو سوئے میداں
کچھ میں نے کہا مر گئے جب اکبرِ ذیشاں

ہاں صبر خدا دے یہ دعا کیجیو صاحب
نام ان کا جواب لوں تو گلا کیجیو صاحب

شہ بولے یہ کیا کہتی ہو ای بانوئے دلگیر
واللہ بدل تم سے رضامند ہے شبیر

دخل اس میں نہ میرا نہ تمہاری کوئی تقصیر
صاحب انھیں دریا پہ لیے جاتی ہے تقدیر

واجب ہمیں ہر حال میں خوشنودیٔ رب ہے
اکبر گئے جس جا وہیں ان کی بھی طلب ہے

لو گود میں لیکر انھیں چھاتی سے لگاؤ
بس صبر کرو اشک نہ آنکھوں سے بہاؤ

بھاری کوئی کرتا علی اصغر کو پہناؤ
اکبر کے جو بچپن کا عمامہ ہو تو لاؤ

دولہ سا بناؤ کہ یہ پروان چڑھے گا
تم شکر کرو آج کہ دودھ ان کا بڑھے گا

یہ سن کے کہا ماں نے کہ آ ای مرے پیارے
سرمہ بھی دیا بال بھی سب کر کے سنوارے

کپڑے تھے جو بھاری وہ پہنائے یہ اتارے
رو کر کہا لو جاؤ میں قربان تمہارے

جھک جھک کے جو فرزند کا منہ پاس سے دیکھا
ماں کو علی اصغر نے عجب یاس سے دیکھا

مادر سے اشارا تھا کہ دنیا سے چلے ہم
افسوس کہ اس باغ میں پھولے نہ پھلے ہم
گودی میں تمہاری چھ مہینے تو پلے ہم
اب تشنہ دہن جاتے ہیں طوبیٰ کے تلے ہم
کیوں روتی ہو کچھ رونے سے حاصل نہیں اماں
یہ دارِ محن رہنے کے قابل نہیں اماں

اک شور تھا اللہ نگہباں علی اصغر
چلاتی تھیں پھوپیاں مرے ناداں علی اصغر
پیارے علی اصغر مرے ذی شاں علی اصغر
ماں کہتی تھی جاتے ہو میں قرباں علی اصغر
چھٹتا تھا جو بھائی تو موئی جاتی تھیں بہنیں
منہ چھاتی پہ رکھے ہوئے چلاتی تھیں بہنیں

بچے کو لیے گھر سے جو نکلے شہِ والا
تھی دھوپ میں تیزی کہ ہرن ہوتا تھا کالا
نکلا تھا کبھی گھر سے نہ وہ ہنسلیوں والا
دامانِ عبا چہرۂ فرزند پہ ڈالا
روتا تھا تو چھاتی سے لگا لیتے تھے شبیر
ہر گام پہ دامن سے ہوا دیتے تھے شبیر

یوں کہنے لگے دیکھ کے آپس میں ستمگر
یہ کیا ہے جو ہاتھوں پہ لیے ہیں شہِ صفدر
بولا کوئی ہے زیرِ عبا مصحف داور
تا صلح کریں ہم سے اسے بیچ میں دے کر
معلوم ہوا جنگ سے گھبراتے ہیں شبیر
قرآں کو شفاعت کے لیے لاتے ہیں شبیر

بولا کوئی بے درد نہیں یہ نہیں اصلا
ہے صابر و شاکر پسرِ حضرتِ زہرا
سادات پہ اس دشت میں ہے تیسرا فاقا
بیجاں ہوا ہوگا کسی سیدانی کا بچا
اشک آنکھوں میں ہیں چاک گریباں کیے ہیں
میت کسی معصوم کی شبیر لیے ہیں

سن کر یہ کلام ان کا پکارے شہِ عادل
تم تو نہ محمد کے نہ قرآں کے ہو قایل
میت ہے نہ قرآن ہے یہ اے فرقۂ جاہل
یہ مصحفِ ناطق کے گلے کی ہے حمایل
دیکھو مری مظلومی و اندوہ و قلق کو
لے آیا ہوں زہرا کے صحیفے کے ورق کو

یہ چھوٹا سا سید بھی ہے مہمان تمہارا
کیا تم کو ملے گا جو اسے پیاس نے مارا
یہ فرش کی زینت ہے تو ہے عرش کا تارا
میرا بھی جگر بند ہے ماں کا بھی ہے پیارا
کچھ پانی کے بدلے تمہیں لینا ہو تو کہہ دو
دریا سے جو قطرہ کوئی دینا ہو تو کہہ دو

طالب ہو اگر زر کے تو زر لیجیو مجھ سے
قطرے کے عوض لعل و گہر لیجیو مجھ سے

پانی دو اسے خلد میں گھر لیجیو مجھ سے
خالی ہو اگر نہر تو بھر لیجیو مجھ سے

معصوم ہے دن لے آب کبھی جی نہ سکے گا
اک جام تو یہ تشنہ دہن پی نہ سکے گا

مارا جنھیں برچھی سے انھیں کا ہے یہ بھائی
اٹھارہ برس کے تھے وہ جن کی اجل آئی

یہ لعل ہے میرا چھ مہینے کی کمائی
مر جائے گی ماں گر ہوئی اس سے بھی جدائی

بہنوں کی یہ ہے جان پھوپھیوں کا جگر ہے
مر جانے میں اس کے کئی جانوں کا ضرر ہے

میں یہ نہیں کہتا ہوں کہ پانی مجھے لا دو
تم آپ اسے آن کے چلو سے پلا دو

مرتا ہے یہ مرتے ہوئے بچے کو جلا دو
للہ کلیجے کی مرے آگ بجھا دو

جب منہ مرا تکتا ہے یہ حسرت کی نظر سے
اے ظالمو اٹھتا ہے دھواں میرے جگر سے

بجھتی نہیں جب آگ کلیجے میں لگی ہو
جانے وہی اولاد خدا نے جسے دی ہو

سوئے وہ قضا جس کے جگر بند نے کی ہو
انصاف کرے دل پہ چھری جس کے چلی ہو

غمگیں ہو تو سوزِ نفس سرو کو سمجھے
جس دل میں نہ ہو درد وہ کیا درد کو سمجھے

اولاد کی فرقت کوئی پوچھے مرے جی سے
بیٹے کی محبت کوئی پوچھے مرے جی سے

یہ دکھ یہ مصیبت کوئی پوچھے مرے جی سے
اس درد کی لذت کوئی پوچھے مرے جی سے

اک یادِ الٰہی تو فراموش نہیں ہے
یہ جوش ہے غم کا کہ مجھے ہوش نہیں ہے

میں خوب سمجھتا ہوں کہ ہو ظلم کے بانی
یہ کیا ہے کہ پھر تم سے طلب کرتا ہوں پانی

جاں اپنی میں دیتا ہوں جو بچ جائے یہ جانی
مر جاؤں میں پر اس کی نہ بجھے تشنہ دہانی

جب سوئے عدم خلق سے منہ موڑ کے جاؤں
حسرت ہے کہ دنیا میں اسے چھوڑ کے جاؤں

یہ کہہ کے اٹھایا رخِ بے شیر سے دامن
چہرے کی تجلی سے جہاں ہو گیا روشن

دیکھی جو ہیں وہ چاند سی ڈھلکی ہوئی گردن
کیا ذکر بھلا دوست کا رونے لگے دشمن

ہر چند کہ سب ظالم و جلاد تھے ان میں
تھرائے جو صاحب اولاد تھے ان میں

کی آہ کسی نے کوئی مُنہ پھیر کے رویا — دامن کسی جلاد نے اشکوں سے بھگویا
ہر شخص کے اک تیر لگا قلب پہ گویا — بولا کوئی ایماں بھی گیا دین بھی کھویا
یوں پھول کوئی دھوپ میں مرجھا نہیں جاتا — ننّھے کا یہ عالم ہے کہ دیکھا نہیں جاتا

بولا کوئی کیا پانی کے دینے میں ضرر ہے — معصوم ہے مظلوم ہے اور تشنہ جگر ہے
بولا کوئی بچہ ہے تو ہو دھیان کدھر ہے — دشمن اسے سمجھو کہ یہ دشمن کا پسر ہے
پچھتائے گا کل آج جو پانی اسے دیگا — یہ طفل جواں ہو کے عوض باپ کا لیگا

تب شمر پکارا کہ ہمیں رحم نہیں ہے — یہ غنچہ دہن کیا علی اکبر سے حسیں ہے
حضرت نے کہا یہ تو مرے دل کو یقیں ہے — اس فوج میں اک ایک شقی دشمنِ دیں ہے
بے صبر نہیں گو کہ گرفتارِ قلق ہوں — حجت نہ رہے کوئی کہ میں حجتِ حق ہوں

یہ سن کے بڑھا صف سے بنِ کاہل بے پیر — پیاسے علی اصغر کی ہوئی قتل کی تدبیر
جوڑا ستم ایجاد نے چلّے میں اُدھر تیر — چھاتی تلے بچے کو چھپانے لگے شبیر
چلاتے تھے پیہم کہ یہ کیا کرتا ہے ظالم — بچے کو جو تاکا تو خطا کرتا ہے ظالم

کب سنتا تھا فریاد کسی کی ستم آرا — اک تیر ستم تاک کے معصوم کو مارا
ڈھلکی ہوئی گردن پہ لگا تیر قضا را — بس چونک پڑا سہم کے وہ باپ کا پیارا
اشک آنکھوں سے شبنم کی طرح رخ پہ ڈھل آئے — ننھے سے انگوٹھے بھی دہن سے نکل آئے

گھبرا کے سرے کو جو لگے کھینچنے سرور — سب خون سے کُرتا بھی گُلو کا بھی ہوا تر
تھرانے لگے ننھے سے وہ بازوے انور — ڈھیلے ہوئے ہاتھوں سے کڑے پھر گئے تیور
بیتابی میں تہ بیٹھ گئے خاک پہ ہٹ کر — وہ غنچہ دہن مر گیا بابا سے لپٹ کر

ہاتھوں پہ جو مردہ اسے شبیرؑ نے پایا — آہ دلِ مظلوم نے گردوں کو ہلایا
تھرائے ہوئے ہاتھوں پہ میت کو اُٹھایا — کی عرض کہ اب تک تو میں صابر ہوں خدایا
محتاج نہ پانی کا نہ خواہاں ہوں مدد کا — طالب ہوں فقط مغفرتِ اُمتِ جد کا

شیعوں کے گناہوں سے مجھے ہے خطر و بیم
آئی یہ ندا ان پہ کسی کو نہیں تقدیم
گھبرا نہ انھیں اجر گراں مایہ ملے گا

تو بندۂ صالح ہے تو ہم صادق الاقرار
ناجی ہیں ترے دوست ہوں کیسے ہی گنہگار
شبیرؑ نہ غم کھا تجھے ہم شاد کریں گے

سن کر یہ صدا شاد ہوئے سبطِ پیمبرؐ
چھوٹے کو بڑے بھائی کے پہلو میں لٹا کر
بعد آپ کے ہم دشت میں پھر آج لٹے ہیں

جنگل ہے درندوں سے برادر کو بچانا
کوثر پہ جو پہونچو گے تو پیاس ان کی بجھانا
مثلِ گلِ تر پیاس سے مرجھائے ہوئے ہیں

فرزند کے لاشہ سے یہ کہتے تھے ابھی شاہ
تولے ہوئے تیغوں کو بڑھا لشکرِ گمراہ
حرنے کے لیے ہاتھ جو دو ایک کے اٹھے

لاشوں کو پکارے کہ خدا حافظ و ناصر
طے جلد ہوئی جاتی ہے یہ منزلِ آخر
بلوہ یہ نہ دیکھا یہ صف آرائی نہ دیکھی

فرما کے یہ مرنے پہ کسا اور کمر کو
جلوہ دیا کرار کی شمشیر دو سر کو
جوہر تو ادھر برقِ شرربار میں چمکے

ناموں پہ انھیں کے ہو تو اب اس کا بھی تقسیم
بخشا انھیں اے راہ روِ جادۂ تسلیم
فردوس میں سب کو ترا ہمسایہ ملے گا

تو شافعِ امت ہے تو ہم راحم و غفار
مالک ہے جہنم کا تو فردوس کا مختار
شیعوں سے ترے خلد کو آباد کریں گے

اصغرؑ کو لیے آئے سوئے لاشۂ اکبرؑ
چلائے کہ ہاتھ اپنا دھرو اے مہِ انور
ہشیار کہ یہ پہلی پہل ماں سے چھٹے ہیں

گر روئیں تو بیٹا انھیں چھاتی سے لگانا
لیجو انھیں دادی کی جو تسلیم کو جانا
گردن نہ دکھے تیرِ ستم کھائے ہوئے ہیں

چلنے لگے پھر تیرِ ستم فوج سے ناگاہ
آزردہ ہوئی خاطرِ فرزندِ یداللہ
اک شیر سے شمشیر علی ٹیک کے اٹھے

اب مرنے کو جاتا ہے یہ مظلوم مسافر
دو لاکھ عدو جمع ہیں اک جان کی خاطر
افسوس کہ تم نے مری تنہائی نہ دیکھی

جولاں کیا اس دم فرسِ برق سیر کو
ہتوانس لیا حضرتِ حمزہ کی سپر کو
اک چار ستارے سے شبِ تار میں چمکے

چھیڑا جو فرس کو اسد اللہ کے پسر نے
مجرا کیا اقبال نے تسلیم ظفر نے
پہونچا دیا سر عرش پہ شمشیر دو سر نے
دکھلایا عروجِ شبِ معراج سپر نے
تھا ہوش نہ پریوں کو نہ انساں کو نہ جن کو
غل تھا کہ جہاں میں شبِ قدر آئی ہے دن کو

اللہ ری چمک صاعقۂ تیغِ دو سر کی
جبریل کو گردوں پہ ہوئی فکر سپر کی
گھبرا کے اِدھر ثور نے ماہی کو خبر کی
پڑھنے لگے مولا تو زمیں کانپ کے سرکی
گردوں پہ تھے مہر کو یہ تاب نہیں تھی
ذرے تھے کہیں دھوپ کہیں چھاؤں کہیں تھی

خورشید جو ڈر ڈر کے چھپا اور نکل آیا
گہ دھوپ تھی سایہ پہ کبھی دھوپ پہ سایا
مُنھ برق نے بھی خرمنِ گردوں میں چھپایا
شمشیر کے شعلہ کی کوئی تاب نہ لایا
غل چار طرف تھا کہ گھرے قہرِ خدا میں
آگ آب میں پنہاں ہوئی اور خاک ہوا میں

جب اوج دکھاتی تھی وہ تیغِ دو دم اپنا
دانتوں میں پکڑتا تھا عطارد قلم اپنا
افعی بھی اُگل دیتے تھے ڈر ڈر کے سم اپنا
اژدر بھی پہاڑوں میں چھپاتے تھے دم اپنا
یوں بھاگتے تھے شیر کہ دم بھول گئے تھے
دہشت تھی کہ وحشت کو ہرن بھول گئے تھے

نعروں سے دہلتی تھی زمیں کانپتا تھا رن
وہ تند نظر قہر کی وہ غیظ کی چتون
وہ تیزیِ شمشیر وہ چالاکیِ توسن
وہ عطر فشاں زلفِ سیہ وہ رخِ روشن
عنبر میں یہ بو بدر میں یہ نور کہاں ہے
سارا شبِ معراجِ محمد کا سماں ہے

شمشیر چمکنے میں یہ کرتی تھی اشارا
اک ضرب میں عنتر کو کیا میں نے دو پارا
وہ بحرِ فنا ہوں کہ نہیں جس کا کنارا
ای قوم مرے گھاٹ سے مشکل ہے اُتارا
منھ پر کبھی افواجِ ستم چڑھ نہیں سکتی
دھارے سے مرے کشتیِ تن بڑھ نہیں سکتی

دنیا میں کوئی صاحبِ جوہر نہیں مجھ سا
سر تیز کوئی دشنہ و خنجر نہیں مجھ سا
افعی نہیں مجھ سا کوئی اژدر نہیں مجھ سا
فولاد کے دریا کا شناور نہیں مجھ سا
بُت توڑ دیئے ہیں جو سوئے دیر گئی ہوں
خندق کو تو دو ہاتھ میں میں پیر گئی ہوں

خیبر کی لڑائی کی خبر کس کو نہیں ہے
اس قلعہ کشائی کی خبر کس کو نہیں ہے
اعدا کی دہائی کی خبر کس کو نہیں ہے
اس منہ کی صفائی کی خبر کس کو نہیں ہے
نے فتح تشفی کبھی میری نہیں ہوتی
سیروں جو لہو پیلوں تو سیری نہیں ہوتی
اُس شبّیر کی شمشیر ہوں جو شیرِ خدا ہے
تلواروں سے عالم کی مرا کاٹ جدا ہے
قبضے میں اب اُس کے ہوں جو سلطانِ ہدیٰ ہے
تمغے کی جگہ نقشِ فنا مجھ پہ کھدا ہے
برسوں میں مرے زخم کا مرہم نہیں بھرتا
پیروں جو لہو میں تو کبھی دم نہیں بھرتا
گردوں سے جسے حق نے اُتارا ہے وہ میں ہوں
جرّاروں کو جس تیغ نے مارا ہے وہ میں ہوں
جس سے جگرِ کفر دوپارا ہے وہ میں ہوں
دریا جو زمانے میں دودھارا ہے وہ میں ہوں
کفار کی لاشوں سے بیاباں کو بھرا ہے
اسلام کا گلشن مرے پانی سے ہرا ہے
پہچانتے تھے خوب پیمبر مرے جوہر
مخفی نہیں جبریلِ امیں پر مرے جوہر
کھولے ہیں ید اللہ نے اکثر مرے جوہر
کرّار نے دیکھے ہیں مکرّر مرے جوہر
ہوں دشمنِ جاں جن بھی یہ سب جان گئے ہیں
جبریل بھی لوہے کو مرے مان گئے ہیں
ای قوم نکالے ہیں یہ بت میں نے حرم سے
اقبال سے حیدر کے محمد کے حشم سے
ایماں کے گلستاں میں ہے رونق مرے دم سے
سب سیکھے ہیں سجدے میں جھکنا مرے خم سے
تھا فکر کا رشتہ جسے تسبیح کیا ہے
زنّار کو ڈورے نے مرے کاٹ دیا ہے
دیکھو مجھے میں نفیِ عدو کے لیے لا ہوں
کھاتی ہے جو دشمن کا کلیجہ وہ بلا ہوں
قصرِ تنِ اعدا کے لیے سیلِ فنا ہوں
کافر کے لیے درد ہوں مومن کی دوا ہوں
ناگن میں نہ ہوگی کبھی جو لہر ہے مجھ میں
چڑھ کر جو اُترتا نہیں وہ زہر ہے مجھ میں
ناگاہ بڑھے شاہ چلی تیغ چمک کے
شعلے نے لیا لشکرِ ناری کو لپک کے
جنگل کی طرف دوڑ گئی آگ بھڑک کے
تھرّانے لگے شیر پہاڑوں میں دبک کے
ہر سو کرۂ نار کا عالم نظر آیا
میدانِ بلا خیز جہنم نظر آیا

تیغ آئی چمک کر کہ قضا آئی سروں پر
یا کھولے ہوئے منھ کو بلا آئی سروں پر
لہراتی ہوئی سیلِ فنا آئی سروں پر
سر اڑتے ہیں جس سے وہ ہوا آئی سروں پر
دم بھر میں نہ صف تھی نہ سواروں کا پرا تھا
اعدا کا لہو تیغ کی باچھوں میں بھرا تھا

جس صف پہ چمک کر وہ گئی ڈر گئے اعدا
بس خون میں سر تا بہ قدم بھر گئے اعدا
بھاگڑ میں جدھر ششدر و مضطر گئے اعدا
بجھ بجھ گئے پس پس گئے مر مر گئے اعدا
مقتل میں سواروں پہ فرس ٹوٹ رہے تھے
دو ایک پہ اور پانچ پہ دس لوٹ رہے تھے

اک برق چمکتی تھی صفِ فوجِ ستم پر
بسمل بھی تڑپ جاتے تھے اس تیغ کے دم پر
یوں کاٹ کے دستانے کو جاتی تھی جھلم پر
جس طرح چلے تیز چھری نرم قلم پر
ہر شے کے اڑا دینے میں فیاض تھی شمشیر
چار آئنہ قرطاس تھے مقراض تھی شمشیر

سر گرتے تھے ہر بار زرہ پوشوں کے تن سے
جوشن تنِ کفار میں بدتر تھے کفن سے
ٹوٹی تھیں صفیں تیغِ شہِ قلعہ شکن سے
آتی تھی جو رن سے تو نکل جاتی تھی سن سے
کیا روکتے ڈھالوں پہ وہ تیغِ دو زباں کو
روکا ہے کبھی باغ کے پتوں نے خزاں کو

گہ ڈھال میں ڈوبی کبھی نیزے کی گرہ میں
ترکش میں کبھی گاہ کماں میں کبھی زہ میں
مچھلی سی کبھی پیر گئی موج زرہ میں
ایک تیغ سے تھا زلزلہ برپا کہ و مہ میں
جب کوند کے اٹھی اسے افلاک پہ دیکھا
دیواروں کو چار آئنہ کی خاک پہ دیکھا

مقتل سے جری تیغ و سپر چھوڑ کے بھاگے
ہلچل تھی کہ بیٹوں کو پدر چھوڑ کے بھاگے
یوں روح کے طائر تن و سر چھوڑ کے بھاگے
جیسے کوئی بھونچال میں گھر چھوڑ کے بھاگے
غل تھا کہ نماز اس کی پڑھو فرض یہی ہے
ای قوم اذا زلزلت الارض یہی ہے

ریتی پہ تڑپتے ہوئے تن اس نے دکھائے
پھولے ہوئے زخموں کے چمن اس نے دکھائے
سو رنگ تہِ چرخِ کہن اس نے دکھائے
چلنے میں قیامت کے چلن اس نے دکھائے
خود آیۂ نصرت تھی ظفر کام تھا اس کا
مفتاحِ طلسماتِ جہاں نام تھا اس کا

کس غول میں وہ صاعقہ کردار نہ چمکی
کس فرق پہ بجلی سی وہ خونخوار نہ چمکی

اس تیغ کے آگے کوئی تلوار نہ چمکی
تلوار تو کیا برقِ شرربار نہ چمکی

آنچ اس کی جلادینے میں بجلی تھی قضا کی
کہتا تھا جہنم کہ پناہ اس سے خدا کی

تن سرد ہوئے گرم ہوا موت کا بازار
جاں تن پہ گراں جنگ میں تھے دوش پہ سر بار

جب صورتِ مقراض اُٹھی تیغِ شرربار
ابریشمِ خورشید منقرض ہوا ہر بار

تھراتا ہے مہر آج تلک چرخِ بریں پر
ذرّے یہ وہی ہیں جو چمکتے ہیں زمیں پر

اِس تیغ سے تھی چار طرف مشتعل آتش
آعدا کا تن آتش جگر آتش تھا دل آتش

تھی گرمی بازارِ اجل سے خجل آتش
آتش پہ برستی تھی پڑی متصل آتش

ارزاں جنھیں شمشیر اجل دم نے خریدا
خود آگ کے مول اس کو جہنم نے خریدا

ہر صف کو چمک کر تہ و بالا کیا اُس نے
لشکر کے اندھیرے کو اُجالا کیا اس نے

کاسے کو ہر اک سر کے پیالا کیا اس نے
خود آگیا جب منہ پہ نوالا کیا اُس نے

چار آئنہ کاٹا ہوئی حیرت کہ ومہ کو
کڑیاں نہ ملیں کھا گئی اس طرح زرہ کو

لشکر کو ادھر سطوتِ شاہی نے دبایا
گر گر کے سپاہی کو سیاہی نے دبایا

تلواروں کو شمشیر الٰہی نے دبایا
اُٹھنے لگیں ڈھالیں تو سیاہی نے دبایا

نیزوں کے بھی سر خاک پہ دہشت سے جھکے تھے
کیا چلتیں کہ تلواروں کے دم آپ رُکے تھے

اِس تیغ کے منہ پر کوئی جانباز نہ ٹھہرا
پلّے پہ بھی جا کر قدر انداز نہ ٹھہرا

دہشت سے کوئی شعبدہ پرداز نہ ٹھہرا
اِک جا قدمِ شمرِ فسوں ساز کے آگے

کنجشک کی کیا قدر رہے شہباز کے آگے
جادو کہیں چل سکتا ہے اعجاز کے آگے

پھل اُڑ گئے پتا ہوئے سب برچھیوں والے
شاخوں کی طرح صاف قلم ہو گئے بھالے

دیکھے جو گُلِ زخم پڑے جان کے لالے
تھے ہر شجرِ قد کی جگہ خون کے تھالے

یہ رنگ لڑائی کا بدلتے نہیں دیکھا
یوں تیغِ خزاں کو کبھی چلتے نہیں دیکھا

جس صف پہ گئی زلزلہ برپا کیا اس نے
گرما کے جو منھ جانبِ دریا کیا اس نے
گردن پہ دمِ تیغِ اجل دم نظر آیا
تھا شور کہ اس تیغ کا پانی نہیں سم ہے
ناب اس کی نہیں جادۂ صحرائے عدم ہے
جنات کو ڈر ہے اسی تیغِ دوزباں کا
سو سو شجرِ باغِ ستم کاٹ کے اُٹھی
مغفر پہ جو چمکی تو جھلم کاٹ کے اُٹھی
غل تھا یہ بلا وہ ہے کہ ٹالی نہیں جاتی
جب آگئی وہ تیغ کمانوں کے برابر
تھے توڑ میں جو تیر سنانوں کے برابر
جا سکتے تھے گوشوں میں کہیں امن و اماں کے
تھی صورتِ شین اس لیے وہ صاحبِ توقیر
حلقہ تھا نہ پیکاں تھا نہ گوشہ تھا نہ زہگیر
ثابت کسی سرکش کی نہ ترکش کی سری تھی
اللہ ری پھل کہ جدا ہوگئے یک بار
نیزے سے انی برچھی سے پھل تیر سے سوفار
سینے کی نہ دل کو نہ خبر دل کی جگر کو
کونین میں تھا شورِ ثنائے شہِ اکرم
آتی تھی یہ ہاتف کی صدا چرخ سے پیہم
کیونکر نہ ہو تو کس کا گل اندام ہے شبیرؑ

ہر قصرِ بدن کو تہ و بالا کیا اس نے
پانی کے نگہبانوں کو ٹھنڈا کیا اس نے
سوتے سے جو چونکے جو جہنم نظر آیا
دم بھر نہیں تھمتی ہے عجب طرح کا دم ہے
جو سر ہے وہ اس تیغ کی محراب میں خم ہے
جوہر نہ کہو دام ہے یہ طائرِ جاں کا
ہر نیزے کو مانندِ قلم کاٹ کے اُٹھی
بیرق کو نہ پایا تو علم کاٹ کے اُٹھی
گر پڑتی ہے جب برق تو خالی نہیں جاتی
مقتولوں کے تودے ہوئے شانوں کے برابر
وہ خاک پہ غلطاں تھے نشانوں کے برابر
موجود تھی مرکز کی طرح سر پہ کماں کے
اسبابِ شجاعت کی سرآمد تھی وہ شمشیر
کٹ جاتے تھے مثلِ خطِ باطل الفِ تیر
نے چلہ کماں جو تھی وہ نونِ نظری تھی
گردن سے تو سر جسم سے دم ہاتھ سے تلوار
ہاتھوں سے کمانیں تو کمانوں سے کماندار
تلوار تلے چھوڑ گیا باپ پسر کو
کرتا تھا مباہاتِ خداوندِ دو عالم
احسنت ہے اے اشرفِ ذریتِ آدم
اس پیاس میں یہ جنگ ترا کام ہے شبیرؑ

بولے شہِ والا کہ یہ سب لطف خدا ہی
میں کیا ہوں بھلا اور شجاعت مری کیا ہی
نہ زیست کی خواہش نہ تمنائے وغا ہی
اب خنجرِ نے آب کا مشتاق گلا ہی
کچھ منھ سے نہ شکوہ غم جانکاہ میں نکلے
حسرت ہی کہ دم سجدۂ اللہ میں نکلے

یہ کہ کے لعینوں کو پکارے شہِ ابرار
لو آؤ کہ اب میان میں ہم رکھتے ہیں تلوار
یہ عصر کا ہنگام ہی اے لشکرِ کفار
قاتل سے کہو تیز کرے خنجرِ خونخوار
تلواروں میں سجدے کے لیے کود پڑینگے
اکبر کی جوانی کی قسم اب نہ لڑینگے

زینبؓ نے سنی ڈیوڑھی سے جب شہؑ کی یہ تقریر
چلائی کہ لو رانڈ ہوئی بانوے دلگیر
لاؤ صفِ ماتم کہ نہیں بچنے کے شبیرؑ
ہی ہی پسرِ فاطمہؓ نے روک لی شمشیر
عابد کو جگا دو سفر اب کرتے ہیں بھائی
خود شمرِ ستمگر کو طلب کرتے ہیں بھائی

اب گھر سے نکلتی ہوں میں اے بیبیو آؤ
لو فوج نے گھیرا مرے بھائی کو بچاؤ
سوتے ہیں کہاں باپ کے عاشق کو جگاؤ
سر کھول کے سب آئیں یتیموں کو بلاؤ
نرغہ مرے ماں جائے پہ ہی اہلِ جفا کا
یہ وقت ہی بن باپ کے بچوں کی دعا کا

گھبرا کے اِدھر کھول دیے بیبیوں نے سر
حضرت پہ اِدھر ٹوٹ پڑے لاکھ ستمگر
پرزے جو ہوا سر سے کمر تک تنِ اطہر
گھوڑے سے گرا خاک پہ فرزندِ پیمبر
پانی کے بھی سایل نہ ہوئے برچھیاں کھا کے
قبلے کی طرف جھک گئے سجدے میں خدا کے

راوی نے یہ لکھا ہی کہ تھا چار گھڑی دن
جس وقت جھکا سجدے میں وہ خلق کا محسن
تھے عرش کو تھامے ہوئے سب عرش کے ساکن
مقتل میں کھڑے پیٹ رہے تھے ملک و جن
پہلو سے نہ بیٹے کے جدا ہوتی تھی زہرا
سب خاک پہ گر پڑتے تھے جب روتی تھی زہراؓ

جس صوتِ حسن سے شہِ دیں کہتے تھے تکبیر
ماں کہتی تھی صدقے تری آواز کے شبیر
اے عابد و زاہد ہی تری کونسی تقصیر
ہی ہی ترے سینے میں گڑے جاتے ہیں سب تیر
بھولے مجھے یہ محوِ عبادت ہوئے بیٹا
بتلاؤ تو زینب سے بھی رخصت ہوئے بیٹا

واں شمر سے بولا پسرِ سعدِ جفا کار
سجدے میں بڑی دیر سے غش ہیں شہِ ابرار
سید کا نہ یاور ہی کوئی اور نہ مددگار
گیا دیر ہی جا کھینچ کے اب خنجرِ خونخوار
بہتر ہی اگر جلد گلا تیغ سے کٹ جائے
زینبؑ نہ کہیں آ کر نہ برادر سے لپٹ جائے

تھراتا ہی دل شمر کا آنا کہوں کیونکر
اور فاطمہؑ کا خاک اُڑانا کہوں کیونکر
اس سینے کا زانو سے دبانا کہوں کیونکر
سید کا زباں خشک دکھانا کہوں کیونکر
بیکس ہوئے سب شیعہ امامِ دو جہاں کے
کاٹا گیا بیٹے کا گلا سامنے ماں کے

لیکر سرِ اقدس کو چلا شمرِ سیہ رو
وہ ہاتھ ستمگار کا اور ہائے وہ گیسو
یاں ٹوٹ پڑے لاشۂ بیکس پہ جفا جو
لُٹنے لگی پوشاکِ تنِ سیدِ خوش خو
ہتھیاروں کے لینے کو لڑے مرتے تھے ظالم
مظلوم کے لاشہ پہ گرے پڑتے تھے ظالم

بھاگا کوئی عمامۂ پرخوں کو اُٹھا کے
دستانے کوئی لے گیا شاہِ شہدا کے
کھینچا کسی بے رحم نے دامن کو عبا کے
ہاتھوں سے کوئی کھولتا تھا بند قبا کے
مرکر بھی بڑے ظلم و ستم سہ گئے شبیرؑ
اس دھوپ میں عریاں پڑے رہ گئے شبیرؑ

ملبوسِ بدن لے گئے سب لوٹنے والے
سینے سے مگر تیر کسی نے نہ نکالے
پہلوئے مبارک میں گڑے رہ گئے بھالے
کیوں چرخ یہ حال اُس کا جسے فاطمہؑ پالے
شبیرؑ کا سر نیزۂ خولی کی انی پر
تف دہر پہ اور خاک ہی دنیائے دنی پر

اب تاب انیسؔ آگے سماعت کی نہیں بس
مقبولِ امامِ دو جہاں ہو یہ مسدس
یارب مجھے دکھلائے مزارِ شہِ بیکس
مرکر مرا مدفن ہو وہی ارضِ مقدس
پاکیزہ و طاہر لحدِ پاک سے اٹھوں
پہنے کفن اُٹھوں تو اسی خاک سے اٹھوں

رباعی

جو شے ہی فنا اُسے بقا سمجھا ہی
جو چیز ہی کم اُسے سوا سمجھا ہی
ہی بحرِ جہاں میں عمر مانندِ حباب
غافل اس زندگی کو کیا سمجھا ہی

مرثیہ (۱۹)

جب رَن میں آمد آمدِ سلطانِ دیں ہوئی
نورِ خدا کے نور سے روشن زمیں ہوئی
آمادۂ نبرد سپاہِ لعیں ہوئی
روحِ جنابِ فاطمہ اندوہ گیں ہوئی
تیغیں کھنچیں نیاموں سے خنجر نکل پڑے
شیرِ خدا مزار سے باہر نکل پڑے

بڑھ کر نقیبِ فوج یہ کہتے تھے دم بدم
ہاں اے بہادرو نہ ہٹے ایک کا قدم
ابنِ معاویہ کے نمک کی تمہیں قسم
تیغوں سے سروِ باغِ علی کو کرو قلم
شیرِ خدا کے شیر کے آنے کا وقت ہے
ہاں غازیو یہ جان لڑانے کا وقت ہے

آپس میں کہتے تھے یہ پیادے جمائے صف
روکے گا کون ضربتِ ابنِ شہِ نجف
اس کا نہ دھیان کیجو کہ لاکھوں ہیں اِس طرف
چمکی جو ذوالفقار تو جانیں ہوئیں تلف
رُکتی نہیں وہ تیغ جو پڑ جائے کوہ پر
نازل خدا کا قہر ہوا اس گروہ پر

غصہ حسینؑ کا غضبِ ذوالجلال ہے
روباہ مل کے شیر کو ماریں محال ہے
خیبر کو جس نے فتح کیا اس کا لال ہے
میداں میں اس کے سامنے رستم بھی زال ہے
بدر و احد کا معرکہ عالم کو یاد ہے
خیبر کی ضرب آج تلک ہم کو یاد ہے

ناگہ سوار نیزوں کو دینے لگے تکاں
چمکی اُپی ہوئیں صفِ اعدا میں برچھیاں
چلّوں سے تیر مل گئے کڑکی ہر اک کماں
غل تھا نشانِ دیں کو کرو آج بے نشاں
کیجو نہ پاس یہ کہ امامِ زمانہ ہے
ہاں اے کماں کشو یہ تمہارا نشانہ ہے

یہ ذکر تھا کہ اتنے میں آئے شہِ اُمم
طبلِ وغا پہ چوٹ پڑی کھل گئے علم
سردارِ فوجِ شام ہٹانے لگے قدم
رُخ پھر گئے صفوں کے کسی میں رہا نہ دم
اللہ رے رعبِ فوجِ ستم تھرتھرا گئی
چہرے پہ روسیاہوں کے زردی سی چھا گئی

غل تھا زہے حسینؑ زہے شانِ حیدری
دیکھی نہ یہ شکوہ نہ ایسی دلاوری
تیور سے آشکار ہے رعبِ غضنفری
کس کی مجال ہے جو کرے ان سے ہمسری
قابو میں ایسے شیر کا آنا محال ہے
لڑنا تو کیا کہ آنکھ ملانا محال ہے

کیا حسن ہے کہ دشت میں پھیلا ہوا ہے نور
اِک آفتابِ رُخ کی تجلی ہے دور دور
غرفوں سے سر نکالے نہ کیونکر ہر ایک حور
نورِ محمدی کا ہے چاروں طرف ظہور
یہ فیض ہے رُخِ خلفِ بوتراب سے
ذرّے ملا رہے ہیں نظر آفتاب سے

لوحِ جبینِ پاک ہے لوحِ کتابِ حُسن
ابرو تو فصلِ حسن کی ہیں اور یہ بابِ حُسن
اللہ کس عروج پہ ہے آفتابِ حُسن
تابِ نظر نہیں ہے نہ ہے آب و تابِ حُسن
سجدے کا ہے نشاں کہ تجلیِ طور ہے
صاف اس نشان میں یدِ بیضا کا نور ہے

اکبرؑ حسین بھی ہے اسی شبیرِ حق کا شیر
کر دے گا ایک حملے میں زور آوروں کو زیر
غم میں جواں پسر کے وہ ہے زندگی سے سیر
دیکھیں تو روکتا ہے اُسے کونسا دلیر
وہ بے لڑے شکست کئی بار دے گیا
کشتوں کو اپنے شیر سا آگے لے گیا

فاقہ ہے تین روز کا اور تین دن کی پیاس
غیر از ہجوم یاس نہیں کوئی اس کے پاس
ظاہر میں گرچہ سب بشریت کا ہے لباس
یہ رعب ہے جو شیر کی آمد میں ہو ہراس
نزدیک ہے کہ گھوڑوں سے اسوار گر پڑیں
حملہ کرے تو ہاتھوں سے ہتھیار گر پڑیں

کیا خوشنما ہیں ابروئے شاہنشہِ حجاز
گویا ہے شاہ ہما نے کیے بازوؤں کو باز
تشبیہ سے ہلال کرے آسماں پہ ناز
پیشِ خدا جھکائے ہوئے ہیں سرِ نیاز
مصروف ہو بہو ہیں خضوع و خشوع میں
محراب کی طرح سے جھکے ہیں رکوع میں

چشمہ خدا کے نور کا ہے چشمِ حق پرست
روزِ ازل سے ہے مئے عشقِ احد سے مست
ہے گرد اس لیے صفِ مژگاں کا بندوبست
آئینہ ہائے نور کو پہونچے نہ تا شکست
بچھڑے ہیں عین رنج میں چشم و چراغ سے
مردم سیاہ پوش ہیں اکبرؑ کے داغ سے

ہر دم ہی جوش پر گلِ رخسار کی بہار
رونق نہ پائے رنگ جو بدلے چمن ہزار
وہ روئے انور اور وہ ریش خضاب دار
ظاہر ہیں اس سے معنے واللیل و والنہار
وقت نظر یہ ہوتا ہی ثابت نگاہ کو
آغوش میں لیے ہی شبِ قدر ماہ کو

خوشبوئے زلف و خال پہ مشکِ ختن نثار
سرخی لعل لب پہ عقیقِ یمن نثار
غنچے دہانِ تنگ پہ صدقے چمن نثار
دانتوں کی آب و تاب پہ دُرِ عدن نثار
موتی بھرے ہیں منہ میں شہ بے نظیر کے
قطرے ہیں سبِ فاطمہ زہرا کے شیر کے

ہر رشکِ شمعِ طور تجلی میں وہ گلا
منہ اپنا جس پہ احمدِ مختار نے ملا
وہ فاطمہؑ کے دودھ کی دھاروں سے تھا پلا
سو اس گلے پہ خنجرِ شمرِ لعیں چلا
شیرازۂ بیاضِ گلو جب کہ کٹ گیا
حیرت ہی کیوں نہ دفترِ عالم اُلٹ گیا

شانوں سے شانِ مرتضوی آشکار ہی
ان بازوؤں پہ روحِ یداللہ نثار ہی
ساعد نہیں ہیں قدرتِ پروردگار ہی
پنجہ ہیں نورِ دستِ شہِ ذوالفقار ہی
حاجت روا ہیں ساری خدائی کے واسطے
یہ اُنگلیاں ہیں عقدہ کشائی کے واسطے

سینہ صفا میں غیرتِ آئینۂ حلب
اس میں بھرے ہوئے ہیں گہرہائے رازِ رب
قرآں سے کم نہ سمجھیں جسے حق پرست سب
واں پائے چکمہ دار رکھے شمر ہی غضب
کیوں فاطمہؓ کے دل پہ نہ کوہِ الم گرے
جب ایسے آئنہ پہ یہ سنگِ ستم گرے

ہر لحظہ عاصیوں پہ جو رحمت کی ہی نظر
باندھی ہی کس نے مرنے پہ ٹوٹی ہوئی کمر
کہتے ہیں آہ بھر کے شہنشاہِ بحر و بر
ہم کو ضعیف کر گئے عباسِ نامور
شیعوں کا ہی یہ پاس جو ہم بولتے نہیں
نے اُن کے بخشوائے کمر کھولتے نہیں

قامت ستونِ دیں ہی تو ارکانِ دیں قدم
ہٹ جائیں معرکہ سے یہ ایسے نہیں قدم
جس خاک پر رکھے شہِ گردوں نشیں قدم
چومے بصد نیاز و تفاخر زمیں قدم
کس کوہ میں تھے جو تھے صفات ان کے واسطے
بہر ثبات یہ ہیں ثبات ان کے واسطے

ہی خودِ سر کہ قبۂ عرشِ بریں ہی یہ
روشن ہی روشنی سے کہ قندیلِ دیں ہی یہ
ہی فرق پر رسولؐ کے للّٰہ سحاب کا

ہی یوں زرہ میں جسمِ امامِ فلک سریر
حلقوں میں دیکھو جلوۂ اندام بے نظیر
ہی نے مثالِ موجِ زرہ اپنے کام میں

گر خود ہی سر آمدِ اسباب کارزار
چار آئنہ ہی بہر بدن آہنی حصار
پرتو فگن ہی چہرۂ شاہِ زمن کا نور

ہی تیغ برقِ خرمنِ ہستی اہلِ شر
بالائے دوش مہر نبوت سے ہی سپر
اک جا دھواں ہی فاطمہ زہرا کی آہ کا

یوں ہاتھ میں لیے ہی کماں فاطمہؑ کا لال
ترکش کے تیر چلتے ہیں پیکِ قضا کی چال
دل دوزِ اہلِ کفر دمِ صفدری تھی یہ

کس سے بیاں ہو سرعتِ رخشِ فلک خرام
بجلی ہی پھر ہوا سے ہلی گر ذرا لجام
اس کو سبک روی میں پرندوں پہ اوج ہی

اس شان سے کھڑے تھے امامِ ذوالاحترام
کہتا تھا ابنِ سعد تعجب کا ہی مقام
اس پر مقابلہ کو نکلتا نہیں کوئی

کلغی نہ سمجھو شہپرِ روح الامیں ہی یہ
حقا کہ ایک آیتِ فتحِ مبیں ہی یہ
دیکھو قران ہوا زحل و آفتاب کا

ابرِ تنک میں جوں نظر آئے مہِ منیر
سونے کے ہی ورق پہ رقم جوشنِ کبیر
لائی نہنگِ بحرِ شجاعت کو دام میں

جوشن ہی زیورِ تنِ مردانِ کارزار
گویا ورق پہ نور کے سورے لکھے ہیں چار
ہی چار آئنہ سے عیاں پنجتن کا نور

دم لے تہِ زمیں جو پڑے تیغ کوہ پر
ہی قرصِ چشمِ عشوہ گرِ لیلیٰ ظفر
ٹکڑا ہی آفتاب پہ ابرِ سیاہ کا

گویا کہ آفتاب کے پنجہ میں ہی ہلال
بچنا ہی مرغِ روحِ عدو کے لیے محال
حکمِ خدا کی طرح خطا سے بری تھی یہ

ہی جس کے آگے وسعتِ کونین ایک گام
زیرِ قدم ہی ہند و حلب مصر و روم و شام
بجلی ہی گر ہوا پہ تو دریا پہ موج ہی

سردار نے جو واں تھے حیران فوجِ شام
تنہا حسین آئے ہیں لشکر ہوا تمام
جھونے تو سیکڑوں ہیں پہ چلتا نہیں کوئی

ہمراہ اور گیا کوئی عباس سا ہی شبیر
دہشت ہی کس کی وہ تو ہی خود زندگی سے سیر
دن سے کرد شہید شہ خوش صفات کو

ہاں جلد کاٹ لو پسر فاطمہؓ کا سر
دھڑکا ہی یہ کہیں نہ سرک جائے مال و زر
گھیریں اسے جو قتل امام زمانہ ہو

شقے میں لکھ چکا ہی مگر امیر شام
میری طرف سے فوج کو دیجو یہ حکم عام
کانوں میں ننھے بچوں کے گوہر نہ چھوڑیو

دربار میں بلاؤ گے زینب کو ننگے سر
کوفہ میں عید ہو جو لٹے فاطمہؓ کا گھر
ہی دشمنی علی سے عداوت حسین سے

لالچ دیا جو فوج کو اس روسیاہ نے
زینبؑ کی قید کا جو سنا ذکر شاہ نے
نزدیک تھا کہ تیغ کمر سے اگل پڑے

سینے میں مضطرب دل پر درد ہو گیا
آلودہ عرق رخ پر گرد ہو گیا
تنہا ادھر سے بہر وغا شاہ دیں چلے

کھینچی کمر سے شہ نے جو شمشیر شعلہ بار
طائر اڑے ہوا سے نکلنے لگے شرار
مرفق تلک الٹ جو لیا آستین کو

اکبر سا کیا جلو میں کوئی اور ہی دلیر
اک تشنہ لب کے قتل میں اے غازیو یہ دیر
کیا بی بیوں کو لوٹنے جاؤ گے رات کو

پھر تم کو لوٹنا ہی رسولؐ خدا کا گھر
خیمے میں شاہ کا ابھی جیتا ہی اک پسر
ایسا نہ ہو کہ لیکے حرم کو روانہ ہو

جس وقت تن سے کاٹ چکے تو سر امام
زیور علی کی بیٹیوں کا لوٹ لو تمام
رانڈوں کے منہ چھپانے کو چادر نہ چھوڑیو

اوس دن لٹاؤں گا میں خزانہ کا مال و زر
سیدانیاں پھریں مری بستی میں در بدر
یثرب اجاڑ ہوئے تو سووں میں چین سے

تنہا سے عزم جنگ کیا سب سپاہ نے
کھینچی اک آہ دلبر شبیر الٰہ نے
خیمے کو دیکھا پھر کے اور آنسو نکل پڑے

برچھی لگی جگر پہ بدن سرد ہو گیا
آنکھیں تو سرخ ہو گئیں منہ زرد ہو گیا
نیزے ہلا ہلا کے ادھر سے لعیں چلے

بجلی چمک کے ہو گئی گویا فلک کے پار
تھرائی یہ زمیں کہ اٹھا دشت میں غبار
گرنے کے ڈر سے چرخ نے تھاما زمین کو

پہلے بڑھے وہ چار سوارانِ نیزہ باز
تھا جن میں ایک ایک کو اپنے ہنر پہ ناز
یوں آئے تیغ تول کے شاہنشہِ حجاز
جس طرح سے شکار پہ گرتا ہے شاہباز
اللہ کا غضب تھا چمک ذوالفقار کی
فرصت ملی نہ ایک کو نیزے کے وار کی

تھے پست ایک دم میں جوانان سربلند
ہر ضرب میں تھی تیغِ علی کی روش دوچند
سر تک گئی وہ جس کے ہوا دوسمِ سمند
جوں نی شکر قلم ہوئے نیزوں کے بند بند
سر تھا اگر تو نیزہ بیداد گر نہ تھا
نیزہ کسی کے ہاتھ میں گر تھا تو سر نہ تھا

مغرور نیزہ بازی پہ تھا اک عدوئے شاہ
آیا وہ اس غضب سے کہ اللہ کی پناہ
نیزے کی تھی سناں کہ ٹھہرتی نہ تھی نگاہ
گویا زباں نکالے تھا اک افعیِ سیاہ
مانند عمرو معرکہ آرائے رزم تھا
گھوڑے سے شاہ دیں کو گرادوں یہ عزم تھا

نیزے کا ہاتھ صورتِ مرحب نکال کر
آگے بڑھا سمند کو کاوے پہ ڈال کر
آواز دی اجل نے کہ فکرِ مآل کر
للکارے شاہ تیغ علی کو سنبھال کر
او خوں گرفتہ شبیر سے ہم لڑنے والے ہیں
نیزے یہاں کی فوج کے سب دیکھے بھالے ہیں

پھرتی سے اس لعین نے کیا اک غضب کا وار
سمجھے یہ سب کہ ہوگیا چھاتی کے وار پار
شہ نے انی کو تھام کے چٹکی میں استوار
دکھلایا زورِ دستِ شہنشاہ ذوالفقار
ساعد سے ہاتھ ہاتھ سے نیزہ نکل گیا
گھٹنے زمیں پہ ٹیک کے گھوڑا سنبھل گیا

نیزہ اٹھا کے اس پہ چلے شاہِ بحر و بر
فرمایا دیکھ او ستم آرا مرا ہنر
تب اپنا ہاتھ چہرے پہ اس نے کیا سپر
یاں شانے تک انی نے کیا ہاتھ سے گزر
بیکار دستِ کفر پرستِ لعیں ہوا
نیزہ تو ہاتھ بن گیا ہاتھ آستیں ہوا

مولا کماں کشوں پہ چلے پھر بڑی ستیز
دشتِ نبرد ہوگیا صحرائے رستخیز
گرنے لگی چمک کے جو شمشیر شعلہ ریز
گوشوں میں کچھ نہاں ہوئے کچھ کر گئے گریز
جو تھم گیا وہ تیرِ اجل کا نشانہ تھا
ترکش تھا نہ کماں تھی نہ بازو نہ شانہ تھا

حلقے میں موت کے قدر انداز گھر گئے
چلّے بھی کشمکش میں کمانوں سے گر گئے
جو بیس تھے لڑائی پہ رُخ اُن کے پھر گئے
دریا میں گر کے پیر گئے جو وہ تر گئے
سارے خطا شعاروں کو جانوں کی فکر تھی
تیروں کا ہوش تھا نہ کمانوں کی فکر تھی

بھاگے جو وہ تیغ زنوں سے ہوئے دوچار
در آئے درعہ پوشوں میں چمکا کے راہوار
چلنے لگیں اِدھر سے بھی تیغیں کئی ہزار
تا آسماں بلند ہوا شورِ گیرودار
منہ پر سپر امام دو عالم نہ لیتے تھے
اِک تیغ سے جواب ہزاروں کو دیتے تھے

وہ تیغ جس کے سر پہ پڑی تنگ تک گئی
جس وقت ہاتھ اُٹھا تو چمک تا فلک گئی
دہشت سے چشمِ نیرِ اعظم جھپک گئی
چمکی کبھی سما پہ کبھی تا سمک گئی
غل تھا صفوں میں زیست ہے اب تو تنگ ہے
روکیں کسے کہ تیغ میں بجلی کے ڈھنگ ہیں

آہن میں غرق تھے جو دلیرانِ صف شکن
خود اُن کے تھے سروں پہ جدا اور سروں سے تن
زرہیں بھی چاک چاک ہوئیں صورتِ کفن
چار آئنہ بھی کٹ گئے ٹکڑے ہوئے بدن
گر گر کے مرکبوں سے عدو ہاتھ ملتے تھے
آنسو لہو کے چشمِ زرہ سے نکلتے تھے

غل تھا کہ شیرِ حیدرِ کرّار الاماں
ای سیدہ بتولؑ کے دلدار الاماں
ای نورِ چشمِ احمدِ مختار الاماں
پہونچے سزا کو ای شہِ ابرار الاماں
کر رحم اپنی تشنہ دہانی کا واسطہ
ہمشکلِ مصطفےٰ کی جوانی کا واسطہ

اکبر کا عین جنگ میں شہ نے سنا جو نام
تھرا کے بس جگر کو لیا دستِ چپ سے تھام
اعدا سے تھرتھرا کے یہ کرنے لگے کلام
اکبر کہاں ہیں تم تو انھیں کر چکے تمام
سینہ میں اُن کے غم سے جگر چاک چاک ہے
وہ بھی ہیں خاک اُن کی جوانی بھی خاک ہے

جن کی دوہائی دیتے ہو وہ ہیں لہو میں لال
اُن کو نہ ماں کی فکر نہ ہے باپ کا خیال
ہم کو انھیں کے داغ سے ہے زندگی محال
وہ ہوتے تو یہ کاہے کو ہوتا ہمارا حال
بیجاں کیا انھیں تمہیں لوگوں نے جان سے
اٹھارھویں برس میں سدھارے جہان سے

آو انھیں کی لاش کی کھاتا ہوں میں قسم
چھد جائے جسم تیروں سے گر سر سے تا قدم
ماروں نہ دم جو لاکھ لگیں نیزۂ ستم
کیا دخل ہے جو تیغ دو دم کو کروں علم
تھا غیظ تم پہ مجھ کو سو وہ وقت ٹل گیا
اکبر کا نام سن کے کلیجہ نکل گیا

بھولا ہوا تھا جنگ میں کچھ اُس کا تھا نہ دھیان
ہے ہے وہ لمبی زلفیں وہ رُخ وہ شکوہ شان
یاد آیا اب کہ مر گیا بیٹا مرا جوان
وہ برگ گل سے ہونٹ وہ سوکھی ہوئی زبان
دکھلا دو پھر نہ مجھے مرے دلبر کی لاش کو
رُو لوں گلے لگا کے میں اکبر کی لاش کو

یہ کہہ کے باگ چھوڑ دی اور روک لی حسام
عیب دغا تمہیں میں ہے اے ساکنان شام
اعدا کو دی صدا کہ لڑائی ہوئی تمام
پھر جائے قول سے یہ نہیں شیوۂ امام
طاقت پہ حلم سبط پیمبرؐ بھی دیکھ لو
دیکھا غضب تو صبر کے جوہر بھی دیکھ لو

سیراب تم ہو اور مجھے دو دن سے پیاس ہے
سر پر حسین سے ہو یہ دور از قیاس ہے
تنہا میں با حواس ہوں تم کو ہراس ہے
پر کیا کروں کہ روح کا اکبر کی پاس ہے
ہے آرزو کہ اس مہ انور سے جا ملوں
جلدی کرو شہید کہ اکبر سے جا ملوں

یہ سُن کے شہ پہ ٹوٹ پڑے تیغ زن تمام
زخموں سے چور ہو گیا شہ کا بدن تمام
سینے کو تاکنے لگے ناوک فگن تمام
جوں گل لہو میں ڈوب گیا پیرہن تمام
بھاگے ہوئے سوار بھی رستے سے پھر پڑے
یاں تک اُٹھائے زخم کہ گھوڑے سے گر پڑے

جب خاک پر تڑپنے لگا فاطمہ کا لال
چہرے سے تھا عیاں اسد اللہ کا جلال
اک بی بی نکلی خیمے سے بکھرائے سر کے بال
ملتی تھی اس کی چال سے خیر النسا کی چال
آلودہ تھے عذار مبارک غبار سے
غل تھا کہ فاطمہؓ نکل آئی مزار سے

چلاتی تھی یہ ہاتھوں سے تھامے ہوئے جگر
کیوں بے چراغ کرتے ہو خیر النسا کا گھر
اس کے عوض پھرا دو چھری میرے حلق پر
اے ظالمو یہ حیدر صفدر کا ہے پسر
کٹتا ہے ایک حلق کئی گھر اجڑتے ہیں
ہے ہے یہ تیر کس کے کلیجے پہ پڑتے ہیں

غش میں امام نے جو بہن کی سنی صدا
گردن اٹھا کے بولے کہ بہنا یہ کیا کیا
سر تن پہ ہے ابھی مرے کیوں پھینکدی ردا
آئی صدا اے فاطمہ بیٹی یہ ماں فدا
شبیر ذبح ہوتا ہے میں بے حواس ہوں
تو گھر میں جا کہ میں ترے بھائی کے پاس ہوں

مقتل میں بے عمامہ ہیں محبوبِ کبریا
آتے ہیں غش پہ غش انہیں تھامے ہیں انبیا
اور سر برہنہ گرد علی کے ہیں اولیا
اک شور ہے کہ ہائے یہ امت نے کیا کیا
اٹھ اٹھ کے جب زمین پہ شبیر گرتے ہیں
پروانہ کی طرح سے حسن گرد پھرتے ہیں

ماں کی صدا یہ سن کے پکاری وہ دلِ فگار
اماں یہ بیٹی آپ کی آواز کے نثار
بھائی سے چھٹتی ہوں مجھے کیونکر پڑے قرار
ہے ہے یہ تن حسین کا اور برچھیوں کے وار
اس بیکسی میں کام نہ بھائی کے آؤں میں
نکلی ہو تم تو قبر سے اور گھر میں جاؤں میں

رو کر بیاں یہ کرتی تھی وہ سوختہ جگر
اور پیٹتی تھیں بی بیاں ڈیوڑھی پہ ننگے سر
چلاتی تھی سکینہ کہ ہے ہے مرے پدر
تھیں چھوٹے چھوٹے بچوں کی اشکوں سے آنکھیں تر
پردے سے منہ نکال کے میداں کو تکتے تھے
مائیں جو پیٹتی تھیں تو بچے بلکتے تھے

راوی رقم یہ کرتا ہے اس معرکے کا حال
نکلا اٹھا کے پردے کو ایک طفل خردسال
منہ بھولا بھولا گوندھے ہوئے گیسوؤں کے بال
ماتھا تو رشکِ بدر بھویں غیرتِ ہلال
رخسار روشنی میں فزوں آفتاب سے
کانوں میں بندے ہلتے تھے اضطراب سے

چشمِ سیاہ نرگسِ شہلا پہ طعنہ زن
نازک وہ لب کہ جس سے خجل برگِ یاسمن
وہ گورے گورے گال وہ چہرے پہ بھولاپن
گویا کہ درجِ لعل تھا غنچہ سا وہ دہن
زلفیں اڑیں ہوا سے تو کوسوں مہک گئی
گوہر ہلا جو کان کا بجلی چمک گئی

وہ چاند سا گلا وہ مہِ نو سی ہنسلیاں
کرتا بدن میں پھولوں پہ شبنم ہو جوں عیاں
وہ پیارے پیارے ہاتھ کہ صدقے تھی جن پہ ماں
ہیکل گلے میں پہنے ہوئے بہرِ حفظِ جاں
تعویذ بازوؤں پہ کڑے ہاتھ پاؤں میں
دوڑا چچا کو دیکھ کے تیغوں کی چھاؤں میں

چلائی ماں یہ پردے کو سرکا کے ایک بار
پھر آ خدا کے واسطے پھر آ ترے نثار
لوٹ کے دیکھو خیمے سے باہر نکلتی ہوں
یہ سُن کے بھی پھرا جو نہ وہ غیرتِ قمر
بولی پکڑ کے دامنِ پیراہنِ پسر
مر جاؤں گی رنڈاپے میں مجھ کو نباہ لے
واری ہیں تیرے پاؤں پہ رکھتی ہوں اپنا سر
کیونکر لڑو گے پاس نہ تلوار نہ سپر
وہ کہتا تھا چچا کے بچانے کو جاتے ہیں
تیغیں چلیں حسین پہ اور واہ ہم نہ جائیں
اصغر تو اپنی ننھی سی گردن پہ تیر کھائیں
کیا ڈر ہمیں علی کے پسر کے پسر ہیں ہم
جانے دو ہم کو مرنے کو اب تم تو گھر میں جاؤ
رانڈوں کا بھی خدا ہی غم اولاد کا نہ کھاؤ
پھوپھیاں فراق سید والا میں روتی ہیں
یہ کہہ کے ماں کے ہاتھ سے دامن چھڑا لیا
ہاتھوں کو ملتی رہ گئی ماں غم کی مبتلا
زخمی چچا کو دیکھ کے دل غم سے پھٹ گیا
گردن میں ہاتھ ڈال کے وہ طفلِ ماہرو
گھبرا کے دیکھتا کبھی اعدا کو چار سو
خیمے سے سر برہنہ پھوپھی نکلی آتی ہیں

بیٹا کدھر نکل گئے مادر ہے بے قرار
برسا رہے ہیں تیر ہزاروں ستم شعار
اچھا نہ آؤ میں بھی کھلے سر نکلتی ہوں
دوڑی نکل کے خیمے سے مادر برہنہ سر
بیوہ ہوں ای یتیم حسن مجھ پہ رحم کر
صدقہ حسن کی روح کا چل گھر کی راہ لے
غصہ سے کانپتے ہو نہیں جاں کا خطر
کرتے کی آستین چڑھائے چلے کدھر
دامن کو چھوڑ دو ہمیں بابا بلاتے ہیں
عمو نے ہم کو پالا ہے کس طرح جی بچائیں
تیغیں چمکتی دیکھ کے مقتل سے ہم پھر آئیں
تلوار گر نہیں تو چچا کی سپر ہیں ہم
دشمن نہ دیکھ لے کوئی چادر سے منہ چھپاؤ
قاسم کا داغ دیکھا ہمارا بھی داغ اٹھاؤ
ساتھ اُن کا چاہئے وہ کہ چچی رانڈ ہوتی ہیں
جلدی قدم اٹھا کے چچا کی طرف چلا
جا پہنچا قتل گہ میں وہ مشتاق موت کا
پھیلا کے ننھے ہاتھ گلے سے لپٹ گیا
کرتا اٹھا کے منہ سے لگا پونچھنے لہو
کہتا کبھی چچا سے کہ ای شاہِ نیک خو
گھر میں چلو کہ تم کو سکینہ بلاتی ہیں

زانو پہ ہاتھ مار کے شہ نے کہا کہ ہائے
یہ کیا غضب کیا کہ اس آفت میں گھر سے آئے
مارے کوئی تمہیں تو چچا کس طرح بچائے
قسمت میں تھا حسین تمہارا بھی داغ اٹھائے
بیکس چچا پہ فوجِ ستم کی چڑھائی ہے
ماں سے تمہیں چھڑا کے اجل رن میں لائی ہے

ناگہ ہجومِ فوجِ ستم شاہ پر ہوا
تیغیں اُٹھا کے لشکرِ کیں حملہ ور ہوا
اس وقت بے قرار حسن کا پسر ہوا
جب تیغ آئی شہ پہ وہ بچہ سپر ہوا
گہ لڑکھڑا کے شاہ کی گودی میں گرتا تھا
پروانہ کی طرح سے کبھی گرد پھرتا تھا

کہتا تھا ظالموں سے کبھی وہ بچشمِ نم
بیکس پہ یہ ہجوم مسافر پہ یہ ستم
بُندے یہ اپنے کانوں کے دیتے ہیں تم کو ہم
بہرِ خدا چچا پہ نہ تیغیں کرو علم
دوں گا دعا کریم ہوں ابنِ کریم ہوں
بچپن پہ میرے رحم کرو میں یتیم ہوں

اعدا کو ننھے ہاتھوں سے بڑھ کر ہٹاتا تھا
کرتے سے گاہ زخمِ جگر کو چھپاتا تھا
چمکا کے تیغ جب کوئی نزدیک آتا تھا
شہ اُس کو تھامتے تھے وہ شہ کو بچاتا تھا
کہتے تھے شاہ تیغ نہ اس پر علم کرو
وہ کہتا تھا کہ پہلے مرا سر قلم کرو

آخر کسی کی تیغِ ستم شاہ پر چلی
چلّایا ہاتھ اُٹھا کے وہ بچہ کہ یا علی
زہرا کی روح کو ہوئی جنت میں بےکلی
سر سے نہ اُس یتیم کے تیغِ قضا ٹلی
تلوار ہاتھ کاٹ کے در آئی خود میں
دستِ صغیر گر پڑے حضرت کی گود میں

تڑپا زمیں پہ گر کے جو وہ طفلِ خُرد سال
چھینٹوں سے خوں کی ہو گیا کُرتا تمام لال
اس سے لپٹ کے کہنے لگے شاہِ خوش خصال
صدقے میں تیرے ہاتھوں کے اے مجتبیٰ کے لال
اب ذبح کرنے شمر کوئی دم میں آئے گا
جاتے ہو تم تو کون چچا کو بچائے گا

آغوش میں چچا کی تڑپتا تھا وہ صغیر
بچے کے پیاسے حلق پہ مارا کسی نے تیر
حضرت کے منھ کو تکنے لگا وہ مہِ منیر
سر پیٹے زخمی ہاتھوں سے شاہِ فلک سریر
آنکھیں پھرائیں چاند سا منھ زرد ہو گیا
مُنہ سے اُگل کے گل کے لہو سرد ہو گیا

اک آہ کرکے غش ہوئے سلطانِ بحر و بر
آیا پکڑ کے خنجرِ کیں شمرِ بدگہر

فریاد ہی کہ پاؤں دھرا شہ کے سینے پر
حضرت نے چونک کر کہا پیاسا ہوں رحم کر

پانی دیا نہ ہائے نبیؐ کے نواسے کو
جلاد ذبح کرنے لگا بھوکے پیاسے کو

تن سے جدا ہوا جو سرِ سیدِ انام
خیمے سے نکلیں پیٹتی سیدانیاں تمام

خاموش اے انیسؔ یہ رونے کا ہی مقام
تازہ ہی روزِ حشر تلک ماتمِ امام

جب تک جہاں ہی شہ کو عزادار روئیں گے
ہم آج ہیں شریک مگر کل نہ ہوویں گے

رباعی

بلبل یہاں آکے خوش بیانی سیکھے
اندازِ فغاں مجھ سے فغانی سیکھے

رونا مری آنکھوں سے کرے حاصل ابر
دریا مرے اشکوں کی روانی سیکھے

رباعی

دنیا دریا ہی اور ہوس طوفاں ہی
مانندِ حباب ہستیِ انساں ہی

لنگر ہی جو دل تو ہر نفس بادِ مراد
سینہ کشتی ہی ناخدا ایماں ہی

مرثیہ (۲۰)

جب دشتِ مصیبت میں علی کا پسر آیا
منزل کی طرف لیکے ستارے قمر آیا
گردوں سے فزوں اوج زمیں کا نظر آیا
تھا شور کہ دریائے شرف کا گہر آیا
خنداں ہوئے جوں گل سفرِ راہِ خدا کے
فردوس کی بو آگئی جھونکوں سے ہوا کے

گھوڑے کی عناں روک کے بولے شہِ ذی جاہ
تو ختم سفر ہو گیا المنۃ للہ
سیدھی طرفِ خلد اسی دشت سے ہی راہ
پایا ہی عجب نور صفائی ہی عجب واہ
بھایا یہ مکاں دوشِ محمدؐ کے مکیں کو
جس طرح سے جھاڑے کوئی بالوں سے زمیں کو

یہ گوہرِ مطلوب کے پانے کی جگہ ہی
فردوس سے زہرا کے یہ آنے کی جگہ ہی
جنگل میں یہی چھاؤنی چھانے کی جگہ ہی
واللہ یہ پھولوں سے بسانے کی جگہ ہی
غربت کے نہ دکھ اب دلِ نالاں سے اٹھیں گے
سن لیجو کہ مر کر بھی نہ ہم یاں سے اٹھیں گے

ہر چند کہ بستی نہیں ویراں ہی یہ صحرا
خوشبو میں مگر رشکِ گلستاں ہی یہ صحرا
راحت کدۂ نوحِ غریباں ہی یہ صحرا
غربت میں بہ از ملکِ سلیماں ہی یہ صحرا
فرحت ہوئی یوں آکے اس اجڑے ہوے بن میں
جس طرح سفر سے کوئی آتا ہی وطن میں

مطلوبِ شہِ عرش نشیں ہی تو یہی ہی
دنیا میں جو فردوسِ بریں ہی تو یہی ہی
انگشترِ عالم کا نگیں ہی تو یہی ہی
مر جائیے جس پر وہ زمیں ہی تو یہی ہی
راحت بھی اسی جا عوضِ صبر ملے گی
جنت ہی گھر اُس کا جسے یاں قبر ملے گی

آبِ رخِ مومن کی طرح پاک ہی یہ خاک
غربت میں ردائے تنِ صد چاک ہی یہ خاک
ہر درد کا درماں تہِ افلاک ہی یہ خاک
اکسیرِ جہاں گرد ہو وہ خاک ہی یہ خاک
سجدہ بھی اسی خاک سے ممتاز رہے گا
جو اس پہ جھکے گا وہ سر افراز رہے گا

اس خاک کے رتبے کو کسی نے نہیں جانا
ہے عین عبادت اسے آنکھوں سے لگانا
چھوڑیں گے نہ اس خاک کی تسبیح کو دانا
دور اُس کا نہ کم ہوئے گا جبتک ہے زمانا
کم ہوں گے گنہ غنچۂ اُمید کھلے گا
سو رنگ کا اجر اس سے نمازی کو ملے گا

بیشک ہے مزیل مرض و دافع آزار
اس خاک سے دنیا میں شفا پائینگے بیمار
جس مردے کے سینے پہ رکھیں گے اُسے دیندار
ایذائے فشار اُس پہ نہیں ہوئے گی زنہار
شمشیر غضب سامنے گر ہوگی لحد میں
یہ اُس کے لیے سینہ سپر ہوگی لحد میں

اُترے فرسِ خاص سے ہنستے ہوے سرور
استادہ ہوئے خیمۂ ناموسِ پیمبرؐ
صحرا کی طرف دیکھ کے خوش ہوگئے اکبرؑ
دریا پہ ٹہلنے لگے عباسؑ دلاور
شہ بولے ہوا نہر کی بھائی تمھیں بھائی
ہاں شیر ہو دریا کی ترائی تمھیں بھائی

عباس نے کی عرض کہ مرغوب جگہ ہے
کیونکر نہ محبت ہو کہ محبوب جگہ ہے
آپ آئیں تو کتنی یہ خوش اسلوب جگہ ہے
شہ بولے کہ ہاں سچ ہے بہت خوب جگہ ہے
گرمی میں کہاں سرد ہوا چلتی ہے بھائی
تم سا ہو بہشتی تو یہ جا ملتی ہے بھائی

روئے یہ سخن کہ کے شہنشاہِ حجازی
اونٹوں کے کھلے بار بندھے فوج کے تازی
تجدیدِ وضو کرکے پھرے نہر سے غازی
مصروف ہوئے طاعتِ خالق میں نمازی
اک نور کا جلوہ تھا سپاہِ شہِ دیں پر
گویا کہ فلک عرش سے اُترے تھے زمیں پر

دو دن تو غریبوں کو ملا دشت میں آرام
تھی پانچویں تاریخ کہ آئی سیہ شام
ہفتم تلک اعدا سے رہا نامہ و پیغام
اور تھا شبِ ہشتم سے لڑائی کا سرانجام
پیاسا کوئی کرتا نہیں سادات سے پانی
حضرت پہ ہوا بند اُسی رات سے پانی

گرمی کے وہ دن اور وہ بچوں کا بلکنا
وہ تابشِ خورشید وہ ذروں کا چمکنا
پیاسوں کا وہ دریا کی طرف یاس سے تکنا
باقر کی وہ فریاد وہ اصغر کا سسکنا
خیمے میں سکینہ کو جو غش پاتے تھے شبیرؑ
روتے ہوئے گھبرا کے نکل آتے تھے شبیرؑ

تاریخ نہم بھر گیا اعدا سے وہ جنگل
ہر سمت سے فوجوں کے امنڈ آئے تھے بادل
تلواریں نظر آتی تھیں یا برچھیوں کے پھل
دریا بھی غریبوں کے ہوا آنکھوں سے اوجھل
واں شام سے افواجِ ستم صبح تک آئی
لوگ اٹھ گئے لشکر سے ادھر یہ کمک آئی

تھے مستعدِ جنگ اوسی روز ستمگر
روکے ہوئے تھے فوج کو عباسِ دلاور
تولے ہوئے تلوار یہ فرماتے تھے اکبر
آگے جو بڑھا پاؤں، تو ہو جاؤگے بے سر
دیکھو کدھر آتے ہو یہ کیا بے ادبی ہے
یاں خیمۂ ناموسِ رسولِ عربی ہے

جو شاہ سے کہنا ہو کہو عرض کریں ہم
کثرت پہ جو پھولے ہو تو کچھ ہم بھی نہیں کم
سبقت کو نہ گر منع کریں قبلۂ عالم
کر دیں ابھی لشکر کی صفیں درہم و برہم
رکنے کا نہیں زورِ تہمتن سے ہمارا
شمشیر زنی کام ہے بچپن سے ہمارا

لشکر ہے جری کون سا لشکر سے ہمارے
تھراتا ہے رستم کا جگر ڈر سے ہمارے
شیر آنکھ چرا جاتا ہے تیور سے ہمارے
نکلا ہے شجاعت کا چلن گھر سے ہمارے
پسپا نہیں ہوتے ہیں یہ پیشہ ہے ہمارا
تھے شیرِ خدا جس میں وہ بیشہ ہے ہمارا

موجود کسی کو نہیں واللہ سمجھتے
ہیں عالمِ فانی کو گزرگاہ سمجھتے
غیظ آئے تو شیروں کو ہیں روباہ سمجھتے
ہم وقتِ وغا کوہ کو ہیں کاہ سمجھتے
جانباز ہیں کونین میں شہرا ہے ہمارا
شمشیر یداللہ پہ قبضا ہے ہمارا

خیمے میں گئے حضرت عباسِ دلاور
حضرت نے کہا شور یہ کیسا ہے برادر
کی عرض چڑھے آتے ہیں خیمے پہ ستمگر
قبضے پہ ادھر ہاتھ دھرے ہیں علی اکبر
خاموش ہیں سب حکمِ امامِ دو جہاں سے
ارشاد ابھی ہو تو ہٹا دوں انھیں یاں سے

آگے مرے بڑھ بڑھ کے نشاں فوج کے کھولے
منہ پر کئی بار آ گئے تلواروں کو تولے
سینے میں لگی آگ پڑے دل میں پھپھولے
آقا کے مگر خوف سے کچھ ہم نہیں بولے
نامردی صاحبِ شمشیر ہوئے ہیں
روباہ طرح دینے سے کیا شیر ہوئے ہیں

اک کھیل ہے ابتو انھیں پیاسوں کا ستانا
کیا جانیے کیا ہے ہمیں ان لوگوں نے جانا
آساں نہیں کچھ منھ پہ جوانمردوں کے آنا
تلواریں جو کھینچیں تو اُلٹ جائے زمانا
بچہ بھی ہر اک شیر ہے سادات کے گھر کا
اعدا کی نہ سب فوج نہ اک طفل ادھر کا

دیکھیں کوئی لڑکوں پہ بھلا ہاتھ تو ڈالے
دم بند کریں فوج کے یہ ہنسلیوں والے
ہر صف ابھی اُلٹے جو چلیں چھوٹے سے بھالے
خندق کی طرح بہنے لگیں خون کے نالے
رُکتے نہیں آجاتے ہیں جب غیظ و غضب میں
بچے ہیں مگر غیظ ید اللہ ہے سب میں

اعدا سے اور اکبرؑ سے جو اس دم ہوئی تکرار
بگڑے تھے غضب آپ کی شمشیر کے دلدار
یاد آگیا مجھ کو غضب حیدرِ کرار
اکبرؑ سے بھی کچھ آگے بڑھے جاتے تھے ہر بار
کیا غیظ میں وہ آپ کی گودی کے پلے تھے
میں نے اونھیں روکا نہیں لشکر پہ چلے تھے

سمجھاتا تھا میں اور یہی کہتے تھے پیارے
کیوں نام لیا شمر نے ماموں کا ہمارے
یہ اہلِ ستم قابل تعزیر ہیں سارے
کر دیتے ہیں پسپا انھیں تلواروں کے مارے
آقا یہ ہمارے ہیں کہ آقا کے پسر ہیں
کیونکر نہ بڑھیں ہم علی اکبر کی سپر ہیں

شہ نے کہا سر دینے کا وعدہ جو نہ کرتا
طاقت تھی کہ پھر ہاتھ کوئی قبضہ پہ دھرتا
اک دم میں یہ میدان ستم لاشوں سے بھرتا
ہاتھ اون کے نہ بڑھتے نہ قدم اُن کا ٹھہرتا
تنگ آن کے آخر کو یہ پیاسا بھی لڑے گا
اون لوگوں پہ کھل جائیگا جب کھیت پڑیگا

موقع ہے ابھی صبر کا تم کیوں ہوئے برہم
آنے دو جو خیمے پہ چڑھے آتے ہیں اظلم
اللہ تو ہے میری طرف فوج ہے گو کم
نے زخم لگے ہاتھ اُٹھانے کے نہیں ہم
اُمت سے کبھی جنگ میں سبقت نہ کرینگے
واللہ مریں گے کبھی تو ہم حق پہ مریں گے

لڑکوں کو جو روکا میں بہت خوش ہوا بھائی
کیا قہر تھا لٹ جاتی جو زینب کی کمائی
بچوں نے کبھی کا ہے کو دیکھی ہے لڑائی
اعدا کی درشتی کی اونھیں تاب نہ آتی
بڑھتے تو کبھی صورت شمشیر نہ رُکتے
غصہ میں کسی اور سے وہ شیر نہ رُکتے

تکرار نہ پھر ہو کہیں تم جاؤ برادر
فرزندوں کو زینب کے تو لے آؤ برادر
کہنا کہ چلو اشکوں سے منہ دھوتے ہیں شبیرؑ

فوجِ ستم آرا کو یہ دیجو مرا پیغام
غربت میں گھڑی بھر تو مجھے لینے دو آرام
ہیہات حمیّت ہوئی کیا قومِ عرب کی

اب ظہر کا ہنگام ہے اور دن بھی ہے آخر
ہے بے سروساماں ابھی یثرب کا مسافر
حسرت نہ رہے طاعتِ ربِّ دوسرا کی

کھلواتا ہوں صندوق نکلواتا ہوں ہتھیار
تابوتِ سکینہ میں ہے اے قومِ ستمگار
یہ شب تو لڑائی کے سرانجام کی شب ہے

اک شب بھی گوارا نہیں تم کو مرا جینا
کل چار پہر ہیں نہ برس ہے نہ مہینا
کل قبر سے زہرا کے نکل آنے کا دن ہے

یہ سن کے گیا شیر قریبِ صفِ کفار
واجب ادب جنگ میں بہتر نہیں اصرار
ہم جنگ کو موجود ہیں جلدی تمہیں کیا ہے

لشکر سے یہ تب کہنے لگا شمرِ ستمگار
جھنجھلا کے یہ بولے کئی اس فوج کے سردار
کچھ شرم نہیں تجھ کو یہ کیا بے ادبی ہے

اعدا کو بھی اکبر کو بھی سمجھاؤ برادر
وہ چاند سی شکلیں مجھے دکھلاؤ برادر
تم خیمے سے کیوں نکلے خفا ہوتے ہیں شبیرؑ

لڑکوں سے ہے تکرار کہ مجھ سے ہے تمہیں کام
اچھا نہیں بیکس کا ستانا سحر و شام
مہماں ہوں مہلت دو مجھے آج کی شب کی

میں صبح کو خود ہونگا کمر باندھ کے حاضر
جائے گا کہیں یاں سے نہ یہ صابر و شاکر
تم سوؤ عبادت میں کروں اپنے خدا کی

آراستہ ہوتا ہے نشانِ شہ ابرار
نانا کی زرہ حیدرِ کرارؑ کی تلوار
تم جاگیو کل سے مرے آرام کی شب ہے

مظلوم سے یہ بغض مسافر سے یہ کینا
کل خوں میں ڈبو دیجو محمدؐ کا سفینہ
کل خانۂ سادات کے لٹ جانے کا دن ہے

فرمایا کہ اے قومِ جفاکار و ستمگار
شبیرؑ ہیں اک رات کی مہلت کے طلبگار
بس خیر وہ کل ہوگا جو منظورِ خدا ہے

کہہ دو کہ نہیں ملنے کی مہلت تمہیں زنہار
دیتے ہیں جو کافر بھی ہو مہلت کا طلبگار
شبیرؑ تو فرزند رسولِ عربی ہے

اک شب کی اماں دینے میں نقصاں ترا کیا ہے
اوس پر یہ تعدّی جو گرفتار بلا ہے
مظلوم پہ آفت ہے مسافر پہ جفا ہے
یہ جبر محمدؐ کی شریعت میں روا ہے
فاقوں پہ نہ غربت پہ نظر کرتا ہے ظالم
تو خیر کے بھی کام میں شر کرتا ہے ظالم

عابد پہ یہ زرغہ یہ نمازی پہ چڑھائی
مہمانوں نے دو دن سے غذا بھی نہیں پائی
پانی نہ دیا خیر کہ بگڑی تھی لڑائی
روکے ہیں ترے حکم سے دریا کی ترائی
سیّد کو عبادت کی اجازت نہیں دیتا
یہ ظلم کہ اک رات کی مہلت نہیں دیتا

تو ہنستا ہے اور روتے ہیں واں پیاسے معصوم
یاں جشن ہے اور ہائے حسینا کی اودھر دھوم
پانی سے تو کافر کو بھی رکھتے نہیں محروم
اے شمر محمدؐ کا نواسا ہے یہ مظلوم
خورشید ہدایت ہے امام دو جہاں ہے
قرآں سے روشن ہے حدیثوں سے عیاں ہے

دیکھا جو شقی نے کہ ہیں بگڑے ہوئے سردار
عباس دلاور سے لگا کہنے جفا کار
دی رات کی مہلت جو ہیں مہلت کے طلبگار
خیر آج کریں اور عبادت شہ ابرار
پھر عذر کوئی پیش نہ جائے گا سحر کو
کل سب کے گلے کاٹ کے کھولیں گے کمر کو

عباس دلاور نے کہا ہو کے غضبناک
تو کاٹے گا تیروں کے گلے او سگ ناپاک
آگے مرے یہ بے ادبی منہ میں ترے خاک
بیکس ہوا ایسا پسر سیّد لولاک
کیوں رکھدوں لب نجس پہ انگشت سناں کو
دکھلادوں مزا چھید کے خنجر سے زباں کو

بھاگا وہ بڑھے ہونٹ چباتے ہوئے عباس
خیمے میں گئے ساتھ لیے سب کو بصد یاس
کی عرض یہ جا کر پسر فاطمہؓ کے پاس
طے ہو گیا وہ امر کبھی جس کی نہ تھی آس
مہلت بھی ملی رخ بھی پھرا اہل جفا کا
رو کر شہ والا نے کہا شکر خدا کا

گزرا جو وہ دن شام مصیبت نظر آئی
پردے میں چھپا مہر تو ظلمت نظر آئی
ماتم کی غریبوں کے علامت نظر آئی
کھولے ہوئے گیسو شب آفت نظر آئی
راحت دل عالم سے فراموش ہوئی تھی
دنیا غم سرور میں سیہ پوش ہوئی تھی

جنگل میں اُداسی تو وہ اور شام کا ہونا
بچوں کا وہ کھانے کے لیے بھوک میں رونا
پانی کی تمنا میں وہ مُنھ اشکوں سے دھونا
فاقوں میں کہاں نیند کہاں چین سے سونا
لو چلتی تھی جب خاک میں اٹ جاتے تھے بچے
ماؤں سے اندھیرے میں لپٹ جاتے تھے بچے

آتی تھی درندوں کی صدا گونجتے تھے شیر
سب فرش پہ آندھی نے خس و خاک کا ڈھیر
گل ہوتے ہیں شمعوں کے نہ لگتی تھی ذرا دیر
کرتی تھی اندھیرے میں ہوا اور بھی اندھیر
جب اُٹھتی تھیں چوبیں تو جھکا جاتا تھا خیمہ
بھرتی تھی ہوا جب تو اُڑا جاتا تھا خیمہ

اُجڑے ہوئے جنگل کی ڈرانی وہ صدائیں
تھراتا تھا کوئی کوئی پڑھتا تھا دعائیں
دھڑکا تھا کہ جائیں نہ کہیں بچوں کی جائیں
کس طرح اس آفت میں جگہ امن کی پائیں
یاں آن کے پانی سے چھٹے کھانے سے چھوٹے
ہو صبح تو جانیں کہ سیہ خانے سے چھوٹے

خیمے کو خدا گردشِ گردوں سے بچائے
خالق ستم لشکر ملعوں سے بچائے
حافظِ الم ہیبت ہاموں سے بچائے
اللہ ہمیں آفتِ شبخوں سے بچائے
منزل پہ یہ آفت یہ تباہی نہیں دیکھی
ہای ہی کسی شب میں یہ سیاہی نہیں دیکھی

آتی تھی صدا خیمے کے پیچھے سے یہ ہر آن
ہی ہی مرا بچہ ہی اسی رات کا مہمان
جنگل میں یہ کیا بن گئی ہی تجھ پہ مری جان
دو روز کے پیاسے تری غربت کے میں قربان
بابا بھی نہیں عالم تنہائی ہی بیٹا
گھر سے تمھیں جنگل میں اجل لائی ہی بیٹا

مادر نے جو چھاتی پہ سلا کر تمھیں پالا
سایہ سے کبھی دھوپ میں باہر نہ نکالا
مرتے ہی مرے تجھ پہ یہ دکھ چرخ نے ڈالا
آفت میں نہیں آج کوئی پوچھنے والا
خاک اُڑتی ہی لو چلتی ہی میدان بلا میں
نیند آئے گی کیونکر تمھیں اس گرم ہوا میں

اُمت کے لیے اپنا وطن چھوڑ کے آئے
صغرا کو گرفتار محن چھوڑ کے آئے
نانا سے چھٹے قبر حسن چھوڑ کے آئے
اس وحشت کے کانٹوں میں چمن چھوڑ کے آئے
پائی نہ کہیں اور جگہ امن و اماں کی
جنگل وہی بھایا تمھیں بھی خاک جہاں کی

کہتی تھی یہ گھبرائی ہوئی زینب ناشاد
پہچانتی ہوں خوب یہ اماں کی ہی فریاد
کیونکر انھیں چین آئے کہ گھر ہوتا ہی برباد
مرنے پہ بھی راحت نہیں دیتا غمِ اولاد
کل کچھ نہ کچھ آفت ہی جو گھبرائی ہیں اماں
لو صاحب جو تربت سے نکل آئی ہیں اماں

جس روز حسن بھائی سے ہونی تھی جدائی
اُس شب کو بھی اماں کی صدا تھی یونہیں آئی
لاؤ صفِ ماتم کہ ہوئی گھر کی صفائی
بس خاتمہ ہوا اب نہ بچے گا مرا بھائی
پیٹو کہ شب قتل شہ جن و بشر ہے
اماں کا یہ رونا نہیں ماتم کی خبر ہی

غش میں جو ابھی آنکھ مری لگ گئی ناگاہ
عریاں سرِ زہراؑ نظر آیا مجھے واللہ
فرماتی تھیں رو رو کے بصد نالۂ جانکاہ
آرام کی یہ شب نہیں اے زینبِ ذی جاہ
بسمل ہوں چھری میرے کلیجے پہ چلی ہی
بیٹی یہ شبِ قتلِ حسین ابن علی ہی

میں نے کہا کیوں بالوں پہ خاک آپنے ڈالی
فرمایا کہ گھر صبح کو ہو جائے گا خالی
حیدر کی بہو ہووے گی بے وارث و والی
کل شام سے اوڑھو گی ردا فرق پہ کالی
کیونکر کہوں تجھ سے کہ جگر چاک ہی زینبؓ
شبیرؑ کے مقتل کی یہ سب خاک ہی زینبؓ

رونے سے اسی حال میں گزری جو بہت رات
سجادۂ طاعت سے اُٹھے قبلۂ حاجات
عباس دلاور کو بُلا کر یہ کہی بات
ہم بیچ میں ہیں گرد ہی سب لشکرِ بدذات
کچھ دور نہیں بے ادبی فوج شقی سے
ہشیار رہو خیمۂ ناموسِ نبی سے

سب کھینچ کے خیمے کی طنابیں کرو یکجا
تا ایک ہی جانب سے رہے آنے کا رستہ
گرمی کی اگر ہووے تو ہو پیاسوں کو ایذا
خندق میں رہے چار طرف آگ مہیّا
ہر دُکھ میں مدد ایزدِ غفّار کرے گا
پیاسوں پہ خدا نار کو گلزار کرے گا

سرگرمِ اطاعت تھے جو عباس علمدار
بھڑکا دیا خندق میں وہیں آگ کو یکبار
بٹھلائے جواں ڈیوڑھی پہ دیرینہ و ہشیار
بھیجے عقبِ خیمہ حفاظت کو کچھ اسوار
رُتبے سے جو واقف تھے ہر اک سدرہ نشیں کے
خود پھرنے لگے گردِ خیام شہِ دیں کے

نعرہ کوئی کرتا تھا کہ یا حیدرِ کرار
للکارتا تھا کوئی کہ ہاں بھائیو ہشیار
خاموش کھڑا تھا کوئی کھینچے ہوئے تلوار
کون آتا ہے کوئی یہ صدا دیتا تھا ہر بار
کہتا تھا علمدار کوئی اور نہیں ہے
گھبراؤ نہ عباسؑ غلامِ شہِ دیں ہے

کرتے ہو مصیبت میں جو تم سب مددِ شاہ
بس حقِ رفاقت ہے یہی اجرکم اللہ
راضی ہے خدا تم سے خوشی ہیں شہِ ذی جاہ
ہاتھ آئی ہے کیا دولتِ بیدار تمہیں واہ
جو خواب میں دیکھا نہ ہو وہ باغ کھلے گا
قبروں میں بھی اس جاگنے کا لطف ملے گا

جب تین پہر رات عبادت میں گزاری
یاں جاگتی تھی سوتا تھا اُدھر لشکرِ ناری
پچھلے سے دعائیں تھیں بس اور طاعتِ باری
شہ محوِ وظائف تھے حرم کرتے تھے زاری
ہر حال میں حضرت کی نظر سوئے خدا تھی
سجدے تھے کبھی اور کبھی امت کی دعا تھی

مطلع دوم

ناگاہ بیاضِ سحرِ غم نظر آئی
مہتاب چلا رات بہت کم نظر آئی
صبحِ شبِ عاشورِ محرم نظر آئی
انجم کی جو صحبت تھی وہ برہم نظر آئی
جھونکا جو درختوں کو لگا سرد ہوا کا
مرغانِ چمن کرنے لگے ذکر خدا کا

وہ نور کا تڑکا وہ دمِ صبح کی سردی
جنگل میں گلوں کی کہیں سرخی کہیں زردی
بھولی ہوئی تھی وحشیوں کو دشت نوردی
تکبیریں تھیں یاں بجتی تھی واں صبح کی وردی
سامان تھا واں قتلِ امامِ دو جہاں کا
یاں شور تھا گلدستۂ زہرا میں اذاں کا

استادہ ہوئے بہرِ نمازِ سحری شاہ
صف باندھ لی سب نے عقبِ سیدِ ذی جاہ
حقا کہ عجب اخترِ تاباں تھے عجب ماہ
ہر حال میں تھے قبلۂ کونین کے ہمراہ
مقبول تھی وہ پڑھ کے دوگانہ جو دعا کی
خالق نے اونھیں دولتِ کونین عطا کی

فارغ ہوئے جب شکر کے سجدے سے وہ ابرار
تسبیحیں پڑھیں سب نے سجے جنگ کے ہتھیار
ناموس کے خیمے میں گئے شاہ خوش اطوار
حیرت سے نظر کی طرف خواہرِ غمخوار
فرمایا کہو غش ہے کہ سوتی ہے سکینہؓ
زینبؓ نے کہا شام سے روتی ہے سکینہؓ

بے آپ کے اُس کو کبھی نیند آئی نہ بھائی
اُس چاند سی چھاتی کی جو بُو اس نے نہ پائی
فرقت ہو تو حال اُس کا خدا جانیے کیا ہو

بیٹی کا سنا حال تو رونے لگے حضرت
افسوس یہ سن اور یہ یتیمی کی مصیبت
مشکل ہے پھر آنا ہمیں تیغوں کے تلے سے
روئے سخنِ یاس یہ سُن کر حرمِ پاک
دستار ید اللہ قبائے شہِ لولاک
اُن زلفوں میں دیکھا جو رُخ اُس خاصۂ رب کا

حاصل جو زرہ کو ہوا وصلِ تنِ شبیرؑ
دستانوں کو ہاتھ آئی عجب صحبتِ دلگیر
باندھا جو کمر میں تو یہ پرتو نظر آیا
پایا تھا جو قربِ کمرِ سبطِ پیمبرؐ
چار آئنہ دکھلانے لگا اوجِ سکندر
کہتی تھی سپر دولتِ دیں آج ملی ہے

جب سج چکے ہتھیاروں کو تن پر شہِ ابرار
خود بینی سے نیکوں کو سدا رہتا ہے انکار
پرتو ہے جہاں نور کا وہ سینہ ہے میرا
فضہ سے یہ فرماتا تھا وہ صاحبِ توقیر
خود ہاتھوں کو پھیلا کے یہ بولے شہِ دلگیر
بابا تری اس چاند سی صورت پہ فدا ہو

بچوں کو دکھائے نہ خدا داغِ جدائی
ماں پاس نہ لپٹی نہ مری گود میں آئی
تھمتا ہے کوئی باپ سے بچہ جو ہلا ہو

فرمایا کہ لکھی تھی یہی عمر میں فرقت
اللہ نگہبان ہم اب ہوتے ہیں رخصت
لے آؤ کہ رو لیں اُسے لپٹا کے گلے سے
پہنی شہِ والا نے تنِ پاک میں پوشاک
گردوں پہ ہوئے غم سے ملائک کے جگر چاک
آنکھوں میں سماں پھر گیا معراج کی شب کا

داؤد پکارے کہ زہے عزت و توقیر
بوسہ جو لیا چرخ پہ پہونچا سرِ شمشیر
خورشید کے پہلو میں مہِ نو نظر آیا
جامے میں سماتی تھی نہ شمشیرِ دو پیکر
گردوں پہ کلہ پھینکتا تھا فخر سے مغفر
دیکھو مجھے اس دوش پہ معراج ملی ہے

دکھلانے لگی آئنہ فضہ جگر افگار
حضرت نے کہا آئنہ ہے حالِ تنِ زار
میں ہوں وہ سکندر کہ دل آئنہ ہے میرا
جو آئی سکینہؑ کو لیے شاہ کی ہمشیر
آ آ مری پیاری ترا مشتاق تھا شبیرؑ
کیوں آکے لپٹتی نہیں کیا ہم سے خفا ہو

لو جانے دو غصہ کو مری گود میں آؤ
مہماں ہیں تمہارے ہمیں بی بی نہ رُلاؤ
ہم ہونگے کہیں تم کہیں جاؤ گی سکینہؓ
ہے صبح فراق پدر بیکس و ناکام
لکھا تھا بہت کم تری تقدیر میں آرام
ہے زیست کی لذت یہی جو دم تمہیں دیکھیں
فرصت جو عبادت کے سبب ہم نے نہ پائی
کچھ دور نہ تھے ہم پہ تمہیں نیند نہ آئی
غم باپ کا اور قید کا دُکھ جانِ حزیں پر
چھوڑا نہ کبھی چار برس تک مرا پہلو
واں ہوگا کہاں سر کے تلے باپ کا بازو
کیوں دم مرا صدمہ سے نہ گھبرائے سکینہ
حضرت نے جو بیٹی سے کیے یہ سخن یاس
گودی میں گئی باپ کی گھبرا کے وہ بے آس
دشوار تھا ہجر پدر اُس رشک چمن پر
منہ پر کبھی منہ ملتی تھی دے دے کے دعائیں
کہتی تھی کبھی گھر سے نہ حضرت کہیں جائیں
آنے دو اگر پیاس سے غش آئے گا بابا
کیوں کڑھتے ہو بابا مجھے ایسی تو نہیں پیاس
اس وقت کی باتوں سے بہت ہے مجھے وسواس
پھر کل کی طرح نیند مری کھو وگے بابا

ہم آنکھیں ملیں چہرے سے منہ آگے تو لاؤ
عاشق جو ہماری ہو تو آنسو نہ بہاؤ
ڈھونڈھو گی تو پھر ہم کو نہ پاؤ گی سکینہؓ
دن ہجر کے آپہونچے گئے وصل کے ایام
دکھلائے گی یہ صبح یتیمی کی تمہیں شام
تم دیکھ لو جی بھر کے ہمیں ہم تمہیں دیکھیں
یہ آخری شب عمر کی تھی اے مری جائی
کیا ہووے گا جب مٹ گی مہینوں کی جدائی
کیونکر تمہیں نیند آئے گی زنداں کی زمیں پر
منہ چھاتی پہ رکھ کر تمہیں سونے کی تھی خو
اٹ جائیں گے اب گرد یتیمی سے یہ گیسو
یہ نیر اگلا اور رسن ہائے سکینہ
دل ٹکڑے ہوا رونے لگے حضرت عباس
رُخ زرد تھا نیلے تھے لب لعل یہ تھی پیاس
باہیں تو گلے میں تھیں دہن شہ کے دہن پر
لیتی تھی کبھی ننھے سے ہاتھوں سے بلائیں
روتی نہیں میں آپ نہ اب اشک بہائیں
تم جیتے رہو پانی بھی مل جائے گا بابا
کمتی نہیں پانی کی سلامت ہیں عباس
کیا آج کی شب کو بھی نہ رہیئے گا مرے پاس
میں بھی وہیں سوؤں گی جہاں سوؤ گے بابا

سنتے سے کلیجے پہ مرے چلتی ہی تلوار
کیا قصد ہی جانا ہی کہاں یا شہ ابرار
صدقے گئی ناقوں پہ حرم ساتھ نہ ہونگے
شہ بولے کہ درپیش ہی مجھ کو وہ سفر آہ
بھائی ہو کہ بیٹا ہو گدا ہو کہ شہنشاہ
وہ راہ ہی دھڑکا سحر و شام ہی جس کا
کرتا نہیں غربت میں کوئی آگے مدد تک
پھر آتے ہیں روتے ہوئے پہنچا کے لحد تک
نہ دوست نہ احباب نہ ہم بزم گئے ہیں
جو خلق میں تھے صاحب تخت و علم و تاج
شاہان جہاں فخر سے دیتے تھے جنھیں باج
سکہ ہی نہ وہ اور نہ وہ تاج و نگیں ہیں
اولاد کا گلشن نہ عزیزوں کا چمن ساتھ
نہ مال نہ فرزند نہ بھائی نہ بہن ساتھ
آجاتی ہی واں موت جہاں گھر نہیں ہوتا
آرام کے خوگر کو ہی سختی کی کہاں تاب
تربت میں کہاں راحت و آرام کا اسباب
گھبرائے کہ وحشت ہو کہیں جا نہیں سکتا
پہلو کے نہ تکیے نہ وہ راحت کا بچھونا
بستر وہی مٹی کا وہی قبر کا کونا
رہتا ہی لباس ایک بہر حال گلے میں

کھلتا نہیں کچھ آپ نے کیوں باندھے ہیں ہتھیار
تشویش کچھ ایسی ہی کہ بھولا ہی مرا پیار
کیا یہ سفر ایسا ہی کہ ہم ساتھ نہ ہوں گے
ایک ایک قدم جس میں ہیں سو صدمۂ جانکاہ
جز نیک عمل جا نہیں سکتا کوئی ہمراہ
پہلی ہی وہ منزل کہ لحد نام ہی جس کا
گر ساتھ گیا ہی تو کوئی قبر کی حد تک
وہ خانۂ تاریک وہ تنہائی ابد تک
تنہا یوہیں شاہان اولوالعزم گئے ہیں
نوبت یہ ہوئی ہی کہ نشاں اُن کے نہیں آج
وہ قبریں ہیں سورۂ الحمد کے محتاج
دولت تو خزانہ میں ہی خود زیر زمیں ہیں
یاور نہ مصاحب نہ محبان وطن ساتھ
دنیا کے کل اسباب سے ہوتا ہی کفن ساتھ
بہتوں کو کفن تک بھی میسر نہیں ہوتا
شب کو جو اندھیرا ہو تو ہو جاتا ہی بے خواب
جز داغ جگر روشنی شمع ہی نایاب
کروٹ بھی بدلنے کی جگہ پا نہیں سکتا
دشوار ہی واں سر کے تلے ہاتھ کا ہونا
وہ پاس سے رخسار دھرے خاک پہ سونا
بر میں کفن اور نامۂ اعمال گلے میں

صحبت تھی شب و روز کی جس سے وہ کہاں ہیں
وہ قبر کا ڈر پرسش اعمال کا وسواس
دکھلائیں تزک چار دن افلاک کے نیچے
کیا اُن کو خبر جو کہ مکانوں میں مکیں ہیں
تاریکیِ مرقد سے وہ آگاہ نہیں ہیں
مٹی کے تلے دن کو بسر ہوتی ہی کیونکر
بتلاؤ مسافر کو نہ تویش ہو کیونکر
غربت میں نئی راہ نئے لوگ نیا گھر
تربت بھی نہ جلد اے مری دل سوز ملے گی
یہ کہہ کے بہت روئے شہنشاہِ مدینہ
ہی آج تلاطم میں محمد کا سفینہ
جائے گا سوئے شام یہ سر تیغ سے کٹ کر
وہ کہتی تھی للہ نہ گودی سے اُتارو
ننھے سے کلیجے پہ نہ اب برچھیاں مارو
ہوتا ہی خفا یوں کوئی نازوں کے پلے سے
سینے پہ مرے ہاتھ تو رکھیں شہِ والا
ہٹکوں گی سر اپنا جو قدم گھر سے نکالا
مر جائیں گے گر آپ کے دشمن تو جیوں گی
بچنے کی نہیں جان اب اس تشنہ دہن کی
منظور ہی گر سیرِ شہادت کے چمن کی
اماں کے بھی رونے کا نہ غم کھاؤں گی بابا

ہمدرد جو حسرت تو مصاحب الم و یاس
اوس ملک سے دنیا میں پھر آنے کی نہیں آس
سب شاہ و گدا ایک سے ہیں خاک کے نیچے
خویش و پسر و ہمدم و احباب قریں ہیں
پوچھے کوئی اُن لوگوں سے جو زیر زمیں ہیں
شب ہوتی ہی کس طرح سحر ہوتی ہی کیونکر
نہ راحلہ نہ زادِ سفر پاس، نہ رہبر
وہ خانۂ پُر ہول، یہ آرام کا خوگر
منزل وہ ہمیں بعد چہل روز ملے گی
فرمایا کہ لو جاؤ پھوپھی پاس سکینہؓ
مشتاق ہی اب ظلم کے تیروں کا یہ سینہ
بس چار برس سو چکیں چھاتی سے لپٹ کر
آئی ہی بلا سر پہ تو پہلے مجھے وارو
مر جاؤں گی بابا نہ سدھارو نہ سدھارو
ہی ہی مرے ہاتھوں کو چھڑاؤ نہ گلے سے
ہی ننھے سے سینے میں کلیجہ تہ و بالا
کیا داغ دکھانے کے لیے تھا مجھے پالا
رسی سے بندھے گی مری گردن تو جیوں گی
تدبیر کیے جایئے ننھے سے کفن کی
اچھا مجھے کیا راہ نہیں ملنے کی رن کی
میں چھوڑ کے اِن سب کو چلی آؤں گی بابا

بیٹی سے جدا ہو کے کہاں جاتے ہیں حضرت — کس کے لیے ہم سب کی گوارا ہوئی فرقت
وہ کون ہے جس کی ہے یہ الفت یہ محبت — حضرت نے کہا وہ مرے نانا کی ہے امت
جو خاص ہیں اُن میں وہ ہمارے ہیں سکینہؓ — وہ تم سے زیادہ ہمیں پیارے ہیں سکینہؓ

ہو جائیں جب اٹھارہ بنی فاطمہ بے سر — اور داغِ یتیمی ہو تمھیں اے مری دلبر
اسباب لیے قید ہو سجادؑ جلے گھر — تب آتشِ دوزخ سے بچیں شیعۂ حیدرؑ
راضی ہوں میں واللہ ستم مجھ پہ ہیں بابا — پر حشر میں شیعوں کو نہ کچھ رنج و تعب ہوں

یوں کہنے لگی سینے پہ منہ رکھ کے وہ ناداں — کہتے ہیں یتیمی کسے میں آپ کے قرباں
حضرت نے کہا سخت مصیبت ہے مری جاں — یہ داغ ہے بچوں کے لیے موت کا ساماں
تن آتشِ غم سے صفتِ شمع گھلے گا — یہ حال تمھیں عصر کے بعد آج کھلے گا

اب تک تو ہے یہ ظلم کہ ملتا نہیں پانی — پھر باندھیں گے رسّی سے گلا ظلم کے بانی
تم لاکھ کہو گی کہ ہیں بابا کی نشانی — لوٹیں گے یہ بندے بھی ترے دشمن جانی
جلاد مری روح کو غمناک کریں گے — موتی کے لیے کان ترے چاک کریں گے

یہ کہہ کے جو شہ نے اُسے گودی سے اُتارا — غش ہو گئی بانو نہ رہا ضبط کا یارا
ہمشیر سے حضرت نے کیا رو کے اشارا — آؤ کہ لگا لیں تمھیں چھاتی سے دوبارا
حضرت پہ بھی دشوار تھی ماں جائی کی رخصت — کم تھی نہ قیامت سے بہن بھائی کی رخصت

پھٹتا تھا جگر شاہ کا زینب کے بیاں سے — کیا درد کے الفاظ نکلتے تھے زباں سے
کہتی تھی بہن کوچ ہے بابا کا جہاں سے — شہ کہتے تھے میں آج جدا ہوتا ہوں ماں سے
کیا کیا مرے کام آئی ہیں اس رنج و محن میں — سب طور تھا اماں کی محبت کا بہن میں

بچپن سے کسی دکھ میں برادر کو نہ چھوڑا — فاقے کیے اکثر مگر اس گھر کو نہ چھوڑا
تنہا کبھی فرزندِ پیمبر کو نہ چھوڑا — چھوڑا وطن اور نائبِ حیدرؑ کو نہ چھوڑا
فرقت نہ ہو اک دم یہ دعا شام و سحر تھی — غربت میں بچھڑ جانے کی لیکن نہ خبر تھی

یہ کہہ کے چلے شاہ بچھی یاں صفِ ماتم
گویا کہ ہوئی بزمِ عزا درہم و برہم
سر کھولے ہوئے پیٹتی تھی بانوئے پرغم
برپا تھا یہی شور کہ ہے ہے شہِ عالم
در تک بھی نہ پہنچے تھے کہ غش کر گئی زینبؑ
سر پیٹ کے فضہ نے کہا مر گئی زینبؑ

نکلے درِ دولت سے شہنشاہ فلک جاہ
پردے سے ہوئی جلوہ نما قدرت اللہ
اٹھارہ بنی فاطمہؑ تھے آپ کے ہمراہ
جھرمٹ تھا ستاروں کا زمیں پر عقبِ ماہ
تھا فرش سے تا عرش سماں جلوہ گری کا
ڈیوڑھی تھی دریچہ فلکِ نیلوفری کا

سکانِ سماوات یہ کرتے تھے اشارے
دیکھو کہ زمیں پر بھی نکلتے ہیں ستارے
آتی تھی صدا گرد ہیں یاں نور تمہارے
تارے یہ وہ تارے ہیں کہ جو ہیں ہمیں پیارے
یہ سب وہ بشر ہیں جو بنے نورِ خدا سے
ہے عرش بھی روشن انھیں تاروں کی ضیا سے

رتبے ہیں زیادہ ملک و حور سے اُن کے
جلوے ہیں فزوں روشنیِ طور سے اُن کے
کرتا ہے قمر کسبِ ضیا نور سے اُن کے
عابد ہیں یہ نظارے کرو دور سے اُن کے
آخر تو نکل آئیں گے سارے جو چھپیں گے
پھر اُن کو نہ دیکھو گے یہ تارے جو چھپیں گے

دیکھا رفقا نے جو رُخِ قبلۂ عالم
مجرے کے لیے صلِّ علیٰ کر کے ہوئے خم
حضرت نے عجب پیار سے دیکھا اُنھیں اس دم
ہر اک کی زباں سے یہی نکلا کہ فدا ہم
نازاں ہیں عنایاتِ شہِ تشنہ گلو پر
سو سر ہوں تو قرباں کریں ہر سر ہر مو پر

گرداں سے کے دامن جو بڑھے سیدِ ابرار
لینے کو رکاب آئے رفیقانِ وفادار
فرمانے لگے بڑھ کے یہ عباسِ خوش اطوار
اس خدمتِ عالی کا ہے بندہ ہی سزاوار
جبریل پکارے نہیں حاجت ہے کسی کی
بچپن سے بھی خادم کو تمنا تھی اسی کی

اسوار ہوا جب وہ دو عالم کا شہزادہ
لشکر کا ہوا جاہ و حشم اور زیادہ
گھوڑا جو بڑھا کاہکشاں بن گیا جادہ
جبریل چلے ساتھ سواری کے پیادہ
ہمراہ علم دھوپ میں تھا ظلِ خدا بھی
جبریل بھی تھے سایہ فگن سر پہ ہما بھی

تھوڑا سا تو لشکر پہ خوشنا عجب نہے شان
وہ حسن کہ حوران جناں جن پہ ہیں قربان
خورشید بھی شرمندہ ہو رخ جلوہ گر ایسے
وہ چاند سے ماتھے وہ قبائیں وہ عبائیں
تن پھول سے غنچوں کی طرح تنگ قبائیں
نورِ مہِ کامل کبھی سینے کو نہ پہونچے
کس شان سے شملوں کے سرے دوش پہ چھوڑے
تیغیں بھی جو برسیں تو کوئی منھ کو نہ موڑے
برباد کریں کوہ کو ہاموں کو الٹ دیں
جاتے تھے سواری میں جلال و حشم آگے
جلدی تھی ہر اک کو کہ نکل جائیں ہم آگے
جنت کے پھریرے سے ہوا آتی تھی رن میں
کیا اوج تھا نخلِ علمِ فوجِ خدا کا
غل تھا کہ یہ ہے سروِ رواں باغِ وفا کا
ٹوکے وہ انھیں بڑھ کے لڑا ہو جو علی سے
ان چاند سے چہروں نے دکھائی تھی عجب ضو
تیغوں کے عاشق اسد اللہ کے پیرو
کیا حسنِ عقیدت تھا عجب دل کے جواں تھے
بندھتی تھیں صفیں یاں کہ علم کھل گئے واں کے
تلواریں لیے غول بڑھے فوجِ گراں کے
آرام میں زہرا و علی کے خلل آیا

دینداروں کی جان اور مسلمانوں کا ایمان
حیرت میں ملک دیکھیے صورت کو تو انسان
چلاتی تھی پریاں نہیں دیکھے بشر ایسے
تسبیحیں تو ہاتھوں میں زبانوں پہ دعائیں
بس جائے وہ سب راہ یہ جس راہ سے جائیں
بو ایسی کہ عطر اُن کے پسینے کو نہ پہنچے
وہ رعب وہ اقبال وہ ہتھیار وہ گھوڑے
ایک ایک جری شیر کے پنجے کو مروڑے
خیبر کی طرح قلعہ گردوں کو الٹ دیں
غل تھا کہ بڑھے جاؤ قدم با قدم آگے
پیچھے تو محمد کا نشاں تھا علم آگے
طوبیٰ نے جگہ پائی تھی زہرا کے چمن میں
فردوس بھی شایق تھا پھریرے کی ہوا کا
پنجے پہ ہے عالم یدِ بیضا کی ضیا کا
یہ شیر گرسنہ نہیں رُکنے کے کسی سے
میداں میں تھا چار طرف نور کا پرتو
اعدا تو کئی لاکھ یہ پورے بھی نہ تھے سو
آقا پہ فدا ہونے کو سب ایک زباں تھے
ڈنکا جو ہوا ہل گئے دل پیر و جواں کے
مظلوموں پہ در بند ہوئے امن و اماں کے
آمد ہوئی تیروں کی پیامِ اجل آیا

ڈولا کھ لعینوں کے چلے تیر جو پیہم
عباس علمدار نے کی عرض یہ اُس دم
دے حکم تو قبضوں پہ نہ یہ ہاتھ دھریں گے
اک اُن میں سے بڑھ جائے گا چمکا کے جو تلوار
حضرت نے کہا فتح سے کیا مجھ کو سروکار
تیغ و تبر و تیر و سناں کھانے دو بھائی
عباس نے رو کر کہا اے سیّد اکرم
آقا کو بھلا دیکھ سکے گا کوئی بیدم
چلنا صفِ جنگاہ میں تلواروں کا دیکھیں
مولا نے کہا ہے یہی مرضی تو کرو جنگ
شیروں نے عجب شان سے گھوڑوں کے کسے تنگ
دیکھا نظرِ غیظ سے افواجِ لعیں کو
تنہا گئے یوں فوج پہ وہ صاحبِ شمشیر
انبار تھے لاشوں کے اِدھر ڈھیر اُدھر ڈھیر
پاس آنہ سکے دور سے بے پیروں نے مارا
جب سوئے جناں شہ کے مددگار سدھارے
دنیا سے جوانانِ خوش اطوار سدھارے
لشکر نہ رہا شاہِ فلک جاہ کے ہمراہ
چھپنے لگے جس دم وہ ستارے بھی نظر سے
دو بھائی بچے ٹکڑے ہوئے شمشیر و تبر سے
پامال ہوا یوں بدن اُس رشکِ چمن کا

مطلع سوم

بیجاں ہوئے اک دم میں پچاس آپ کے ہمدم
بائیس جواں رہ گئے اے قبلۂ عالم
حسرت نہ رہے گی جو وغا کر کے مریں گے
ہو جائے گی موقوف ابھی تیروں کی بوچھاڑ
ہوں میں تو فقط بخششِ امت کا طلبگار
سب لوگوں سے پہلے مجھے مر جانے دو بھائی
کیسے گا یہی خلق سے اُٹھ جائیں گے جب ہم
یہ سب ہیں غلام آپ کے اے قبلۂ عالم
آج آپ مزا اپنے نمک خوار کا دیکھیں
یہ سنتے ہی سادات کے چہرے ہوئے گلرنگ
نیزے جو سنبھالے تو علمدار ہوئے تنگ
لرزہ ہوا نعروں سے دلیروں کے زمیں کو
چوں گلّۂ آہو پہ جھپٹتا ہو کوئی شیر
ہاتھ اُٹھ گئے پنجوں سے زبردست ہوئے زیر
تلواریں نہ کھائیں پہ انھیں تیروں نے مارا
جانبازیاں دکھلا کے وہ جرّار سدھارے
غم رہ گیا شبیرؑ کے غمخوار سدھارے
اٹھارہ ستارے تھے فقط ماہ کے ہمراہ
کھینچی قمرِ فاطمہؑ نے آہ جگر سے
یاں تک کہ جدائی ہوئی بھائی کے سر سے
لاشہ نہ اُٹھایا گیا فرزندِ حسنؑ کا

جب قتل ہوا حضرتِ عباس سا بھائی
روتے تھے کہ بیٹے نے سناں سینے پہ کھائی
ہونچے صفتِ نکہتِ گل باغ ارم میں
مارے گئے زینب کے پسر آنکھوں کے آگے
دنیا سے گئے نورِ نظر آنکھوں کے آگے
سہرا بھی جواں بیٹے کا بابا نے نہ دیکھا

کیا روئے تھے یعقوب جو بچھڑا تھا پسر ایک
مرجاتی ہی بلبل جو خزاں ہو گلِ تر ایک
صدمے سے لہو تن میں نہیں زرد ہیں شبیرؑ
حضرت جو ہیں بیتاب تزلزل میں ہی گیتی
وہ دھوپ وہ لو اور وہ جلتی ہوئی ریتی
نیلے ہیں لبِ لعل کمر ضعف سے خم ہی

اسوار اُدھر بڑھتے ہیں نیزوں کو سنبھالے
واں فوجِ سیہ روئے علم کھولے ہیں کالے
میداں سے نہ بڑھتے ہیں نہ ہٹ سکتے ہیں شبیرؑ
تنہائی کا احوال بھی مردم پہ عیاں ہی
پیرانہ سری میں غمِ فرزندِ جواں ہی
ٹوٹا ہی فلک عالمِ غربت میں سب لٹے ہیں

اُس فوج میں ڈھالوں کا ہی اک ابر سا چھایا
واں گھوڑے بھی سیر لیے ہیں دانا بھی ہی کھایا
خیمے ہیں اُدھر دھوپ بھی لشکر پہ نہیں ہی
تھا شور کہ اب سبطِ نبیؐ کی اجل آئی
پس تین پہر میں ہوئی سب گھر کی صفائی
پیدا ہوئے برسوں میں فنا ہو گئے دم میں

عباس ہوئے خون میں تر آنکھوں کے آگے
دیکھا کیے اور لٹ گیا گھر آنکھوں کے آگے
وہ کونسا تھا داغ کہ مولا نے نہ دیکھا
ہر نخل ہی خواہاں کہ جدا ہو نہ ثمر ایک
یاں داغ عزیزوں کے بہتر ہیں جگر ایک
اک زخمِ جگر کیا ہمہ تن درد ہیں شبیرؑ

کاٹی ہوئی سب خاک پہ زہرا کی ہی کھیتی
ان سب کے سوا پیاس سنبھلنے نہیں دیتی
تلواریں اُدھر کھنچتی ہیں یاں ہونٹوں پہ دم ہی
یاں تیر دعاؤں کے ہیں اور آہوں کے بھالے
ہیں لعل کو زہرا کے اِدھر جان کے لالے
عباس کے لاشے کی طرف تکتے ہیں شبیرؑ

جو نورِ نظر تھا وہی آنکھوں سے نہاں ہی
بھائی نہیں اب بازوؤں میں زور کہاں ہی
ابنِ اسداللہ سے دو شیر بچھڑے ہیں
اور چاند پہ زہرا کے ہی خورشید کا سایا
یاں تیسرا ہی روز کہ پانی نہیں پایا
چادر تک اُدھر لاشۂ اکبر پہ نہیں ہی

پلہ پہ کمانداروں کے ہیں شمر سیہ رو — چالوں سے ملائے ہوئے ہیں تیر جفا جو
جب تھامتے ہیں تیغ کا قبضہ شہ خوش خو — تھراتا ہے وہ تیر سے ٹوٹا ہوا بازو
ایذائے جراحت ہے مگر اٹھ نہیں سکتی — اس ہاتھ سے تیغ اُس سے سپر اُٹھ نہیں سکتی

ہر دم متقاضی ہیں یہ اس فوج کے سردار — طاقت نہیں لڑنے کی تو رکھ دیجیے ہتھیار
مولا سے یہ کہتی تھی یداللہ کی تلوار — جوہر مرے دکھلائیے یا سید ابرار
ڈرسے نہ قدم ٹھہرینگے بیداد گروں کے — اک دم میں اُڑادونگی سران خیرہ سروں کے

بے رحم ہے یہ قوم بس اب رحم نہ کیجے — ای قبلۂ کونین مجھے میان سے لیجے
سب قتل ہوئے خویش پسر بھائی بھتیجے — صف بستہ ہیں کفار شکست اب انھیں دیجے
ہیں وہ ہوں کہ جس دم صف اعدا پہ جھکوں گی — جبریل بھی روکیں گے تو ہرگز نہ رکونگی

شہ کہتے تھے ای تیغ وغا کس کو دکھاؤں — جرات جو دکھاؤں تو بھلا کس کو دکھاؤں
زور آوری شیر خدا کس کو دکھاؤں — ضرب اسد قلعہ کشا کس کو دکھاؤں
صبران کی جفاؤں کا کیا خیر بشر نے — بیٹوں کی تباہی کبھی چاہی ہے پدر نے

بالفرض کہ سب قتل ہوئی فوج ستم گر — پھر مجھ سے ملیں گے مرے بچھڑے ہوئے یاور
بتلا مجھے جی اُٹھیں گے عباس دلاور — چھاتی سے لپٹ جائیں گے آکر علی اکبرؑ
اک دم کے لیے گلشن ہستی کو اُجاڑوں — نانا کی بسائی ہوئی بستی کو اُجاڑوں

یہ کہتے تھے حضرت کہ لگا تیر جبیں پر — ماتھے سے لہو بہ کے گرا دامن زیں پر
غصہ سے نظر آپ نے کی لشکر کیں پر — تھرانے لگے روح امیں عرش بریں پر
واں زینبؑ ناشاد کھلے سر نکل آئی — یاں تیغ علیؑ میان سے باہر نکل آئی

ہاتف کی صدا آئی کہ ای تابع تقدیر — ہاں اب ہے اجازت کہ دکھا جوہر شمشیر
گھوڑے پہ سنبھل بیٹھے یہ سُن کر شہ دلگیر — نعرہ جو کیا کانپ گیا لشکر بے پیر
ناطاقتی جسم نہ مطلق نظر آئی — تصویر جلال اسد حق نظر آئی

وہ غیظ وہ نعرہ وہ چمکتی ہوئی تلوار
گویا تھا مجسم غضب حضرت قہار
اتنا تو پکارے کہ خبردار خبردار
ڈھالیں نہ اٹھی تھیں کہ گری برق شرربار
گرمی سے ہوا میں شرر اڑتے نظر آئے
جھونکا تھا غضب کا کہ شرر اڑتے نظر آئے

اک آگ سی تھی چار طرف شعلہ فشاں برق
وہ برق کہ خود مانگتی تھی جس سے اماں برق
یاں موج تو واں سیل جو یاں ابر تو واں برق
منھ زہر بھرا قہر بدن آگ زباں برق
سرکش تھا جو ناری یہ جلاتی تھی اسی کو
لوہے پہ بھی گرتی تھی تو کھاتی تھی اسی کو

اٹھ کر کبھی ٹھہری کبھی لچکی کبھی چمکی
سر گر گئے گردن جدھر اس تیغ نے خم کی
سیدھی صف دشمن کو ملی راہ عدم کی
سیفی تھی کہ گویا دم شمشیر پہ دم کی
دم بھر میں صفیں صاف تھیں بیدادگروں کی
تھی مینہ کی طرح خاک پہ بوچھار سروں کی

تیزی تھی کہ منکر بھی ہر اک تھا مقر اس کا
تھا کاٹ میان دو جہاں مشتہر کا
خم ہو گئی تھی قلب پہ تھا منکسر اس کا
نے فتح عدو پر بھی نہ کھلتا تھا اثر اس کا
تھی سم کی حرارت جو بدن اس کا ہرا تھا
افعی کی طرح پیٹ میں کیا زہر بھرا تھا

پایا تھا عجب نور عجب تیغ عجب ہاتھ
بجلی سی چمک جاتی تھی اٹھ جاتا تھا جب ہاتھ
کچھ دست میں اعدا کے نہ تھا ملتے تھے سب ہاتھ
پھرتی تھی عجب جسم میں چلتا تھا غضب ہاتھ
شمشیر اجل فوج کے بھالوں سے رکی ہو
گرتی ہوئی بجلی کبھی ڈھالوں سے رکی ہو

کس کے سر و گردن میں جدائی نہ دکھائی
صف کونسی تھی جس کو صفائی نہ دکھائی
کس کو اسد حق کی لڑائی نہ دکھائی
مقتل میں کسے عقدہ کشائی نہ دکھائی
ریلا جو ہوا ناریوں کو رول کے نکلی
شیرازۂ اجزائے بدن کھول کے نکلی

اک ضرب میں ہاتھ اس کے اڑائے تو سر اس کا
شاخیں کٹیں اس نخل ستم کی تو ثمر اس کا
دل اس کا دو پارہ کیا کاٹا جگر اس کا
دم ہو گیا آخر ادھر اس کا ادھر اس کا
جس جا پہ جھلکے خون کی ندی وہیں بہہ جائے
کیا دخل تھا اس کا کہ کسی باگ پہ رہ جائے

سرداروں کو تیغِ دو زباں ڈھونڈھ رہی تھی
کفار کے علموں کا نشاں ڈھونڈھ رہی تھی
اعدا کے یہ چھپنے کا مکاں ڈھونڈھ رہی تھی
سب فوجِ ستم جائے اماں ڈھونڈھ رہی تھی
جو ہاتھ لگا خوں میں اُسے بھر دیا اُس نے
پایا جسے یکتا اُسے دو کر دیا اُس نے

تھا صورتِ آئنہ تمام اس کا بدن صاف
خوں پیتی تھی پر دیکھو تو منھ صاف دہن صاف
چلتی تھی جو سن سن پہ نکلتا تھا سخن صاف
ہوں میں تو وہ جاروب کہ کر دیتی ہوں رن صاف
نااہل ہیں نامرد ہیں ناپاک ہیں اعدا
میں برقِ غضب ہوں خس و خاشاک ہیں اعدا

تھا دور تلک خون سے اُس فوج سے رن سرخ
پھولا ہوا تھا تیغ کے اک پھل سے چمن سرخ
چہرے تو سیہ کاروں کے تھے زرد بدن سرخ
تھی تیغِ دو پیکر کی زباں سرخ دہن سرخ
بے وجہ نہ منھ لال تھا اس عربدہ جو کا
بیڑہ وہ اُٹھائے ہوئے تھی خونِ عدو کا

مغفر سے جھلم کٹ گئی گردن میں در آئی
گردن سے سرکتا تھا کہ جوشن میں در آئی
جوشن سے گزرنا تھا کہ بس تن میں در آئی
تن سے ابھی اُتری تھی کہ توسن میں در آئی
بچتا کوئی کیا تیغِ قضا رنگ کے نیچے
اک برقِ غضب کوند گئی تنگ کے نیچے

قبضہ تھا کہ تھا چہرہ پر قہرِ قضا کا
نابیں تھیں کہ دھارا تھا وہ دریائے فنا کا
باڑھ ایسی کہ رُخ پھر گیا دریا کی گھٹا کا
پیشہ وہ کہ پی جائے لہو اہلِ جفا کا
تمغے کی جگہ یا اسد اللہ لکھا تھا
جوہر میں انا سیفُ ید اللہ لکھا تھا

خم خم سے ہلالِ فلکِ نیلوفری تھی
مارا تھا ہزاروں کو مگر خوں سے بری تھی
شوخی بھی نئی اور نئی جلوہ گری تھی
تھی تیغ کہ قبضہ میں سلیماںؑ کے پری تھی
اک آگ لگی وار جدھر چل گیا اُس کا
جو آگیا سایہ میں بدن جل گیا اُس کا

سیدھی جو چلے وہ تو صفِ فوج اُلٹ جائے
دشمن پہ پڑے جب تو لہو جسم کا گھٹ جائے
تھرّائے فلک گاوِ زمیں ڈر کے سمٹ جائے
دیکھے جو خم اُس کا مہِ نو شرم سے کٹ جائے
اُس برق کا ہمسر کوئی دنیا میں کہاں ہے
یہ سب صفتیں جس میں ہوں وہ سیف زباں ہے

جب شعلۂ سرکش کی طرح فوج پہ لپکی
تصویر نظر آگئی بجلی کی تڑپ کی
تھرائے جگر آنکھ ستم گاروں کی جھپکی
سر اُڑ گئے اور خون کی اک بوند نہ ٹپکی
سب ناریوں کو خاک کا پیوند کیا تھا
آب دمِ شمشیر نے دم بند کیا تھا

دم بھر کہیں شمشیر سر انداز نہ ٹھہری
بجلی کی چمک رعد کی آواز نہ ٹھہری
روکا کیے وہ تفرقہ پرداز نہ ٹھہری
نے صید کیے صورتِ شہباز نہ ٹھہری
جب ہاتھ اُٹھا چرخ پہ سر چڑھ گیا اُس کا
پی پی کے لہو اور بھی دم بڑھ گیا اُس کا

پیڑی کبھی گہ خوں میں نہا کر نکل آئی
ٹھہری کبھی غوطہ کبھی کھا کر نکل آئی
کاٹی جو زرہ موج میں جا کر نکل آئی
منجدھار سے دو ہاتھ لگا کر نکل آئی
کیا ڈر اُسے طوفاں کا جو چالاک ہو ایسا
جب باڑھ پہ دریا ہو تو پیراک ہو ایسا

غصہ میں گئی اور غضبناک پھر آئی
افلاک پہ چمکی تو سوئے خاک پھر آئی
بے خوف سروں سے گئی بیباک پھر آئی
غل ہوتا تھا بھاگو کہ وہ سفاک پھر آئی
خالق کا غضب خلق میں کہتے ہیں اسی کو
یہ مرگِ مفاجات نہ چھوڑے گی کسی کو

دم بھر نہ ٹھہرتی تھی عجب طرح کا دم تھا
نیزے پہ جسے ناز تھا سر اس کا قلم تھا
ناگن میں نہ یہ زہر نہ افعی میں یہ سم تھا
یہ فتح کی جویا تھی قد اس واسطے خم تھا
بد اصل تجبر کے سخن کہتے ہیں اکثر
جو صاحبِ جوہر ہیں جھکے رہتے ہیں اکثر

سرکش تھے جو اس فوج ستمگر میں ستمگار
اک وار میں کرتی تھی دو لخت اُن کو وہ تلوار
جل جل کے وہ اخگر کی طرح ہوتے تھے فی النار
ترکیب عناصر میں خلل پڑتا تھا ہر بار
دو چار ہوا سامنے جو خیرہ سر آیا
ہر مصرعۂ قد اس کا رباعی نظر آیا

غل فوج میں تھا سیلِ فنا آئی ہے بھاگو
منھ کھولے ہوئے سر پہ بلا آئی ہے بھاگو
جانیں نہیں بچتیں کہ وبا آئی ہے بھاگو
سر اُڑتے ہیں جب سے وہ ہوا آئی ہے بھاگو
اُن ڈھالوں سے روکو گے کسے ہوش کہاں ہے
جھونکا کوئی آیا تو یہ سب نخل خزاں ہیں

چلتی تھیں صفیں شعلہ فشانی تھی غضب کی
کٹتے تھے عدو سیف زبانی تھی غضب کی
لوہے سے نہ رکتی تھی روانی تھی غضب کی
آیت تھی قیامت کی نشانی تھی غضب کی
بجلی سی چمکتی تھی تو ہٹ جاتے تھے جبریل
شہپر کو اُٹھائے ہوئے تھراتے تھے جبریل

جب کوند کے اُٹھتی تھی وہ شمشیر فنا دم
غل ہوتا تھا پریوں میں کہ یا حافظ عالم
فوجیں تھیں بنی جان کی سب درہم و برہم
مضطر تھے ملک کانپتا تھا عرش معظم
جب برق چمکتی تھی سرک جاتے تھے جبریلؑ
یا شیر خدا کہہ کے جھجک جاتے تھے جبریلؑ

لشکر میں یہ تھا شور کہ یا شاہ اماں دو
اب پاؤں ٹھہرتے نہیں للہ اماں دو
بس رحم کرو سید ذی جاہ اماں دو
بہر سر پر خونِ ید اللہ اماں دو
بخشو ہمیں اُس تشنہ دہانی کا تصدق
پیارے علی اکبرؑ کی جوانی کا تصدق

دل تھام کے ہاتھوں سے پکارے شہِ والا
کیا نام لیا یہ کہ لگا قلب پہ بھالا
پھر ہو گیا سینے میں کلیجہ تہ و بالا
پہلو تو مرے قتل کا یہ خوب نکالا
اچھا نہیں اب لڑنے کے راضی برضا ہیں
سو سر ہوں تو اکبر کی جوانی پہ فدا ہیں

پھر رو کے یہ فرزند کے لاشے کو پکارے
ہم روکتے ہیں تیغ کو کیا کہتے ہو پیارے
اے شبیر جواں باپ کی پیری کے سہارے
یہ دشمنِ دیں بچ گئے صدقے میں تمہارے
رحم ان پہ کیا گو مجھے غم دیتے ہیں اعدا
اب تیری جوانی کی قسم دیتے ہیں اعدا

تم مر گئے بیجا ہے یہ کوشش یہ لڑائی
وہ کیا جیے جس پاس نہ بیٹا ہو نہ بھائی
اس جنگ نے مرنے میں بڑی دیر لگائی
ہو جائے کہیں جلد سر و تن میں جدائی
بس لڑ چکے اب تیغ و سناں کھائینگے بیٹا
بے جان دیے ہم نہ تمہیں پائینگے بیٹا

فرما کے یہ شمشیر شرر ریز کو روکا
روکا اُسے کیا شعلۂ سرتیز کو روکا
نے کل تھا مگر اسپ سبک خیز کو روکا
کس پیار سے چمکار کے شبدیز کو روکا
فرمایا کہ اُمت کا بھلا ہوتا ہے گھوڑے
راکب ترا اب تجھ سے جدا ہوتا ہے گھوڑے

شمشیر ید اللہ ادھر میان میں آئی
اور جان لعینوں کی ادھر جان میں آئی
پھر فوج عدو قتل کے میدان میں آئی
فریاد کی زہرا کی صدا کان میں آئی
رونے کا اٹھا شور مدینہ کی طرف سے
صاف آئی صدا ہائے حسینا کی نجف سے

واں خیمے سے نکلے حرم احمدِ مختار
یاں قبلۂ عالم پہ ہوئی تیروں کی بوچھار
فریاد کہ اک تشنہ دہن لاکھ ستمگار
تلواریں تو سب فوج کی اور ایک تنِ زار
گھر لٹتا تھا زہرا کا قیامت کی گھڑی تھی
بوچھار نہ تھی تیروں کی ساون کی جھڑی تھی

ٹکڑے ہوا تیغوں سے محمد کا جگر بند
کٹ کٹ کے جدا ہونے لگے بند سے ہر بند
پرزے تھی قبا خون میں ڈوبا تھا کمر بند
ہر زخم کے کوچے تو کھلے امن کے در بند
طاقت جو نہ تھی ضعف سے تھراتے تھے شبیرؑ
جب پڑتی تھی تلوار تو جھک جاتے تھے شبیرؑ

جب لگتی تھی برچھی تو یہ فرماتے تھے سرور
زخمی تری چھاتی کے میں صدقے علی اکبرؑ
تلوار سے کٹ جاتا تھا جب بازوئے انور
چلاتے یہ کہتے تھے کہ ہیہات برادر
کچھ تیر کے صدمے کو نہ کہہ سکتے تھے شبیرؑ
لاشِ علی اصغر کی طرف تکتے تھے شبیرؑ

تھا عصر کا ہنگام کہ آفت ہوئی برپا
گھوڑے سے گرے شاہ قیامت ہوئی برپا
جن و ملک و انس میں رقت ہوئی برپا
دنیا میں اسی دن سے مصیبت ہوئی برپا
دب دب کے جو پیکان تنِ شفاف سے نکلے
سر کھول کے پریوں کے پرے قاف سے نکلے

تڑپے جو زمیں پر کئی بار شہ والا
تھا شور کہ لو ہو گئی دنیا تہ و بالا
اٹھتے تھے کہ مارا کسی بے رحم نے بھالا
ختم ہو گیا وہ فاطمہؑ کی گود کا پالا
طاقت یہ کہاں تھی کہ جو اٹھتے وہ سنبھل کر
غش ہو گئے رہتی پہ لہو منہ سے اگل کر

خنجر کو ادھر شمر ستمگار نے دیکھا
ڈیوڑھی سے ادھر زینبِ ناچار نے دیکھا
فرزند کا منہ حیدرِ کرار نے دیکھا
خیمے کی طرف سیدِ ابرار نے دیکھا
غم تھا نہ کہیں زینبؑ خوش خو نکل آئے
خنجر جو ملا حلق سے آنسو نکل آئے

جب خشک گلے پر ہوئی خنجر کی روانی
دو بار اشارا کیا حضرت نے کہ پانی

پیاسے ہی سدھارے نہ بجھی تشنہ دہانی
سر کاٹ کے سینے سے اُٹھا ظلم کا بانی

بھائی کا تڑپنا بھی نہ ماں جائی نے دیکھا
نکلی جو بہن نیزے پہ سر بھائی کا دیکھا

ہاں حیدریو مرثیہ اب ہوتا ہے آخر
پُرسا دو کہ ہے فاطمہؓ اس بزم میں حاضر

ہے ہے شہِ آوارہ وطن ہائے مسافر
مذبوح قفا تشنہ دہن صابر و شاکر

زلفیں وہ تری خاک میں سب اٹ گئیں آقا
ہے ہے تری خنجر سے رگیں کٹ گئیں آقا

مولا ترے عمامۂ گلگوں کے تصدق
آقا ترے پیراہنِ پرخوں کے تصدق

اُن زخموں کے قرباں دلِ محزوں کے تصدق
ریتی پہ تڑپتے قدِ موزوں کے تصدق

خنجر کے تلے سجدۂ رب کرنے کے صدقے
سیّد ترے پانی کے طلب کرنے کے صدقے

زخمی ہوئے تلواروں سے ہے ہے ترے پہلو
ہے ہے ستم ایجاد نے پکڑے ترے گیسو

ہے ہے ترے سینے پہ رکھا شمر نے زانو
ہے ہے تری پوشاک بھی سب لے گئے بدخو

کاندھے پہ عبا بر میں قبا رہنے نہ پائی
ہے ہے ترے شانے پہ ردا رہنے نہ پائی

وہ دھوپ وہ اُوس آٹھ پہر ہائے حسینا
لی آ کے کسی نے نہ خبر ہائے حسینا

نیزے کی انی اور ترا سر ہائے حسینا
کیوں پھٹ نہیں جاتا یہ جگر ہائے حسینا

کچھ فرق نہ اُس نار میں اور نور میں رکھا
ظالم نے سرِ پاک کو تنور میں رکھا

خاموش انیس اب کہ جگر چاک ہے غم سے
بہتا ہے لہو اشک کی جا دیدۂ نم سے

کر عرض بصد عجز شہنشاہِ امم سے
مولا مجھے محروم نہ رکھ اپنے کرم سے

کب تک غمِ دنیا میں گرفتار رہوں میں
آقا تو مرے آپ ہیں پھر کس سے کہوں میں

مرثیہ (۲۱)

جب قطع ہوئے نخلِ گلستانِ علیؑ کے
بیدم ہوئے دلدارِ دل و جانِ علی کے
خاک اُڑنے لگی پنجتنِؑ پاک کے گھر میں
باقی تھا نہ ہمدرد نہ یاور شہِ دیں کا
خالی ہوا تا ظہر بھرا گھر شہِ دیں کا
عباس نہیں ہیں علم و فوج نہیں ہے

سردار سے جا جا کے یہ کہتے تھے ستمگار
آنکھیں ہیں تو بے نور ہیں بازو ہیں تو بیکار
اس غم میں کہاں جنگ کا یارا شہِ دیں کو
جس سے ہو جدا یوسفِ ثانی وہ لڑے کیا
ہوئے جسے یہ تشنہ دہانی وہ لڑے کیا
چھٹے جو پسر آنکھوں سے روپوش رہا تھا

ہیں سر سے قدم تک الم و درد کی تصویر
یہ ہاتھ میں رعشہ ہے کہ تھمتی نہیں شمشیر
خم ہو گئے کھو کر علی اکبرؑ سے پسر کو
بازو تو شکستہ ہے کمر ضعف سے خم ہے
پیری میں جواں بیٹے کے مر جانے کا غم ہے
تھی سامنے لاش اکبرِ مجروح جگر کی

سر کٹ گئے تیغوں سے جوانانِ علیؑ کے
عاشق نہ رہے یوسفِ کنعانِ علیؑ کے
لوٹا گیا زہرا کا چمن تین پہر میں
بیٹا نہ بھتیجا نہ برادر شہِ دیں کا
تھا شور کہ ہاں کاٹ لو اب سر شہِ دیں کا
اب فاطمہؓ کے لال کا وہ اوج نہیں ہے

اب قتل حسین ابنِ علی کچھ نہیں دشوار
رکھ دینگے گلا آپ تہِ خنجرِ خونخوار
اکبرؑ کے جواں مرنے نے مارا شہِ دیں کو
دے جس کو پسر داغِ جوانی وہ لڑے کیا
دو دن نہ ملا ہو جسے پانی وہ لڑے کیا
یعقوب کو اس داغ میں کب ہوش رہا تھا

واللہ کہ پہچانے نہیں جاتے ہیں شبیرؑ
یعقوب کو یوسف کی جدائی نے کیا پیر
تھی ریش میں اتنی تو سپیدی نہ سحر کو
صدمہ ہے بھتیجے کا برادر کا الم ہے
بولا کوئی آنکھوں میں بصارت بھی تو کم ہے
حضرت سے نہ پہچانی گئی لاش پسر کی

جب باپ کو خود بیٹے نے آواز سنائی
اور جب سے بہن خیمے سے باہر نکل آئی
بے پردہ ہو زینبؑ سی بہن شرم کی جا ہی
تب لاش پسر قبلۂ کونین نے پائی
رخساروں پہ زردی ہی اسی وقت سے چھائی
فرزند کے مرجانے سے یہ داغ سوا ہی

تھا حق بہ طرف لاکھ دکھوں سے جسے پالا
کیا سنبھلے وہ جس کا ہو کلیجہ تہ و بالا
ورنہ کبھی باہر قدم ان کا نہیں نکلا
اس لال کے سینے پہ لگا ظلم کا بھالا
پالے کی محبت نے اسے گھر سے نکالا
دن کو کسی بی بی کا جنازہ نہیں نکلا

ہم سمجھے تھے مر جائیں گے فرزند کے ہمراہ
گودی میں پسر مر گیا اور منھ سے نہ کی آہ
لیکن غم فرزند کچھ آسان نہیں ہی
ہیں صبر میں ایوب سے افزوں شہ ذی جاہ
بولے تو یہ بولے کہ توکلتُ علی اللہ
خاموش تو ہیں تن میں مگر جان نہیں ہی

آنکھوں سے چھپا چاند جہاں ہو گیا اندھیر
طالب ہیں کہ گردن پہ پھر اوے کوئی شمشیر
بجھتے ہوئے دیکھیں گے چراغ اور کسی کا
فاقہ ہی کئی دن کا مگر زیست سے ہیں سیر
فرماتے ہیں ای موت اب آنے میں ہی کیا دیر
کیا ہی ابھی تقدیر میں داغ اور کسی کا

اب تو کوئی ایسا نہیں جو برچھیاں کھائے
اصغر بھی ہوئے قتل حسین اب کسے لائے
فرزند برابر کا نہ دشمن سے جدا ہو
اکبرؑ تھے فقط پاس سو وہ خوں میں نہائے
اب تو یہی موقع ہی کہ جلدی اجل آئے
اب زیست اسی میں ہی کہ سر تن سے جدا ہو

سوکھی ہوئی ہی منھ میں زباں پیاس کے مارے
اب کس کا بھروسا علی اکبر تو سدھارے
روتے ہوئے ناموس پیمبر میں گئے ہیں
چہرے سے عیاں موت کے آثار ہیں سارے
ظاہر میں تو زندہ ہیں یہ ہیں گور کنارے
گر کر کئی جا خیمۂ اطہر میں گئے ہیں

جو قتل ہوا شیر سے بچھڑے ہوئے آئے
تلواریں بھی بیکس پہ چلیں تیر بھی کھائے
زحمت پہ اٹھے تا بہ کجا تشنہ دہن سے
سر ایک کا اتنوں میں نہ ہم کاٹنے پائے
لاشے مگر اس شیر نے جنگل سے اٹھائے
اب تاب و تواں نے بھی کنارا کیا تن سے

سُن کر یہ سخن کہنے لگا شمرِ ستمگار
خیمے پہ چلو دیر مناسب نہیں زنہار

ڈر کس کا ہے اب زندہ ہے کیا شہ کا علمدار
ہو جائے پسر سامنے بابا کے گرفتار

زینبؓ کی ردا چھین لو شبیرؑ کے آگے
کاٹو سرِ شبیرؑ کو ہمشیر کے آگے

ڈر یہ ہے کہ دولت نہ کہیں شاہ کی ٹل جائے
سجاد نہ سیدانیوں کو لیکے نکل جائے

پھر شام کا ہے قرب جب دن اور بھی ڈھل جائے
بہتر ہے کہ خیمہ شہِ مظلوم کا جل جائے

تا زیست کوئی قید سے آزاد نہ ہوئے
لُٹ جائے یہ گھر یوں کہ پھر آباد نہ ہوئے

بولا پسرِ سعد لعیں سُن کے یہ تقریر
بیکار یہ باتیں ہیں کرو جنگ کی تدبیر

کیا سمجھے ہو تم شیر کا فرزند ہے شبیرؑ
کھل جائے گا جب آئینگے وہ باندھ کے شمشیر

غیظ آگیا گر ابن شہنشاہِ عرب کو
خیبر کی لڑائی نظر آجائے گی سب کو

سچ ہے کہ بہت خوب لڑا شاہ کا بھائی
دس بیس صفوں کی ہوئی اک دم میں صفائی

دو حملوں میں لی شیر نے دریا کی ترائی
وہ اور لڑائی تھی یہ ہے اور لڑائی

ہے سب سے فزوں حضرتِ شبیرؑ کی طاقت
اس شیر میں ہے فاطمہؓ کے شیر کی طاقت

زور آوری و صفدری حیدرِ کرار
تاثیر لعابِ دہنِ احمدِ مختار

رگ رگ سے اثر دودھ کا زہرا کے نمودار
بھیجا جسے اللہ نے قبضے میں وہ تلوار

گیتی جو اُلٹ جائے تو کچھ دور نہیں ہے
اور زورِ امامت کا تو مذکور نہیں ہے

جیتا ہے ابھی احمدِ مختار کا پیارا
ناموس کا لٹنا اُسے ہوگا نہ گوارا

تلوار کا کیا ذکر جو کردے وہ اشارا
دم میں متفرق ہو یہ لشکر ترا سارا

جلدی نہ کرو فتح میں کچھ پیچ نہ پڑ جائے
ایسا نہ ہو عجلت میں بنا کام بگڑ جائے

شبیرؑ کے سر کٹنے کی سر ہوگی مہم جب
پھر کون ہے لے لینگے ردائے سرِ زینبؓ

حاکم کی ظفر ہو کہیں عمدہ ہے یہ مطلب
کیا جلدی ہے لوٹو گے تمھیں لیو روز سب

بیمار ہے سجاد کا کیا زور چلے گا
ناموس بھی لٹ جائینگے خیمہ بھی جلے گا

خود آئینگے وہ تم نہ ابھی خیمے پہ جاؤ
ٹوٹے ہوئے لشکر کی صفیں پہلے جماؤ
بیکس پہ چڑھائی کا یہی وقت ہے آؤ
سیّد کا گلا کاٹ کے فرصت کہیں پاؤ
دم بھر میں درِ فتح و ظفر کھول کے سونا
اب رات کو راحت سے کمر کھول کے سونا

جس وقت سنے یہ سخنِ حیلہ و تزویر
بڑھ بڑھ کے پرے رن میں جمانے لگے بے پیر
جوڑے ہوئے چلّے سے جفاکیش کوئی تبر
تولے کوئی نیزہ کوئی برچھی کوئی شمشیر
لشکر میں یہی قول تھا ایک ایک شقی کا
دیکھینگے لہو آج حسینؑ ابنِ علیؑ کا

دو لاکھ جواں قتل پہ مظلوم کے اک دل
خونریزوں کے نیزوں سے نیستاں ہر ساحل
بدعہد و بدایمان و جفا پیشہ و جاہل
دشمن کے طرفدار نبیؐ زادوں کے قاتل
قرآں سے واقف نہ خبر اُن کو خبرؐ سے
الفت بھی تو دنیا سے محبت بھی تو زر سے

قلب ایسے کہ فولاد کی سختی سے جہاں نرم
نے درد نہ الطاف نہ اکرام نہ آزرم
خالق سے حیا کچھ نہ محمدؐ سے انھیں شرم
سادات کے خیمے کے جلا دینے پہ سرگرم
برہم ہوں جو درہم نہ ہو دستار کے اندر
دینار جو دیکھیں تو گریں نار کے اندر

کپڑے بھی سیہ دل بھی سیہ رنگ بھی کالے
تحت الحنکیں باندھے ہوئے آنکھیں نکالے
خنجر تو کمر بند میں تھے ہاتھوں میں بھالے
سادات کے سب قافلے کے لوٹنے والے
مانا نہ علیؑ کو نہ رسولِؐ عربی کو
دنیا کے لیے ذبح کیا آلِ نبیؐ کو

تھے چار صفیں باندھے ہوئے نہر پہ بے پیر
اک صف میں تو تھیں برچھیاں اک صف میں فقط تیر
دو سمت پئے قتلِ شہِ بیکس و دلگیر
گوپال و سنان و تبر و خنجر و شمشیر
یہ فکر تھی اک بیکس و بے یار کی خاطر
حربے تھے یہ سب ایک تنِ زار کی خاطر

توڑے تھے جنھوں نے دُرِ دندانِ پیمبرؐ
وہ سنگ دل اک سمت تھے باندھے ہوئے لنگر
کہتے تھے یہ آپس میں پرا اپنا جما کر
ماریںگے ہمیں فاطمہؓ کے لال کو پتھر
جو ضرب تنِ سیدِ والا پہ لگے گی
چوٹ اس کی دلِ احمدؐ و زہراؑ پہ لگے گی

آمادۂ قتلِ شہِ دیں تھی سپہِ شام
سیدانیوں کے رونے کا تھا صحن میں کہرام
معصوم کئی خاک پہ بیہوش پڑے تھے
تھامے تھی کوئی دامنِ فرزندِ پیمبرؐ
جھک کر قدمِ پاک پہ رکھتی تھی کوئی سر
بیتاب تھے شہ بیبیوں کی نوحہ گری پر
کہتی تھی کوئی ہاتھ کمر بند میں ڈالے
حضرت تو چلے ہم کو کیا کس کے حوالے
ہی کون غریبوں کا اس اُجڑے ہوئے بن میں
جب طبلِ مخالف کی صدا آتی تھی رن سے
بچے نہ جدا ہوتے تھے سلطانِ زمن سے
چلاتی تھی ہی ہی مرے ماں جائے برادر
بھیّا مجھے غربت میں نہ تم چھوڑ کے جاؤ
نکلے مرا دم تن سے تو پھر برچھیاں کھاؤ
کیا کم تھا مرے واسطے ماں باپ کا مرنا
ماں خلق سے جب اُٹھ گئیں تھیں جیتے تھے حیدرؑ
سمجھاتی تھی میں دل کو پس از رحلتِ شبّرؑ
حضرت ہیں تو زندہ مرے ماں باپ ہیں بھائی
حضرت کے سہارے پہ تو ماں باپ نے چھوڑا
اکبرؑ کے جواں مرنے کا ماتم نہیں تھوڑا
آفت ہی یہ سایہ جو مرے سر سے اُٹھے گا

خیمے میں کمر باندھتے تھے شاہِ خوش انجام
بکھرائے تھی بالوں کو ہر اک بیکس و ناکام
شاہِ شہدا رانڈوں کے حلقے میں کھڑے تھے
بچہ لیے گودی میں کھڑی تھی کوئی ششدر
رو دیتی تھی چہرے کی بلائیں کوئی لیکر
پروانے گرے پڑتے تھے شمعِ سحری پر
صدقے ترے اے فاطمہؓ کے نازوں کے پالے
چھوڑینگے نہ یہ کہنہ ردا لوٹنے والے
باندھینگے گلے آلِ محمدؐ کے رسن میں
دل بی بیوں کے سینوں میں ہو جاتے تھے سن سے
لپٹی تھی بہن بھائی سے اور بھائی بہن سے
بن بھائی کی ہوتی ہی بہن ہائے برادر
سیدانی کو آفت سے اسیری کی بچاؤ
بن لے جو مری قبر تو جنگل کو بساؤ
اللہ نہ دکھلائے مجھے آپ کا مرنا
تھے باپ کے مرنے سے حسنؑ ہمدم و یاور
شبیرؑ سے بھائی کا ہی سایہ مرے سر پر
زینبؑ کے تو جو کچھ ہیں سو اب آپ ہیں بھائی
پھر کون ہی زینبؓ کا جو منھ آپ نے موڑا
مرجاؤنگی بھائی نہ طلب کیجیے گھوڑا
داغ آپ کے مرنے کا نہ خواہر سے اٹھے گا

عادل ہو عدالت سے کہو یا شہِ صفدر
کیا کہہ کے دلِ زار کو سمجھائے یہ خواہر
دنیا میں کوئی اور ہی زینب کا برادر
قربان گئی صبر مجھے آئے گا کیونکر
مسند کو محمدؐ کی الٹتے ہوئے دیکھوں
ہی ہو یہ گلا تیغ سے کٹتے ہوئے دیکھوں

صدقے میں ترے اے اسد اللہؑ کے پیارے
اماں کے وہ دکھ درد مجھے یاد ہیں سارے
آقا ترے بدلے مجھے نیزے کوئی مارے
سید ترے قدموں پہ مرا سر کوئی وارے
پردیس میں رسی سے بندھیں ہاتھ بہن کے
ماں جائے کو رہنے دیں مگر ساتھ بہن کے

منہ سینے پہ رکھے جو بلکتی تھی وہ دلگیر
ہر آہ تھی حضرت کے کلیجے کے لیئے تیر
سر چھاتی سے لپٹائے ہوئے کہتے تھے شبیرؑ
بس صبر کرو غش کہیں آجائے نہ ہمشیر
بیٹی ہو پہر بھر علی اکبرؑ کے الم میں
کیا جان گنوا دو گی بہن بھائی کے غم میں

گر مر گئیں ہو جائے گا گھر اور بھی خالی
صدمے سے جیے گی نہ سکینہ مری بالی
ہو میرے یتیموں کی تمھیں پالنے والی
صابر جو ہیں ملتا ہی انھیں رتبۂ عالی
ایسا تو کسی کو غم تنہائی نہ ہوگا
اللہ تو سر پر ہی اگر بھائی نہ ہوگا

وہ حمد کے لایق ہی سزاوارِ ثنا ہی
ہی اُس کو بقا اور ہر اک شی کو فنا ہی
راحت نہیں دنیا میں کہ یہ دارِ فنا ہی
آدم کا بدن خاک میں ملنے کو بنا ہی
ہی کوئی بزرگوں میں کرو دھیان اسی کو
دنیا میں نہ چھوڑے گی بہن موت کسی کو

دنیا میں جو تھے فیض کے دریا وہ کہاں ہیں
جو نورِ خدا سے ہوئے پیدا وہ کہاں ہیں
ہم سب سے جو تھے افضل و اعلیٰ وہ کہاں ہیں
پیدا ہوئی جن کے لیے دنیا وہ کہاں ہیں
جو زندہ ہی وہ موت کی تکلیف سہے گا
جب احمدِ مرسلؐ نہ رہے کون رہے گا

تھے مجھ سے بھی بہتر مرے جدّ و پدر و ام
کیا ہو گئے اب اُن کو کہیں دیکھتی ہو تم
رہتا ہی سدا بحرِ جہاں میں یہ تلاطم
اِک چشم زدن میں کوئی پیدا تو کوئی گم
دشمن ہی کبھی دوست کبھی دوست عدو ہیں
ہم لوگ زمانے میں حبابِ لبِ جو ہیں

یہ دہر نہیں خانۂ آسایش و آرام
ہر جن کی زباں کو خطرِ تلخیِ انجام
ایسا نہیں کوئی جسے دل ریش نہ دیکھا

کس کس کو ہم اس عمر دو روزہ میں نہ روئے
نایاب تھے جو لال وہ ان ہاتھوں سے کھوئے
تکلیف زیادہ ہے تو رُتبے بھی سوا ہیں

ہے کل کی ابھی بات کہ آباد تھا کیا گھر
وہ مجمعِ احباب وہ دربارِ پیمبرؐ
نے اِذن چلا آوے یہ مقدور تھا کس میں

جبرئیلِ امیںؑ جسے جھولے میں جھلائے
نعمت کا طبق خلد سے جس کے لیے آئے
گردش نہ رہی ہے نہ سدا دور رہا ہے

اک دن تھا کہ عشرت کے مہیا تھے سب اسباب
وہ وقت وہ آرام وہ ہمدرد وہ احباب
آج اوروں کے ہم مرنے پہ فریاد کرینگے

کیا آگے بہن کے نہیں مرتا کوئی بھائی
لٹ جاتی ہے اک آن میں برسوں کی کمائی
ملتا نہیں پھر خلق سے جو جاتا ہے زینبؑ

برسوں رہے ماتم میں پیمبرؐ کو نہ پایا
تڑپا کیے لیکن کبھی مادر کو نہ پایا
جب سینے میں مضطر دلِ بے صبر کو دیکھا

دانا جو ہیں دنیا کو سمجھتے ہیں سدا دام
شیرینیٔ عالم سے سدا رہتے ہیں ناکام
دنیا کے کسی نوش کو بے نیش نہ دیکھا

کیا کیا دُرِ یکتا صدفِ قبر میں سوئے
گھر سیکڑوں یاں سیلِ فنا نے ہیں ڈبوئے
رہتے ہیں تباہی میں جو خاصانِ خدا ہیں

جس در پہ گدا آن کے ہوتے تھے تونگر
وہ فاطمہؑ کا جاہ و حشم شوکتِ حیدر
یا آج وہ ہی گھر ہے کہ خاک اُڑتی ہے جس میں

کیا گردشِ گردوں ہے وہ یوں ٹھوکریں کھائے
وہ پیاس میں اک بوند بھی پانی کی نہ پائے
دنیا کا ہمیشہ سے یہی طور رہا ہے

یا ایک یہ دن ہے کہ خوشی ہو گئی نایاب
معلوم یہ ہوتا تھا کہ دیکھا تھا کبھی خواب
کل اور اُسی طرح ہمیں یاد کریں گے

برسوں جو رہے وصل تو اک دن ہے جدائی
جاتی نہیں بے جان لیے جب اجل آئی
رونے سے مسافر کہیں پھر آتا ہے زینبؑ

جس دن سے جدائی ہوئی حیدرؑ کو نہ پایا
یوں چھوٹے کہ پھر ہم نے برادر کو نہ پایا
گھر سے گئے روتے ہوئے اور قبر کو دیکھا

غربت میں کبھی تم سے بچھڑتا نہ برادر ؎ کیا کیجیے تقدیر جدا کرتی ہے خواہر
پردیس میں برباد ہوں بچے کہ لٹے گھر ؎ بندہ ہوں اطاعت سے نہ ہوگا کبھی باہر
بہتر ہے وہی جس میں رضامندیِ رب ہو ؎ کیا عذر ہے سرکار میں جس وقت طلب ہو

زندہ ہوں تو آخر کبھی مرتا کہ نہ مرتا ؎ آتی نہ اجل سر جو تہِ تیغ نہ دھرتا
پیمانہ کبھی عمر کا آخر مرا بھرتا ؎ گھر میں بھی جو ہوتا تو سفر خلق سے کرتا
پر آج کے مرنے میں بہن اور مزا ہے ؎ خوشنودیِ معبود ہے اُمت کا بھلا ہے

ہمشیر کا غم ہے کسی بھائی کو گوارا ؎ مجبور ہے لیکن اسد اللہ کا پیارا
تیغِ غمِ فرقت سے کلیجہ ہے دوپارا ؎ کس سے کہوں جیسا مجھے صدمہ ہے تمھارا
اس گھر کی تباہی کے لیے روتا ہے شبیرؑ ؎ تم چھٹتی نہیں ماں سے جدا ہوتا ہے شبیرؑ

مر کر بھی نہ بھولوں گا میں احسان تمھارے ؎ بیٹوں کو بھلا کون بہن بھائی پہ وارے
پیارا نہ کیا ان کو جو تھے جان سے پیارے ؎ بس ماں کی محبت کے یہ انداز ہیں سارے
فاقے میں ہیں برچھیاں کھانے کی رضا دو ؎ بس اب یہی الفت ہے کہ جانے کی رضا دو

لو جاتے ہیں ہمشیر خدا حافظ و ناصر ؎ اب جسم ہے اور تیر خدا حافظ و ناصر
اے بانوئے دلگیر خدا حافظ و ناصر ؎ ہے رخصتِ شبیرؑ خدا حافظ و ناصر
کیوں دور کھڑی روتی ہو یاں آؤ سکینہؑ ؎ پھر باپ کی چھاتی سے لپٹ جاؤ سکینہؑ

اے عابدِ بیمار حزیں گھر سے خبردار ؎ اے جانِ پدر آلِ پیمبرؐ سے خبردار
ماں رانڈ ہے اب رانڈ کی چادر سے خبردار ؎ مارے نہ طمانچہ کوئی خواہر سے خبردار
مشکل ہو جو اُمت پہ تو حل کیجیو بیٹا ؎ تحریر پہ بابا کی عمل کیجیو بیٹا

کہہ کر یہ سخن گھر سے چلا فاطمہؑ کا لال ؎ پیچھے ہوئیں سیدانیاں بکھرائے ہوئے بال
چلاتی تھی بانو کہ لٹا اب مرا اقبال ؎ غل تھا کہ محمدؐ کا چمن ہوتا ہے پامال
مائیں جو بلکتی تھیں تو غم کھاتے تھے بچے ؎ لپٹے ہوئے حضرت سے چلے جاتے تھے بچے

رانڈوں کی وہ فریاد یتیموں کی وہ زاری
غش کھا کے گری خاک پہ زینبؑ کئی باری
حضرت سے لپٹتی تھی ہر اک رو کی ماری
ہے ہے کا یہ غل تھا کہ زمیں ہلتی تھی ساری
شپّیر برآمد ہوئے یوں خیمے کے در سے
جس طرح نکلتا ہے جنازہ کسی گھر سے

دیکھا شہِ دیں نے جو قریبِ فرس آکر
کوئی نہ پسر تھا نہ بھتیجا نہ برادر
زینب نے پکارا کہ تھمو آتی ہے خواہر
زہرا کی صدا آئی کہ موجود ہے مادر
کیا رُتبۂ عالی تھا رکابِ شہِ دیں کا
اِک فاطمہؓ کا ہاتھ تھا اک روحِ امیں کا

پہونچا جو درِ خانۂ زیں تک قدمِ پاک
تھرا کے جھکا خود بادب توسنِ چالاک
گھوڑے پہ چڑھا لختِ دلِ سیدِ لولاک
جبریلِ امیں ساتھ ہوئے تھام کے فتراک
کس منھ سے کہوں حسنِ نشستِ شہِ دیں کو
معلوم ہوا جڑ دیا خاتم پہ نگیں کو

تھا زینِ فرس رحل تو قرآں شہِ والا
وہ تخت ہوا تھا تو سلیماں شہِ والا
وہ دوشِ صبا بوئے گلستاں شہِ والا
وہ برجِ شرف نیرِ تاباں شہِ والا
بو گل کی نسیمِ سحری لیکے چلی ہے
غل تھا کہ سلیماںؑ کو پری لیکے چلی ہے

ضیغم کی جو تھی جست تو آہو کے طرارے
آنکھوں کو چراتے تھے خجالت سے چکارے
ہر نعل سے خم تھا مہِ نو شرم کے مارے
اُٹھتے تھے قدم جب تو چمکتے تھے ستارے
ہو رشک نہ کیونکر فلکِ ماہ جبیں کو
نقشِ سمِ توسن سے لگے چاند زمیں کو

مرکب پہ ہیں مولا کہ تجلی ہے سرِ طور
چہرے کی ضیا سے ہے زمیں آئینۂ نور
ہر سنگ پہ تاباں ہے کہ شرمندہ ہے بلور
ڈھلتا نہیں دن دھوپ ہٹی جاتی ہے کافور
حیران ہیں خبر نورِ خدا کی نہیں جن کو
ہے شور کہ لو کھیت کیا چاند نے دن کو

وہ ریشِ مخضب وہ رُخِ سیدِ والا
ہے چاند نے منھ شام کے پردے سے نکالا
وہ گیسوئے مشکیں کا رُخِ پاک پہ ہالا
تھا صبح پہ دامنِ شبِ معراج نے ڈالا
رخساروں پہ کچھ زلف بھی لہرائی ہوئی تھی
خورشید پہ زہرا کے گھٹا چھائی ہوئی تھی

معراج میں پہنے تھے جسے سیدِ لولاک — اس روز تھی زیبِ تنِ اطہر وہی پوشاک
لکھا تھا گلابی تھا عمامہ بسرِ پاک — فرزند کے ماتم میں گریبان تھا مگر چاک
جیسا تنِ پرنور تھا ویسی ہی عبا تھی — پیراہنِ یوسف پہ محمد کی قبا تھی

تعریف قبائے تنِ پرنور کروں کیا — زیبِ جسدِ پاک جگر گوشۂ زہراؑ
بند ایسے کہ سو عقدۂ مشکل کو کریں وا — پردہ وہ رہا جس سے گنہگاروں کا پردا
کلیاں وہ جنھیں غنچۂ دل دیکھ کے کھل جائے — وہ خلد میں ہے سایۂ دامن جسے مل جائے

ہر جیب کا گھر نقدِ شفاعت سے بھرا ہے — سینے کا جو پردہ ہے لطافت سے بھرا ہے
جو تارِ گریباں ہے سو رحمت سے بھرا ہے — دامن وہ ہے جو دین کی دولت سے بھرا ہے
ہے بہرِ نگیں اسمِ نگیں اسم کی خاطر — بس قطع وہ جامہ تھا اسی جسم کی خاطر

دستانے کو کیا ہاتھ میں پہنے وہ شہنشاہ — جس شیر کے پنجے میں ہو خود زورِ یداللہ
چار آئنہ کی نورِ خدا کو نہیں کچھ چاہ — ہے حفظِ الٰہی زرہِ سیدِ ذی جاہ
کچھ ڈھال کی حاجت بھی دمِ جنگ نہیں ہے — خود پشت پناہِ دو جہاں فوجِ شہِ دیں ہے

باندھے ہیں فقط تیغِ علی سرورِ عادل — تا جنگ میں کھل جائے ہر اک پر حق و باطل
ہیں سامنے تیغیں لیے فرزندوں کے قاتل — غصہ مگر آتا نہیں کیا صبر ہے کیا دل
ہے دست قوی تیغِ شہنشاہِ عرب پر — مولا کے مگر رحم کو سبقت ہے غضب پر

اس طرح رجز پڑھتے ہیں تولے ہوئے شمشیر — جس طرح سے گونجے کسی جنگل میں کوئی شیر
ڈھالوں کی سیاہی سے ہے سب دشت میں اندھیر — غل ہے کہ خدا کا غضب آنے میں نہیں دیر
کچھ غیظ جو آیا ہے شہِ عرش نشیں کو — مردے ہیں تزلزل میں یہ لرزہ ہے زمیں کو

ہیبت ہے کہ شیروں کے جگر کانپ رہے ہیں — کیا ذکر شجر کا کہ حجر کانپ رہے ہیں
یوں دشت کو جنبش ہے کہ در کانپ رہے ہیں — جبریل بہت دور ہیں پر کانپ رہے ہیں
ہے خوف کہ کرسی نہ گرے فرش کے اوپر — پڑھتے ہیں ملک نادِ علی عرش کے اوپر

بیزوں ہی اچھلتا ہی جو اس نہر کا پانی
ہر موج کو بھولی ہوئی ہی اپنی روانی
شمشیر جو تولے ہی یداللہ کا جانی
ڈر سے سپر انداختہ ہیں ظلم کے بانی
جنگل کے ہرن خوف سے منھ موڑے ہوئے ہیں
دریا کی ترائی کو اسد چھوڑے ہوئے ہیں

غیظِ شہِ عالم نے عجب تہلکہ ڈالا
العظمۃ للہ تقدّس و تعالیٰ
ہاتھ اپنا جو قبضے پہ دھرے ہیں شہِ والا
افلاک ہنڈولے کی طرح ہیں تہ و بالا
تکتی ہی زمیں اس کو وہ تکتا ہی زمیں کو
دوران ہی گردوں کو تو سکتا ہی زمیں کو

نعرہ ہی کہ محبوبِ الٰہی ہی مرا جد
دنیا میں نہیں میرے سوا سبطِ محمدؐ
ہیں خلق میں ہوں وہ گہرِ قلزمِ سرمد
زہرا نے فدا جس پہ کیا لعل و زبرجد
بیت الشرفِ سیدِ لولاک میں ہیں ہوں
باقی فقط اب پنجتنِ پاک میں میں ہوں

بابا ہی مرا حامیِ دیں فاتحِ خیبر
دامادِ نبیؐ شیرِ خدا قاتلِ عنتر
حرزِ دو جہاں جوشنِ بازوئے پیمبرؐ
سلطانِ قضا میرِ قدر، حیدرِ صفدر
پُرنور کیا نور سے ایماں کی زمیں کو
تیغ ان کی جلا دی گئی آئینۂ دیں کو

ہوتا نہ اگر مصقلۂ تیغِ قضا رنگ
آئینۂ اسلام سے جاتا نہ کبھی زنگ
تھا ضیغمِ یزداں کی لڑائی کا نیا ڈھنگ
دو کر دیا دم میں حق و باطل کو دمِ جنگ
دیں داروں کی بستی ہوئی ویرانہ جہاں تھا
واں خانۂ حق بن گیا بت خانہ جہاں تھا

دیں جس سے ہی ظاہر وہ علی کا ہی مدینا
ہی امن میں طوفاں سے ہمارا ہی سفینا
ظلمت تھی جہاں کفر کی روشن ہی وہ سینا
حق حق کی صدا ہی عوضِ قلقلِ مینا
آتش کی بھی وہ گرمیِ بازار نہیں ہی
اب دور ہی تسبیح کا زنار نہیں ہی

حق کو نہ سمجھتا تھا کوئی خلق میں مطلق
ہر بت کو خدا جانتے تھے جاہلِ احمق
جاری یہ ہوا خلق میں فیضِ اسدِ حق
آگے بھی کبھی تھی چمنِ دیں کی یہ رونق
مردود جدا ہو گئے مقبول جدا ہیں
دیکھو جنھیں کانٹے ہیں جدا پھول جدا ہیں

تو قیر ملی سب کو اسی شاہ کے گھر سے
ہاتھ آیا نہ جسے جو سو، ید اللہ کے گھر سے
ہی عزتِ دیں بھی شہِ ذی جاہ کے گھر سے
بُت توڑ کے باہر کیے اللہ کے گھر سے
ایک شور تھا تکبیر کے نعروں کا حرم میں
کیا سخت مہم تھی جسے سر کر دیا دم میں

مشہور ہی خیبر کی لڑائی کا فسانا
مرحب کی شجاعت کا معترف ہی زمانا
مشکل ہوا ظالم کو سپر چہرے پہ لانا
کس قوم نے اس تیغ کا لوہا نہیں مانا
تھرّاتے تھے جن از رو فرشتوں کے گھٹے تھے
مرحب کی زرہ کیا پرِ جبریلؑ کٹے تھے

جو حق سے پھرا امن کہیں اس نے نہ پایا
انساں تھے مگر دیو کے لشکر کو بھگایا
حیدر کا قدم جب سرِ بیر العلم آیا
کوسوں نہ دکھائی دیا جنّات کا سایا
تاب ان کی لڑائی کی نہی جان نہ لاتے
بچتی نہ کبھی جان جو ایمان نہ لاتے

اس روز سے سب تابع فرماں ہیں الی الآن
میں چاہوں تو حاضر ہو ابھی فوجِ بنی جان
جانیں مرے قدموں پہ کریں فخر سے قربان
محسنِ عالم کبھی لیتا نہیں احسان
جن کیا ہیں ملائک کا بھی احسان نہ لونگا
میں وہ ہوں کہ خود آئینگے اور اذن نہ دونگا

مقدور پہ کیا صبر ہی دیکھو دلِ شبیرؑ
جوہر تو یہ اور قبضۂ قدرت میں یہ شمشیر
مجھ سا نہ کوئی ہووے گا یوں تابعِ تقدیر
لاکھوں سے بھی عاجز نہیں ہیں بیکس و دلگیر
گو ضعف ہی اور شدتِ تشنہ دہنی ہی
ہاتھوں میں مگر قوتِ خیبر شکنی ہی

ہیں ناظمِ دیں حصن حصیں حبل متیں ہوں
میں نور ہوں میں خلق میں قرآنِ مبیں ہوں
ہیں کعبۂ اسلام ہوں میں قبلۂ دیں ہوں
میں نقش ہوں میں مہرِ نبوت کا نگیں ہوں
بچپن میں کسی کے لیے یہ اوج کہاں تھا
ہیں ہوں وہ مکیں دوشِ نبی جس کا مکاں تھا

اللہ نے دی ہی ہمیں کونین کی شاہی
جس قوم پہ چاہیں ابھی آجائے تباہی
ہم حجتِ اللہ ہیں ہم سیفِ الٰہی
ہی زیر نگیں ماہ سے تا مسکنِ ماہی
اللہ ہی ساتھ اُس کے جو نے ساتھ ہمارا
کونین میں ہی دستِ خدا ہاتھ ہمارا

غصہ نہ مجھے آجائے تو لشکر کو بھگا دوں
ساری یہ صفیں تیغ سے اک دم میں اڑا دوں
پر امت احمدؐ ہو میں کیا تم کو سزا دوں
تم دکھ نہ مجھے دو میں تمہیں جب دو تو دعا دوں
نی مکر کی باتیں نہ دغا جانتا ہوں میں
تم سب کو عزیزوں سے سوا جانتا ہوں میں

مشکل جو پڑے عقدہ کشائی مری دیکھو
دشمن سے بھی ہوں صاف صفائی مری دیکھو
ہو جنگ کی طاقت تو لڑائی مری دیکھو
سر کاٹ لو گر کوئی برائی مری دیکھو
بہتر ہے یہ تیغ جو یہ خشک گلا ہو
راضی ہوں میں جس بات میں تم سب کا بھلا ہو

میں صاف ہوں اب بھی مرے کہنے کو جو مانو
بھٹکے ہو کدھر دین کا رہبر مجھے جانو
پچھتاؤ گے تم قتل مرا دل میں نہ ٹھانو
بیکس کا بدن ظلم کے تیروں سے نہ چھانو
پیارا ہوں جگر گوشۂ فخر دو جہاں کا
دلبند ہوں میں سیدِ کونین مکاں کا

حاصل تمہیں کیا گر مرے بچے ہوئے برباد
اجڑی ہوئی بستی کو بشر کرتے ہیں آباد
کیا نشۂ دولت ہے کہ بھولی ہے مری یاد
فریادرسِ خلق کی سنتے نہیں فریاد
للہ کرو پاس رسولِ عربی کا
زہرا مری مادر ہے نواسا ہوں نبیؐ کا

بالفرض نہ سمجھو مجھے دلبند پیمبرؐ
کعبے کا مسافر تو ہوں میں بیکس و بے پر
حاجی مرے ہونے میں تامل ہے تمہیں گر
شبیرؑ مسلماں تو ہے اے قوم ستمگر
امت کا محمدؐ کی ہوا خواہ تو ہوں میں
یہ بھی نہیں اک بندۂ اللہ تو ہوں میں

تم نے تو بلایا بھی نہ تھا آپ میں آیا
جنگل میں مدینے سے مقدر نے مجھے لایا
کھانا بھی کھلایا نہ مجھے پانی بھی پلایا
دعوت بھی مری ہو چکی آرام بھی پایا
مشتاق مدینہ کی حکومت کا نہیں میں
رخصت کرو اب بھی تو نکل جاؤں کہیں میں

جس شہر میں کہدو میں اسی شہر میں جاؤں
بستی جو نہ ممکن ہو تو جنگل کو بساؤں
لکھوا لو شکایت کا سخن لب پہ جو لاؤں
مجرم ہوں جو قلمرو میں تمہارے کبھی آؤں
سختی بھی اٹھا لوں گا مصیبت بھی سہونگا
رازق ہے خدا جا کے پہاڑوں میں رہونگا

تا زیست جو چھوڑوں کبھی گھستا کا داماں
پھر ہاتھ ہی تم لوگوں کا اور میرا گریباں

اسباب بھی لے لو مجھے کیا چاہیے ساماں
اب عمر بھی آخر ہی کوئی دن کا ہوں مہماں

ممکن نہیں جینے کا مزا رنج والم میں
سُن لیجو کہ مرجاؤں گا فرزندوں کے غم میں

دنیا میں نشان کفر وضلالت کا نہ گاڑو
للہ ستون کعبۂ دیں کا نہ اکھاڑو

خالق کی بنائی ہوئی صورت نہ بگاڑو
عادل کی بسائی ہوئی بستی نہ اُجاڑو

گو آج زبردست ہو یا صاحب زر ہو
مرنا بھی، تو اک دن ہی مقرر کہ بشر ہو

یہ سُن کے لعینوں نے کہا شاہ امم سے
جانے دیں کہیں آپ کو یہ ہوگا نہ ہم سے

اک دم میں گلا کاٹیں گے شمشیرِ دودم سے
زینبؑ کو ملے گی نہ اماں قید ستم سے

حاکم سے خجل ہوں یہ نہیں کام ہمارا
سر کاٹ کے لیجائیں تو ہو نام ہمارا

حضرت نے کہا خوب جواب اس کا دیا واہ
وہ کام کرو جس میں رضامند ہو اللہ

حاکم جسے کہتے ہو تمھارا ہی وہ بد خواہ
بہکانے سے بیدین کی جہنم کی نہ لو راہ

وعدہ ہی جو کچھ وہ بھی نہ تم پاؤ گے یارو
دیکھو مرا سر کاٹ کے پچھتاؤ گے یارو

گر زعم میں تم سب کے گنہگار ہی شبیرؑ
ناموس محمدؐ کی ہی پھر کونسی تقصیر

ان بی بیوں کی شان میں ہی آیۂ تطہیر
مریم سے زیادہ مری بہنوں کی ہی توقیر

لازم ہی کہ سادات کی امداد کرو تم
ای ظالمو اس گھر کو نہ برباد کرو تم

چلا کے یہ تب کہنے لگا شمر ستمگار
ہاں ہاں ہمیں کچھ آج نہیں دیں سے سروکار

وہ کرتے ہیں ہم جس میں ملیں درہم ودینار
گر جان بچانی ہی تو رکھ دیجیے ہتھیار

بیعت کا یہ قصہ ہی فساد اور نہیں ہی
بچنے کا سوا اس کے کوئی طور نہیں ہی

اس بات کے سنتے ہی نہ حضرت کو رہی تاب
تھرا گئے گویا کہ لگا زخم پہ تیزاب

فرمایا کہ کیا بکتا ہی او کافرِ کذاب
میں بحرِ امامت کا ہوں اک گوہرِ نایاب

تو دشمنِ اولادِ رسولِ دوسرا ہی
فاسق کی وہ بیعت کرے جو دست خدا ہی

یہ سنتے ہی شمشیر کو سرور نے نکالا
یوں میان سے اس تیغ کو صفدر نے نکالا
ملتی ہوئیں دونوں جو زبانیں نظر آئیں
بجلی کی چمک لشکرِ دشمن کو دکھائی
تیزی دمِ شمشیر نے جوشن کو دکھائی
کس طرح بھلا اہلِ ستم دنگ نہ ہو جائیں
سر اڑ گئے گردن سے تو خود اڑ گئے سر سے
پھل برچھیوں سے کٹ کے گرے پھول سپر سے
اعدا کی صفیں خوف سے منہ موڑ کے بھاگیں
ایک ضرب میں دو کر دیا یکتا جسے پایا
چھوڑا اُسے بسمل سا پھڑکتا جسے پایا
مطلب تھا چمکنے سے یہ تیغ دوزباں کا
رُخ مثل کماں پھر گئے ناوک فگنوں کے
ضربت تھی کہ دل ٹوٹ گئے صف شکنوں کے
کیا منہ تھا جو آتا کوئی اس شیر کے منہ پر
ٹکڑے کہیں لشکر کے کماندار پڑے تھے
تھے ہاتھ کسی جا کہیں ہتھیار پڑے تھے
پامال تھے سر تابشِ خورشید میں تن تھے
چار آئنہ والے برشِ تیغ سے تھے دنگ
پڑتی تھی جو سر پر تو ٹھہرتی تھی تہِ تنگ
غل تھا کہ دہن کھولے ہوئے صورتِ لا ہے

فرمان قضا نائبِ حیدر نے نکالا
غل تھا کہ وہ منہ غار سے اژدر نے نکالا
ہونٹوں پہ ستمگاروں کی جانیں نظر آئیں
شعلے کی لپک ناریوں کے تن کو دکھائی
کٹ کٹ گیا ایسی برشِ آہن کو دکھائی
چار آئنہ ششدر تھے کہ چورنگ نہ ہو جائیں
شانوں سے تو ڈھالیں زرہیں گر گئیں سر سے
دستانے تو ہاتھوں سے کمر بند کمر سے
روحیں قفسِ جسم سے جی چھوڑ کے بھاگیں
منہ پھیر لیا اُس سے سسکتا جسے پایا
دکھلا دی رہِ راست بھٹکتا جسے پایا
وہ راہ ہی دوزخ کی یہ جادہ ہی جناں کا
تلوار سے دم بند ہوئے تیغ زنوں کے
پرزے ہوئے ڈھالوں کے تو ٹکڑے بدنوں کے
لاتی تھی قضا کھینچ کے شمشیر کے منہ پر
تیروں کے کہیں خاک پہ سوفار پڑے تھے
جاگہ تھی جہاں ایک کی واں چار پڑے تھے
پر موت میں روحیں تھیں جہنم میں بدن تھے
جوہر تھے عجب اور عجب آب عجب رنگ
اسوار تو اسوار فرس ہو گئے چورنگ
لو کھا گئی گھوڑے کو بھی منہ ہے کہ بلا ہے

چلّے پہ جو رکھتا تھا کوئی فتنہ گر انگشت
شمشیر بتانے کو اٹھاتی تھی ہر انگشت

زہ گیر پہ چلہ تھا نہ چلّے پہ نر انگشت
اک ہاتھ میں گرتی تھی قلم ہو کے ہر انگشت

جس وقت ہوا لگ گئی اس برق دودم کی
سب اڑ گئیں شاخیں شجرِ ظلم و ستم کی

نیزہ لیے آیا جو کوئی صف سے نکلکر
حضرت نے پکارا کہ قدم رکھیو سنبھل کر

آواز دی یہ تیغِ یداللہ نے چل کر
یا عقدہ کشا عقدۂ مقصود کو حل کر

وہ نیزۂ خونریز جو لڑنے پہ تلے تھے
نوک اس کی نہ پہونچی تھی کہ سب بند کھلے تھے

جب خود پہ بیٹھی تو جھلم کاٹ کے اٹھی
دستانے کو مانندِ قلم کاٹ کے اٹھی

جوشن پہ جو آئی تو شکم کاٹ کے اٹھی
سر پر جو پڑی تا بہ قدم کاٹ کے اٹھی

بالا تھی وہ شمشیر ستمگار فرو تھا
دیکھا تو فرس بھی اسی اک ضرب میں دو تھا

یکتائی خالق میں کوئی شرک جو لایا
شمشیر نے انگشت شہادت کو اٹھایا

اک ضرب میں دو کر دیا مشرک جسے پایا
باطل تو ادھر ہو گیا اور حق ادھر آیا

کفار سے میدانِ وغا صاف کیا تھا
کیا تیغِ یداللہ نے انصاف کیا تھا

بجلی تھی یہ جنگل کے لیے بن گئی جاروب
کٹ کٹ گئے سر ان کے جو تھے فوج کے سرکوب

نقارے تلک آتے ہوئے کانپتی تھی چوب
ہیبت سے لرزتا تھا وہ صحرائے پرآشوب

شمشیر کے شعلے کی حرارت جو بڑی تھی
خورشید کو گردوں پہ تپ لرزہ چڑھی تھی

بجلی سی ہوا پر کبھی چمکی کبھی ٹھہری
تھی عکس سے دریا کی ہر اک لہر سنہری

پایاب تھی خوں کی کہیں ندی کہیں گہری
راحت میں نہ بحری تھے نہ بری تھے نہ شہری

جو خاکی و آبی تھا وہ تھا نوحہ گری میں
خشکی تھی تباہی تھی تلاطم تھا تری میں

جب بیس ہزار اہل ستم جان سے مارے
آواز یہ آئی کہ بس اے شیر ہمارے

جو ہر ہیں بزرگوں کے تری ذات میں سارے
تو وہ ہے کہ لاکھوں سے لڑائی میں نہ ہارے

اب خلق ہے اور مرحلۂ تیغ جفا ہے
ہاں صابر و شاکر دمِ تسلیم و رضا ہے

پہلو سے صدا حضرتِ زہرا کی یہ آئی
پانی کی کوئی بوند بھی پائی کہ نہ پائی
پیشانی پہ بوسہ تو ذرا دینے دو بیٹا
آئی جو یہ آوازِ شہِ کون و مکاں کو
اعدا سے کہا روک کے گھوڑے کی عناں کو
کردو خبر اس کو بھی کدھر شمرِ لعیں ہی
یہ سن کے پھرے لاکھ جواں دست بہ شمشیر
تلوار برابر سے لگانے لگے بے پیر
تیغوں سے جو سب عضوِ تنِ پاک کٹے تھے
تلواروں سے پرزے تھا عمامہ تو قبا چاک
سیپارہ تھے جزوِ تنِ سبطِ شہِ لولاک
کٹ کٹ کے کمر بندِ یداللہ کھلا تھا
غش کھا کے جو ہرتے پہ جھکے سیدِ ابرار
سر تھام کے ہاتھوں سے جو سیدھے ہوئے اکبار
مہمان تھے دنیا میں فقط چند نفس کے
دل سینے میں پھنکتا تھا یہ تھی تشنہ دہانی
جھکتا تھا جدھر زین سے یداللہ کا جانی
قابو میں نہ دستِ پسرِ عقدہ کشا تھے
ڈیوڑھی پہ یہ سیدانیاں دیتی تھیں دہائی
نکلی ہوئی ڈیوڑھی سے یداللہ کی جائی
فریاد بہن شہ سے جدا ہوتی ہی لوگو
دو روز کے فاقہ میں یہ جرأت یہ لڑائی
ماں صدقے گئی دکھ گئی ہووے گی کلائی
ہاتھوں کی بلائیں تو مجھے لینے دو بیٹا
تھرا کے رکھا میان میں تیغِ دوزباں کو
جاتے ہو کہاں قتل کرو تشنہ دہاں کو
اب آؤ کہ لڑنے کا مجھے حکم نہیں ہی
یا کوئی نہ آسکتا تھا یا گھر گئے شبیرؑ
بس ٹوٹ گئیں پسلیاں ساری یہ چلے تیر
زخموں کے بھی ماتم میں گریبان پھٹے تھے
تھی گل کی طرح خون میں ڈوبی ہوئی پوشاک
ڈو ٹکڑے تھی تلواروں سے جلدِ بدنِ پاک
شیرازۂ قرآنِ تنِ شاہ کھلا تھا
خولی نے لگائی سرِ پر نور پہ تلوار
برچھی بنِ اشعث کی کلیجہ کے ہوئی پار
غش ہوگئے نیزے سے سناں ابنِ انس کے
ہوش آتا تھا جب غش سے تو فرماتے تھے پانی
پہلو پہ تبر مارتے تھے ظلم کے بانی
تھراتے ہوئے پاؤں رکابوں سے جدا تھے
کیوں لوٹتے ہو فاطمہ زہرا کی کمائی
چلاتی تھی ہی ہی مرے بھائی مرے بھائی
دوڑو کوئی سید پہ جفا ہوتی ہی لوگو

غل رانڈوں میں تھا واحسنا وائے حسینا
صدقے تری مظلومی کے دکھ پائے حسینا

آتی تھی یہ زہرا کی صدا ہائے حسینا
چلاتی تھی زینب مرے ماں جائے حسینا

کس یاس سے پھر پھر کے نظر کرتے ہو بھائی
ہے ہے یہ بہن جیتی ہے تم مرتے ہو بھائی

بھیا تری مظلوم بہن کس کو پکارے
قسمت میں لکھا تھا کہ بندھیں ہاتھ ہمارے

سرور ترے بدلے کوئی سر میرا اُتارے
آقا مری چھاتی پہ کوئی برچھیاں مارے

پردیس میں دولت مرے ماں باپ کی بچ جائے
سر کاٹ لیں ہم سب کے پہ جان آپ کی بچ جائے

بابا بھی نہیں کون مدد کرنے کو آئے
کس شہر سے اماں کو بہن ڈھونڈھ کے لائے

اے تشنہ دہن پیاس تری کون بجھائے
یثرب کے مسافر تجھے اللہ بچائے

ویرانے میں فریاد سنے کون کسی کی
بستی بھی نہیں کوئی محبان علی کی

اس دشت میں یارب کسی شیعہ کا گزر ہو
افسوس وطن والوں کو کس طرح خبر ہو

ہے ہے یہ مہم جنگ کی کس طرح سے سر ہو
یارب کوئی آکر نجفی سینہ سپر ہو

لٹتی ہوئی اماں کی کمائی کو بچالے
کوئی ترا بندہ مرے بھائی کو بچالے

سر پیٹ کے چلاتی رہی بنت ید اللہ
غش کھا کے ادھر خاک پہ دلدل سے گرے شاہ

کھینچے ہوئے خنجر کو بڑھے فوج سے گمراہ
دوڑی گئی مقتل کی طرف زینب ذی جاہ

کو بہن کے دفتر کو اُلٹتے ہوئے دیکھا
پہونچی تو گلا بھائی کا کٹتے ہوئے دیکھا

سب جانتے ہیں صدمۂ ذبح شہ خوش خو
کیونکر کہوں سینے پہ رکھا شمر نے زانو

وہ حلق وہ شمشیر وہ خاک اور وہ پہلو
وہ ہاتھ ستمگار کا اور شاہ کے گیسو

آجاتی اُسی وقت قیامت تو بجا تھا
اُلٹی جو نہ دنیا تو خدا جانے کیا تھا

خاموش انیس اب کہ ہے سینہ میں جگر چاک
حق ہے ترا مداحی سبط شہ لولاک

حاسد سے نہ کچھ خوف نہ دشمن سے ہے کچھ باک
نافہم ہے وہ چاند پہ ڈالے جو کوئی خاک

سب نظم کریں نظم کا یہ نظم و نسق ہے
باطل ہے سو باطل ہے جو حق ہے سو وہ حق ہے

مرثیہ (۲۲)

شمشاد بوستانِ رسالت حسینؑ ہے
ابرِ عطا و آیۂ رحمت حسینؑ ہے
ہر جا ظہورِ حق ہے انھیں کے ظہور سے
عنوانِ نُہ صحیفۂ اخضر حسینؑ ہے
جسمِ نبی کی روحِ مطہر حسینؑ ہے
قربانِ رُتبۂ شہِ عرش احتشام کے
مشکل کشائے حاضر و غائب حسینؑ ہے
فرماں روائے مشرق و مغرب حسینؑ ہے
چھوٹے سے سن میں عرش سے رُتبہ سوا ملا
آدم سے مرتبے میں مقدم حسینؑ ہے
حقا کہ تاجِ عرشِ معظم حسینؑ ہے
مالک ہے کارخانۂ ربِّ جلیل کا
خورشیدِ آسمانِ تجمل حسینؑ ہے
عالم تمام جزو ہے اور کل حسینؑ ہے
جانیں فدا ہیں نام پہ اور دل نثار ہیں
رُکنِ رکینِ کعبۂ ایماں حسینؑ ہے
پیدا ہے تو حسینؑ ہے پنہاں حسینؑ ہے
حق اُس سے ہے قریب وہ حق سے جدا نہیں

مفتاحِ بابِ گلشنِ جنت حسینؑ ہے
نقشِ نگینِ مہرِ نبوت حسینؑ ہے
سب خاک سے بنے ہیں یہ خالق کے نور سے
فیاضِ آبِ چشمۂ کوثر حسینؑ ہے
کشتی عرش و فرش کا لنگر حسینؑ ہے
بیٹے امامِ دین کے پدر نو امام کے
خورشید و ماہ مکہ و یثرب حسینؑ ہے
دوشِ رسولِ پاک کا راکب حسینؑ ہے
لیکن نگیں بھی مہرِ نبوت کو کیا ملا
اسرارِ کردگار کا محرم حسینؑ ہے
شیرازۂ کتابِ دو عالم حسینؑ ہے
مختار ہے بہشت کا اور سلسبیل کا
طاؤسِ بوستانِ توکل حسینؑ ہے
سب خلق عندلیب ہے اور گل حسینؑ ہے
یوسف ہے ایک چاہنے والے ہزار ہیں
کُرسی اگر ہے رحل تو قرآں حسینؑ ہے
عالم تمام جسم ہے اور جاں حسینؑ ہے
جو کچھ کہو وہ سچ ہے مگر اک خدا نہیں

ادنیٰ کو دم میں چاہے تو اعلیٰ کرے حسینؑ
قطرے کو بحر لطف سے دریا کرے حسینؑ

بالا کو پست پست کو بالا کرے حسینؑ
اک آن میں ثری کو ثریا کرے حسینؑ

عزت جو دین میں کو تو گردوں شکوہ ہو
طاقت جو بخش دے تو پرِ کاہ کوہ ہو

ذرے کو آفتاب سے روشن کرے حسینؑ
قدرت سے ناتواں کو تہمتن کرے حسینؑ

دوزخ کو دم میں غیرتِ گلشن کرے حسینؑ
آہن کو موم موم کو آہن کرے حسینؑ

چشمِ غضب سے دیکھیں جسے جل کے خاک ہو
جس پر کرم کریں وہ گناہوں سے پاک ہو

کردیں سپید رو تو سیاہی ہو سب سے دور
شرمائے آفتاب جو ظلمت کو دیں وہ نور

حافظ ہوں گر تو سنگ ہو شیشے سے چور
چاہیں تو خس کو آگ کے دریا سے ہو عبور

حافظ اگر ہو لطف و کرم اس کریم کا
فانوس بہرِ شمع ہو دامن نسیم کا

ہوئے جو حکمِ نافذِ شاہنشہِ حجاز
آہو کے آگے شیر جھکائے سرِ نیاز

اک جا ہو آشیانہ عصفور و شاہباز
بہرِ شکار باز کرے چشم کو نہ باز

گر وہ قوی ضعیف سے کارِ جدال لے
روباہ جا کے شیر کی آنکھیں نکال لے

ہاں اے زباں خموش ادب کا ہے یہ مقام
کوثر سے منہ کو دھولے تو لے شاہِ دیں کا نام

اے کلک سر جھکا دے قدم پر پئے سلام
اے طبعِ پاک شستہ و رفتہ ہو سب کلام

پیچھے زباں سے وصفِ شہِ نیک خو کریں
اشکوں سے پہلے مردمِ دیدہ وضو کریں

یہ وہ حسینؑ ہے کہ جو ہے نورِ مشرقین
جس کے پدر نے فتح کیا خیبر و حنین

خیر النساؑ کی جان محمدؐ کے دل کا چین
شیعوں کو اس کی پیاس پہ رونا ہے فرضِ عین

اس کی نہ کوئی آس نہ کوئی مراد تھی
خنجر گلے پہ تھا تو تمہاری ہی یاد تھی

مولا کی ذات خلق میں ہے سایۂ الٰہ
امت کا کارساز دو عالم کا خیر خواہ

روزِ جزا معالجِ بیماریٔ گناہ
مجرم کو اس کے سایۂ دامن میں ہے پناہ

گر حشر میں وہ حامیٔ امت اسیر نہ ہو
تیغِ عذابِ حق سے کسی کو مفر نہ ہو

دارائے شرع مصطفوی مقتدائے خلق
خضرِ صراطِ دین مبیں پیشوائے خلق

فیض و عطاؤ شفقت و رحمت برائے خلق
دستِ خدا کی طرح سے مشکل کشائے خلق

بھیجیں درود کیوں نہ ملک روحِ پاک پر
سجدے کا حکم دیوے خدا اُس کی خاک کو

باب السلام حلمِ نبی آسمانِ شرع
نورِ سراجِ دین شرف خاندانِ شرع

دریائے لطف معدنِ بخشش جہانِ شرع
منہاجِ علم قطبِ زماں قہرمانِ شرع

اُس کے کرم سے گلشنِ دیں تازہ ہوگیا
شیعوں پہ وا بہشت کا دروازہ ہوگیا

عاجز نہ اس کے وصف میں ہو کس طرح خرد
افضل کرے جہاں سے جسے مفضلِ احد

اُس کی کتاب وصف کی اک جز کی ہو یہ حد
آغاز جس کا ہو ازل انجام ہو ابد

اس میں بھی سب صفاتِ شہِ بحر و بر نہیں
فقرے ہیں مبتدا کے خبر کی خبر نہیں

حدِ بشر نہیں ہو تری مدح یا امام
بندے سے کس طرح ہو زبانِ خدا کا کام

قدسی درود بھیجتے ہیں تجھ پہ صبح و شام
میں خاک اور عرش سے اعلیٰ ترا مقام

ذرے سے وصفِ نیرِ تاباں ہو کس طرح
اِک مور سے ثنائے سلیماں ہو کس طرح

راحت نہیں مرے دلِ مضطر کو اک نفس
نالاں ہوں تیری راہ میں صورتِ جرس

دن رات قافلے چلے جاتے ہیں پیش و پس
اور شوق میں غلام تڑپتا ہو ہر برس

اس سال ہو دعا کہ نہ دوری نصیب ہو
مولا طلب کرو تو حضوری نصیب ہو

عرشِ خدا ہو تیرے شرف سے بزرگوار
کرسی ترے قدم کی بدولت ہو پائدار

پہونچے فلک پہ گر تری نعلین کا غبار
سمجھے وہ خلعتِ شرف و تاجِ افتخار

ہو راہ پر وہی کہ جسے تجھ سے راہ ہو
نقشِ قدم برائے فلک سجدہ گاہ ہو

روحی فداک اے قمرِ برجِ ہل اتیٰ
قلبی لدیک اے گہرِ تاجِ لافتا

ابرِ عطا محیطِ کرم منبعِ سخا
شمعِ حریمِ حق گلِ گلزارِ قل کفا

اے نوحِ خلق تو ہو سفینہ نجات کا
طوفاں میں آسرا ہو فقط تیری ذات کا

قیصر تری جناب کا اک بندۂ کمین — خاقانِ چیں ہی اک ترے خرمن کا خوشہ چیں
ہی غیرتِ بہشت ترے نور سے زمیں — جاروب فرشِ عرش شرف زلفِ حورِعیں
کرسی کی زیب دوشِ پیمبر کی زیب ہی — تیرے قدم سے عرشِ منور کی زیب ہی

اللہ رے اوج واہ ری حشمت زہے وقار — اک آن بے حسینؑ نبیؐ کو نہ تھا قرار
اُشتر بنے تھے عید کو محبوبِ کردگار — مثلِ نگیں یہ مہرِ نبوت پہ تھے سوار
مرکب حسینؑ کے شہِ گردوں مقام تھے — جیبیں جو تھیں رکاب تو گیسو لگام تھے

لکھا ہی یہ کہ سجدے میں تھے ایک دن رسولؐ — پشتِ نبیؐ پہ آکے چڑھا دلبر بتولؓ
خیر الورا نے سجدۂ حق کو دیا یہ طول — سمجھا ہر اک کہ وحیِ خدا کا ہوا نزول
سر پیٹنے کی جا ہی یہ جس کا وقار ہو — سینے پہ اس حسین کے قاتل سوار ہو

باراں کی بوندیوں سے جسے فاطمہ بچائے — واحسرتا وہ سینۂ اقدس پہ تیر کھائے
کوثر ہو جس کے قبضۂ قدرت میں ہائے ہائے — پانی کی بوند اسے نہ کوئی مرتے دم پلائے
یہ واقعہ وہ ہی کہ خوشی ناپدید ہی — ہر سینہ کربلا ہی ہر اک دل شہید ہی

حلّے بہشت کے جسے بھیجے خدائے پاک — ہو بعدِ مرگ اس کا کفن کربلا کی خاک
ہیکل کی خط سے فاطمہ کا دل ہو دردناک — تیغوں سے اہلِ ظلم کریں اس کے تن کو چاک
دوشِ رسولِ پاک پہ جو سیمبر چڑھے — خنجر سے کٹ کے نیزے پہ اُس شہ کا سر چڑھے

ہو جس کی ماں کے مہر میں سب آب و رنگ — ترسے وہ ایک پانی کے قطرے کو کیوں فلک
گہوارے میں جھلائیں جسے آن کر ملک — مر کر کفن نہ پائے وہ چالیس روز تک
چھوڑ آئے کنکروں پہ تنِ پاش پاش کو — مٹی نہ دی نبی کے نواسے کی لاش کو

دُنبوں کو روزِ عید تو کرتے ہیں ذبح سب — کاٹا گلا نبی کے نواسے کا ہی غضب
حیواں کو پانی دیتے ہیں جو ہیں خدا طلب — فریاد ہی حسین تھے دو دن سے تشنہ لب
وارث خلیل کا وہ شہِ مشرقین ہی — ذبحِ عظیم اشارۂ قتلِ حسین ہی

گلزارِ دیں پہ تیغ خزاں رن میں جب چلی
وقتِ نمازِ ظہر ہوا دوپہر ڈھلی
بھائی کے غم سے خم شہِ دلگیر ہو گئے
طبلِ ظفر بجاتے تھے واں بانیِ ستم
فضہ پکارتی تھی یہ ڈیوڑھی سے دم بدم
چادر کوئی اُڑھاؤ تنِ پاش پاش پر
ہوتی تھی فوجِ ظلم میں تدبیرِ قتلِ شاہ
کہتا تھا یہ جما کے صفیں شمرِ روسیاہ
حلقے میں لیلو آتے ہی یوں اس دلیر کو
رکھتا نہیں کوئی یہ غریب الدیار یار
تیروں کی تن پہ دور سے ہونے شمار ہار
آگے سے تیغ و خنجر و نیزہ و سناں چلے
ہاں غازیو قریب ہے اب تیسرا پہر
بجتا ہے کوئی آن میں نقارۂ ظفر
راحت دلوں کو ہوئے گی قتلِ حسینؑ سے
یہ ذکر تھا کہ نورِ خدا کا ہوا ظہور
بوئے بہشت پھیل گئی رن میں دور دور
پرتو سے رشکِ طور ہر اک سینہ ہو گیا
غل تھا خوشا حسینؑ کی شوکت زہے جلال
اک آسمانِ حسن کے ابرو ہیں دو ہلال
کیا دخل راستے نظرِ بد کے بند ہیں

یعنی قلم ہوا چمنِ مرتضیٰ علیؑ
تنہا رہا وہ حضرتِ معبود کا ولی
بیٹا جواں جو قتل ہوا پیر ہو گئے
خیمے سے نکلے آتے سر پیٹتے حرم
کس جا رکھی ہے لاشِ پسر یا شہِ امم
رونے کو زینبؓ آتی ہے اکبرؑ کی لاش پر
چھائی ہوئی تھی چار طرف شام کی سپاہ
آتا ہے جنگ کو پسرِ ضیغم اللہ
جنگل میں گھیر لیتے ہیں جس طرح شیر کو
شمشیر شعلہ بار پڑے سر پہ بار بار
نیزے اٹھا اٹھا کے کریں سب سوار وار
پیچھے سے فرقِ پاک پہ گرزِ گراں چلے
جائیں لڑا کے جلد کرو اس مہم کو سر
عابد کے ہاتھ باندھ کے اب کھولیو کمر
سیدانیوں کو لوٹ کے سوئیں گے چین سے
ذرے زمیں کے بن گئے رشکِ چراغِ طور
پہونچا فلک تلک قمرِ فاطمہؑ کا نور
تختہ زمیں کا غیرتِ آئینہ ہو گیا
روشن جبیں ہے آئینۂ مہر کی مثال
اور فاطمہ کی آنکھ کا تارا ہر ایک خال
مجمر ہے آفتاب تو اختر سپند ہیں

لوحِ کتابِ حسن ہی پیشانیِ جناب
مصرع ہیں دونوں مطلعِ ابرو کے انتخاب
شمس الضحیٰ اسی رُخِ نیکو کا وصف ہے
وہ زلفِ مشکبیز وہ رخسارِ جاں فروز
شمع اور دھوئیں میں بھی نہیں ہوتا یہ ساز و سوز
ظلمت میں نور نور کو ظلمت میں راہ ہے
گیسوئے مشک بوئے امامِ فلک سریر
چہرہ قمر تو ابرو و مژگاں کمان و تیر
سجدے کی جا ہے زہرہ جبینوں کے واسطے
دونوں بھویں کمانوں کی صورت کشیدہ ہیں
رخسار نازکی ہیں گلِ نو رسیدہ ہیں
جلوہ خدا کے نور کا ہے اس نگاہ میں
واللیل والضحیٰ رُخِ روشن خطِ سیاہ
ابرو و زلف و رو شبِ قدر و ہلال و ماہ
قربان فاطمہؓ کا دلِ غم رسیدہ ہے
آنکھوں کے آگے دیدۂ آہو ہیں ناپسند
رخسار مہر و ماہ سے روشن ہزار چند
ابرو ہیں اس طرح رُخِ پُر آب و تاب پر
صدقے دہن کے و لبِ جاں بخش کے نثار
یہ لعل لب ہیں ان گہروں کے خزینہ دار
ہیرے کے بھی نگیں خجل ان کے حضور ہیں

جس سے خجل ضیائے جہاں تابِ آفتاب
قرآن کی طرح ہے خطِ رخسار لاجواب
واللیل اذا سجیٰ اسی گیسو کا وصف ہے
پیدا ہوئی ہے روز سے شب اور شب سے روز
دیکھا نہیں بہم سحر و شام کو ہنوز
ہے سنبلہ میں مہر کہ ہالے میں ماہ ہے
شرمندہ جس سے عود و خجل عنبر و عبیر
جن پر ہزار جان سے قرباں جوان و پیر
گوشہ ہے خوب چلہ نشینوں کے واسطے
بالائے سرورِ امت ہلالِ خمیدہ ہیں
آنکھیں جنابِ فاطمہؓ کی نورِ دیدہ ہیں
پتلی نہیں، ہے چشم میں یوسف ہے چاہ میں
لعل و غزال و گل لب و رخسار و چشمِ شاہ
تیر و سنان و زہ مژہ و سرمہ و نگاہ
چشمِ کشودہ صاف کماں کشیدہ ہے
پتلی ہے یہ کہ شیشے کے اندر پری ہے بند
بینی سے اور حُسن کا رتبہ ہوا بلند
ہو جس طرح سے مدِّ الف آفتاب پر
جن سے نتائجِ لبِ عیسیٰ ہیں آشکار
بے قدر ہیں صدف سے جہاں دُرِّ شاہوار
دنداں نہیں یہ گوہرِ دریائے نور ہیں

نازک کہیں ہیں برگِ گلِ تر سے لعل لب
اور آب و تاب گوہرِ دنداں ہیں ہی غضب
کوکب میں آسماں پہ بھلا یہ چمک ہی کب
ہیں دن کو آفتاب تو بجلی میانِ شب
پانی انھیں پہ فاطمہؓ پیتی تھیں وار کے
بتیس دُر ہیں دودھ کے بتیس دھار کے

وہ دوش ہیں شفاعتِ امّت کا جن پہ بار
اور بازوؤں سے شانِ یداللہ آشکار
اس ساعد اور اس کفِ سیمیں کے ہم نثار
اُٹھتے تھے عاصیوں کی دعا کو جو بار بار
ہیہات کچھ نہ دستِ خدا کا ادب کیا
پہونچوں کو سارباں نے کاٹا غضب کیا

وہ ہاتھ جن کے سامنے زر مال کچھ نہ سیم
کیا سیم و زر ہی کوثر و تسنیم کی نسیم
شیعوں کے دستگیر بروزِ اُمید و بیم
اُنگلی ہر اک کلیدِ درِ جنت النعیم
ہر دم ہیں مثلِ ابرِ کرم پر تلے ہوئے
ہیں ناخنوں پہ عقدۂ مشکل کھلے ہوئے

سینہ ہی اک خزینۂ انصاف و عدل و داد
قرآں اسے سمجھتے ہیں جو ہیں خوش اعتقاد
نور اس میں یوں ہی قلب میں جیسے خدا کی یاد
تیروں کے سامنے وہ سپر تھا دمِ جہاد
عاجز دمِ وغا شہِ عالم نہ ہوتے تھے
ٹوٹی ہوئی کمر تھی مگر خم نہ ہوتے تھے

کرتا ہوں وصف پائے شہِ نامدار سر
کردے گا اس مہم کو بھی پروردگار سر
کہتا ہی یہ جھکا کے قلم بار بار سر
صدقے امامِ دین کے قدم پر ہزار سر
رتبے دلاوری کے سر مو گھٹے نہیں
سر کٹ گیا پہ کھیت سے پاؤں ہٹے نہیں

اِس فوج پر جو قبلۂ عالم نے کی نگاہ
دیکھا کھلے ہوئے ہیں کئی سو علم سیاہ
کالی گھٹا سی چھائی ہی سب شام کی سپاہ
تیغوں کی یہ چمک ہی کہ اللہ کی پناہ
کہتے ہیں سب کہ غلغلۂ دار و گیر ہو
نزدیک ہی کہ بارشِ بارانِ تیر ہو

دریا کی طرح لشکرِ کیں مارتا ہی جوش
نیزے ہلا رہے ہیں جوانانِ درع پوش
ہل من مبارزہ کا ہر اک صف میں ہی خروش
چلّے کھنچے ہوئے ہیں کمانوں کے تا بگوش
غل ہی کہ شاہِ یثرب و بطحا کو گھیر لو
مظلوم کو غریب کو تنہا کو گھیر لو

ہمہمیز کرکے اسپ کو آگے بڑھے امام | اعدا سے اس طرح بہ فصاحت کیے کلام

اے سرکشانِ کوفہ و روم و عراق و شام | کرتا ہوں تم پہ آخری حجت کو میں تمام

کوئی بھی کاٹتا ہے گلا بے گناہ کا | میں کون ہوں جناب رسالت پناہ کا

کس کے پدر کا نام جنابِ امیر ہے | کس کا پدر رسولِ خدا کا وزیر ہے

وہ کون ہے جو صاحبِ تاج و سریر ہے | کون و مکاں میں کون بشیر و نذیر ہے

بنیادِ کفر کس نے جہاں سے مٹائی ہے | کس نے نبی کے دوش پہ معراج پائی ہے

پیدا ہوا جو کعبے کے اندر وہ کون ہے | چیرا ہے جس نے مہد میں اژدر وہ کون ہے

اُتری جسے پہ تیغِ دوپیکر وہ کون ہے | توڑا ہے جس نے قلعۂ خیبر وہ کون ہے

سب کافروں کو کس نے مطیعِ خدا کیا | باطل کو کس کی تیغ نے حق سے جدا کیا

زور آورانِ خلق کو کس نے کیا ہے زیر | دونوں جہاں میں کون علی سا ہوا دلیر

کہتی ہے کس کو خلقِ دو عالم خدا کا شیر | بھوکے کو کس ولی نے کیا تین روز سیر

کس کی سخا کا غل ہے عراق و حجاز میں | سائل کو کس نے دی ہے انگوٹھی نماز میں

حق نے کیا عطا پہ عطا ہل اتیٰ کسے | حاصل ہوا ہے مرتبۂ لافتیٰ کسے

کونین میں ملا شرفِ انّما کسے | کہتی ہے خلق بادشہِ قل کفیٰ کسے

دنیا میں کون منتظمِ کائنات ہے | کس کو کہا خدا نے کہ یہ میرا ہات ہے

غیر از علی ملا شرفِ صادقین کسے | ہاتھ آیا زورِ دستِ جہاں آفریں کسے

یٰسین میں کہا ہے امامِ مبیں کسے | حق نے کیا ہے راز کا اپنے امیں کسے

کس کو کہا ہے منذر و ہادی جہان میں | نصِّ مباہلہ ہے کہو کس کی شان میں

محبوبِ حق نے سابق الایماں کسے کہا | فرمایا اپنا جسم کسے جان کسے کہا

دانندۂ دقائقِ قرآں کسے کہا | نور و دلیل و حجت و برہاں کسے کہا

کہتے ہیں سب ولی خدا کس جناب کو | رجعت ہوئی ہے کس کے لیے آفتاب کو

کس نے جہاں میں کفر و صنم حک و فک کیا
کس شیر نے دو نیم سر شرک و شک کیا
کس کو خدائے پاک نے فخر ملک کیا
کس نے علی کی طرح جہاد آج تک کیا
قائل ملک ہیں ضرب امام جلیل کے
کاٹے ہیں کس کی تیغ نے پر جبرئیل کے

مشہور ہی جہاں میں بیر الالم کا حال
آتش میں جا کے کود پڑے شیر ذو الجلال
ڈر سے جنوں کے جان بچانا ہوا محال
سایہ کی طرح ہو گئی سب فوج پائمال
نہ دیو اُن کے سامنے ٹھہرے نہ جن لڑے
شیر خدا زمیں کے تلے تین دن لڑے

سب کافروں کو بدر سے دم میں بدر کیا
پیش رسول عمرو کو زیر و زبر کیا
جنگ حنین و خیبر و خندق کو سر کیا
عنتر کو سر سے تا بہ قدم خوں میں تر کیا
مارا جو ایک ضرب میں مرحب کو جان سے
آتی تھی مرحبا کی صدا آسمان سے

جس نے بنائے دیں محکم کی وہ کون ہی
جس کی کسی نے ضرب روکی وہ کون ہی
قوت ہی جس میں دست احد کی وہ کون ہی
جس نے پیمبروں کی مدد کی وہ کون ہی
کیونکر نجات چاہ سے یوسف نے پائی ہی
طوفاں سے کس نے نوح کی کشتی بچائی ہی

آدم سے پہلے عرش پہ کس کا ظہور تھا
حق سے قریب کون تھا اور کون دور تھا
ہر آن کس پہ رحمت حق کا وفور تھا
جس کی ضیا تھی طور پر وہ کس کا نور تھا
چلا رہے تھے بہر مدد سب کو دیر سے
کس شیر نے چھڑا دیا سلماں کو شیر سے

کشاف مشکلات دو عالم ہی کس کی ذات
کون و مکاں میں کون ہوا فخر کائنات
عیسیٰ کو کس نے بخشا ہی سرمایۂ حیات
یونس کو کس نے بطن سے ماہی کے دی نجات
گل کر دیا ہی نار کو کس نے خلیل پر
لکھا ہی کس کا نام پر جبرئیل پر

خورشید سات بار ہوا اس سے ہم کلام
کس سے زمین کہتی تھی شب کو خبر تمام
ناطق ہی کس کی شان میں اللہ کا کلام
انجیل اور زبور میں لکھے ہیں کس کے نام
حامی ہی کون سب کا حیات و ممات میں
کس کی ثنا ہی سورۂ والعادیات میں

ہیں کس کے نام صفدر و کرّار و مرتضا
ذی علم ذی سعادت و ذی النصر ذی العطا
شیر و شجاع و صابر و معصوم و مقتدا
منصور و ازقیا و بلیلا و ایلیا
باذل وہی مظفر و منصور ہی وہی
غالب وہی ہی طور وہی نور ہی وہی

سبط الخلیل حجت دیں مالک الرقاب
باب علوم زوج بتول فلک جناب
بوطالب و ابوالحسنین و ابو تراب
زہد و ذکی و طاہر و جواد و طیب و طاب
قرآن میں کون نور سموات و ارض ہی
طاعت وہ کس کی ہی جو زمانے پہ فرض ہی

شمشیر شرع فارس دیں شحنۂ نجف
مفتاح فتح عارف اسرار من عرف
دریائے معرفت در یکتائے نہ صدف
ذی جاہ و ذی کرامت و ذی فیض و ذی شرف
ہر ذی حیات ان سے طلبگار عون ہی
جس کے یہ مرتبے ہیں حسین اس کا کون ہی

میں پارۂ جگر ہوں بشیر و نذیر کا
میں نور ہوں جہاں میں سراج منیر کا
ہی مجھ میں علم و فضل جناب امیر کا
واللہ پیشوا ہوں صغیر و کبیر کا
اس میں بھی مصلحت ہی جو مظلوم آج ہوں
شاہوں کا شاہ ہوں سر عالم کا تاج ہوں

واللہ بہترین عرب ہی مرا پدر
روز ازل سے عاشق رب ہی مرا پدر
عالی حسب بلند نسب ہی مرا پدر
ایجاد آسمان کا سبب ہی مرا پدر
ہی حکم مثل کعبہ مرے احترام کا
فرزند ہوں میں مشعر و رکن و مقام کا

دلبند مکہ و عرفات و منا ہوں میں
میرا ادب کرو خلف مرتضا ہوں میں
حق ہیں مرے کلام زبان خدا ہوں میں
مشکل کشا کا لال ہوں مشکلکشا ہوں میں
میزان مغفرت میں گنہ ہوں کو تول دوں
عقدے جو لاکھ ہوں تو اشارے میں کھول دوں

وہ کس کی والدہ ہی جو ہی بضعۃ الرسولؐ
مرضیہ و رضیہ و صدیقہ و بتولؑ
مریم کی عرض ہوتی تھی جس طرح سے قبول
فضہ کے واسطے ہی وہی مرتبہ حصول
عزت یہ فاطمہ کی کنیزی میں پائی ہی
اس کے لیے بھی نعمت فردوس آئی ہی

اعدا نے تب کہا کہ یہ سب ہم پہ ہی عیاں
حیدر تمہارے باپ ہیں اور فاطمہ ہیں ماں
مانیں گے فاطمہؑ کو نہ شیرِ الٰہ کو
کیا ہو گا گر ہی آپ کے قبضے میں ذوالفقار
دستِ علی سے چلتی تھی یہ تیغِ آبدار
حملہ نہ ہو سکے گا ہزار آپ کد کریں
پہلے تو مسکرائے یہ سُن کر امامِ دیں
ساتوں فلک لرز گئے اُلٹی جو آستیں
چمکی جو ذوالفقار نکل کر غلاف سے
نعرہ کیا کہ او پسرِ سعد نابکار
آیا علی کا شیر خبردار ہوشیار
مجھ سے کسے جہاں میں مجالِ ستیز ہے
آفاق میں نہیں مری شمشیر کی پناہ
قوت وہ ہے کہ کوہ کو کاٹوں مثالِ کاہ
دریا سموم مہر سے میرے سراب ہو
نقارۂ وغا پہ لگی چوب یک بیک
تیہور کی صدا سے ہراساں ہوئے ملک
شورِ دہل سے حشر تھا افلاک کے تلے
حد سے فزوں تھی کثرتِ افواجِ نابکار
ہر سمت تھی سناں پہ سناں مثلِ نوکِ خار
پیکاں بہم تھے جیسے ہوں گل بے کھلے ہوئے

بیشک ہو تم نبیرۂ پیغمبرِ زماں
بیعت بغیر پر نہ ملے گی تمھیں اماں
کاٹیں گے بوسہ گاہِ رسالت پناہ کو
آپ ایک یاں چھ لاکھ جواں اور کئی ہزار
فاقہ میں تین دن کے کہاں زورِ کارزار
عباس اب نہیں ہیں جو آکر مدد کریں
اعدا پہ کی نظر صفتِ شیرِ خشمگیں
دیکھا جو سوئے چرخ تو ہلنے لگی زمیں
پریاں بچا کے جان اُڑیں کوہِ قاف سے
لے دیکھ تین روز کے پیاسے کی کارزار
دیکھوں تو روکتے ہیں مجھے کس طرح سوار
برہانِ قاطع ایک مری تیغِ تیز ہے
جوہر کھلیں تو بند ہو امن و اماں کی راہ
ل جائے آسمان جو کروں غیظ سے نگاہ
نعرہ کروں تو زہرۂ مریخ آب ہو
اُٹھا غریو کوس کہ ہلنے لگے فلک
قرنا پھنکی کہ گونج گیا دشت دور تک
مُردے بھی ڈر کے چونک پڑے خاک کے تلے
نیزہ پہ نیزہ تیغ پہ تھی تیغِ آبدار
ہر صف میں تھی سپر پہ سپر مثلِ لالہ زار
گوشوں سے تھے کمانوں کے گوشے ملے ہوئے

اُمڈی ہوئی تھی فوج پہ فوج اور دل پہ دل
تھے برچھیوں کے صورتِ مقراض پھل پہ پھل
خنجر وہ جن کی آب میں ہو تلخیِ اجل
وہ گرز جن کے ڈر سے گرے دیو منہ کے بل
ڈھالیں تبر تھے پاس ہر اک خود پسند کے
حلقوں پہ تھے بچھے ہوئے حلقے کمند کے

حملہ کیا خدیوِ فلک بارگاہ نے
روکا سپر کو رُخ پہ ہر اک رو سیاہ نے
راہِ اماں کو بند کیا تیغِ شاہ نے
قبضے میں پائی امن کی جا گہ پناہ نے
تلوار تھی کہ فوج پہ قہرِ خدا چلا
گویا زباں نکالے ہوئے اژدہا چلا

گیتی کو زلزلہ ہوا اللہ رے جلال
نعرہ کیا کہ گونج گیا عرصۂ قتال
ہلنے لگے درخت لرزنے لگے جبال
سبزہ نہ تھا کھڑے تھے بدن پر زمیں کے بال
مریخ نے منہ اپنا چھپایا تھا خوف سے
سینے کو آسماں نے چرایا تھا خوف سے

ڈر سے ہوا فرات کی موجوں کو اضطراب
اور آب میں سروں کو چھپانے لگے حباب
پانی سے مچھلیوں کو ابھرنے کی تھی نہ تاب
دہشت سے سب نہنگ چھپے جا کے زیرِ آب
اک شور تھا بچائے خدا اس کے کاٹ سے
طوفاں اُٹھا ہے تیغِ حسینی کے گھاٹ سے

کعبہ ادھر تھا جلوہ نما اور ادھر کنشت
دوزخ کی آگ ادھر تھی اُدھر گلشنِ بہشت
گیتی ادھر کرم کی ادھر تھی ستم کی کشت
یاں کارِ نیک ہوتے تھے واں فعل ہائے زشت
شیطاں تھا اس طرف تو ادھر کردگار تھا
میدان میں مقابلۂ نور و نار تھا

بجلی گری کہ فوج پہ تیغِ دو سر گری
کٹ کر کسی کی تیغ کسی کی سپر گری
چمکی کبھی فلک پہ کبھی فرق پر گری
سر کاٹ کے ادھر سے جو اُٹھی ادھر گری
زرہیں تنوں میں مثلِ کفن چاک ہو گئیں
اک آن میں صفین کی صفیں خاک ہو گئیں

پڑتی تھی جس کے فرق پہ وہ تیغ سر شگاف
ہوتا تھا سر سے مثلِ قلم تا جگر شگاف
تا سینہ کوئی اور کوئی تا کمر شگاف
چار آئنہ کسی کا کسی کی سپر شگاف
سر تھا اگر تو ہاتھ کا تن پر اثر نہ تھا
ثابت کسی کے ہاتھ اگر تھے تو سر نہ تھا

قبضے میں تھی حسینؑ کے دستِ خدا کی تیغ
غل تھا کبھی رُکی ہے کسی سے قضا کی تیغ
نیزوں کے بند کاٹتی تھی مرتضیٰ کی تیغ
عقدوں کو کھول دیتی تھی مشکلکشا کی تیغ
ثابت کسی سوار کے تن پر زرہ نہ تھی
کھولا نہ ہو جسے کوئی ایسی گرہ نہ تھی

دم بھر اماں نہ دیتی تھی وہ برقِ جاں گسل
اور ناریوں پہ آگ برستی تھی متصل
روباہ بن گئے تھے جوانانِ شیر دل
مقتل کی خاک خوں سے سب ہو گئی تھی گلِ
کشتوں کی حد تو زخمیوں کی انتہا نہ تھی
اعدا کے تن سے دم کے نکلنے کی جا نہ تھی

سرکش تھے بادِ کبر سے جو خانماں خراب
خُود ان کے گر کے ٹوٹ گئے صورتِ حباب
کڑیوں سے یوں زرہ کے گزر جاتی تھی شتاب
جس طرح دام سے نکل آتی ہے موجِ آب
ضربت میں شہ کی ضربِ علی کا قرینہ تھا
سر تھا نہ چار آئنہ تھا اور نہ سینہ تھا

پھولے تھے ہاتھ پاؤں سبھوں کے دمِ ستیز
نے تابِ کارزار تھی نے طاقتِ گریز
صَرصَر کی طرح چلتی تھی ہر سو وہ تیغِ تیز
سر گر رہے تھے جسم سے تھی فصلِ برگ ریز
ان باغیوں پہ تیغ کے جوہر عیاں ہوئے
جب پھل لگا تو پھول سپر کے خزاں ہوئے

ہاتھوں میں زور قلب میں صبر و سکوں تھا
رُخ زرد تھے تنوں میں لعینوں کے خوں نہ تھا
وہ کونسا نشان تھا جو سرنگوں نہ تھا
جز موت گُم رہوں کا کوئی رہنموں نہ تھا
تھے سخت کشمکش میں ستمگار اُس طرف
تیغ اس طرف کو کھینچتی تھی نار اس طرف

تھی شکلِ لا جو تیغِ شہِ آدم و ملک
کرتی تھی نفیِ کفر صدا وہ تہ فلک
عالم سے کفر کاف کو اس نے کیا تھا فک
دو اُنگلیاں بنی تھیں چشمِ شرک و شک
ڈر سے اسی کے کفر کی بنیاد پست تھی
اسلام کو ظفر تو بتوں کو شکست تھی

تھی دستِ شاہِ دیں میں دو چند آبروئے تیغ
تھا ہاتھ بھر سروں سے فزوں آبجوئے تیغ
آتش سے معرکے میں مشابہ تھی خوئے تیغ
دوزخ کو کھنچ گیا کوئی آیا جو سوئے تیغ
سر کٹ کے دور جسم سے اک دم میں جا رہا
تن مثلِ میم قعرِ جہنم میں جا رہا

کرتا تھا شمر لاکھ لڑائی کا بندوبست
لکھی ہوئی تھی پر خطِ تقدیر میں شکست
نیزے تو تھے بلند مگر ہمتیں تھیں پست
آگے نہ پاؤں ڈر سے اُٹھاتے تھے تیز دست
سر تیغ سے مثالِ قلم کٹتے جاتے تھے
پیچھے ہی ظالموں کے قدم ہٹتے جاتے تھے

اک برق سی چمکتی تھی بالائے سطحِ خاک
گاہے سوئے سمک تو کبھی جانبِ سماک
جوشن تو پارہ پارہ تھے اور جسم چاک چاک
دم لیتی تھی نہ تیغ نہ رُکتا تھا دستِ پاک
اپنے پروں کی فکر تھی روح الامین کو
رعشہ تھا چرخِ پیر کو سکتہ زمین کو

جب صف پہ وار کرتے تھے سلطانِ بحر و بر
اُڑتی تھی کٹ کے صورتِ کاغذ ہر اک سپر
چھپتی تھیں بھاگی جاتی تھیں گرتے تھے خاک پر
قبضوں سے تیغیں جسم سے روحیں تنوں سے سر
پے تھے قدم گریز کے کوچے بھی بند تھے
شعلہ وہ تیغ تھی ہر اعدا اسپند تھے

چھپتے تھے یوں وہ دیکھ کے اس تیغ کی چمک
بھاگے شعاعِ مہر سے جس طرح شپّرک
اوجِ سما سے زلزلہ برپا تھا تا سماک
چمکی وہ جب تو کانپ گئے چرخ پر ملک
ہر شے تھی خوفِ جاں سے خشوع و خضوع میں
سجدے میں تھی زمیں تو فلک تھا رکوع میں

جانوں کو چھوڑتی تھی نہ وہ تیغ برق دم
تھی اس کی آب جادۂ سر منزلِ عدم
ہر جوہر اوس کا دیدۂ بینا سے تھا نہ کم
اعدا کو ڈھونڈھتی تھی وہ قد اس لیے تھا خم
تھی موج بحرِ قہرِ خدا دار و گیر میں
سیلِ فنا کا آب تھا اس کے خمیر میں

بجلی سی کوند کر جدھر آئی جلا گئی
دم میں چراغ راہِ ضلالت بجھا گئی
لشکر میں فرد فرد کو جوہر دکھا گئی
خوں سے بھرا نہ پیٹ تو لوہے کو کھا گئی
جوشن کو کاٹ جاتی تھی یوں آ کے اوج سے
پیر اک جس طرح نکل آتا ہے موج سے

چلاتی تھیں کمانیں کہ کس جا ہوں گوشہ گیر
ہم تو خطا شعاروں کے قبضہ میں ہیں اسیر
چلّے میں نیزے کانپتے تھے مثلِ پائے پیر
سہمے ہوئے نکلتے نہ تھے ترکشوں سے تیر
دم بند خنجروں کے بھی تھے اُن مصاف میں
تیغیں چھپیں تھیں خوف کے مارے غلاف میں

دریا لہو کا بہتا تھا مقتل کی خاک پر
تھے مثل موج دستِ بریدہ ادھر ادھر
نہریں لہو کی دشت میں پیشِ نگاہ تھیں

بڑھ بڑھ کے یوں پھراتے تھے وہ عاشقِ صمد
جاتے تھے نیزہ داروں تک جب بہ صفتِ اسد
ہو جاتی تھی دو چند برش ذوالفقار میں

جس فرق پر چمک کے وہ برقِ اجل گئی
جس صف کو آنچ لگ گئی اُس کی وہ جل گئی
ضربت پہ عقل دیکھنے والوں کی دنگ تھی

اِک شور تھا کہ تیغ ہے یا یہ خدا کا قہر
ناگن ہے یہ کہ کاٹے کی جس کے نہیں ہے لہر
زخموں سے جسم ڈر سے کلیجے فگار ہیں

سر پر پڑی فرس کے تو سوئے کفل چلی
بجلی سی جس لعیں پہ چلی برمحل چلی
دو آفتوں نے دشمنِ دیں کو دبا لیا

مطلع دوم

جب حملہ ور امام مسیحا نفس ہوئے
کشتوں کے ڈھیر راست و چپ پیش و پس ہوئے
کشتوں کی شکل خون سے جو روپوش ہو گئی

سر پر چڑھی تو چنبرِ گردن کو دو کیا
جوشن کے ساتھ زین کے دامن کو دو کیا
غل تھا حسین بادشہِ شرق و غرب ہے

کاسے سروں کے مثل حباب آتے تھے نظر
نافیں بھنور تھیں اور کف دریا تھے مغزِ سر
کشتوں کی کشتیاں شطِ خوں میں تباہ تھیں

ہوتا ہے جس طرح سے سمندر میں جزر و مد
آتی تھی فاطمہؓ کی صدا یا علی مدد
ہوتے تھے سب کے ہاتھ قلم ایک وار میں

بوسہ زمینِ پاک کو دے کر نکل گئی
کاٹا کسی کو گر تو کسی کو نگل گئی
افعی کسی جگہ تو کسی جا نہنگ تھی

بہتی ہے جس کی آگ سے کوسوں لہو کی نہر
اُتری گلے سے چڑھ گیا سارے بدن میں زہر
جوہر نہیں ہیں تیغ میں دندانِ مار ہیں

وہ منہ کے بل زمیں پہ چلا یہ نکل چلی
پہونچی اِدھر سے تیغ اُدھر سے اجل چلی
سر تیغ نے لیا تو اجل نے گلا لیا

نیچے ہوئے سوار تو اوپر فرس ہوئے
پانچ آگئے جو تیغ کے نیچے وہ دس ہوئے
گنتی اجل کو اُن کی فراموش ہو گئی

گردن سے بڑھ کے سینہ و جوشن کو دو کیا
دامن کی کیا بساط ہے توسن کو دو کیا
سکّہ ہے اُس کے نام کا جس کی یہ ضرب ہے

اڑتا تھا وہ نہنگِ محیطِ دلاوری — کرتی تھی تیغ قلزمِ خوں میں شناوری
ہوتے تھے قتل کوفی و شامی و خیبری — اُڑتا تھا رخش یوں کہ اُڑے جس طرح پری
غل طائروں میں تھا کہ عجب راہوار ہے — تختِ ہوا پہ آج سلیماں سوار ہے

صرصر سے تیز تر تھا وہ اسپ خجستہ فر — یکساں تھا اس کو صورتِ خورشید قرب و دور
پانی پہ تھا جو موج تو آتش میں تھا شرر — گیتی نورد و برق تگ و آسماں سفر
ٹاپوں سے سرکشوں کے صفیں پائمال تھیں — زیں آفتاب تھا تو رکابیں ہلال تھیں
طے کی جو راہ بحر تو بر سے نکل گیا — مانندِ خیر لشکرِ شر سے نکل گیا
آیا اُدھر سے گر تو اُدھر سے نکل گیا — پتلی کے گرد پھر کے نظر سے نکل گیا

سرعت میں تھا ہرن تو وغا میں ہژبر تھا — پستی میں سیل تھا تو بلندی میں ابر تھا
مثلِ نگاہ فوج کی صف سے نکل گیا — غلطاں گہر تھا اک کہ صدف سے نکل گیا
وہ گر پڑا یہ جس کی طرف سے نکل گیا — اک تیر تھا کہ صاف ہدف سے نکل گیا
فرفر رواں اُدھر سے وہ جست و خیز تھا — اُلٹا پھرا اُدھر سے تو رفرف سے تیز تھا

نکلا اُدھر سے بہرِ وغا ایک روسیاہ — زور آور و تہمتن و مغرور و کینہ خواہ
کاندھے پہ گرز بر میں زرہ خشمگیں نگاہ — سر پر مثالِ قبضۂ تیغ آہنی کلاہ
آمد شقی کی تھی کہ رواں رودِ نیل تھا — ہیبت میں تھا جو دیو تو ہیکل میں پیل تھا

تھا جسم نابکار سے عرصہ زرہ پہ تنگ — جوشن میں یوں تھا دم میں جس طرح ہو نہنگ
خونخوار فتنہ ساز دل آزار خانہ جنگ — آنکھیں تو فرطِ غیظ سے سرخ اور سیاہ رنگ
تیوری چڑھائی دیکھ کے حضرت کو دور سے — آیا قریبِ سبطِ نبیؐ کس غرور سے

چمکا کے ذوالفقار اُٹھائی جو شہ نے باگ — لشکر میں اس طرف سے ہوا غل کہ بھاگ بھاگ
تھی شمع دودمانِ علیؑ سے جو اس کو لاگ — سُن کر یہ شور لگ گئی ناری کے تن میں آگ
سمجھا نہ یہ کہ ابنِ علیؑ ہے جلال پر — حملہ کیا شقی نے محمدؐ کے لال پر

رد کرکے اس کے وار بڑھے شاہ بحر و بر
دو کر دیا عمود کو مثلِ خیارِ تر
گرتے ہوئے لیا کمرِ نابکار کو
زیں سے اٹھا کے روک لیا صورتِ سپر
سر سے ہوا بلند تو پھینکا زمین پر
پہچاننا بھی شکل کا اشکال ہو گیا

لوہے کا خود کاسۂ سر میں نہاں ہوا
بر سے اکھڑ کے قلب و جگر میں نہاں ہوا
ساتوں طبق زمیں کے تہِ چرخ ہل گئے
پڑھنے لگے درود فلک پر ملک بہم
آئی صدا علیؑ کی نثار اس دغا کے ہم
یہ جنگ تجھ پہ ختم ہے اندوہ و یاس میں

اے افتخارِ فاتحِ بدر و حنین واہ
رحمت خدا کی واہ مرے نورِ عین واہ
جو زور آج تک تھا خفی وہ جلی ہوا
تنہا لڑا ہوں میں بھی ہزاروں سے میرے لال
میری مدد کو ہوتے تھے محبوبِ ذوالجلال
ان حادثوں میں جنگ عجب کا مقام ہے

رو کر کہا حسینؑ نے اے شاہ بحر و بر
عباسؑ مر کے توڑ گئے ہیں مری کمر
کیا جنگ ہو مجھے غم ہو جب آنکھوں کے نور کا

نیزے کے بند کاٹ دیے مثلِ نیشکر
چھچکا چمک سے تیغ دوسر کی وہ خیرہ سر
غل پڑ گیا وہ شیر نے پکڑا اشکار کو
ہتھیار کھل کے گر پڑے اس کے ادھر ادھر
طفلی سے زائچے میں کھچا تھا اجل کا گھر
ایک ایک عضو قرعۂ رمّال ہو گیا

سر پر لگی یہ ضرب کہ بر میں نہاں ہوا
سینہ شکست ہو کے کمر میں نہاں ہوا
ابرو شقی کے پاؤں کے ناخن سے مل گئے
نصرت نے ہاتھ چوم لیے فتح نے قدم
تو شیرِ حق کا فخر ہے اے صاحبِ کرم
میں بھی کبھی لڑا نہیں اس بھوک پیاس میں

کرتے ہیں مرد یوں ہی دلا سے وغیں واہ
کس حسن سے جہاد کیا اے حسینؑ واہ
تو فخرِ خاندانِ نبیؐ و علیؑ ہوا
پر تشنہ و گرسنہ کبھی کی نہیں جدال
تنہا ہی تو قلم ہوئے سب تیرے نونہال
اے فاطمہؓ کے لال یہ تیرا ہی کام ہے

میں کیا کروں گا جنگ کہ سو داغ اک جگر
دل ہے ضعیف جب سے موا ہے جواں پسر
ہاں کچھ لڑا تو سب ہے یہ صدقہ حضور کا

اکبر بغیر دل نہیں جینے کو چاہتا
اب کیجیے زبانِ مبارک سے یہ دعا
سر دے کے حق کی راہ میں فارغ حسینؑ ہو
زینب رض پکاری ڈیوڑھی سے اس دم بچشم تر
آئی سمٹ کے فوج تمھیں کچھ نہیں خبر
پھر ذوالفقارِ حیدرِ صفدر سے کام لو
دیکھو وہ تیر چلّوں سے اعدا ملاتے ہیں
چھپ چھپ کے حیلہ ساز کمندیں بچھاتے ہیں
رحم ان پہ آپ کا نہ جنھوں نے ادب کیا
پھر کھینچو ذوالفقار کو یا شاہ دیں پناہ
شفقت کرے گا آن کے اندوہ میں کون آہ
روئی محلکے گر تو سنبھالی نہ جائے گی
یہ عمر اور یتیمی کے رنج و غم و محن
کبرا پہ جائے رحم ہے اے سرورِ زمن
حضرت بغیر کونسی صورت حیات کی
حضرت پکارے سب کا خدا ہے نہ کھاؤ غم
فرماتے ہیں علیؑ ولی شفقت و کرم
بھائی پسر کی جنگ نہ خاص و عام کو
زینب رض پکاری آئے علیؑ شکر کردگار
پردے کو پھر اٹھا کے پکاری وہ سوگوار
یاں چھوڑیو نہ فاطمہ رض کے نورِ عین کو

نانا کے کلمہ گو ہیں یہ ان سے لڑوں میں کیا
کٹ جائے تیغِ ظلم سے جلدی مرا گلا
میرے حرم لٹیں مگر امت کو چین ہو
یہ کس سے باتیں کرتے ہو یا شاہ بحر و بر
دم گھٹ گیا نکلتی ہوں خیمے سے ننگے سر
کس نے کہا کہ ہاتھ لڑائی سے تھام لو
نیزوں کو تولتے ہوئے ظالم پھر آتے ہیں
ہے ہے ستم شعار پرے پھر جماتے ہیں
تیغِ علیؑ کو روک لیا کیا غضب کیا
ہم کو بچاؤ قید سے ہم ہوئیں گے تباہ
صدقے گئی سکینہ کے سن پر کرو نگاہ
بے آپ کے کسی سے یہ پالی نہ جائے گی
بچی سے اٹھ سکے گا بھلا صدمہ محن
اکبر سا بھائی سر پہ نہ لختِ دلِ حسنؑ
رانڈ آج ہو گئی ہے دلہن ایک رات کی
اب اشتیاقِ ذبح زیادہ ہے دم بدم
تھے شبّرِ کبریا سے بہن ہم کلام ہم
بابا نے سرفراز کیا ہے غلام کو
اب تو تمھیں نہ برچھیاں ماریں گے نابکار
بابا تمھاری بندہ نوازی کے میں نثار
لیجاؤ اپنے ساتھ نجف میں حسینؑ کو

دشمن تو لاکھ اور مرے بھائی کا ایک دم
واں تو کوئی کرے گا نہ سادات پر ستم
بچوں کو ساتھ لیکے وہیں جا پڑیں گے ہم
جھاڑے گی قبر بالوں سے زینب اسیر غم
دن کو تو کربلا کے شہیدوں کو روئیں گے
راتوں کو گرد آپ کی تربت کے سوئیں گے

شہ بولے حکم حق میں نہیں طاقت کلام
ہے ہر بشر کی عقدہ کشائی ہمارا کام
حیدر بھی ہیں سکوت میں اور انبیا تمام
زینبؓ یہی زمیں ہے مرے قتل کا مقام
خنجر قریب زانوئے قاتل قریب ہے
آج امتحان صبر حسین غریب ہے

چاہوں تو ایک دم میں فنا ہوں یہ نابکار
لیکن کیا ہے میں نے غریبی کو اختیار
مظلوم ہو کے مرتا ہے زہرا کا یادگار
تا ہو نجات اُمّتِ محبوبِ کردگار
جو لطف رحم میں ہے نہیں وہ عتاب میں
ہے عاجزی پسند خدا کی جناب میں

کبرا اسیر ہو کہ سکینہ طمانچے کھائے
دوزخ سے دوستوں کو ہمارے خدا بچائے
شیعہ رہا ہوں نار سے عابد گلا بندھائے
خیمہ مرا جلے پہ نہ اُمّت پہ آنچ آئے
دوزخ ہو دور کوثر و جنت قریب ہو
میں ذبح ہوں تو ہوں انھیں راحت نصیب ہو

یہ کہتے تھے کہ ٹوٹ پڑی شہ پہ فوجِ شام
گردن جھکا کے برچھیاں کھانے لگے امام
حربے کئی ہزار اور اک شاہ تشنہ کام
خوں میں قبا رسولؐ کی تر ہو گئی تمام
تیغیں علی کے لال کے شانوں پہ چل گئیں
چھاتی کے پار نیزوں کی نوکیں نکل گئیں

مینہ کی طرح برسنے لگے شاہ دیں پہ تیر
تھرّا رہے تھے لگ کے تنِ نازنیں پہ تیر
دامن پہ تیر جیب پہ تیر آستیں پہ تیر
پہلو پہ تیغ سینے پہ نیزہ جبیں پہ تیر
داغوں سے خون کے رختِ بدن لالہ زار تھا
شکل ضریح سینۂ اقدس فگار تھا

ترتھی لہو میں زلف شکن در شکن جدا
مجروح لعل لب تھے جدا اور دہن جدا
در پے تھے نیزہ باز جدا تیغ زن جدا
کٹ کٹ کے ہو گیا تھا ہر اک عضو تن جدا
سیپارہ تھا نہ صدر فقط اس جناب کا
پرزے ورق ورق تھا خدا کی کتاب کا

کرتا تھا وار برچھیوں والوں کا سب پرا — تیغوں سے دم کے لینے کی فرصت نہ تھی ذرا
نیزوں میں خون نبی کے نواسے کا تھا بھرا — شمشیر و تیر و نیزہ و خنجر کے ماورا
تھیں سختیاں ستم کی شہ خوش خصال پر — چلتے تھے سنگ فاطمہ زہرا کے لال پر

پھیری نہ تھی جو پشت مبارک دمِ مصاف — تھے دو ہزار زخم فقط سر سے تا بناف
سید سے بے وطن سے زمانہ تھا برخلاف — غل تھا کہ آج ہوتا ہے گھر فاطمہ کا صاف
سنبھلا نہ جائے گا خلفِ بوتراب سے — لو وہ قدم حسینؑ کے نکلے رکاب سے

رہوار سے ابھی نہ گرا تھا وہ تشنہ لب — نیزہ کسی کا چل گیا پہلو پہ ہے غضب
دل زخمی ہو گیا تو ہوا روح پر تعب — غش کھا کے صدرِ زیں سے گرے سرورِ عربؐ
پہنچی فلک پہ آہ شہ مشرقین کی — آئی صدا زمین سے ہے ہے حسینؑ کی

بڑھ کر سناں کا ابنِ انس نے کیا جو وار — دامانِ زیں پکڑ کے جھکے شاہ نامدار
دوڑے سنبھالنے کے لیے شاہ ذوالفقار — اس وقت یہ زمیں کو ہوا حکمِ کردگار
بے چین تجھ پہ گر کے نہ یہ دردمند ہو — اے ارضِ کربلائے معلیٰ بلند ہو

اس کے لیے جہاں کو سنوارا ہے اے زمیں — میرے حبیبِ خاص کا پیارا ہے اے زمیں
یہ عرشِ کبریا کا ستارا ہے اے زمیں — ہم اس کے ہیں حسینؑ ہمارا ہے اے زمیں
دولت نبیؐ و فاطمہؑ و مرتضیٰ کی ہے — دامن میں لے اسے یہ امانت خدا کی ہے

ناگہ بلند دامنِ زیں تک ہوئی زمیں — رہوار سے جھکے طرفِ خاک شاہِ دیں
تھاما علیؑ نے بازوئے فرزندِ مہ جبیں — زہراؑ پکاری غش میں ہے احمدؐ کا جانشیں
زخموں میں درد ہو نہ کہیں میرے لال کے — لوگو اتارو گھوڑے سے بازو سنبھال کے

تڑپا اتر کے خاک پہ فرزندِ بوتراب — تیغیں چمکتی دیکھ کے کہتے تھے آب آب
اس وقت شمر سے یہ عمرو نے کیا خطاب — کیا دیر ہے حسینؑ کا سر کاٹ لے شتاب
بیکس پہ کھینچ کھینچ کے خنجر عدو جھکے — ہاتھوں کو ٹیک کر شہِ دیں قبلہ رو جھکے

بارہ تو خنجر ایک گلا وا مصیبتا
غم سے کسی کا دل نہ جلا وا مصیبتا
آیا نہ رحم سینۂ شاہِ شہید پر
رکھنے لگا جو حلق پہ خنجر وہ بد خصال
بیتاب ہوں بتا دے مجھے بہرِ ذوالجلال
بولا وہ مثلِ بید زمیں تھرتھراتی ہی
لڑکی بھی ایک ساتھ ہی پہنے ہوئے گہر
اس دم تڑپ کے کہنے لگے شاہ بحر و بر
خنجر کو ایک دم کے لیے آہ روک لے
گریہ نہ ہو تو خلق پہ خنجر کو جلد پھیر
زینبؑ وہ ہی کہ باپ ہی جس کا خدا کا شیر
غصے سے آستیں کو چڑھانے لگا لعیں
کرتا ہی راویوں میں حمید اس طرح بیاں
آتی تھی شش جہت سے صدا یہ کہ الاماں
کرتا ہی شمر ذبح دو عالم کے شاہ کو
اک بی بی دوڑی آتی تھی رن میں بہ اضطراب
گرد اس کے تھا رداکے سوا نور کا حجاب
تھی آگے آگے چادرِ عصمت رکی ہوئی
خانی نظر پڑا جو اسے ذوالجناح شاہ
ہی ہی گرا زمیں پہ شہِ عرش بارگاہ
دیکھی جو اس نے تیغ گلے پر امامؑ کے

سیدؐ پہ یہ بلا پہ بلا وا مصیبتا
ان سب کے بعد شمر چلا وا مصیبتا
زانو رکھا شقی نے کلام مجید پر
اس وقت غش سے چونک کے بولا علیؑ کا لال
بی بی تو کون نکلی نہیں کھولے سر کے بال
کوئی تو پیٹتی ہوئی خیمے سے آتی ہی
کہتی ہی زلفیں نوچ کے ہی ہی مرے پدر
ای شمر اس کے سامنے مجھ کو نہ ذبح کر
یہ خوں بھری عبا مری للہ روک لے
لپٹے گی وہ حسین سے آ کر ہوئی جو دیر
اس دم لیا قساوت قلبی نے اس کو گھیر
خنجر گلوئے شہ پہ پھرانے لگا لعیں
ہنگام ذبح تیرہ و تاریک تھا جہاں
غل تھا کہ اب زمین پہ گرتا ہی آسماں
حضرت پکارتے ہیں رسالت پناہ کو
مونہ تو پاؤں میں رخ پر نور پر نقاب
پیدا یہ تھا کہ ابر میں پنہاں ہی آفتاب
بکھرے تھے سر کے بال کمر تھی جھکی ہوئی
چلائی سر کو پیٹ کے میں ہو گئی تباہ
ای کربلا کدھر ہی محمدؐ کا رشکِ ماہ
ریتی پہ گر پڑی وہ کلیجے کو تھام کے

چلائی اُٹھ کے خاک سے نانا مدد کو آؤ
اماں خدا کے واسطے تشریف جلد لاؤ
ہے ہے کوئی نہیں جو سنبھالے حسین کو
اے ذوالجناح سبطِ نبی ہیں ترے نثار
قاتل ترے سوار کی چھاتی پہ ہے سوار
میں بنت فاطمہ ہوں جو بھائی کو پاؤنگی
فریاد کر کے رہ گئی وہ سوختہ جگر
چلاتی تھی بتولؑ کہ ہے ہے مرا پسر
کب دیکھیے کہ لاش غریب الوطن اُٹھے
ہردم رہے انیسؔ زباں پر خدا خدا
دلداری و محبت و دلجوئی و وفا
گستاخ ہو کے عرض کیا ہے معاف ہو

بھائی مرا ہے تیغ تلے یا علی بچاؤ
یا مجتبیٰ حسینؑ کو آغوش میں اُٹھاؤ
اے ذوالجناح تو ہی بچالے حسینؑ کو
بچپن سے میرے بھائی نے تجھ کو کیا ہے پیار
تیرے سوا نہیں کوئی اس وقت غمگسار
تیرے سموں کو آنکھوں سے اپنے لگاؤنگی
یاں تن سے کٹ گیا پسرِ فاطمہ کا سر
کہتے تھے مصطفےٰ کہ لٹا مرتضا کا گھر
شبیر کیا جہاں سے اُٹھے پنجتن اُٹھے
بجز جہاں میں کون کسی کا ہے آشنا
معدوم ہے بصورتِ رعنا و کیمیا
ہم نے تو ایک دل کو نہ دیکھا کہ صاف ہو

رُباعی

گلشن میں صبا کو جستجو تیری ہے
ہر رنگ میں جلوہ ہے تری قدرت کا

بلبل کی زباں پہ گفتگو تیری ہے
جس پھول کو سونگھتا ہوں بو تیری ہے

مرثیہ (۲۳)

کیا بحر ہی وہ بحر کنارا نہیں جس کا
کیا رنج ہی وہ رنج کہ یارا نہیں جس کا
کیا دُکھ ہی قلق دِل کو گوارا نہیں جس کا
کس تیغ کا ہی زخم کہ چارا نہیں جس کا
صابر بھی تڑپتے ہیں وہ کیا رنج والم ہی
اِک داغ ہی اولاد کا اک بھائی کا غم ہی

دشمن سے بھی دنیا میں برادر نہ جدا ہو
لشکر کی جو زینت ہو وہ صفدر نہ جدا ہو
جاں تن سے نکل جائے پہ دلبر نہ جدا ہو
وابستہ ہو دم جس سے وہ دم بھر نہ جدا ہو
دولت ہی بڑی بیٹے کا اور بھائی کا جینا
انساں کے لیے موت ہی تنہائی کا جینا

بیکار ہی وہ ہاتھ کہ بازو نہیں جس کا
کیا صبر کرے قلب پہ قابو نہیں جس کا
کون اُس کا ہی پھر زینتِ پہلو نہیں جس کا
ہستی کا چمن خار ہی گلرو نہیں جس کا
جب صرفِ خزاں گلشنِ اولاد کو دیکھے
برچھی اسے لگتی ہی جو شمشاد کو دیکھے

ہر غم سے زمانہ میں فزوں تر ہیں یہ دو غم
سو داغ کے سو غم کے برابر ہیں یہ دو غم
کٹتا ہی جگر جس سے وہ خنجر ہیں یہ دو غم
موت اس کی ہی جس شخص کے دلبر ہیں یہ دو غم
سب دُکھ ہوں پہ خالق یہ جدائی نہ دکھائے
داغ اپنا کسی بھائی کو بھائی نہ دکھائے

ہوتا ہی بہت نیک پسر باپ کو پیارا
پیری کا عصا گھر کا چراغ آنکھوں کا تارا
کر دیتا ہی یہ داغ کلیجہ کو دو پارا
بھائی ہی مگر زیست کا بھائی کی سہارا
مر جائے پسر تو ہی پھر امید پسر کی
بھائی نہ جدا ہو کہ نشانی ہی پدر کی

جس شخص پہ یہ رنج والم ہو وہی جانے
دِل جس کا تہِ تیغ دو دم ہو وہی جانے
تیغوں سے چمن جس کا قلم ہو وہی جانے
جس درد رسیدہ کو یہ غم ہو وہی جانے
مظلوم سے باعث نفس سرد کا پوچھو
گر پوچھو تو بسمل سے مزا درد کا پوچھو

حضرت نے یہ دو داغ سہے دل پہ برابر — اک فرقتِ عباسؑ اور اک رحلتِ اکبرؑ
بھائی بھی وہ بھائی کہ جو تھا ثانیِ حیدرؑ — فرزند وہ فرزند کہ تصویرِ پیمبرؐ
آنکھوں سے نہاں چاہنے والے ہوئے دونوں — محبوب جواں گود کے پالے ہوئے دونوں
بھائی کو وہ اب نہر پہ روئیں کہ پسر کو — ٹوٹے ہوئے بازو کو سنبھالیں کہ جگر کو
توڑا ہے علمدار کے ماتم نے کمر کو — چھوڑا ہے جواں بیٹے نے پیری میں پدر کو
فوجِ غم و اندوہ میں شبیر گھرے ہیں — اک جان پہ دو کوہِ الم ساتھ گرے ہیں

دو آفتیں بالائے سر آئی ہیں غضب ہے — دو تیغیں جگر تک اتر آئی ہیں غضب ہے
دو برچھیاں اک دل میں در آئی ہیں غضب ہے — دو پیاروں کی لاشیں نظر آئی ہیں غضب ہے
جینا غمِ جانکاہ میں مشکل ہے بشر کا — پتھر کا کلیجہ تو نہیں دل ہے بشر کا
ہیں خاک نشیں زیرِ علم حضرتِ شبیرؑ — اور سامنے ہے خوں میں بھری بیٹے کی تصویر
وارث کو سنبھالے ہوئے ہے بانوئے دلگیر — جب پیٹتے ہیں ہاتھ پکڑ لیتی ہے ہمشیر
فرماتے ہیں صدمے ہیں بڑے بھائی کے غم کے — للہ تڑپنے دو ہمیں گردِ علم کے

تقدیر نے بھائی کو مرے ہاتھ سے کھویا — رونے دو کہ جی بھر کے ابھی میں نہیں رویا
وہ شیر ترائی میں مجھے چھوڑ کے سویا — سر پر سے مرے آج علی اٹھ گئے گویا
ہے داغ بڑا بھائی کے مر جانے کا مجھ کو — کیوں روکتی ہو چین نہیں آنے کا مجھ کو
عاشق مرے بچپن کا سدھارا میں نہ روؤں — اعدا نے مرے شیر کو مارا میں نہ روؤں
آنکھوں سے نہاں ہو گیا تارا میں نہ روؤں — لوٹا گیا لشکر مرا سارا میں نہ روؤں
پھٹ جائے جگر جس کا وہ نے پر نہیں روتا — کیا بھائی کے ماتم میں برادر نہیں روتا
مرتا میں تو کیا مجھ کو نہ روتا مرا بھائی — جیتا جو مرے مرنے میں ہوتا مرا بھائی
ماتم میں مرے جان کو کھوتا مرا بھائی — پہلو میں مری لاش کے سوتا مرا بھائی
خوں اس کا بہا چشم کو پُرنم نہ کروں میں — ہے ہے یہ غم ایسا ہے کہ ماتم نہ کروں میں

منہ رونے کو ڈھانپو صفِ ماتم کو بچھاؤ
پرسا مجھے دو بین کرو خاک اڑاؤ
بھابی سے کہو زیرِ علم رونے کو آؤ
مجھ تک کوئی عباس کے فرزند کو لاؤ
اب منہ سے نکلتا ہے کلیجہ مرا پھٹ کر
روئے گا حسین اپنے بھتیجے سے لپٹ کر

غش ہوگئے کہکر یہ سخن حضرتِ شبیرؑ
ہوش آیا تو چپکے سے یہ کہنے لگی ہمشیر
قربان گئی دیکھ کے حال آپ کا تغیر
فرزند کو روسکتی نہیں بانوئے دلگیر
تصویر سی پاس آپکے حیرت میں کھڑی ہے
تنہا علیؑ اکبر کی مرے لاش پڑی ہے

دل ماں کا ہے کس طرح کلیجے کو سنبھالے
مرجائے وہ اٹھارہ برس تک جسے پالے
پر ابھی تو اسے آپکے جینے کے ہیں لالے
کہتی ہے خدا کو کہو زہرا کی بچالے
جو سمجھی ہے بیجا نہیں واللہ بجا ہے
وارث کا غم اولاد کے ماتم سے سوا ہے

عباسؑ کو روتے ہیں جو آپ ای شہِ ابرار
بیتاب ہے بسمل کی طرح وہ جگر افگار
فرزند کے لاشے کو بھی دیکھا نہیں زنہار
ہے لب پہ یہی ہائے علمدار علمدار
کہتی ہے غش آتے ہیں شہِ جن و بشر کو
تھاموا انھیں لوگو میں نہ روؤنگی پسر کو

بانو کی طرف دیکھ کے کہنے لگے سرور
لے آئے کوئی زیرِ علم لاشۂ اکبرؑ
کلثومؑ کے ہمراہ اُٹھیں زینبؑ مضطر
نزدیک علم لاکے رکھی لاش زمیں پر
حضرت نے کہا اب مرے دلبند کو روؤ
عباسؑ کو بس روچکیں فرزند کو روؤ

آغوش میں لو لاش جواں بیٹے کی بانو
پھر پاؤگی تصویر کہاں بیٹے کی بانو
ہوجائے گی اب شکل نہاں بیٹے کی بانو
بس آخری رخصت ہے یہ ماں بیٹے کی بانو
کس پیاس میں تنہا یہ ہزاروں سے لڑے ہیں
کس شان سے چھاتی پہ سناں کھا کے پڑے ہیں

دل کھول کے رو لو کہ یہ اولاد کا غم ہے
بانو تمہیں روحِ علی اکبرؑ کی قسم ہے
مظلوم کا ماتم ہے یہ بیکس کا الم ہے
ہم بھی انھیں رولیویں کہ وقفہ کوئی دم ہے
کیونکر انھیں یہ تشنہ دہاں باپ نہ روئے
دادی سے کہیں گے ہمیں ماں باپ نہ روئے

مجبوب ہی ان سے پدر بیکس ونے پر
لیجائیں کہاں لاشۂ ہمشکلِ پیمبرؐ
تابوت بھی اٹھوا نہیں سکتا پدر اُن کا
یہ کہتے ہی حضرت پہ جو رقت ہوئی طاری
فرزند کا منھ کھول کے بانوؓ یہ پکاری
رونے بھی نہ دیتے تھے سو جی کھوتے ہیں شبیرؑ
بس سو چکے اُٹھو علی اکبرؑ علی اکبرؑ
کیا ہو گیا تم کو علی اکبرؑ علی اکبرؑ
غفلت تمھیں ایسی ہی کہ کروٹ نہیں لیتے
بیٹا علی اکبرؑ مجھے ماں کہہ کے پکارو
واری میں پریشان ہوں گیسو تو سنوارو
دن ڈھل گیا اب کون سے سونے کا محل ہی
صدقے گئی سنتے نہیں شاید مرا رونا
اُٹھو تو بچھا دیوے یہ ماں نرم بچھونا
ہی فرش کی جا خاک تنِ زار کے نیچے
ایسی تو نہ غافل تھی کبھی نیند تمہاری
اب سوتے ہو اور گرد ہی یہ گریہ و زاری
پردیس میں برباد مجھے کر گئے بیٹا
اب گھر میں مرے کس کی دلہن آئے گی اکبرؑ
تصویر یہ اب آنکھوں سے چھپ جائے گی اکبرؑ
معلوم نہ تھا یہ کہ جواں ہو کے مروگے

دو روز کے پیاسے مرے گھر سے گئے اکبرؑ
سامان کفن کا ہی نہ ہی قبر میسر
کس عالمِ غربت میں ہوا ہی سفر اُن کا
منھ رکھ دیا چھاتی پہ پسر کی کئی باری
اُٹھتے نہیں تم باپ کے سمجھانے کو واری
صدقے گئی تم سوتے ہو اور روتے ہیں شبیرؑ
آواز مجھے دو علی اکبرؑ علی اکبرؑ
ہی ہی مرے کم گو علی اکبرؑ علی اکبرؑ
نیند آج یہ کیسی ہی کہ کروٹ نہیں لیتے
ہتھیار سجو باپ کے ہمراہ سدھارو
مر جائے گی ماں ہاتھ تو سینے سے اُتارو
یہ نیند جوانی کی ہی یا خواب اجل ہی
بازو میں ہلاتی ہوں خفا مجھ سے نہ ہونا
اب چونکو میں صدقے گئی پھر چین سے سونا
تکیہ تو دھرو چاند سے رخسار کے نیچے
گر بولتا تھا کوئی تو چونک اُٹھتے تھے واری
کیونکر تمھیں چونکائے یہ ماں درد کی ماری
معلوم یہ ہوتا ہی کہ تم مر گئے بیٹا
ماں بیاہ کا جوڑا کسے پہنائے گی اکبرؑ
زہرا کی بہو تم کو کہاں پائے گی اکبرؑ
چھوڑا ہمیں اب قبر کو آباد کروگے

کیا شکل یہ اے غنچہ دہاں ماں کو دکھائی

تم نے نہ دُلہن اے مری جاں ماں کو دکھائی

دادی کی ملاقات کے شایق ہوے بیٹا

اب سوؤ گے مٹی کے تلے اے علی اکبرؑ

دنیا میں نہ پھولے نہ پھلے اے علی اکبرؑ

برچھی لگی یہ نخل تمنا میں پھل آیا

ہے ہے مرے ارمان بھرے پیاس کے مارے

اِس دارِ فنا سے مری جان تم تو سدھارے

ساتھ اپنے مزا زیست کا لیتے گئے واری

یاں حشر بپا تھا کہ پکارے کئی خونخوار

بس رو چکے اب جنگ کو آئیں شہِ ابرار

گر روکتی ہیں بی بیاں زہرا کے پسر کو

اُٹھے یہ صدا سن کے شہِ صابر و شاکر

بانو کو سنایا کہ خدا حافظ و ناصر

اب دیر کا موقع نہیں حاکم کی طلب ہے

کفار ہیں وہ نے ادبی اُن سے نہیں دور

یاں آنے کا لے نام کسی کا تھا یہ مقدور

سُنتا یہ سخن صاحبِ شمشیر ہمارا

ہر بی بی کا رنگ اُڑ گیا سنتے ہی یہ تقریر

سر پیٹ کے ہاتھوں سے گری خاک پہ ہمشیر

گودی سے رکھا خاک پہ دلبند کا لاشہ

کلی ہوئی ہونٹوں پہ زباں ماں کو دکھائی

ایام بہاری میں خزاں ماں کو دکھائی

موت آگئی جب بیاہ کے لایق ہوئے بیٹا

اماں کی مرادوں کے پلے اے علی اکبرؑ

سبزے کے نکلتے ہی چلے اے علی اکبرؑ

خط بھی نہ بھرا تھا کہ پیامِ اجل آیا

ہے ہے مری پیری کے عصا آنکھوں کے تارے

اب کون اُٹھائے گا جنازے کو ہمارے

ہے ہے مجھے مٹی بھی نہ دیتے گئے واری

ہیں دیر سے مقتل میں صفیں فوج کی تیار

ہو جائے نہ بے پردگی عترتِ اطہار

ہم آکے وہیں کاٹیں گے شبیرؑ کے سر کو

زینبؑ سے کہا لاؤ بہن خلعتِ آخر

بیٹی سے کہا ہوتا ہے رخصت یہ مسافر

نامحرم اگر خیمے میں آئے تو غضب ہے

ہے آلِ محمدؐ کی تباہی انھیں منظور

عباسؑ کے مرجانے سے ہم ہو گئے مجبور

جو چاہیں کہیں قتل ہوا شیر ہمارا

ثابت ہوا سب پر کہ چلے مرنے کو شبیرؑ

اکبرؑ کا بھی غم بھول گئی بانوئے دلگیر

سر ننگے اُٹھی چھوڑ کے فرزند کا لاشہ

گر کر قدمِ شہ پہ کہا ای شہِ عالی
سر پر مرے کیسی یہ بلا چرخ نے ڈالی
کی موت نے لونڈی کی بھری گود تو خالی
چھوڑو نہ مجھے اے مرے آقا مرے والی
وارث شہِ والا کے سوا کوئی نہیں ہے
میں غیر ہوں اس گھر میں مرا کوئی نہیں ہے

اکبار جو تکلیف اسیری کی اُٹھائی
تقدیر مری گھر میں علیؑ کے مجھے لائی
زہرا کی بہو جانتی ہے ساری خدائی
جس دن سے ہوا وصل نہ دیکھی تھی جدائی
اِن قدموں سے چھوٹی تو کدھر جائے گی بانو
اب کی جو ہوئی قید تو مر جائے گی بانو

بچوں کا ہے ساتھ اے مرے سیدؑ مرے سرور
اک لال ہے بیمار تو اک رانڈ ہے دختر
فرقت میں سکینہؑ کو قرار آئے گا کیونکر
اس چاند سی چھاتی پہ وہ سونے کی ہے خوگر
نادان ہے مچلی تو سنبھلنے کی نہیں یہ
صدقے گئی لونڈی سے تو ملنے کی نہیں ہے

حضرت نے کہا سب کا مددگار خدا ہے
حمد اور پرستش کا سزا وار خدا ہے
ہم لوگ تو مجبور ہیں مختار خدا ہے
چھن جائے ردا سر سے تو ستار خدا ہے
اولادِ علیؑ عقدہ کشائی کے لیے ہے
یہ قید تو امتؑ کی رہائی کے لیے ہے

میں کون ہوں جس کے لیے یہ گریہ وزاری
مظلوم غریب الغربا بندۂ باری
یہ فیض اسی کا تھا مرے ہاتھ سے جاری
وارث وہی مالک وہی عزت کا تمھاری
عورت کا رنڈاپا بھی گزر جاتا ہے صاحب
شوہر کے لیے کیا کوئی مر جاتا ہے صاحب

دنیا میں اسیری کی بلا سخت ہے ہر چند
لازم ہے رہو سلسلۂ صبر کی پابند
مر جاتے ہیں جو چھوڑ کے اپنے زن و فرزند
ملتے نہیں کیا خلق میں ان لوگوں کے دلبند
کر دیتا ہے آسان ہر اک رنج و محن کو
کچھ دور نہیں دیکھ لو اولادِ حسنؑ کو

کیا غم تھا فرزندوں کی جب اُٹھ گئے بھائی
پروان چڑھے پرورش اس لطف سے پائی
قاسمؑ کو کوئی روک سکا جب اجل آئی
وہ آج لٹی چھوڑ گئے تھے جو کمائی
شادی نہیں رہتی ہے سدا غم نہیں رہتا
دنیا کا کبھی ایک سا عالم نہیں رہتا

سجاد ہو کبرا ہو سکینہ ہو کہ صغرا
ہو گا وہی جو جس کے مقدر میں ہی لکھا
جلدی میں وصیت کے سخن ہو نہیں سکتے
جیتا ہی ہمیشہ کوئی اس دارِ محن میں
ہی آج بہار اور خزاں کل ہی چمن میں
ہر شام کو دس بیس چراغ سحری ہیں
جاری ہی سدا حکم تغیری و بحالی
گھر ہوتا ہی آباد کوئی اور کوئی خالی
آباد کوئی ہوتا ہی لُٹ جاتا ہی کوئی
اس باغ میں بے زر ہی کوئی اور کوئی زردار
آزاد ہی گر سرو تو قمری ہی گرفتار
اشکوں سے رُخِ گل کو سدا دھوتی ہی شبنم
شادی ہی کسی شخص کو غم کھاتا ہی کوئی
آتا ہی جہاں میں کوئی اور جاتا ہی کوئی
گر غور سے دیکھا تو بھروسا نہیں دم کا
گہ تختۂ تابوت ہی گہ مسندِ شاہی
بس خیر ہی جب تک کہ رہے فضلِ الٰہی
سلطان بھی کفن کے لیے محتاج ہوئے ہیں
آرام کی جاگہ نہیں یہ غم کدۂ دہر
ویراں وہ نظر آتے ہیں آباد تھے جو شہر
زندہ ہی اگر آج بھروسا نہیں کل کا

بندے ہیں سب اس کے وہی مختار ہی سب کا
ہمشکل نبی مر گئے تب ہم نے کیا کیا
فرزند جواں مر گیا ہم رو نہیں سکتے
یہ روح ہی مہماں کوئی دن خانۂ تن میں
ہم سے بہت ایسے ہیں کہ سوتے ہیں کفن میں
ہر صبح کو دس آتے ہیں اور دس سفری ہیں
موہوم ہی جاہ و حشمِ ملکی و مالی
ہو جاتی ہی عورت کوئی بے وارث و والی
پھنستا ہی کوئی قید میں چھٹ جاتا ہی کوئی
صحت سے کوئی صورتِ نرگس کوئی بیمار
گُل ہیں جو چمن میں کسی جاگہ تو کہیں خار
غنچے تو ہنسے دیتے ہیں اور روتی ہی شبنم
خلعت کوئی پاتا ہی کفن پاتا ہی کوئی
کھِلتا ہی کوئی پھول تو مُرجھاتا ہی کوئی
دُنیا بھی مرقع ہی عجب شادی و غم کا
اِک آتا ہی دنیا میں تو اک ہوتا ہی راہی
کچھ بن نہیں پڑتا ہی جو آتی ہی تباہی
لاکھوں گھر اسی طرح سے تاراج ہوئے ہیں
گھر سیکڑوں ڈوبے ہیں یہ دریا ہی وہ پر قہر
تب ہی یہ دنیا ہی مسافر کے لیے زہر
چکھے گا ہر اک ذائقہ تلخی اجل کا

تھرائے نہ کس طرح مسافر کا تنِ زار
نہ راحلہ نہ زاد نہ رہبر نہ مددگار
وہ جرم کی پرسش وہ نکیرین کی گفتار
وہ قبر کی وحشت وہ غریبی وہ شبِ تار
غفلت ہے اسے موت کا دھڑکا نہیں جس کو
درپیش ہے وہ راہ کہ دیکھا نہیں جس کو

کام آئیں گے تربت میں نہ ازواج نہ اطفال
نہ ملک نہ جاگیر نہ منصب نہ زر و مال
وہ کیا ہیں کہ جز ساتھ نہ چھوڑیں گے بہر حال
اعمال ہیں اعمال ہیں اعمال ہیں اعمال ہیں
ہمدرد بجز بیکسی و یاس نہ ہوگا
سوئیں گے لحد میں تو کوئی پاس نہ ہوگا

سب جیتے ہی جی تک ہیں پدر ہوں کہ فرزند
ہر شخص پہ کھل جائے گا جب آنکھ ہوئی بند
کیا رشتہ پھر اُس سے جو ہوا خاک کا پیوند
پر ہم سے تو پہلے ہی جدا ہو گئے دلبند
کیا قبر میں ہوئے گا خبر آہ نہیں ہے
زندہ ہیں ابھی اور کوئی ہمراہ نہیں ہے

فرما کے یہ شبیر کو رقت بہت آئی
گردان کے دامانِ قبا لاش اُٹھائی
اِک غل جو ہوا لٹتی ہے زہرا کی کمائی
غش ہو گئی مخدومۂ کونین کی جائی
سمجھا کے ہر اک اڈہ کو آقا نکل آئے
لاشہ لیے باہر شہِ والا نکل آئے

دو گام چلے تھے کہ ہوئی تیروں کی بوچھار
میت پہ بھی پیکانِ ستم لگ گئے دو چار
فرزند کے لاشے سے یہ بولے شہِ ابرار
ورثہ تمھیں عمو کا ملا اے مرے دلدار
عادی ہیں لڑکپن سے ہم اس رنج و محن کے
مارے تھے یونہی تیر جنازے پہ حسن کے

یہ کہتے ہوئے لاش کو مقتل میں جو لائے
میت کو رکھا خاک پہ اور اشک بہائے
چلائے کہ ہے گرم زمیں اے مرے جائے
بتلاؤ پدر کون سی جا تم کو سلائے
فرمایا کہ لایا ہوں چھڑا کر اسے ماں سے
اے خاک خبردار مرے راحتِ جاں سے

برباد نہ کیجو یہ بضاعت ہے ہماری
راحت اسے دیجو کہ یہ رحمت ہے ہماری
اے ارضِ مقدس یہ امانت ہے ہماری
اٹھارہ برس کی یہی دولت ہے ہماری
تربت کی جگہ چاہیے بیجان کی خاطر
خاطر سے مری کیجو مہمان کی خاطر

سب گھر ترا ہو جائے گا اُس چاند سے روشن
لو چلتی ہے اس دھوپ میں عریاں نہ رہے تن
شیریں سخن و گلبدن و غنچہ دہن ہے
ہاتھ آئے گا ایسا نہ تجھے پھر گہر پاک
رُتبے کو ترے دیکھ کے جھک جائیں گے افلاک
اعجازِ مسیحا کے نظر آئیں گے تجھ سے
شبیرؑ کے سینے کا مکیں تجھ کو ملا ہے
اے خاک عجب دُرِ ثمیں تجھ کو ملا ہے
جیتا اسے قسمت نے نہ پھیرا مرے گھر میں
سُن سُن کے یہ پردرد کلامِ شہِ ابرار
پیدا ہوئی آواز کہ اے خلق کے سردار
یوں رکھونگی آرام سے اس نورِ نظر کو
ہے فخر کی جا آپ کا لال اور مرا گھر
ہے ہے صدفِ قبر کہاں اور یہ گوہر
لیتی عوض اس قتل کا بیدادگروں سے
گر جانتی دنیا میں کبھی آئے گا یہ دن
حیدر ہوئے اگر مرے ہر امر کے ضامن
زہرا کا پسر پانی سے محروم رہے گا
سب جانتے ہیں نوح کی اُمّت کی تباہی
سب دیتے ہیں حضرت کی غریبی پہ گواہی
برباد یہ ناری ہوں تو کچھ دور نہیں ہے

بن جائے گا صحرائے بلا وادیِ ایمن
اے دشت پر آشوب اُڑھا لے اسے دامن
لازم ہے ترحم کہ یہ محتاج کفن ہے
رشتہ میں یہ اُس کے ہے جو ہے سیدِ لولاک
اب آنکھوں پہ رکھیں گے ملائک تجھے اے خاک
بیمار زمانے کے شفا پائیں گے تجھ سے
فرزندِ شہِ عرش نشیں تجھ کو ملا ہے
خاتم کا سلیماں کے نگیں تجھ کو ملا ہے
رونق ترے گھر میں ہے اندھیرا مرے گھر میں
کہتے ہیں کہ مقتل کی زمیں ہل گئی اکبار
لال آپ کا یاں سوئے رہے طالعِ بیدار
ماں چھاتی پہ جس طرح سلاتی ہے پسر کو
مولا کبھی بیچین نہ ہونگے علی اکبر
اب تک تو الٹ جاتی میں یا سبطِ پیمبر
جبریلِ امیں نے مجھے روکا ہے پروں سے
زنہار نہ پانی پہ کبھی ہوتی میں ساکن
ہے ہے نہ اس آفت کی خبر تھی مجھے لیکن
خون مجھ پہ محمد کے نواسے کا بہے گا
طوفان ہوا امداد جو اللہ سے چاہی
مجبور ہوں میں اے پسرِ شیرِ الٰہی
ثابت ہوا حضرت ہی کو منظور نہیں ہے

کروٹ میں اگر لوں تو ابھی زلزلہ آجائے
شق ہوں تو ابھی مجھ میں یہ سب فوج سما جائے
ایک ایک کو ہر غار دہن کھول کے کھا جائے
اعدا کا پرا قعر جہنم میں چلا جائے
طوق آتش سوزاں کے ہوں اور ان کے گلے میں
قاروں کا خزانہ تو ہو اوپر یہ تلے ہوں

حضرت نے کہا بندہ یہ ہے فضل الٰہی
سب حکم میں ہیں ماہ سے تا مسکن ماہی
میری نہ فقیری نہ کسی اور کی شاہی
ہاں ہاں نہ مجھے منظور نہیں ان کی تباہی
مہلت ابھی دے تو انھیں گو بے ادبی کی
وہ نوح کی اُمت تھی یہ اُمت ہے نبیؐ کی

یہ کہکے فرس تک گئے غمگین و المناک
کچھ عرض کو تب آئی ہوا اُڑنے لگی خاک
حضرت سے کہا اے پسر سید لولاک
ہو حکم تو اس فوج کا قصہ ہی کروں پاک
تن روح سے خالی ہوں دہن خاک سے بھر جائیں
آندھی ابھی یوں آئے کہ ٹکرا کے یہ مر جائیں

بھر کر نفس سرد یہ بولے شہ ذی جاہ
پانی یہ ندیں میں تو ہوں ان سب کا ہوا خواہ
ان ناریوں نے خاک کیا گھر کو مرے آہ
برباد ہو اُمت یہ گوارا نہیں واللہ
مشکل نہیں کچھ سہل ہے سب راہ خدا میں
کھائیں گے ہمیں برچھیاں اس گرم ہوا میں

یہ کہہ کے ہوئے جلوہ نما خانۂ زیں پر
خاتم پہ نگیں جیسے ہو اور نقش نگیں پر
پرتو سے بچھی چادر مہتاب زمیں پر
بوسہ دیا نصرت نے رکاب شہ دیں پر
جبرئیل و سرافیل سپر داری کو آئے
اقبال و حشم غاشیہ برداری کو آئے

ہمت یہ پکاری کہ زہے عزم زہے شان
ہاں ابن ید اللہ ترے ہاتھ ہے میدان
چلائے علیؑ واہ یہ جرأت ہے مری جان
زہرا نے صدا دی تری تنہائی کے قربان
گھوڑے پہ شہادت کے ہو تم تو تگ و دو میں
محبوب خدا ساتھ ہیں سر ننگے جلو میں

پیشانی پُر نور سے تھا رن میں اُجالا
رُخ اور خط رخسار یہ مہتاب و ہالا
ابرو ہیں کہ ہے تیز سروہی کا ہے مالا
پلکیں نہیں جھپکیں یہ ہے لشکر تہ و بالا
دیکھے سے نہ کیوں ہوش اڑیں اہل حسد کے
آنکھیں تو ہیں آہو کی یہ تیور ہیں اسد کے

جلتے رہیں کیونکر نہ مہ و خور سحر و شام
ہے حسن کی آتش سے بھبھوکا رُخِ گلفام
خال اور خط شبیرؑ وہ دانہ ہے تو یہ دام
ہے سب دلِ عالم کی اسیری کا سرانجام
بینی کو تو دیکھو کہ عجب شوکت و شاں ہے
شبیرؑ کے یہ حسن کے لشکر کا نشاں ہے

یک جا جو مناسب نہ تھے دو مردمِ بیمار
صانع نے اُٹھائی ہے عجب نور کی دیوار
اک شاخ سے یا دو گلِ بادام ہیں اظہار
یا یہ الفِ ماہ دو ہفتہ ہے نمودار
خوشبوئے گلستانِ ارم اس میں بھری ہے
گویا ورقِ زر پہ کلی گُل کی دھری ہے

آتی ہے ثنائے دُرِ دنداں جو زباں پر
تقریر کے رشتہ میں پروتا ہوں میں گوہر
ہیرے کے نگیں ان سے ہوں کس طرح برابر
یہ بحرِ شرافت کے ہیں موتی تو وہ پتھر
ہنسنے میں جو پڑ جاتا ہے عکس ان کا فلک پر
بجلی بھی تڑپ جاتی ہے دانتوں کی چمک پر

دل کو ان ساگردن کی صفا پر نہیں قرباں
مہتاب کو ہے جس کے گلے ملنے کا ارماں
گویا کہ ہلالِ شبِ اوّل ہے گریباں
شانوں سے نشانِ اسدِ حق ہے نمایاں
حیراں ہے نظر دوشِ مبارک پہ کماں ہے
یا قوس میں خورشیدِ جہانتاب نہاں ہے

ہیں بازوئے شبیرؑ کہ شاخِ شجرِ حسن
پڑتی ہے سدا نور پہ جن کے نظرِ حسن
گھر حُسن کا سینہ ہے تو شانے ہیں درِ حسن
طالع ہے کفِ دست سے مہرِ سحرِ حسن
ان ہاتھوں سے ہم دستِ کفِ حور نہیں ہے
خورشید کے پنجے میں بھی یہ نور نہیں ہے

شمشاد سے بالا قد بالائے مبارک
درپیش ہے اب وصفِ قدم ہائے مبارک
تعویذِ شفا نقشِ کفِ پائے مبارک
جس جا گزر ان کا ہو وہ ہے جائے مبارک
واں آتے ہیں سجدے کو ملک عرشِ بریں کے
احساں یہ انھیں پاؤں کے ہیں سر پہ زمیں کے

جب ظہر تلک لُٹ گئی سرکارِ حسینی
راہی سوئے جنت ہوئے انصارِ حسینی
خالی رفقا سے ہوا دربارِ حسینی
مارا گیا دریا پہ علمدارِ حسینی
نہ مونس و یاور نہ مددگار تھا کوئی
ہمراہ نہ پیدل تھا نہ اسوار تھا کوئی

اس وقت بھی مولا پہ عجب شوکت و شاں تھی
تصویر غم و درد سراپا سے عیاں تھی
منھ زرد تھا نیلے تھے لب اور خشک زباں تھی
تھرائے ہوئے ہاتھوں میں گھوڑے کی عناں تھی
نسبت ہی مہ نو سے قد راست کے خم کو
آنکھوں سے رکابوں نے سنبھالا ہی قدم کو

لپٹے تھے جو لاشے سے پسر کے کئی باری
خون علی اکبر سے قبا سرخ تھی ساری
تھا گھوڑے پہ اس رنگ سے وہ عاشق باری
جس طرح سے جائے کسی دولھا کی سواری
معلوم یہ ہوتا تھا کہ بچھڑے ہیں دلہن سے
آجاتی ہی پھولوں کی مہک صاف بدن سے

افروختہ تھا چہرۂ نورانی شبیرؑ
روشن تھی رخ مہر سے پیشانی شبیرؑ
زلفوں سے نمایاں تھی پریشانی شبیرؑ
تھراتے تھے سب سن کے رجز خوانی شبیرؑ
نعرہ تھا کہ میں نام و نشان اب وجد ہوں
روباہ ہیں سب میں اسد حق کا اسد ہوں

دو نور کے دریا جو ملاقی ہوئے اک بار
پیدا کیا اللہ نے مجھ سا در شہوار
وہ شمس و قمر عرش خدا کے ہیں جو سیار
ہیں جن کی ضیا سے مہ و خور مطلع انوار
روشن ہی شرف خلق پہ جن دونوں کے گھر کا
میں اختر تابندہ ہوں ان شمس و قمر کا

وہ نخل کہ جس نخل کی ہی اصل نبوت
وہ نخل کہ جس نخل کی ہی فرع ولایت
وہ نخل کہ جس نخل کی شاخیں ہیں امامت
وہ نخل کہ جس نخل کے سایہ میں ہی جنت
میوہ بھی اسی کا ہوں اسی کا گل تر ہوں
شیعہ مرے برگ اس کے ہیں میں اس کا ثمر ہوں

میں عطر گل سر سبد باغ جہاں ہوں
پانی ہو دل سنگ وہ اعجاز بیاں ہوں
کاذب نہیں میں مخبر صادق کی زباں ہوں
کوثر کا تو مختار ہوں پر تشنہ دہاں ہوں
سب کے لیے رحمت ہوں عنایت ہوں خدا کی
کھوؤ نہ مجھے تم میں امانت ہوں خدا کی

زہرا مری مادر ہی مرا باپ علیؑ ہی
احمد کا بھی وہ دوست خدا کا بھی ولی ہی
فرزند یہ اللہ شجاع ازلی ہی
یہ تیغ وہ ہی جو سر مرحب پہ چلی ہی
کیا منھ ہی جو وار اس کا رکے فوج ستم سے
جبریل کے پر جلتے ہیں اس برق دو دم سے

دعوے ہو جسے تیغِ شرربار کو روکے
ضربِ خلفِ حیدرِ کرّار کو روکے
ہاں بڑھ کے کوئی ڈھال پہ تلوار کو روکے
بجلی کو وہ روکے جو مرے وار کو روکے
گردون پہ نہ ٹھہرے گی زمیں سے نہ رُکے گی
تم کیا ہو پر روح امیں سے نہ رُکے گی

لو تیغِ شرربار نکلتی ہے خبردار
لو ضرب مری فوج پہ چلتی ہے خبردار
لو زہر یہ ناگن اب اُگلتی ہے خبردار
لو تیغِ علیؑ رنگ بدلتی ہے خبردار
بخشا نہ اثر میری کسی بات نے تم کو
سنبھلو کہ لیا مرگِ مفاجات نے تم کو

یہ سنتے ہی لشکر تو ہوا سب تہ و بالا
اور آپ نے قبضہ پہ ادھر ہاتھ کو ڈالا
کاٹھی سے کھنچی تیغ کہ لہرا گیا کالا
غل تھا کہ وہ منہ ناگ نے بانبی سے نکالا
کاٹا جسے پھر کب اُسے یارائے سخن ہے
دیکھو کہ زبانیں تو ہیں دو ایک دہن ہے

یہ کاٹ کے ہر صف کو نکل جائے گی سن سے
لشکر پہ خزاں لائے گی جو ہرے کے چمن سے
زہر اس کا چڑھے گا تو نہ اُترے گا بدن سے
اژدر ہے نکلتے ہیں شرر اس کے دہن سے
زور اس سے کسی کا تہِ گردوں نہ چلے گا
جس دم یہ چلے گی کوئی افسوں نہ چلے گا

صحرا میں تلاطم ہوا دریا میں پڑا شور
جس شور سے بہرام کی تھرانے لگی گور
ڈر سے جو اُڑے کبک تو جنگل سے اڑے مور
صفدر کے قدم بڑھتے ہی اعدا کا گھٹا زور
آمد میں بہادر کی شجاعت کے چلن تھے
نہ شیر ترائی میں نہ جنگل میں ہرن تھے

ناگاہ بیاباں میں لگی برق چمکنے
روکا سپرِ مہر کو چہرے پہ فلک نے
دہشت سے دلیروں کی لگی آنکھ جھپکنے
دیکھا زرہِ جسم کو تھرا کے سمک نے
پڑنے لگی اعدا پہ جو ضربت شہِ دیں کی
خم ہو گئی لنگر سے کمر گاوِ زمیں کی

بجلی کی تڑپ اسپ لگا در نے دکھائی
تصویرِ اجل تیغِ دو پیکر نے دکھائی
اور آنکھ ہر اک فرد کو جوہر نے دکھائی
قوت اسد اللہ کی سرور نے دکھائی
تیر ایک طرف تیر فگن ایک طرف تھے
سر ایک طرف جمع تھے تن ایک طرف تھے

چمکی صفتِ برق جو شمشیرِ سر انداز
انداز وغا بھول گئے سب قدر انداز
گوشے میں چھپا سہم کے ہر خانہ بر انداز
رُخ پھر گئے بھاگے صفتِ تیر در انداز
گھبرا گئے چلّے کدھر اور تیر کہاں سے
خود اہلِ خطا پھنس گئے حلقوں میں کماں کے

تھے موت کے حلقے میں کماندار نظر بند
تیروں کا یہ عالم تھا کہ تھے طائرِ پر بند
نیزے کا کوئی باندھتا تھا پڑھ کے اگر بند
وا کرتا تھا ہر بند کو حیدر کا جگر بند
سب بند کھلے ناخنِ شمشیرِ قضا سے
باقی کوئی رہتی ہی گرہ عقدہ کشا سے

جانوں کا ابھی نرخ نہ زنہار کھلا تھا
سر بک رہے تھے موت کا بازار کھلا تھا
ہر زخم کا منھ صورتِ سوفار کھلا تھا
دروازہ اجل کا پئے کفار کھُلا تھا
زخم اُن کو زبس تیغِ شرر دم کے لگے تھے
ناری سبھی رستے پہ جہنم کے لگے تھے

سب فوج کو نظروں میں زبس تول لیا تھا
گویا پئے جو رنگ انھیں مول لیا تھا
تلوار نے بھاگے ہوؤں کو رول لیا تھا
صفدر نے درِ فتح و ظفر کھول لیا تھا
خونِ تنِ اعدا سے زمیں لال ہوئی تھی
تلوار کلیدِ درِ اقبال ہوئی تھی

کیا تاب جو کشتے کی کوئی لاش اُٹھائے
پُرزے ہو وہ خود جو تنِ صد پاش اُٹھائے
کیا منھ تھا جو کوئی سر پر خاش اُٹھائے
کس طرح نظر مہر پہ خفاش اُٹھائے
آنکھوں میں چکاچوند تھی اُس برقِ وسر سے
منھ ڈھانپا تھا ہر ایک سیہ رو نے سپر سے

پنہاں تھے زرہ میں جو سیہ کاروں کے اندام
صاف اُس سے عیاں ہوتے تھے معنی دودم
یوں کاٹ کے کڑیوں کو نکل آتی تھی صمصام
جس طرح سے ماہی کو نہ ہو دام میں آرام
وہ تیغ زرہ پوشوں کی کیا فوج پہ ٹھہرے
دریا پہ گرے برق تو کیا موج پہ ٹھہرے

جس وقت چمکتی تھی وہ پرکالۂ آتش
ہو جاتے تھے چار آئنہ والے بھی مشوش
ہر غول میں گردن کو جھکا لیتے تھے سرکش
اک ہوش میں رہتا تھا تو ہو جاتے تھے دس غش
ہشیار صدا دیتے تھے جاگو اجل آئی
ہر صف میں یہ تھا شور کہ بھاگو اجل آئی

چار آئنہ کو اٹھ جو کر دیتی تھی تلوار
تھا شور کہ صابون میں رکتا ہے کہیں تار
آفاق میں ثانی نہیں اس برقِ دو سر کا
گہ عرب کی جانب تو سوئے شرق کبھی تھی
گہ زیرِ فرس اور بسر فرق کبھی تھی
بے دستِ ستمگاروں کے دستے نظر آئے
تھا چار طرف شام کے لشکر میں تلاطم
برپا تھا عجب فوجِ ستمگر میں تلاطم
تھا شور کہ لشکر کی بھی کثرت میں کمی ہے
رخ پھر گئے سب کے تہ و بالا ہوا لشکر
انبار ہیں کشتوں کے صفیں ہو گئیں بے سر
پروہ نہ کبھی فاش کیا امتِ بد کا
سو بار لعینوں نے کیا قتل کا آہنگ
شکوہ نہ کیا جب دُرِ دنداں پہ لگا سنگ
حضرت میں بھی خو بوئے شہنشاہ عرب ہے
حضرت نے یہ ارشاد کیا روک کے تلوار
تنہا میں کئی لاکھ ترے ساتھ ستمگار
ہاں ظلم رسولوں پہ بھی ہر چند ہوا ہے
بیدست ہوا کس کا مرا بھائی سا بھائی
غربت میں لٹی کون سے مرسل کی کمائی
یوں باغ کٹا خنجر و شمشیر سے کس کا

ششندر تھا کوئی اور کوئی حیراں کوئی ناچار
سر خاک پہ برساتی ہے یہ برقِ شرر بار
شمشیر تو یہ ہاتھ یداللہ کے پسر کا
اور خاک میں و نبالہ تلک غرق کبھی تھی
پانی تھی کبھی ابر کبھی برق کبھی تھی
ہر ضرب میں سر تن سے برستے نظر آئے
آندھی سے اٹھے جیسے سمندر میں تلاطم
واں بحر میں ہلچل تھی ادھر بر میں تلاطم
ٹوٹی ہوئی کشتی کہیں پانی میں تھمی ہے
گھبرا کے پکارا پسرِ سعدِ ستمگر
اب رحم کا ہنگام ہے یا سبطِ پیمبر
مشہور ہے عالم میں کرم آپ کے جد کا
اُس رحمتِ حق نے کبھی اس طرح نہ کی جنگ
گردن میں ردا ڈال کے کھینچا نہ ہوئے تنگ
کھلتا نہیں اس غیظ کا کیا آج سبب ہے
انصاف کر انصاف کر اے ظالم غدار
امت نے دیئے ہیں کسی مرسل کو یہ آزار
پانی تو کسی پر نہیں یوں بند ہوا ہے
چھاتی پہ سناں کس کے جواں بیٹے نے کھائی
اک دن میں ہوئی کس کے بھرے گھر کی صفائی
شش ماہہ پسر قتل ہوا تیر سے کس کا

اِس ظلم پہ کچھ حرف نہیں منہ سے نکالا
لڑتا میں تو تھا کون مرا روکنے والا
ہوتا ابھی نازل غضبِ اس لشکرِ کیں پر
کہتے ہیں جسے غیظ وہ ابتک نہیں آیا
ان ہاتھوں نے کب زورِ یداللہ دکھایا
چرچا ہے اس کا بھی کہ مظلوم نے جاں دی
روکوں نہ ابھی ہاتھ کو تھا دل میں یہ میرے
لے فوج سے کہدے کہ پھر آکر مجھے گھیرے
جرأت کو تو دیکھا پسرِ شیرِ خدا کی
کیا حلم ہی کیا صبر نثارِ شہِ دلگیر
خوش ہوکے پھرے دور سے بھاگے ہوئے بے پیر
کٹتے ہوئے سب سرخ شہِ تشنہ گلو کے
تیروں کے جہاں زخم تھے واں پڑتی تھی تلوار
تھے برچھیوں کے زخم سے پیکانِ ستم پار
دھاریں تھیں لہو کی رخِ پاکِ شہِ دیں پر
جن انگلیوں سے خلق کی تھی عقدہ کشائی
خوں سے نظر آتی تھی کفِ دستِ حنائی
تھے بازوؤں پر زخم جو شمشیرِ عدو کے
پہلو پہ لگاتا تھا جو نیزہ کوئی بے پیر
غل ہوتا تھا لو گرتے ہیں اب خاک پہ شبیرؑ
گھبرا کے ہر اک گام پہ گرتی تھی سکینہؓ

میرا ہی تھا یہ کام کہ غصے کو سنبھالا
اک حملے میں تھا دفترِ عالم تہ و بالا
ہوتی یہ زمیں چرخ پہ اور چرخ زمیں پر
جو حکم خدا تھا سو بجا اس کو میں لایا
ڈرتا ہی عبث جنگ سے۔ لے ہاتھ اٹھایا
طالب جواماں کا ہی تو لے تجھ کو اماں دی
دشمن ہی مگر رحم کیا حال پہ تیرے
قاتل کو بلا جلد چھری حلق پہ پھیرے
مظلومی بھی اب دیکھ غریب الغربا کی
خوں پونچھ کے مولانے رکھی میاں میں شمشیر
پہلو پہ چلیں برچھیاں چھاتی پہ لگے تیر
ہر زخم سے چھٹنے لگے فوارے لہو کے
تلوار کے زخموں پہ لگے برچھیوں کے وار
باہم تھے بدن پر لبِ زخم اور لبِ سوفار
پیوست ہوئے تھے کئی تیر اک جبیں پر
کٹ کٹ کے انھیں ہوگئی ہاتھوں سے جدائی
گلدستۂ فردوس تھی مجروح کلائی
ڈوبی ہوئی تھیں مچھلیاں دریا میں لہو کے
دل تھام کے جھکتے تھے فرس پر شہِ دلگیر
سر پیٹ کے پردے سے نکل آتی تھی ہمشیر
بسمل کی طرح لوٹتی پھرتی تھی سکینہؓ

کہتی تھی یہ ماں کُرتے کے دامن کو پکڑ کر
للہ نہ جا رن میں نہ جا اے مرے دلبر
ننھے سے اُٹھا ہاتھ یہ کہتی تھی وہ دُختر
تم دیکھو تو ہے ہے یہ ستم ہوتا ہے کس پر
کیوں روکتی ہو تیغ و تبر کھانے دو مجھ کو
رہوار سے گرتے ہیں پدر جانے دو مجھ کو

اس خوں میں بھری چاند سی صورت کے میں واری
بھولی نہیں اس دم بھی انھیں یاد ہماری
سر پیٹ کے کرتی ہوں جو میں گریہ وزاری
مُڑ مُڑ کے ادھر دیکھ چکے ہیں کئی باری
زغہ ہے لعینوں کا ادھر آ نہیں سکتے
مجھ تک مرے مظلوم پدر آ نہیں سکتے

بابا تو ہمیں پیار سے چھاتی پہ سُلائیں
ہم ایسے بُرے وقت میں پاس اُن کے نہ جائیں
اب دل کو یہ اُمید نہیں ہے کہ وہ آئیں
اماں مجھے لے آنے دو بابا کی بلائیں
رہوار سے گر کر شہِ والا نہ ملیں گے
جیتے ہیں ابھی پھر مرے بابا نہ ملیں گے

ماں کہتی تھی واں تیرِ ستم چلتے ہیں واری
سادات کے بچوں کے بھی دشمن ہیں ناری
کہتی تھی مچلکر یہی وہ پیاس کی ماری
جانے دو مجھے جان نہیں باپ سے پیاری
اس وقت اگر روکو گی مجھ خستہ جگر کو
اچھا میں تمہیں لوگوں سے پھر لونگی پدر کو

دیکھو مجھے روکو گے تو پچھتاؤ گے لوگو
پھر لال کو زہرا کے کہاں پاؤ گے لوگو
گر ذبح ہوئے وہ تو کدھر جاؤ گے لوگو
کیا داغ یتیمی مجھے دکھلاؤ گے لوگو
فریاد مری سُن کے تڑپ جائیں گے بابا
زخمی بھی جو ہوں گے تو چلے آئیں گے بابا

پردے سے کئی بار تڑپ کر نکل آئی
چھوڑی نہ مگر ہاتھ سے مادر نے کلائی
شبیرؑ کو چلائی وہ دے دے کے دُہائی
کچھ بس نہیں مجبور ہے یہ آپ کی جائی
یہ قافلہ میدان میں جانے نہیں دیتا
بابا کوئی تم تک ہمیں آنے نہیں دیتا

روئے یہ صدا بیٹی کی سُن کر شہِ ذیجاہ
نزدیک تھا خیمہ پہ نہ جانے کی ملی راہ
اک تیرِ ستم شعبہ جو لگا سینے پہ ناگاہ
گھوڑے سے گرا خاک پہ فرزند ید اللہ
تھا دھیان کہ مل لیویں اگر آئے سکینہ
بھر کر نفس سرد کہا ہائے سکینہ رضہ

اس دم نہ سکینہ کو رہا ضبط کا یارا
دیکھو تو کہ اس وقت بھی ہی دھیان ہمارا
گرتے ہوئے ہاتھوں سے جگر تھام لیا ہے
یہ کہکے لگی دیکھنے پردے کو اُٹھا کر
تھا سینۂ اقدس پہ لعیں حلق پہ خنجر
چلائی سکینہؑ کہ جگر پھٹتا ہے امّاں
یاں رہ گئی سر پیٹتی وہ بیکس و مضطر
خاموش انیسؔ اب کہ چھری چلتی ہے دل پر
جب تک کہ زمیں پر فلکِ پیر رہے گا

چلّائی کہ امّاں سنو مجھے بابا نے پکارا
اک دم مری فرقت نہیں بابا کو گوارا
کس درد سے بابا نے مرا نام لیا ہے
دیکھی وہ قیامت کہ نہ دیکھے کوئی دُختر
اُمّت کی دعا مانگتے تھے سبطِ پیمبر
ہے ہے مرے بابا کا گلا گھٹتا ہے امّاں
واں کٹ گیا شمشیرِ ستم سے سرِ سرور
تا حشر نہ کم ہوگا غمِ سبطِ پیمبر
ہر گھر میں یوہیں ماتمِ شبیرؑ رہے گا

رُباعی

دل ماتمِ شبیرؑ میں صد پارہ ہے ٭ نہ ضبطِ فغاں نہ صبر کا یارا ہے
ہر مرتبہ جوش زن ہے دریا غم کا ٭ ہر موئے مژہ چشم کا فوّارا ہے

رُباعی

وہ موج حوادث کا تھپیڑا نہ رہا ٭ کشتی وہ ہوئی غرق وہ بیڑا نہ رہا
سارے جھگڑے تھے زندگانی کے انیسؔ ٭ جب ہم نہ رہے تو کچھ بکھیڑا نہ رہا

مرثیہ (۴۲)

رطب اللسان ہوں مدحِ شہِ خاص و عام میں
ہے سر بسر حدیثِ حسن اس کلام میں

لب ہیں خموش پر ہے زباں اپنے کام میں
گویا کہ ذوالفقارِ علی ہے نیام میں

دعوے نہیں غرورِ زباں آوری نہیں
جوہر تو لاکھ ہیں پہ کوئی جوہری نہیں

ہر جا ہے ملکِ نظم میں نظم و نسق مرا
کہتے ہیں انتظام جسے ہے وہ حق مرا

ہے سہلِ ممتنع یہ کلامِ ادق مرا
برسوں پڑھیں تو یاد نہ ہووے سبق مرا

پائی نہیں کبھی یہ حلاوت نبات میں
مضمون تو ٹپک رہے ہیں بات بات میں

فوجِ سخن میں شقہ کشا ہے سخن مرا
بڑھتا ہے سب سے مدح میں بڑھ کر قدم مرا

ڈنکا بجے جہاں میں نہ کیوں دم بدم مرا
ہے معرکے میں رستمِ دستاں قلم مرا

نقشا جو کھینچا ہے صفِ کارزار کا
خامہ دکھا رہا ہے چلن ذوالفقار کا

ہے گوہرِ محیطِ فصاحت سخن مرا
گویا ہے موتیوں کا خزانہ دہن مرا

ہے مدح خوانیِ گلِ زہرا چلن مرا
محفوظ ہے جہاں میں خزاں سے چمن مرا

بلبل نے ایسے نغمۂ رنگیں سنے نہیں
دامن میں ہیں وہ گل جو کسی نے چنے نہیں

مقبول ہے کلامِ فصاحت نشاں مرا
ہے بادشاہِ کون و مکاں قدرداں مرا

شہرہ زمیں سے کیوں نہ ہو تا آسماں مرا
بلبل وہ ہوں کہ عرش پہ ہے آشیاں مرا

مداحیِ حسین سے حسنِ قبول ہے
یہ رتبۂ غلامیِ آلِ رسول ہے

ہاں اے کمیتِ خامۂ مشکیں طراز بس
یہ شوخیاں یہ چابکی و ترکتاز بس

اے شہ سوارِ طبع فصاحت نواز بس
اے یکہ تازِ فسحتِ عجز و نیاز بس

جاتا ہے کیوں فلک پہ طرارے کیے ہوئے
آداب کا مقام ہے باگیں لیے ہوئے

نور خدا کی مدح بشر کی ہے کیا مجال
پہونچا کبھی نہ خیل ملک کا جہاں خیال

اوصاف آل میں فصحا کی زباں ہے لال
ناقص کو ہاں اگر وہی چاہے تو دے کمال

برسوں لکھیں تو وصف ائمہ بیاں نہ ہو
ہر موئے تن زباں ہو تو شمہ بیاں نہ ہو

کیونکر بیاں ہو شوکتِ شانِ پیمبری
عاجز ہیں یہاں فرزدق و حسان و حمیری

طاقت یہ کس میں ہے جو لکھے زورِ حیدری
دوڑے کمیت خامہ تو کھائے سکندری

قرآں میں جن کا وصف مکرر خدا کرے
کس کی زباں سے پھر بشر ان کی ثنا کرے

قصرِ ثنائے آل محمد بہت ہے دور
کرتا ہے دم میں ذہنِ رسا سو جگہ قصور

بس اے زبان بہ ضرب زبانی ہے کیا ضرور
ہے لے نیاز ذہن و عصا رہے شمع طور

بے مثل و بے عدیل ہیں اور بے نظیر ہیں
کافی ہے یہ کہ نورِ خدائے جلیل ہیں

کیا وصف کر سکے کوئی ایسا کہاں بیاں
طاہر ہو سلسبیل سے ایسی زباں کہاں

ذرہ کہاں وہ مہر تجلی نشاں کہاں
نسبت ہے کیا زمین کہاں آسماں کہاں

حقا کہ پنجتن کے شرف بے قیاس ہیں
پانچوں حواس آپ یہاں بے حواس ہیں

بینا ہوئی جو چشم تو نورِ خدا کہا
عقدہ کھلا تو عقل نے مشکل کشا کہا

مطلب ہوا حصول تو حاجت روا کہا
پایا دُرِ مراد تو بحرِ سخا کہا

ہم خوش ہوئے کہ مدح کے دریا بہا دیئے
کیا بڑھ گیا جو بحر میں قطرے ملا دیئے

یوسفؑ کے حسن سے اُنھیں گر دیجیئے مثال
وہ ماہتاب اور یہ خورشید بے زوال

سر سبز ہر طرح ہے رسولِ خدا کی آل
ہے شہرہ ملاحتِ محبوبِ ذوالجلال

یوسف سا مہ لقا کوئی زیرِ فلک نہ تھا
پر کیا مزہ جو حسن میں اُن کے نمک نہ تھا

باقی رہے بس آپ کے تشبیہِ مہر و ماہ
رُخ ایک کا ہے زرد تو ہے ایک کا سیاہ

لغزش یہاں خطا ہے تسلّی یہاں گناہ
ہشیار اے قدم کہ دم تیغ پر ہے راہ

کیا کیا کہا نہ جائے گا کیا کیا نہ کہ گئے
سالک ہزار ہا اسی منزل میں رہ گئے

غافل نہ ہو درود سے یاں اے زبانِ پاک
قرباں ہو جانِ احمدِ مرسل پہ جانِ پاک
کاٹیں زباں کو لوح پہ گرنے قلم چلے
شپئیر سا جہاں میں نہیں دُرِّ شاہوار
بابا سرِ جہاں کے لیے تاجِ افتخار
نکلا یہ نور نورِ رسالت مآب سے
آئینۂ جلالتِ محبوبِ ذوالجلال
خُلقِ حسنؑ تو عظمتِ نانائے خوش خصال
دنیا ہو یا بہشت ہو فیض ان کا عام ہے
ممکن نہیں ہے مثل ترا اے سپہرِ جود
کیا امرِ صدق میں ہے بھلا حاجتِ شہود
دشوار ہے مثال دُرِ بے مثال کی
کہف الورئٰ امامِ اُمم معدن التقیٰ
فیاضِ آبِ کوثر و ساقیِ اولیا
اُلفت میں بلبلوں کے جگر داغ داغ ہیں
قربان تیرے نام کے اے وارثِ خلیلؑ
حاجت روائے فطرس و مولائے جبرئیل
بولا قسم ہے آپ کو خیر الانام کی
اندیشۂ فشار سے ضغطے میں ہے یہ جاں
سختی سے آشنا نہیں ابتک یہ استخواں
ہوگی اگر زباں کو طاقت کلام کی

دکھلائے فیض چشمۂ کوثر دہانِ پاک
جھکتا ہے عرش دیکھ کے وہ آستانِ پاک
سجدے کی جا ہے کیوں نہ قلم سر کے بھل چلے
نانا محمدِ عربی فخرِ روزگار
مادر جنابِ فاطمہؑ زہرا سی ذی وقار
جس طرح کوئی عطر نکالے گلاب سے
تصویرِ شوکتِ اسدِ حق دمِ جدال
کیا گل تھا جس سے باغِ دو عالم ہوا نہال
طوبیٰ اسی نہال کے سایہ کا نام ہے
ہے شکل ممتنع قسیمِ واجب الوجود
ایسے بشر کی مدح کرے کیا بجز درود
ساحل تلک نہ پہونچے گی کشتی خیال کی
مصباحِ دیں سراجِ مبیں ہادی ہدیٰ
نورِ خدا امینِ خدا حجتِ خدا
آٹھوں بہشت تیری محبت کے باغ ہیں
صدقے ترے جلال کے اے سیدِ جلیل
ہے ملتجی حضور سے یہ بندۂ ذلیل
لیجے گا قبر میں خبر آکر غلام کی
نکلے دماغ پاؤں کے ناخن سے الاماں
آقا بچائیے گا مرا یہ جسمِ ناتواں
چلاؤں گا میں خود کہ دہائی امام کی

عطرِ گلِ حدیقۂ ایماں حسینؑ ہے
زانوئے نبیؐ کا رحل تو قرآں حسینؑ ہے
تھا جس گلے کا نور فزوں ماہتاب سے
سیّد کی کونسی تھی خطا کیا گناہ آہ
شمشیر و بوسہ گاہِ رسالت پناہ آہ
صحرائے کربلا میں ہوا کیا بُری چلی
عاشور کو جو لُٹنے لگا فاطمہؓ کا باغ
جانِ علیؑ کو سوزِ الم سے نہ تھا فراغ
ہونا تھا جو نثار قدم پر امام کے
یعقوب سے چھٹا تھا جو پیری میں ایک لال
یاں دو پہر میں ہو گیا سب باغ پائمال
شکوہ نہ بخت کا نہ فلک کا گلا کیا
سولہ پہر حسینؑ کو گزرے جو پیاس میں
شکرِ خدا تھا لب پہ اُس اندوہ و یاس میں
سب گھر لُٹا دیا فقط اتنی سی بات پر
ایوب نے سُنا بھی نہ ہوگا کبھی یہ صبر
تڑپے نہ مثلِ برق نہ روئے مثالِ ابر
دیکھا جو منھ سے دودھ اُگلتے صغیر کو
اُمّت نے کی نبیؐ کے نواسے کی کچھ نہ قدر
آشوب اے چشم نے دیکھا کبھی نہ غدر
بارانِ تیر کیں تھا ہوا تھی بھری ہوئی

تازہ ہے جس سے روح وہ ریحاں حسینؑ ہے
پانی ملا نہ جس کو وہ مہماں حسین ہے
وہ خشک حلق تر ہوا خنجر کے آب سے
دو لاکھ اہلِ ظلم اور اک بے سپاہ آہ
زانوئے شمر سینۂ شبیرؑ آہ آہ
فاقہ تھا تیسرا کہ گلے پر چھُری چلی
تاریک ہو گئے کئی گھر گُل ہوئے چراغ
دل لختِ لخت تھا تو کلیجہ تھا داغ داغ
رہ جاتے تھے حسین کلیجے کو تھام کے
مشہور ہے فراق میں جو کچھ ہوا تھا حال
تیغوں سے کٹ گیا علی اکبر سا نونہال
لاشہ پسر کا دیکھ کے شکرِ خدا کیا
طاقت نہ تھی کلام کی اُس حق شناس میں
اللہ رے صبر فرق نہ تھا کچھ حواس میں
مولا نثار تیرے قدم کے ثبات پر
اک جان لاکھ درد تھے اک دل ہزار جبر
غربت میں اپنے ہاتھوں سے کھودی پسر کی قبر
اپنے جگر سے کھینچ لیا آپ تیر کو
بارانِ تیرِ ظلم کہاں اور کہاں وہ صدر
بدلی میں فوجِ شام کی تھا فاطمہؓ کا بدر
تھی چار سمت دشت میں بدلی گھری ہوئی

وہ فوج وہ سیاہیِ صحرائے لق و دق
ترخوں میں تھا مرقعِ زہرا کا ہر ورق
تھا سب پہ اوجِ دوشِ نبیؐ کے سوار کو
معلوم کچھ نہ ہوتی تھی سولہ پہر کی پیاس
شیروں کو وقتِ مرگ بھی ہوتا نہیں ہراس
ابرو کے خم کو دیکھ کے تیغیں بھی کٹ گئیں
تھا غیظ سے جو چہرۂ اقدس کا رنگ لال
اللہ رے جوشِ جرأتِ سرور زہے جلال
بجلی جو کوند جاتی ہے چہرے کے نور سے
وہ لو وہ پیاس اور وہ گرمی کی دوپہر
دستِ مژہ سے ہٹتی تھیں پُتلیاں بھی سر
قطرے عرق کے دیکھ کے روئے جناب پر
مژگاں کی صف دراز تھا اور ابروؤں کے خم
مردم سے تھا اشارۂ چشمِ شہِ امم
روشن تھا رُخ سوادِ خطِ مشکبار میں
جناتِ عدن ہے رُخِ شاہنشہِ زمن
وہ لعل لب کہ بات میں دیں حاصلِ یمن
کیا ذکر رُخ کا اور خطِ عنبر سرشت کا
ریشِ سیاہ روئے دل آرام ایک جا
ہیں موسیٰ و مسیح خوش انجام ایک جا
لاریب فیہ مصحفِ ناطق کے جائے ہیں

گرمی وہ روزِ جنگ کی وہ پیاس کا قلق
کوئی نہ تھا حسینؑ کے سر پر سوائے حق
تولے ہوئے تھے مثلِ علی ذوالفقار کو
شوکت وہی تھی اور وہی تیور وہی حواس
کیا رعب سے بھری ہوئی تھی چشمِ حق شناس
پُتلی ادھر ہلی کہ صفیں واں اُلٹ گئیں
غل تھا کہ سُرخ روزِ ازل سے ہے رنگِ آل
بل کھا رہے ہیں دوش پہ زلفِ رسا کے بال
حوریں نثار ہوتی ہیں ہنس ہنس کے دور سے
تیزی تھی دھوپ میں کہ جلی جاتی تھی نظر
تھے تر بتر پسینے میں سلطانِ بحر و بر
غل تھا پڑی ہے اوس گُلِ آفتاب پر
پلکیں بھی ہاتھ تیغ پہ رکھتی تھیں دم بدم
محبوبِ کردگار کے ہیں نورِ عین ہم
تھا فرق بال بھر کا حلب اور تتار میں
ہے سلسبیل چشم تو کوثر ہے یہ دہن
دنداں وہ جن کے سامنے ادنیٰ دُرِ عدن
پہلو ملا ہوا ہے نجف سے بہشت کا
قدرت خدا کی ہے سحر و شام ایک جا
رکن و مقامِ کعبہ و اسلام ایک جا
رخسارِ پاک ہاتھوں پہ قرآں اٹھائے ہیں

گوہر نثار اختر دنداں کے نور پر
ہنستی ہے صاف جن کی چمک برقِ طور پر
صدقے ہزار جاں لبِ پاکِ حضور پر
گویا دھرے ہیں لعلِ یمن دستِ حور پر
راقم نے جن لبوں کو جواہر رقم کیا
اُس لعلِ لب پہ سنگ لگائے ستم کیا

جو تازگی میں ہوں گلِ تر سے زیادہ تر
واحسرتا وہ پانی کو ترسیں کئی پہر
اپنی زباں چُسائیں جسے سید البشر
وہ لعلِ لب کریں ہدفِ تیرِ بدگہر
دریا پہ تشنہ کام شہِ نیک خو رہے
پانی کی پھر جہان میں خاک آبرو رہے

الماس میں کہاں وُہ دنداں کی برق ترق
تاروں میں اور ان میں زمیں آسماں کا فرق
خود آبِ شرم میں گہرِ بے بہا ہیں غرق
ضو ہے کہ بات بات میں کوندتی ہے برق
جب مسکرا کے گوہرِ یکتا دکھاتے ہیں
سمرن درِ نجف کی مسیحا دکھاتے ہیں

تا آسماں ہے چہرۂ شاہِ اُمم کا نور
کونین میں محیط ہے ابرِ کرم کا نور
سرتاج آسمان و زمیں ہے قدم کا نور
دیکھا ہے یہ کسی نے کسی ایک دم کا نور
عکسِ رُخِ جناب سے سب فیض یاب ہیں
ذرّے چمک کے کہتے ہیں ہم آفتاب ہیں

کعبہ ہے روئے اقدسِ فرزندِ بو تراب
ہیں ہفت شوخط پنجتنی کو یہاں ثواب
کس آئنہ میں ہے یہ صفائی یہ آب تاب
طاقِ حرم ہے ابروئے شاہِ فلک جناب
پہلے ثنائے چاہِ ذقن کو رقم کریں
زمزم سے غسل کر کے طوافِ حرم کریں

معراجِ مصطفےٰ کی ہے شب زلفِ عنبریں
ہے صبحِ عید پرتوِ آئینۂ جبیں
سجدہ کے بھی نشاں پہ ستارے کا ہے یقیں
صادق ہمیں ہیں صبح کے ہونے میں شک نہیں
ابرو بھی ہیں جھکے ہوئے راز و نیاز میں
بیشک دو رکعتیں ہیں سحر کی نماز میں

رکتا ہے دم گلے کی ثنا کیا کروں میں آہ
نورِ بیاضِ حُسنِ محمدؐ کی بوسہ گاہ
سرِ دارِ خلق شمعِ شبستانِ عز و جاہ
تھا جس کی روشنی سے خجل نورِ مہر و ماہ
خنجر سے وہ گلوئے مبارک جو کٹ گیا
حیرت ہے کیوں ورق نہ زمیں کا اُلٹ گیا

وہ دوش ہیں شفاعتِ امت کا جن پہ بار
بازوئے بابِ دین ہیں یہ بازوئے استوار

گوری کلائیوں کی صفائی پہ ہیں نثار
فانوس آستیں سے تجلی ہی آشکار

پہونچا خیال، بات خفی تھی جلی ہوئی
سانچے میں نور کے ہیں یہ شمعیں ڈھلی ہوئی

ہاتوں کو یاد آیا ہی زورِ یداللٰہی
خندق میں جوئے خوں انھیں ہاتھوں سے تھی بہی

ہر چند بازوؤں میں وہ طاقت نہیں رہی
خیبر سا اور در کوئی ہووے تو پھر سہی

فتح وظفر کو بیچ کے سر مول لیتے ہیں
ناخن ہوں یا نہ ہوں یہ گرہ کھول لیتے ہیں

قرآں ہی سینۂ خلفِ سیدِ انام
صندوقِ علم صبر کا گھر حلم کا مقام

قرآن حق ہی اُس کی بزرگی میں کیا کلام
لازم ہی سب کو مصحفِ ایماں کا احترام

دل اس طرح ہی سینۂ شاہِ شہید میں
یٰسین جس طرح ہی کلام مجید میں

انصاف کا مقام ہو اے چرخِ بے مدار
وہ صدرِ پاک ظلم کے تیروں سے ہو فگار

محبوب کبریا کا دل اور برچھیوں کے وار
سینہ خدا کے نور کا اور پلے چکمہ دار

گرمی میں ماں بچائے جسے تن کی بھاپ سے
وہ پسلیاں شکستہ ہوں گھوڑوں کی ٹاپ سے

زہرا قمیص نرم پہنائے بصد تلاش
تا پھول سے بدن کو نہ پہونچے کہیں خراش

تیغوں کے پھل سے اس کا بدن ہوئے پاش پاش
تا اربعین پڑی رہی جنگل میں اُس کی لاش

گردن جو قبلہ رو تھی رہِ نیاز میں
ظاہر یہ تھا کہ ذبح ہوئے ہیں نماز میں

نے وارثوں کے مردے تو قبر جہاں میں پائیں
اور لاشۂ حسینؑ درندوں میں چھوڑ جائیں

وہ دشتِ ہولناک جو کرتا تھا سائیں سائیں
آفت تھی بہر حفظ جو شیرِ خدا نہ آئیں

سایہ کسی طرح کا بجز آسماں نہ تھا
سید کی لاش کا بھی کوئی پاسباں نہ تھا

ٹوٹا ہوا ہی بارِ الم سے کمر کا بند
خم ہی یہ صورتِ مہِ نو قامتِ بلند

پیشِ نظر ہی لاشۂ فرزندِ ارجمند
صدمہ جگر پہ تن پہ تعب روح پر گزند

کیا غم نہیں ہی کونسا رنج و الم نہیں
صدمے یہ ہیں پہ کھینچ کے باہر قدم نہیں

جب رن میں فوجِ شام کے کالے علم بڑھے ‏— تیغوں کو تول تول کے اہلِ ستم بڑھے
فرما کے یہ ادھر سے امامِ اُمم بڑھے ‏— ای سرکشانِ شام خبردار ہم بڑھے
قوت تمھیں دکھاتا ہوں اس جسمِ زار کی ‏— لو کوندتی ہی برقِ غضب ذوالفقار کی

ہی جوشنِ بحرِ قہرِ الٰہی مرا غضب ‏— تم لاکھ اہلِ ظلم ہو میں ایک تشنہ لب
ہاں نیزہ بازو جنگ میں تاخیر کیوں ہی اب ‏— ہاں ای کماں کشو مجھے روکو تو سب کے سب
نوکوں سے برچھیوں کی مجھے روکتے نہیں ‏— شیرِ خدا کے شیر کو اب ٹوکتے نہیں

میں شیرِ بیشۂ اسدِ کردگار ہوں ‏— زیرِ نگیں زمانہ ہی وہ نامدار ہوں
جس کے فرس سول تھے وہ شہسوار ہوں ‏— بیٹا ابوتراب کا ہوں خاکسار ہوں
اِک بندۂ حقیر ہوں ربِّ غفور کا ‏— منھ سے کبھی نہ نکلے گا کلمہ غرور کا

ہر چند جزو کل پہ مرا اختیار ہی ‏— پیاسا جو ہوں یہ مصلحتِ کردگار ہی
دُنیا ہی بے وفا تو فلک بے مدار ہی ‏— مثلِ حبابِ زیست کا کیا اعتبار ہی
عرصہ فقط ہی چند نفس کا اخیر ہوں ‏— اکبر سا نوجواں نہ رہا میں تو پیر ہوں

عباس نامدار کے مرنے کے تھے یہ دن ‏— اُنتیسواں برس تو کچھ ایسا نہیں ہی سن
روئیں گے نامرادی قاسم پہ انس و جن ‏— یکساں ہی آگے موت کے بچہ ہو یا مُسن
آباد گھر جہاں میں کوئی یوں لٹا نہ تھا ‏— اصغر کو دیکھو دودھ بھی جس کا چھٹا نہ تھا

اُنسٹھ برس میں رنگ نظر آ گئے ہزار ‏— دیکھی کبھی چمن پہ خزاں اور کبھی بہار
جس فصل میں کہ جیتے تھے محبوبِ کردگار ‏— اُلجھا کوئی نہ دامنِ خاطر سے کوئی خار
کھیتی سب اُن کے مرنے سے نے غور ہو گئی ‏— رنگ اُڑ گیا گلوں کا ہوا اور ہو گئی

اِک دن وہ تھا کہ سینۂ زہرا تھا خوابگاہ ‏— تکیہ تھا سر کا بازوئے پیغمبرِ الٰہ
وہ پیار والدین کا وہ بھائیوں کی چاہ ‏— اِک دن یہ ہی کہ کوئی نہیں ہمرہت آہ
ماتم کا یوں تو گھر میں سدا شور و شین تھا ‏— ایسا کبھی نہ بیکس و تنہا حسین تھا

بڑھکر پکارا شمر کہ یاور کدھر گئے
بیدل ہیں آپ کیوں وہ دلاور کدھر گئے
عباس کیا ہوئے علی اکبرؑ کدھر گئے
اے فاطمہؓ کے لال وہ گوہر کدھر گئے
جیا پسر کا صورتِ یعقوب کون ہے
غلبہ ہے کس کی فوج کا مغلوب کون ہے

تھا روم و شام جن کی زبردستیوں سے زیر
اب آپ کی مدد کو نہیں آتے وہ دلیر
اس دشتِ کیں میں دوڑتے تھے جو مثالِ شیر
شاید انھیں کے لاشوں کے ہیں خاک پر یہ ڈھیر
سب کے پاش پاش ہیں تن ریز ریز ہیں
تلواریں کیا یزید کے لشکر کی تیز ہیں

دیکھو تو کس کے سینے میں برچھی کا ہے پھل
اٹھارھویں برس میں کسے کھا گئی اجل
دولہ کے خواب آئے کا گیا تھا یہی محل
دریا پہ کس کی لاش پڑی ہے وہ منہ کے بل
محتاج بعدِ مرگ جو گور و کفن کے ہیں
کس نخل کے ثمر ہیں یہ گل کس چمن کے ہیں

شہ نے کہا یہ سب مرے گلشن کے پھول ہیں
کیونکر نہ سرخرو ہوں کہ آلِ رسولؐ ہیں
کرسی ہے پست ان کو وہ رتبے حصول ہیں
تن پر جو سر نہیں تو یہ نذریں قبول ہیں
قدسی درود بھیجتے ہیں ان کی شان پر
تن ان کے ہیں زمین پر سر آسمان پر

سالک جو ہیں وہ راہِ رضا بھولتے نہیں
جو دوست ہیں ولی کے وِلا بھولتے نہیں
محسن کو اپنے اہلِ وفا بھولتے نہیں
ہم لوگ مرکے یادِ خدا بھولتے نہیں
تن خاک ہو تو اس میں بھی الفت کی بو رہے
نیزے پہ گر چڑھاؤ تو منہ قبلہ رو رہے

کیونکر نہ یہ کلام کرے تو ہوا پہ ہے
جو ہو سو ہو حسین تو راضی خدا پہ ہے
مسند پہ ناز ہے نہ شرف متکا پہ ہے
ہر حال میں فقیر کو تکیہ خدا پہ ہے
مٹی ہو یا کہ خز ہو تنِ پاک کے تلے
اللہ آبرو کو رکھے خاک کے تلے

برچھی کا سینۂ علی اکبرؑ میں پھل ہے گر
ظالم یہی تو باغِ شہادت کا ہے ثمر
ہر بار یہ دعا تھی کہ پھولے پھلے شجر
بابا نہال ہے کہ برومند ہے پسر
کیا کیا گلِ مراد مرے ہاتھ آئے ہیں
باغِ جہاں میں آکے یہ پھل کس نے پائے ہیں

قاسم اگر نہیں تو نہیں مجھ کو کیا ہراس
بس سن چکا کہ مر گئے عباسِ حق شناس
رونے کی وجہ کیا جو ہوئی بھانجوں سے یاس
میں کون جس کے عبد تھے پہونچے اسی کے پاس
کچھ دن جو میرے پاس رہے مستعار تھے
یہ لال سب امانتِ پروردگار تھے

لاکھوں سے یہ ہزبر جو تنہا لڑے لڑے
تیغوں کے پھل جو پھول سے تن پر پڑے پڑے
ہوتے ہیں غازیوں کے ارادے بڑے بڑے
چاہیں تو روم و شام کو لیں ہیں کھڑے کھڑے
بالائے دوش ڈھال تھی قبضے پہ ہاتھ تھا
خیبر میں کون شیرِ الٰہی کے ساتھ تھا

شہروں میں جنگ بدر کا شہرہ ہے آج تک
مثلِ ہلال تیغ کی تھی جا بجا چمک
بالائے عرش نادِ علی پڑھتے تھے ملک
خندق میں کس نے کی اسد اللہ کی کمک
زورِ خدا تھا دستِ وصیِ رسولؐ میں
دو کر دیا تھا عمرو کے قامت کو طول میں

کیوں غزوہ حنین میں بھاگے تھے تم کہ ہم
سرکش ادھر کے پس گئے تھے زیرِ سُم کہ ہم
تم کوہ میں چھپے تھے بروزِ دہم کہ ہم
دہشت سے اُس طرف کے دلاور تھے گم کہ ہم
بجلی سی تیغ کوندی تھی کس جوان کی
آتی تھی کس طرف سے صدا الاماں کی

تھا لیلۃ الحریر میں یک جا تمام شہر
بڑھتی تھیں یوں صفیں کہ سمندر میں جیسے لہر
چمکی جو ذوالفقار تو آیا خدا کا قہر
کیا جنگِ نہرواں میں بہائی تھی خوں کی نہر
کیوں وہ فراریوں کی دوہائی بھی یاد ہے
صفین میں صفوں کی صفائی بھی یاد ہے

بیر العلم کی آگ کا روشن ہے سب پہ حال
دو شخص جل کے رہ گئے تھے صورتِ زغال
اُس چاہ پر تھمے نہ یہ رستم کی تھی مجال
جاتے ہی اُس میں کود پڑے شیرِ ذوالجلال
لشکر جنوں کا خوف سے بیتاب ہو گیا
دہشت سے آگ کا بھی جگر آب ہو گیا

تاباں جنوں پہ تیغِ امامِ غنی رہی
زیرِ زمیں بھی شیر کی چھاتی تنی رہی
اندھیر ہو گیا وہیں یاں روشنی رہی
ڈر سے جنوں کے جان پہ کیا کیا بنی رہی
نہرے ہوئے جو آب تو ایماں کی چاہ کی
آنے لگی کوئیں سے صدا لا الٰہ کی

ایماں جنوں نے جب بدل و جاں کیا قبول
طالب تھے آپ جن کے وہ باتیں ہوئیں حصول
گزرے تھے تین روز نبی تھے بہت ملول
سُن کر صدا علیؑ کی خوشی ہو گئے رسولؐ
باہر کنوئیں کے آئے عجب عز و جاہ سے
غل تھا کہ نکلے یوسفِ صدیق چاہ سے

تھی دشت دشت فتح سلیمانِ دیں کی دھوم
لشکر میں مصطفےٰ کے خوشی تھی علی العموم
خالی ہوی جنوں کے جوش سے وہ مرز بوم
بالائے چاہ جانوروں نے کیا ہجوم
شعلے رہے نہ سانپ نہ وہ اژدہے رہے
دو تین روز چاہ پہ کیا چھپے رہے

تیغیں بنی امیہ کی ہیں خاک آبدار
جل جاوے گی گرے گی اگر برقِ ذوالفقار
پھل اُس کا آگ ہے تو زباں ہیں شعلہ بار
دھارا ہے قلزمِ غضبِ حق کا اس کی دھار
دم بھر پناہ گھاٹ سے اس کے نہ پاؤ گے
طوفانِ خوں اُٹھے گا کہ سب ڈوب جاؤ گے

میں نور چشم فاتحِ ذات الرفاع ہوں
پایا مرا رفیع ہے عرش ارتفاع ہوں
کرار ہوں سخی ہوں ولی ہوں شجاع ہوں
حیدر ہیں آفتاب تو میں بھی شعاع ہوں
دوری میں بھی ہم اپنے خدا کے حضور ہیں
سمجھو نہ پنجتن کو جدا ایک نور ہیں

سرِ خفیِ حق انھیں بندوں پہ ہے جلی
محبوب ہے خدا کا کوئی اور کوئی ولی
فاطر سے فاطمہؑ ہے اور اعلیٰ سے ہے علیؑ
محسن سے ہے حسنؑ یہ شرافت ہے منجلی
ایک ایک ان میں تاج سرِ مشرقین ہے
احسان سے جہان میں نام حسینؑ ہے

زیور جو عرش کا ہے ہمارے ہی نام ہیں
ساقیِ حوض قاسمِ دار السلام ہیں
حوریں جو لونڈیاں ہیں تو غلمان غلام ہیں
احمدؐ کے جانشیں ہیں اُمم کے امام ہیں
زینت ہیں آسمان کی رونق زمین کی
دنیا کی آبرو ہیں تو عزت ہیں دین کی

ناگاہ ابن سعد پکارا کہ صفدرو
ہاں نور چشم شیرِ خدا سے وغا کرو
خوں میں نبیؐ کی آل کو سر تا قدم بھرو
کم رہ گیا ہے دن بہت اب اے دلاورو
نکلو تنوں پہ زیور جنگی سنوار کے
پڑھیو نماز عصر کی سید کو مار کے

تن سے جدا کرو پسرِ فاطمہؓ کا سر
ڈھالوں میں بھر کے لائیو لعل و زر و گہر
قیدی ہوں اہلِ بیتِ شہِ مشرقین کے
ہے آرزو حکومتِ رَے کی مجھے کمال
ہے تب حلال ذبح ہو جب فاطمہؓ کا لال
اس طرح گھر تباہ رسولِ خدا کا ہو
پہونچے گی شہر شام میں جب آلِ طاہرؑ
مُنکر نے کہیں یہ مکر کی باتیں جو ظاہرا
گیتی ہجومِ فوج سے جنبش میں آگئی
چلّوں سے کج نہاد ملانے لگے خدنگ
خنجر رکھے کمر میں دودھارے چڑھا کے سنگ
سرہنگ شام گرزِ گراں تولنے لگے
کالے علم نشانِ سیہ کاری سپاہ
تھا نالۂ نفیر کہ بیکس کو دو پناہ
سُن کر دُہل کا شور کلیجے دہلتے تھے
وہ غول مصریوں کے وہ دل فوجِ شوم کے
تنہا حسینؑ بیچ میں تھے اس ہجوم کے
اُٹھا سخی کا ہاتھ یداللہ کی شان سے
باہر ہوئی نیام سے شمشیر شعلہ بار
یا کیچلی کو جھاڑ کے نکلا سیاہ مار
نکلی عروس فتح محافہ جدا ہوا

پھر تم کو لوٹنا ہے رسولِ خدا کا گھر
ایسا نہ ہو کہ رات کو سرکا دیں مال و زر
دولت لُٹی گھروں کی ہے گھر میں حسینؑ کے
حصّہ وہ فوج کا ہے ملے جو متاع و مال
دیکھوں کہ ہیں کھلے ہوئے زینبؑ کے سر کے بال
سیدانیوں کے منھ پہ نہ پردہ ردا کا ہو
ہو جائے گا سپاہ کا دونا مشاہرہ
دریا سے مثلِ موج بڑھی فوجِ قاہرہ
کالی گھٹا سپاہ کی جنگل میں چھا گئی
مُنھ ترکشوں نے کھول دیے صورتِ نہنگ
برچھی ہلا کے فوج نے جولاں کیے سرنگ
بڑھ بڑھ کے بیرقوں کو عدو کھولنے لگے
گویا زمیں کے سینے سے اُٹھتا تھا دودِ آہ
شہنا کی یہ صدا تھی کہ سیّد ہے بے گناہ
تھرّا کے جھانجھ بھی کفِ افسوس ملتے تھے
آندھی سیاہ اُٹھی کہ گھٹا آئی جھوم کے
تلوار نے نیام سے قبضے کو چوم کے
نکلا ہمائے اوجِ شرف آشیان سے
یا ابر سے نکل کے ہوئی برق بے قرار
یا آستین سے یدِ بیضا تھا آشکار
یا نامۂ ظفر سے لفافہ جدا ہوا

کاٹھی تھی ذوالفقار کی یا تھا اجل کا گھر

گھونگھٹ اُٹھا کے برق سی چمکی اِدھر اُدھر

دکھلائی سب کو منھ کی صفائی لڑائی میں

قبضہ وہ جس کی ضرب سے اللہ کی پناہ

باڑھ ایسی جس کے گھاٹ پہ کشتی تن تباہ

جوہر یہ ہیں کہ تیغ شہِ لافتیٰ کی ہے

ہر معرکہ میں یاورِ مشکل کشا رہی

جو اس کی ابتدا تھی وہی انتہا رہی

یکتا تھی ذوالفقار یہ قطعی دلیل ہے

نکلی وہ جانگداز عجب برق و شرق سے

چشمک یہ دمبدم تھی ہر ایک اہلِ برق سے

دریائے قہرِ حضرتِ پروردگار ہوں

سیفِ خدا ہوں نام ہے دستِ اجل مرا

گلزارِ فتح میں ہے ازل سے عمل مرا

دونوں مزے ہیں مجھ میں کہ رحمت ہوں قہر ہوں

بُت میں نے ایک ضرب میں توڑے ہیں دَیر کے

مولا کے ہاتھ میں ہوں کہ قبضے میں غیر کے

جاتی ہوں جس پہ مثلِ اجل چھوڑتی نہیں

دنیا میں مجھ سے تیغِ علیؑ سا جواں نہیں

بھاگو گے شستِ کیں سے کدھر میں کہاں نہیں

فریاد الغیاث کو کب مانتی ہوں میں

حجلہ تھا یا نقابِ رُخِ لیلیٔ ظفر

گویا دلہن حجاب سے نکلی جھکا کے سر

جانیں ہزار وجہ سے لیں رونمائی میں

نا ہیں وہ دمبدم جو دکھائیں عدم کی راہ

وہ تیز منھ کہ کوہ کو کھا لے مثالِ کاہ

تمغہ یہ اس کا ہے کہ عنایت خدا کی ہے

سیّد سے کربلا میں نہ دم بھر جدا رہی

عاشق رہی پدر پہ پسر پر فدا رہی

جو تیغ دونوں باگیں کسے وہ اصیل ہے

صاف آئی الحفیظ کی آواز برق سے

آتی ہوں میں سروں پہ ذرا فرق فرق سے

طوفان اُٹھے گا یاں سے میں وہ ذوالفقار ہوں

نشتر ہوں مرگ کا رگِ جاں ہے محل مرا

جس کو نہ اعتبار ہو چکھے وہ پھل مرا

امرت ہوں دوست کے لیے دشمن کو زہر ہوں

ٹھہرے ہیں شہر شہر مرے امر خیر کے

دشمن کے سر سے اٹھی ہوں دو ہاتھ پیر کے

جوشن ہو یا کہ خود ہو منھ موڑتی نہیں

کیوں ہوں خموش کیا مرے منھ میں زباں نہیں

دشمن کوئی حسینؑ کا مجھ سے نہاں نہیں

سیّد کے قاتلو تمھیں پہچانتی ہوں میں

اُلٹے تھے آستیں جو شہنشاہِ سرفراز
جنباں تھی کربلا کی زمیں صورتِ جہاز
اعدا کی فوج پر تھی زباں تیغ کی دراز
کہتے تھے کانپ کانپ کے آپس میں فتنہ ساز
کیونکر جواب دے کوئی دم بند سب کے ہیں
غل تھا کہ ذوالفقار کے فقرے غضب کے ہیں

کوندی جو برق طاقتِ گفتار گھٹ گئی
جو صف پئے مصاف بڑھی تھی وہ ہٹ گئی
ثابت ہوا ہر اک پہ کہ دنیا اُلٹ گئی
آ پہونچی تھی پہ ڈر کے قیامت پلٹ گئی
پھر حشر تھا جو رحم نہ آئے حضور کو
منھ سے ملا چکے تھے سرافیل صور کو

تلوار کیا چلی غضب آیا کریم کا
تھی جنگ یا کہ روز تھا اُمید و بیم کا
سب زور تھا زبانۂ نارِ جحیم کا
جل جل کے منھ سیاہ ہوا ہر لئیم کا
شمشیر بادشاہِ سلیماں بساط تھی
کیا تھمتے ناریوں کے قدم وہ صراط تھی

چلتی تھی ذوالفقار جو سن سن اِدھر اُدھر
دہشت سے چھپتے پھرتے تھے دشمن اِدھر اُدھر
کٹ کٹ کے گر رہے تھے سر و تن اِدھر اُدھر
ٹکڑے پڑے تھے خاک پہ جوشن اِدھر اُدھر
ڈر ڈر کے جو سوار گرے وہ مرے گرے
صف پر گری جو صف تو پروں پر پرے گرے

رو میں تنوں کے جسم کے ٹکڑے اُڑا دیئے
ہاتھوں کو کاٹ کاٹ کے پرزے اُڑا دیئے
گردن بچی کسی کی تو شانے اُڑا دیئے
پہونچا جو سر پہ ہاتھ تو پہونچے اُڑا دیئے
اوچھا بھی وار گر کسی دشمن کو لگ گیا
تن جا رہا تڑپ کے الگ سر الگ گیا

دل کانپتے تھے دیکھ کے اُس کج ادا کا منھ
ناہیں فنا کی راہ تو قبضہ قضا کا منھ
اژدر کے منھ سے کم نہ تھا اُس جاں گزا کا منھ
آفت کی چال قہر کی گرمی بلا کا منھ
پہونچی یہ واں اجل کا بھی جس جا گزر نہ تھا
لوہے کو کاٹے یوں کہ زباں کو خبر نہ تھا

جب ہاتھ اُٹھا تو چرخ پہ تیغِ دو سر چڑھی
اُتری ادھر کہ خون کی ندی اُدھر چڑھی
پہ گردنوں پہ سر کے لیے سب کے سر چڑھی
پس صاف کر دیا اُسے جو صف نظر چڑھی
دریائے خون فرات کے ساحل پہ بہ گئے
وہ پار اتر گئے جو یہاں گھاٹ رہ گئے

اٹھی وہ تیغ جب تو ستمگر نہ اٹھ سکا | ہاتھوں سے بار تیغ دو پیکر نہ اٹھ سکا
ڈوبا کیا جہاز پہ لنگر نہ اٹھ سکا | دہشت سے کافروں کا کبھی سر نہ اٹھ سکا
یوں فرق پر چڑھی رہی اہل خلاف کے | مرکز کے جس طرح سے قدم سر پہ کاف کے
سر سے جدا تھا خود تو سر تھے جبیں سے دور | قبضوں سے تیغیں دور تھیں ہاتھ آستیں سے دور
جاں جسم سے تو جسم تھے جان حزیں سے دور | کارہ مکیں مکاں سے مکاں تھے مکیں سے دور
اور تیغ جاں ستاں سے فقط سر قلم نہ تھے | اللہ رے تفرقہ کہ عناصر بہم نہ تھے
ہر سو پڑے تھے خاک پہ اعضا جدا جدا | سر گردنوں سے جسم سے تھے دست پا جدا
ایذا جدا تھی روح پہ قہر خدا جدا | پانی جدا تھا خاک جدا تھی ہوا جدا
پیدا ہوئے تھے نار میں جانے کے واسطے | اک آگ رہ گئی تھی جلانے کے واسطے
حملہ جو پیدلوں پہ کیا شہ سوار نے | ڈر ڈر کے سب قدم پہ گرے سر اتار نے
چھوڑا نہ صید ضیغم آہو شکار نے | زندوں کو چن کے ذبح کیا ذوالفقار نے
کھاتی تھی گرچہ پیٹ کا بھرنا محال ہے | ہاں پی لوں خوب سا کہ لہو یہ حلال ہے
جب وہ بلند ہوتی تھی مانند ماہ نو | جاتی تھی دور دور بیاباں میں اس کی ضو
اس کی نہ ایک ضرب نہ اعدا کے وار سو | کشت حیات اہل ستم ہو گئے درو
سرکش سب ایک دم میں نگوں سار ہو گئے | کٹ کر سروں کے کھیت میں انبار ہو گئے
لے جاں لیے نہ تیغ شہ لافتیٰ پھری | وہ جس طرف پھری اسی جانب قضا پھری
دل پر جدا عدو کے گلے پر جدا پھری | دم لیکے جس طرف پھری مثل بلا پھری
اس ناز سے چمکتی ہوئی راس و چپ گئی | کیا رعد کی بساط ہے بجلی تڑپ گئی
دست کشادہ دیکھ کے سب تنگدل چھپے | کیونکر بڑھے قدم جو دم جنگ دل چھپے
ڈھالوں کی اوٹ میں وہ سیہ تنگدل چھپے | چمکی جو تیغ مثل شرر سنگ دل چھپے
یوں سمجھو فوج کیں میں حسینؑ دلیر کو | دیکھا ہو گر کبھی صف آہو میں شیر کو

دشمن کا پاؤں رن میں ٹھہرتا نہیں کبھی
چڑھتا ہی زہر یوں کہ اترتا نہیں کبھی
صدقہ غضب کا ہوتا ہی دو زخ ہیں جان پر

کیا لشکرِ یزید پہ رنج و محن پڑا
لاشے پہ لاشہ سر پہ سر اور تن پہ تن پڑا
اوپر تلے جو کشتوں کے انبار پاتی تھی
کشتے تڑپ رہے تھے برابر زمین پر
آئی جوسن سے تیغ دو پیکر زمین پر
سلطانِ دیں کے پاؤں پہ سر کٹ کے گر پڑا

کٹ کٹ گئے جو خود تو مر مر گئے حسود
ظالم جو نے نمود ہوں وہ کیا کریں نمود
جھگڑا بھی یاں جدا ہوا وہ آن بھی گئی
جرنے بھی قتل گاہ سے منھ موڑنے لگے
ڈر ڈر کے مورچوں کو جری چھوڑنے لگے
چلاتی تھیں کمانیں کہ اب رخ کدھر کریں

دو ٹانگ کی کماں کو کبادا بنا دیا
رن کی زمیں کو خون سے دریا بنا دیا
دیتے تھے نیزکٹ کے صدا الامان کی
ڈھالوں پہ آئی نیزوں کو جب دیکھ بھال کے
تھرائے تیر ڈر سے شہ خوش خصال کے
وہ منھ کے بل پڑے تھے جو بھالے اٹھائے تھے

دم اس کا وہ غضب ہی کہ بھرتا نہیں کبھی
یہ جس کو کاٹتی ہی وہ مرتا نہیں کبھی
تمنی اجل کی رہتی ہی برسوں زبان پر

طالع جو نحس تھے تو انھیں پر گہن پڑا
کہتی تھی موت بھی کہ قیامت کا رن پڑا
گنتی کو بار بار اجل بھول جاتی تھی
زندے تھے خوفِ قتل سے مضطر زمین پر
گردن نے دھڑ سے پھینک دیا سر زمین پر
تن مارے ڈر کے چند قدم ہٹ کے گر پڑا

لاکھوں ہوں یا کروڑ ہوں کیا ان کی ہست و بود
سر تن سے مفت کھوئے یہ نقصاں ہوا کہ سود
عزت بھی آبرو بھی گئی جان بھی گئی
ہٹ ہٹ کے پیچھے ہاتھ تبر جوڑنے لگے
تیغیں پٹک کے خاک پہ دم توڑنے لگے
ڈھالیں تھیں مضطرب کہ کسے ہم سپر کریں

تیروں کو کاٹ کاٹ کے تودہ بنا دیا
ہر جزوِ تن کو لایتجزّی بنا دیا
پتوں کی طرح اڑتی تھیں شاخیں کمان کی
پھل بھی لگا نہ تھا کہ گرے پھول ڈھال کے
تیغیں اماں طلب ہوئیں دنداں نکال کے
دستِ اماں کو برچھیوں والے اٹھائے تھے

تھی شعلہ ور جو آتشِ شمشیر آبگوں
زہرے تھے آب آب جگر ہو گئے تھے خوں
نوبت یہ پہنچی تھی کہ علم کا نشاں نہ تھا

ہر چند ساری فوج پہ ڈھالوں کی آڑ تھی
غلبہ تھا دیں کا کفر کی بستی اُجاڑ تھی
ڈر ڈر کے منہ سے زہر سبھوں نے اُگل دیے
سن سن چلی جو تیغ تو جی سنسنا گئے
دعوے تھا مردمی کا پہ آنکھیں چُرا گئے
ہٹی نے بھی عزیز نہ اُن کا لہو کیا

افعی تھا منھ کھلا رہا جب تک نہ بان چلی
غل تھا کدھر گئی کدھر آئی کہاں چلی
ہاں ہاں کا شور تھا کسی لب پہ نہیں نہ تھی
برچھی سے پھل کمان کیانی سے زہ گری
ہر جسم سے جدا ہوا تن سے زرہ گری
ابرو کے اک اشارہ میں مطلب ادا کیا

دریائے قہرِ حق انھیں کہنا سند ہوا
جس نے خدنگ قوس میں جوڑا وہ رد ہوا
خون عدو سے کھیت کبھی یوں سجا نہ تھا
ڈھالیں تو تھیں نڈھال عجب چال ڈھال تھی
کاٹا تھا باغ کفر تو کیسی نہال تھی
پکڑا اگلا تو سانس نہ دشمن سے لی گئی

جل جل گئے تھے اہلِ دغا کے دروں بروں
تھی بیرقیں یزید کے لشکر کی سرنگوں
حیدر کے ذوالفقار کا ڈنکا کہاں نہ تھا

بھاری تھی ضرب یہ کہ لڑائی پہاڑ تھی
میدانِ معرکہ میں عجب مار دھاڑ تھی
گھوڑے کے سم نے موذیوں کے سر کچل دیے
دریا کے چوکیدار لہو میں نہا گئے
بچ بچ کے آبِ تیغ کے چھینٹوں میں آ گئے
دم بھر میں ذوالفقار نے بے آبرو کیا

نوکیں جسے لگیں وہ پکارا سناں چلی
اس نے کہا یہاں وہ پکارا وہاں چلی
جلوہ تھا ہر مقام پر اور پھر کہیں نہ تھی
نیزوں کی ڈانڈ کٹ کے گرہ پر گرہ گری
بندِ کمر کھلا تو ہوا غل کہ یہ گری
مشکل کشا کی تیغ نے عقدوں کو وا کیا

مولا گھٹے بڑھے تو عجب جزر و مد ہوا
مروے بنے جو تیر تو ترکش لحد ہوا
سیفی اُلٹ پڑی ابھی چلّہ کھنچا نہ تھا
برپا تھا حشر رن میں قیامت کی چال تھی
پیاسے جو تھے حسین تو غصے سے لال تھی
دریا پہ جس کو پایا لہو اس کا پی گئی

آفت تھی قہر تھی غضبِ ذوالجلال تھی
خنجر تھی نیمچہ تھی کٹاری تھی بھال تھی
جیتا تو سامنے سے کوئی کم نکل گیا

یکتا تھی بے نظیر تھی اور بے مثال تھی
بجلی زمیں پہ تھی تو فلک پر ہلال تھی
آگے رہی سپر سے بھی کچھ رزم گاہ میں

تیغ خدا تھی ضرب سے اس کی کہاں پناہ
کیونکر نہ خلق اُس کو کہے آسماں پناہ
نصرت بھی اک لقب دم تیغ دوسر کا تھا

روحیں گئیں سقر میں بدن رن میں رہ گئے
جانیں کہاں کی زخم فقط تن میں رہ گئے
دوزخ میں سر اُٹھانے کی کب اُن کو بار ہے

غل تھا کہ اس کی ضرب سنبھالی نہ جائے گی
جب آئے گی سروں پہ تو خالی نہ جائے گی
جوہر نہیں ہیں تیغِ شہِ خوش خصال پر

بجلی سی جس پرے پہ وہ چل پھر کے رہ گئی
ہر صف میں بہرِ جنگ و جدل پھر کے رہ گئی
بیدم ہوا کوئی سرکش نکل گیا

معشوق سبزہ رنگ تھی وہ تیغ حق رخی
دیکھی علیؑ کے وقت سے فوجوں کی برہمی
برسوں رہی بغل میں شہِ مشرقین کی

بجلی تھی صاعقہ تھی فنا تھی زوال تھی
اعدا کے ذبح کرنے کو سحر حلال تھی
منہ اُس کا جس نے دیکھ لیا دم نکل گیا

کیا آزمودہ کار تھی کیا ذی کمال تھی
اعدا پہ تیغ قبلۂ عالم پہ ڈھال تھی
حمزہؓ کی ڈھال بھی تھی اُسی کی پناہ میں

پستی ہو یا کہ اوج نہ یاں اور نہ واں پناہ
جس تیغ کی پناہ میں خود ہو جہاں پناہ
برسوں سے اُس کی پشت پہ تکیہ ظفر کا تھا

جو شیر بن کے آئے تھے وہ بن میں رہ گئے
ہاں طوق لعن طعن کے گردن میں رہ گئے
اب گردنوں پہ تیغ تبرا سوار ہے

بے جان لیے یہ تیغ ہلالی نہ جائے گی
یہ وہ بلائے بد ہے کہ ٹالی نہ جائے گی
سیفی لکھی ہوئی ہے دعائے ہلال پر

خادم کی طرح ساتھ اجل پھر کے رہ گئی
پھر کر تھما جو اسپ تو کل پھر کے رہ گئی
آنکھوں کے سامنے سے چھلاوا نکل گیا

لب پر لہو سے پان کی لالی سی تھی جمی
آتش مزاج معرکہ آرا کسی دمی
جھیلے ہوئے لڑائیاں بدر حنین کی

تلواریں پیچ و تاب سے بل کھا کے رہ گئیں
پھل یوں اُڑے کہ برچھیاں تھرا کے رہ گئیں
سہمے جو دل کمانیں بھی چلّا کے رہ گئیں
چشمِ زرہ کی پتلیاں پتھرا کے رہ گئیں
ڈھالوں کے رنگ خوف سے کافور ہو گئے
چار آئنوں کے شیشۂ دل چور ہو گئے

سر اُڑ گئے تنوں سے، جدھر سرسری چلی
خشکی سے خوں میں ڈوب کے ہوئے تری چلی
خالی ہوئے پرے تو غضب میں بھری چلی
غل تھا کہ لو دکھا کے لگاوٹ پری چلی
خنجر انھیں کے اُن کا لہو چاٹنے لگے
دیوانے آپ اپنے گلے کاٹنے لگے

چلنے میں گر کبھی کمر اُس کی لچک گئی
ڈھالوں کے ابرِ تیرہ میں بجلی چمک گئی
اُڑنے لگیں جو خون کی چھینٹیں سرک گئی
گہ آئی نہر پر کبھی سوئے فلک گئی
برسے نہ اس ترنگ سے بادل اساڑھ کے
قربان ذوالفقار تری گھاٹ باڑھ کے

چھوٹیں کمانیں قبضوں سے اُڑ چٹکیوں سے تیر
کیسی لڑائی سہمے ہوئے تھے جوان و پیر
عاری تھے تیغ زن قدر انداز گوشہ گیر
اپنے لہو میں لوٹتے پھرتے تھے پھر شریر
لشکر سیہ رُخوں کا جو پامال ہو گیا
مارے خوشی کے تیغ کا منہ لال ہو گیا

بڑھتی تھی زور شور سے ہر دم لسانِ ود
گر گر کے بہہ رہے تھے مثالِ حبابِ خود
نیزے کٹے ہوئے تھے تو ٹوٹے ہوئے عمود
خالی تھا رن، بھری تھی سروں سے اجل کی گود
تھمتی نہ تھی جو تیغِ شہِ مشرقین کی
جنگل میں شور تھا کہ دُہائی حسین کی

اے بحرِ طبع بس یہ روانی کہاں تلک
ہاں اے زبان یہ چرب زبانی کہاں تلک
اے ذوالفقار شعلہ فشانی کہاں تلک
قصّہ تمام کر یہ کہانی کہاں تلک
خنجر ہی اور گلوئے شہِ مشرقین ہی
خاموش ہو یہ وقتِ نمازِ حسین ہی

بھولیں گے مومنو کو نہ یہ یادگار بند
فرصت ملے تو کہکے سناؤں ہزار بند
برسوں نہ ہو زبانِ فصاحت شعار بند
سُن لو کہ گریہ خیز ہیں یہ پانچ چار بند
دی ہی جو مصطفیٰ کی قسم فوجِ شام نے
"تلوار روک لی ہی تمھارے امام نے

پہنچا ہی عنقریب لبِ بام آفتاب
دریا پہ ہیں مگر نہیں ملتا وضو کو آب
شوقِ نمازِ عصر میں ہیں مضطرب جناب
سید کو تیر مارتے ہیں خانماں خراب
منظور ہی نہ جنگ نہ ہاتھوں میں زور ہی
بجلی جو تھم گئی ہی تو کیا منھ کا زور ہی

لگتا ہی جب خدنگ تو چھٹتی ہی خوں کی دھار
کہتے تھے رو کے شاہ کہ اب کیوں ہی بیقرار
کاٹھی میں فرطِ غم سے تڑپتی ہی ذوالفقار
بس بس کہ قتل ہو چکے دشمن کئی ہزار
کب تک وغا حسینؑ کا دل دردمند ہی
اے ذوالفقار صبر خدا کو پسند ہی

آقا شہید ہوتا ہی گھوڑے کو ہی یہ غم
فرماتے ہیں حسینؑ کہ اے ذوالجناح تھم
حربوں سے شاہِ دیں کو بچاتا ہی دمبدم
پھر میں اتر پڑوں گا ہٹا یاں سے گر قدم
وعدہ ہی خوں میں بھرنے کا ربِّ قدیر سے
للہ اب بچا نہ مجھے تیغ و تیر سے

سینے پہ اب چڑھے گا مرے شمرِ روسیاہ
دو دن سے میرے ساتھ ہی بے دانہ و گیاہ
تجھ سے نہ دیکھا جائے تو جا سوئے خیمہ گاہ
شرمندہ تجھ سے ہوں بہت اے میرے خیرخواہ
عادل کا سامنا ہی شہِ مشرقین کو
مارا ہو گر کبھی تو بحل کر حسینؑ کو

کہتا ہی رو کے شاہ سے اسپِ وفا شعار
جب تک ہی دم قدم کو نہ چھوڑے گا جاں نثار
رخصت کے وقت مجھ پہ جو حضرت ہوئے سوار
بنتِ علیؑ نے مجھ سے کہا تھا یہ حالِ زار
پھر ایک بار ڈیوڑھی پہ لانا حسینؑ کو
اے ذوالجناح چھوڑ نہ آنا حسینؑ کو

دو دن سے خود حضور ہیں بے آب بے طعام
میں کیا ہوں اے حسینؑ سکینہؑ ہی تشنہ کام
بچپن سے میرے حال پہ شفقت رہی مدام
میں کس زباں سے شکر کروں اے شہِ انام
برسوں چڑھے پہ دل سے اتارا کبھی نہیں
تقصیر پر بھی آپ نے مارا کبھی نہیں

یہ ذکر تھا ابھی کہ بڑھی فوجِ اشقیا
دو لاکھ نے امام کو حلقے میں لے لیا
زہرا نے خاک اڑا کے جو عریان سر کیا
تھرا گیا مزارِ شہنشاہِ انبیا
نیزے لگے جو تن پہ حسینؑ دلیر کے
بستی نجف کی ہل گئی نعروں سے شیر کے

مارا ابوالحنوق لعیں نے گلے پہ تیر
جھکنے لگا جو غش میں علیؑ کا مہِ منیر
تیغوں سے پیچ سبز عمامے کے کٹ گئے
ہاں اے حسینیو یہ مصیبت کا وقت ہے
رونے میں فاطمہؓ کے رفاقت کا وقت ہے
نکلے رکاب پائے شہِ مشرقین سے
لو گر پڑے زمین پہ شبیرؑ ہے غضب
پھر برچھیاں لگاتے ہیں بے پیر ہے غضب
گر پڑتے ہیں زمیں پہ کبھی گہ سنبھلتے ہیں
دُرِّ عدن عقیق یمن بن گئے ہیں سب
ہر زخم پر لعینوں سے پانی کی ہے طلب
لب تک دہن سے بات بھی دقت سے آتی تھی
ڈوبے ہوئے لہو میں اٹھائے ہیں دونوں ہاتھ
شیعوں کو میرے آتشِ دوزخ سے دے نجات
زیرِ زمیں بھی موردِ لطف و کرم رہیں
لب پر تھی یہ دعا کہ لگا تیر حلق پر
سجدے میں حق کے جھک گئے ہاتھوں کو ٹیک کر
زانو رکھا جو چھاتی پہ زہرا کے جائے کی
تھرا کے دیکھنے جو لگا وہ اِدھر اُدھر
حیدرؑ بہت قریب ہیں تھامے ہوئے جگر
ڈر قہرِ حق سے دست درازی کو چھوڑ دے

خوں ہو کے حلق شہ سے بہا فاطمہؓ کا شیر
بھاگا لگا کے فرق پہ شمشیر اک شریر
گردن سے ذوالجناح کی جھک کر لپٹ گئے
سر پیٹنے کا وقت ہے رقت کا وقت ہے
گرتا ہے عرش حق پہ قیامت کا وقت ہے
گھوڑے پہ اب تھما نہیں جاتا حسینؑ سے
ڈوبی لہو میں زلفِ گرہ گیر ہے غضب
زخمی سے گلے پہ اور لگا تیر ہے غضب
جھک جھک کے منہ سے خوں کے لختے اگلتے ہیں
فیروزئی ہیں پیاس کی شدت سے لعل لب
دیتا نہیں جواب مگر کوئی بے ادب
طاری ہے ضعف یہ کہ زباں لڑکھڑاتی تھی
خالق سے یہ دعا ہے کہ اے ربِّ پاک ذات
عزت حیات میں ہو تو رحمت پسِ وفات
یہ سب کے سب صراط پہ ثابت قدم رہیں
ریش خضاب دار ہوئی سب لہو میں تر
واں آستیں الٹ کے بڑھا شمر بد گہر
داہنی طرف سے آئی صدا ہائے ہائے کی
دیکھا کھڑے ہیں احمدِ مرسلؐ برہنہ سر
زہرا کی ہے صدا کہ نہ سید کو ذبح کر
صدقہ نبیؐ کا میرے نمازی کو چھوڑ دے

سبط کی کونسی ہی خطا کونسا گناہ
بے سر اگر ہوا یہ غریبوں کا بادشاہ
یہ ظلم و جور احمدؐ و حیدرؑ کے سامنے

ہٹنے لگا جو ڈر کے وہ مرتد جفا شعار
ڈرتا ہی کیوں یہ سحر ہی اے مرد نامدار
اب حشر ہوگا اس جسدِ پاش پاش پر

سیّد پہ ہو رہا ہی ادھر ظلم برملا
بنتِ علیؓ کو روک سکے گا کوئی بھلا
خلعت لے اسپ لے گہرِ شاہوار لے

یہ سُن کے اس شقی سے بڑھا پھر وہ کینہ جو
بولے یہ آنکھیں کھول کے شبیرؑ نیک خو
ثابت ہوا مجھے کہ اجل اب قریب ہی

خنجر ہٹا کے حلق سے ظالم نے یہ کہا
شہ بولے یاں سے سامنا ہی خیمہ گاہ کا
بھائی کے مرتے وقت بہن کا گزر نہ ہو

یہ کہہ کے خود نشیب کی جانب چلے امام
سجدے میں واں پہونچ کے جھکے پھر شہِ انام
خنجر سے ذبح جان و دلِ فاطمہؓ ہوا

اس وقت پہونچی زینبِ ناشاد نوحہ گر
بکھری ہوئی تھیں چہرے پہ زلفیں ادھر ادھر
ہی خاک سجدہ گاہ جبینِ حسینؑ کی

ہی ہی مرا حسینؑ تو ہی سب کا خیرخواہ
ہو جائیں گی سفر میں نبیؐ زادیاں تباہ
بیٹے کو ذبح کرتا ہی مادر کے سامنے

چلّایا بڑھ کے یوں پسرِ سعد نابکار
جلدی پھرا دے شہ کے گلے پہ چھری کی دھار
سر کھولے زینبؑ آتی ہی بھائی کی لاش پر

زخمی گلے پہ دوڑ کے رکھ دے گی وہ گلا
ڈر ہی الٹ نہ جائے کہیں دشتِ کربلا
تن سے سرِ حسینؓ کو جلدی اتار لے

خنجر رکھا گلے پہ محمدؐ کے روبرو
اماں تڑپ رہی ہیں زمیں پر کشادہ مو
کہدے ابھی ہی دور کہ زینبؑ قریب ہی

سیدانی ایک خیمے سے نکلی ہی بے ردا
لیچل مجھے نشیب میں ای بانیِ جفا
یوں ذبح کر مجھے کہ کسی کو خبر نہ ہو

مُڑ مُڑ کے دیکھتے تھے مگر جانبِ خیام
فریاد الغیاث قیامت کا ہی مقام
جس جا تھی قتل گاہ وہیں خاتمہ ہوا

جب شمر ہاتھ میں لیے جاتا تھا شہ کا سر
رخسار دونوں زرد تھے اور ہونٹ خشک تھے
آنکھیں کھلی تھیں فاطمہؓ کے نورِ عین کی

قرآن پڑھ رہا تھا سرِ ابنِ بوتراب
اور ریش میں کھلا ہوا تھا جا بجا خضاب
روشن تھا بعد قتل بھی رُخ مثلِ آفتاب
ظاہر تھا یہ لبوں سے کہ پایا نہیں ہے آب
آنکھوں سے یہ عیاں تھا کہ دنیا سے جاتے ہیں
ثابت یہ خشک ہونٹوں سے تھا مسکراتے ہیں

چلائی سر کو پیٹ کے زینبؓ جگر فگار
ہے ہے شہید ہو گیا نانا کا یادگار
سیّد تری کھلی ہوئی آنکھوں کے میں نثار
بھیا بہن کے آنے کا تھا تم کو انتظار
شاید ابھی چلی ہے چھری حلقِ پاک پر
اس وجہ سے لہو یہ ٹپکتا ہے خاک پر

کیا چپکے چپکے جان دی اے شاہ دیں پناہ
سر تن سے کٹ گیا نہ پکارے بہن کو واہ
آئی صدا کہ بات کی فرصت ملی نہ آہ
زینبؓ ہمارے حال کی ہے فاطمہؓ گواہ
خنجر گلے پہ سینے پہ قاتل سوار تھا
اس جبر میں بہن مرا کیا اختیار تھا

قاتل بڑھا جو لیکے سرِ سرورِ زمن
کس یاس سے کہا کہ خدا حافظ اے بہن
پھیلا کے دونوں ہاتھوں کو دوڑی وہ بے وطن
آئی صدا اے دخترِ محبوبِ ذوالمنن
بیٹی ترے شہید برادر کے ساتھ ہوں
تو جاکے ڈھونڈھ لاش کو میں سر کے ساتھ ہوں

چلائی وہ کہ لاشۂ عریاں ہے کس طرف
ہے ہے تنِ امامِ غریباں ہے کس طرف
اے طائرو وہ فخرِ سلیماں ہے کس طرف
اے دشتِ کربلا ترا مہماں ہے کس طرف
زہرا کی عمر بھر کی کمائی کو کیا ہوا
بتلا دے اے زمین مرے بھائی کو کیا ہوا

ہے کس مقام پر مرے سیّد کی قتل گاہ
اے خاک کس نشیب میں ہے فاطمہؓ کا ماہ
اے ارضِ نینوا مجھے ملتی نہیں ہے راہ
اے آسماں یہ کیا ہے کہ دن ہو گیا سیاہ
اے شامِ غم وہ گیسوؤں والا کدھر گیا
اے آفتاب تیرا اُجالا کدھر گیا

یہ کہتی تھی کہ لاشۂ بے سر کدھر گیا
بس دوڑ کر لپٹ گئی وہ غم کی مبتلا
چلائی ہائے بھائی یہ کیسا ستم ہوا
آئی صدا یہ لاش سے جو مرضئ خدا
کچھ غم نہیں جو ذبح میں ناکام ہو گیا
اُمت کی مغفرت کا سرانجام ہو گیا

بس اے انیس ابتو ہو شور و فغان آہ
آباد لکھنؤ رہے تا حشر یا الٰہ
یارب ہرا بھرا چمن آرزو رہے

آمین زبان دل سے کہیں عاشقان شاہ
رکھ میرے دوستوں کو جہاں میں بعزو جاہ
جب تک چمن میں گل رہے اور گل میں بو رہے

رُباعی

کیا مرتبہ سلطان حجازی کا ہے ❊ کیا عزو شرف امام غازی کا ہے
سجدے کا نشاں دیکھ کے سب کہتے تھے ❊ نیزے پہ یہ سر کسی نمازی کا ہے

رُباعی

جب بی بیوں سے وداع ہوتے تھے حسینؑ ❊ تقریر سے سب کے ہوش کھوتے تھے حسینؑ
سب کو تو تسلی دیتے جاتے تھے مگر ❊ زینبؑ کی طرف دیکھ کے روتے تھے حسین

رُباعی

بادل آآ کے رو گئے ہائے غضب ❊ آنسو نایاب ہو گئے ہائے غضب
جی بھر کے حسینؑ کو نہ روئے ہر سال ❊ آنکھوں کے نصیب سو گئے ہائے غضب

مرثیہ (۲۵)

جب نوجواں پسر شہ دیں سے جدا ہوا
نور نظر امام مبیں سے جدا ہوا
دل داغ ہو گیا دل و جان بتولؓ کا
برچھی سے ٹکڑے ہو گیا لخت جگر کا دل
ہوتا ہے آبگینہ سے نازک بشر کا دل
ایوب بھی اگر ہوں تو دم بھر نہ کل پڑے
پیری میں آفت ہے غم اولاد الاماں
وہ اضطراب خاطر ناشاد الاماں
بیٹا نہ ہو تو زیست کا پھر کیا مزا رہا
بسمل کے لوٹنے کی کسی دل کو کیا خبر
کشتی کے ڈوب جانے کی ساحل کو کیا خبر
خاروں سے پوچھیے نہ کسی گل سے پوچھیے
بچھڑا وہ لال جس کا گوارا نہ تھا فراق
اے موت جلد آ کہ بس اب زندگی ہے شاق
برباد اس طرح کوئی آباد گھر نہ ہو
بچھڑے پدر سے اکبر مہرو ہزار حیف
کیا خوشنما تھے دوش پہ گیسو ہزار حیف
وہ زلف و رخ وہ پیار کی باتیں کدھر گئیں

روشن تر سپہر بریں سے جدا ہوا
لخت جگر حسین حسیں سے جدا ہوا
گھر بے چراغ ہو گیا سبط رسولؐ کا
خود باپ نے چھدا ہوا دیکھا پسر کا دل
پتھر کا دل نہیں ہے یہ دل ہے پدر کا دل
آنسو تھمیں تو منہ سے کلیجہ نکل پڑے
دل اور زخم خنجر فولاد الاماں
وہ اشک شور اور وہ فریاد الاماں
جب گھر اجڑ گیا تو زمانے میں کیا رہا
غربت میں کون لٹ گیا منزل کو کیا خبر
کس پر چھری یہ چل گئی قاتل کو کیا خبر
صدمہ چمن کے لٹنے کا بلبل سے پوچھیے
فرماتے تھے کہ لوٹ لیا تو نے اے عراق
خنجر کی آرزو ہے شہادت کا اشتیاق
کیا زندگی کا لطف جب ایسا پسر نہ ہو
اب رو بہ رو ہے سامنے نہ وہ ابرو ہزار حیف
وہ بھینی بھینی جسم کی خوشبو ہزار حیف
وہ دن کہاں ہیں آہ وہ راتیں کدھر گئیں

سب چاہیں جس کی زیست وہ شیر ژیاں مرے
افسوس نوجواں جیے جانِ جہاں مرے
پیدا تو کس جگہ ہوئے آ کر کہاں مرے
قدرت خدا کی پیر جیے نوجواں مرے
اِس عمر میں جہاں سے گزرنے کے دن نہ تھے
کہتا ہے خود شباب کہ مرنے کے دن نہ تھے

پھولے پھلے نہ وہ چمنِ روزگار میں
جھونکا چلا ہوائے خزاں کا بہار میں
دیکھا کبھی نہ ایک گُل ایسا ہزار میں
کیا زور ہے امانتِ پروردگار میں
بے بس تھے وہ کہ ساتھ کسی کو نہ لے گئے
جس دم طلب ہوئے تو اکیلے چلے گئے

روتے ہوئے حرم میں گئے قبلۂ انام
تر تھی لہو سے سخت جگر کی قبا تمام
رُخ زرد دل میں درد بدن سرد تشنہ کام
طاقت نہ قلب میں نہ بدن میں لہو کا نام
یہ درد تھا بکا میں کہ دل ٹکڑے ہوتے تھے
یہ حال تھا کہ رونے پہ دشمن بھی روتے تھے

پیارے یہ تھے حسین علیہ السلام کے
لائی حرم سرا میں بہن ہاتھ تھام کے
تھرا رہے تھے پاؤں شہِ تشنہ کام کے
سر دوش پر تھا زینبؓ عالی مقام کے
فرماتے تھے بہن علی اکبر گزر گئے
ہم ایسے سخت جاں ہیں کہ اب تک نہ مر گئے

پُرسا تمھیں شہید کا دینے کو آئے ہیں
کِس کِس کے داغ آج جگر پر اُٹھائے ہیں
بیٹھے ہیں خاک اُڑائی ہے آنسو بہائے ہیں
یہ ہم تمھارے لال کے خوں میں نہائے ہیں
سر تھا حسینؑ بیکس و تنہا کی گود میں
بیٹے کی جان نکلی ہے بابا کی گود میں

سربارِ دوش ہے ہمیں رخصت کرو بہن
اب عنقریب خیمۂ عصمت ہے تیغ زن
مُردے پڑے ہوئے ہیں عزیزوں کے بے کفن
پامال ہو نہ لاشۂ فرزندِ صف شکن
محجوب ہم ہیں قاسم نوشہ کی روح سے
شرمندگی نہ ہو علی اکبرؑ کی روح سے

یہ سُن کے بی بیوں کے جگر پر چھری چلی
زینبؓ زمیں پہ گر کے پکاری کہ یا علی
سرِّ خفی جہاں کے ہیں سب آپ پر جلی
جاتا ہے سرکشوں میں یہ کونین کا ولی
بیکس کو آسرا ہے پسر کا نہ بھائی کا
آقا یہی تو وقت ہے مشکل کشائی کا

صدقے گئی پسر کے بچانے میں کد کرو
فرزندِ فاطمہ کی بلاوں کو رد کرو
دریا کو چھین لو حقِ زہراؑ اسند کرو
یا شبیرِ حق مقامِ مدد ہی مدد کرو
پانی پہ جنگ آگ لگی ہی یہ دہر میں
حصہ پسر کا کیا نہیں مادر کے مہر میں

یا مصطفیٰ بلا میں پھنسا ہی تمھارا لال
یا شیرِ ذوالجلال دکھاؤ انھیں جلال
یا فاطمہؑ میں لیتی ہوں بکھراؤ سر کے بال
یا رب الٹ دے آج یہ سب عرصۂ قتال
پھر کیا کسی سے کام ہی سب سے جدا رہوں
بھائی کو اپنے لیکے میں جنگل میں جا رہوں

فرمایا شہ نے صبر نہیں چاہیے تمھیں
خالق کی یاد سرِّ علن چاہیے تمھیں
لب پر رضا رضا کا سخن چاہیے تمھیں
جو نانا کا تھا چلن وہ چلن چاہیے تمھیں
ہر بار پوچھتے تھے سبب آہِ سرد کا
شکوہ کیا علی سے نہ پہلو کے درد کا

دردِ شکم سے لوٹتی تھیں وہ نکو خصال
ٹوٹیں ہیں پسلیاں یہ ہمیں بھی نہ تھا خیال
پوچھا کسی نے جب تو کہا شکرِ ذوالجلال
مارو کے تیل کا تو کھلا وقتِ غسل حال
رونے میں دن تڑپنے میں راتیں گزر گئیں
بستر تھا جس جگہ اسی حجرے میں مر گئیں

ظاہر میں جو علی پہ کیے ظالموں نے جبر
اس غم سے تھا نہ چین نبی کو میانِ قبر
حجرے میں بیٹھ بیٹھ کے روتے تھے مثلِ ابر
منھ سے سُنا نہ تھا کوئی کلمہ سوائے صبر
ہم کیا ہیں چیز ہاتھ بندھے یا گلا بندھے
جب ریسمان سے گردنِ مشکل کشا بندھے

عزلت گزیں تھے بعد علی قبلۂ دوم
اُس بیکسی میں سر پہ نہ جد تھے نہ ابن ام
مسموم کس خطا پہ ہوئے تھے حواس گم
ٹکڑے جگر کے گنتا تھا میں رو رہی تھیں تم
بعد از قضا بھی درپئ ایذا شریر تھے
فرزندِ فاطمہؑ کے جنازے پہ تیر تھے

ہیں موردِ بلا و مصیبت ازل سے ہم
اس غم کدے میں چین سے گزرا نہ ایک دم
غم ہی ہمارے واسطے ہم ہیں برائے غم
سب اپنے اپنے عہد میں سہ گئے ستم
اب آخری بہن یہ سواری ہماری ہی
بعد اُن بزرگواروں کے باری ہماری ہی

یہ سچ کہ تم کو مجھ سے محبت ہی اے بہن
کیا کیجیے ناگزیر یہ فرقت ہی اے بہن
پیارے تمھارے بھائی کی رخصت ہی اے بہن
دنیا مقام رنج و مصیبت ہی اے بہن
بھولے نہ یادِ حق کبھی گو حالِ غیر ہو
اس کی ظفر ہی خاتمہ جس کا بخیر ہو

کیا کریں تم بہن اجل آئی وطن میں گر
یکساں ہی مرنے والے کو جنگل ہو یا کہ گھر
درپیش ہی سفر میں ہمیں خلق سے سفر
اب آرزو یہ ہی کہ کٹے جلد تن سے سر
ہر دکھ میں خوش ہیں وہ جنھیں الفت خدا کی ہی
میرا نہیں یہ سر تو امانت خدا کی ہی

دیکھا یہ کہکے بالی سکینہؑ کو پاس سے
لپٹی وہ دوڑ کر شہ گردوں اساس سے
طاقت نہ تھی کلام کی ہرچند پیاس سے
بولی وہ تشنہ کام شہ حق شناس سے
کیا اس بلا کے بن سے تہیہ سفر کا ہی
صدقے گئی بتاؤ ارادہ کدھر کا ہی

فرمایا شہ نے ہاں سفرِ ناگزیر ہی
آؤ گلے لگو کہ یہ صحبت اخیر ہی
اب آرزوے قربِ خداے قدیر ہی
تنہا ہیں ہم سپاہِ مخالف کثیر ہی
طے ہو یہ مرحلہ جو عنایت خدا کرے
جس کا نہ کوئی دوست ہو بی بی وہ کیا کرے

سنکر مصیبتِ پدرِ بیکس و حزیں
بولی بلائیں باپ کی لیکر وہ مہ جبیں
نکلو بلا کے بن سے کہیں بابا امامِ دیں
آقا سوا حضور کے میرا کوئی نہیں
صدقے گئی مدینے چلو یا نجف چلو
للہ ساتھ لیلو مجھے جس طرف چلو

شہ نے کہا کہ بند ہیں راہیں پدر نثار
پھیلی ہوئی ہی چار طرف فوجِ نابکار
پیدل نکلنے پاتا ہی ناکوں سے نہ سوار
اس دشتِ کیں میں قید ہی احمدؐ کا یادگار
قاصد جو میرے نام کا خط لیکے آتے ہیں
سر کاٹ کر درختوں میں لٹکائے جاتے ہیں

عمو تمھارے چھوڑ گئے ہم کو جاں بلب
بی بی قدم پہ گر کے ہمیں کون روکے اب
تلواریں چل گئیں جنے قاسم پہ بے سبب
مرنا شباب میں علی اکبر کا ہی غضب
تھی جن سے زندگی کی حلاوت وہ چھٹ گئے
دو تین گھر بھرے ہوئے اک دم میں کٹ گئے

ہر چند صبح و شام ہی جاری یہ شاہراہ
ہر کوئی قافلہ نہ ہوا ہوگا یوں تباہ
پایا تھا عمر کھو کے جنھیں ہم نے آہ آہ
ڈھونڈا کہاں کہاں نہیں ملتے وہ رشکِ ماہ
کیا ہوگا لاکھ روئیں گے یا خاک اُڑائیں گے
نہ عمر اب پھرے گی نہ وہ دوست آئیں گے

بی بی یہاں سے اہلِ وطن ہیں قریب تر
پر میری بیکسی کی نہیں ایک کو خبر
بھیجے ہیں شیعیانِ یمن نے بھی نامہ بر
لیکن حسین تک نہ ہوا ایک کا گزر
قریوں سے بھی مدد کو جو نکلا وہ گھر گیا
لشکر بنی اسد کا قریب آ کے پھر گیا

گھیرا ہی اس لیے مجھے اس بن میں بےگناہ
تا مجھ تک آ سکے نہ کوئی میرا خیر خواہ
نے دوست نے عزیز نہ غمخوار نے سپاہ
ساتھی تو سب عدم میں وطن دور گھر تباہ
مجھ سا بھی کوئی بیکس و بے پر بشر نہ ہو
مر کر نہ دفن ہوں تو کسی کو خبر نہ ہو

جانا ہی دور شب کو جو آنا نہ ہو ادھر
ضد کر کے روئیو نہ ہمیں چاہتی ہو گر
پہلے پہل ہی آج شبِ فرقتِ پدر
سو رہیو ماں کی چھاتی پہ غربت سے رکھ کے سر
راحت کے دن گزر گئے اب فصل اور ہی
اب یوں بسر کرو جو یتیموں کا طور ہی

ننھے سے ہاتھ جوڑ کے بولی وہ تشنہ کام
بتلایئے مجھے کہ یتیمی ہی کس کا نام
آنکھوں سے خوں بہا کے یہ کہنے لگے امام
کھل جائے گا یہ درد و الم تم پہ تا بہ شام
بی بی نہ پوچھو کچھ یہ مصیبت عظیم ہی
مر جائے جس کا باپ وہ بچہ یتیم ہی

بندے اُتار و طوق بڑھاؤ پدر نثار
چھپنا کہیں جو لوٹنے آئیں ستم شعار
چلائیو نہ اینْ ابی کہہ کے بار بار
دشمن ہمارے نام کا ہی شمرِ نابکار
لو الوداع جاتے ہیں اب قتل گاہ میں
سونپا تمھیں خدا و نبیؐ کی پناہ میں

یہ کہہ کے پیاری بیٹی کو دیکھا ادھر اُدھر
پوچھا کدھر ہیں بانوئے ناشاد نوحہ گر
فضہ نے عرض کی کہ اُدھر پیٹتی ہیں سر
رخصت کی بھی حضور کی اُن کو نہیں خبر
لب پر گھڑی گھڑی علی اکبرؑ کا نام ہی
چلیے ذرا کہ کام اب اُن کا تمام ہی

رکھی تھی لا کے لاش پسر آپ نے جہاں
منہ اُس زمیں پہ ملتی ہیں اور ہی لبوں پہ جاں
کرتی ہیں اُٹھ کے آہ تو ہلتا ہی آسماں
نعرہ یہ ہی کہ ہائے میرا شبیر نوجواں
واری گئے نہ قبر میں اماں کو گاڑ کے
جنگل بسا دیا مری بستی اُجاڑ کے

روتے ہوئے گئے جو وہاں شاد خوش خصال
دیکھا کہ غش ہیں خاک پہ بکھرے ہوئے ہیں بال
تپتیر بیٹھ کر یہ پکارے بصد ملال
ای شہر بانو ہوش میں آؤ یہ کیا ہی حال
سچ ہی فلک نے تم کو بڑے دکھ دکھائے ہیں
صاحب اُٹھو ہم آخری رخصت کو آئے ہیں

سُن کر صدا حسین کی چونکی وہ نوحہ گر
کی عرض سر جھکا کے قدم پر بچشمِ تر
تنہا حضور آئے ہیں باندھے ہوئے کمر
صاحب کہاں ہی منتوں والا مرا پسر
ایسے نہیں جو دُکھ میں جدا ہوں وہ باپ سے
اپنے مراد والے کو لونگی میں آپ سے

ای جانِ فاطمہؑ مرا پیارا کدھر گیا
اماں کی زندگی کا سہارا کدھر گیا
وہ تین دن کی پیاس کا مارا کدھر گیا
سیدانیوں کی آنکھوں کا تارا کدھر گیا
مرتی ہوں اپنے سروِ سہی قد کو دیکھ لوں
اک بار پھر شبیہِ محمدؐ کو دیکھ لوں

وہ گورا گورا چاند سا مُکھڑا دکھائیں پھر
لیلوں میں گیسوؤں کی بلائیں تو جائیں پھر
مجھ کو تو خیریت سے غرض ہی نہ آئیں پھر
خوشبو میں تن کی سونگھ لوں. جنگل بسائیں پھر
تڑپے گا دل تو لیکے اجازت حضور سے
میں دیکھ لونگی در پہ کھڑی ہو کے دور سے

بیخود تھی میں جب آئے تھے میداں سے وہ ادھر
کیا دیکھتی مجھے تو کچھ آتا نہ تھا نظر
سنبھلا جو دل ذرا تو پھڑکنے لگا جگر
کب آئے کب گئے مجھے مطلق نہیں خبر
آئے تو چھپ کے آئے گئے نہ ملے ہوئے
باتیں نہ پیار کی ہوئیں نہ کچھ گلے ہوئے

گر ہیں خفا تو آئیں میں اُٹھ کر نثار ہوں
اُن کی خطا نہیں ہی میں تقصیر وار ہوں
دائی ہوں اُن کی آپ کی خدمت گزار ہوں
اب رحم کیجیے کہ بہت بے قرار ہوں
تکلیف گرچہ ہوگی شہِ مشرقین کو
لے آیئے منا کے مرے نورِ عین کو

باتیں یہ سُن کے کہنے لگے شاہِ بحر و بر
یا رب جدا نہ ہو کسی ماں سے جواں پسر
بانو کسے بلاؤں کہاں ہی وہ سیمبر
ہمشکلِ مصطفٰےؐ تو گئے فاطمہؓ کے گھر
ہر دُکھ میں صبر کرتے ہیں جو حق شناس ہیں
جس نے تمھیں دیا تھا وہ اب اس کے پاس ہیں

جاگے ہوئے تھے رات کے نیند آگئی انھیں
ہی ہی منافقوں کی نظر کھا گئی اونھیں
محنت بہت کیا یہ اجل پا گئی اونھیں
صحرائے کربلا کی فضا بھا گئی انھیں
زندہ نہ ہوگا لال اگر مر بھی جاؤ گی
بانوؓ کوئی گھڑی میں ہمیں بھی نہ پاؤ گی

جاتے ہیں ہم وہیں کہ جہاں ہی وہ لالہ فام
کہدو جو اپنے لال کو دینا ہو کچھ پیام
سُن کر یہ ذکر ہوش میں آئی وہ تشنہ کام
سمجھی کہ گھر تباہ ہوا اب چلے امام
خنجر سے حلق شاہ کے کٹنے کا طور ہی
بستی اُجڑ کے تخت اُلٹنے کا طور ہی

دامن پکڑ کے شاہ کا بولی وہ دلِ فگار
ای ابنِ فاطمہؓ یہ کنیز آپ کے نثار
بعد آپ کے جو لوٹنے آئیں ستم شعار
بیٹھے کہاں یہ بیکس و غمگین و سوگوار
کچھ حق میں اس کنیز کے فرما کے جائیے
صاحب کسی جگہ مجھے بٹھلا کے جائیے

میں وہ ہوں جو کہ قید میں آئی تھی یا امام
مشہور ہوں کنیزِ امامِ فلک مقام
پاس آپ کے ہی نانا کا ای قبلۂ انام
گر قید ہو گئی تو کہیں گے یہ خاص و عام
بندی چلی ہی شام کو آلِ رسولؐ کی
دیکھو یہی بہو ہی علیؑ و بتولؓ کی

فرمایا شہ نے حافظ و حامی ہی ذوالجلال
زہرا کی بیٹیوں کی رہیں تم شریکِ حال
زینبؓ کو دیکھو سر پہ نہ بھائی نہ دونوں لال
صاحب تمھارے ساتھ ہی عابد سا خوش خصال
بے وارثوں کا وارث و والی اللہ ہی
دیکھوگے نہ پاؤں کہ مشکل کی راہ ہی

لو الوداع لاش پہ اب آکے روئیو
لیکن نہ خاک اُڑا کے نہ چلا کے روئیو
زانو پہ سر کو شرم سے نہوڑا کے روئیو
قبرِ رسولِ پاک پہ ہاں جا کے روئیو
لٹنے میں صبر شکر تباہی میں چاہیے
رونا بشر کو خوفِ الٰہی میں چاہیے

یہ سن کے حشر ہو گیا فریاد و آہ سے
سیدانیاں لپٹ گئیں زہرا کے ماہ سے
ٹھہرا گیا نہ پھر شہِ عالم پناہ سے
نکلے حسینؑ روتے ہوئے خیمہ گاہ سے
چوتھا فلک ضیا سے جلو خانہ بن گیا
خورشیدِ شمع حسن کا پروانہ بن گیا

ل کر حرم سے در پہ جو شاہِ غیور آئے
اک غل ہوا حضور کرامت ظہور آئے
لاؤ فرس کو ڈیوڑھی پہ جلدی حضور آئے
عمیٰ بھی ہو تو آنکھ کی پتلی میں نور آئے
پھرتا تھا سر پہ چتر سلیماں جناب کے
سایہ تھا ایک بیچ میں دو آفتاب کے

نصرت کی تھی صدا کہ زہے حشمت و جلال
تاباں رہے یہ نیرِ اقبالِ بے زوال
شوکت کی یہ دعا تھی کہ اے فاطمہؑ کے لال
سرسبز تیرے دوست عدو تیرے پائمال
یارب فسادِ خلق سے امن و اماں رہے
جب تک زمیں رہے یہ امامِ زماں رہے

بیٹا نہ تھا نہ کوئی برادر ادھر اودھر
پر قدسیوں کی صف تھی برابر ادھر اودھر
مڑ مڑ کے دیکھتے تھے جو سرور ادھر اودھر
گرتی تھی برقِ حسن جھپک کر ادھر اودھر
جلوے دکھا رہی تھی ضیا ہاتھ پاؤں کی
اک چاندنی بچھی ہوئی تھی دھوپ چھاؤں کی

غل تھا فلک کا رنگ بدلتا ہے دیکھ لو
ذروں سے آفتاب بھی جلتا ہے دیکھ لو
لو جوئن آج دن کا بھی ڈھلتا ہے دیکھ لو
قدموں پہ نور آنکھوں کو ملتا ہے دیکھ لو
نقش اس قدم کے چاند سے روشن دو چند ہیں
مجمر ہے آسمان تو ستارے سپند ہیں

آمد فرس کی تھی دولہن آتی ہے جس طرح
تھم تھم کے نکہتِ چمن آتی ہے جس طرح
تصویر آہوے ختن آتی ہے جس طرح
یا شمع سوے انجمن آتی ہے جس طرح
باہم طیور کہتے تھے کبک دری ہے یہ
گھوڑے چراغ پا تھے کہ بیشک پری ہے یہ

آیا عجب شکوہ سے اسپِ قمر رکاب
تھامے تھی فتح زین کا دامن ظفر رکاب
چشمک زنی ہلال پہ کرتی تھی ہر رکاب
حلقہ تھا نورِ مہر کا یا جلوہ گر رکاب
فتراک تھی کہ کھولے ہوئے تھا عقاب پر
زیں پر تھا گرد پوش کہ ابر آفتاب پر

اخترِ نجل ہیں زینِ جواہر نگار سے
ذرّوں نے چُن لیے ہیں ستارے غبار سے
تھمتا تھا کب سوارِ فراست شعار سے
گردن میں ہاتھ باگ نے ڈالے ہیں پیار سے
نازاں ہی خود رکاب کے پائے کو دیکھ کر
بل کر رہا ہی خاک پہ سائے کو دیکھ کر

قربان اُس نگاورِ ضیغم شکار کے
پامال کردے شبر کو ٹاپوں سے مار کے
شائستگی کو پوچھیئے دلِ سے سوار کے
چاہے تو ایک طفل چڑھے باگ اتار کے
رکھدے قدم تو رنگ نہ میلا ہو پھول کا
پیارا فرس ہی راکبِ دوشِ رسولؐ کا

چاروں سموں سے بدر نجل نعل سے ہلال
کھیلیں شکار شیر یہ آنکھیں ہیں وہ غزال
کہیئے نہ یال حور نے بکھرا دیئے ہیں بال
پھرنے پہ جھوم جھوم کے صدقے پری کی چال
رستے ہیں یاد گنبدِ نیلی رواق کے
دُلدل کی تیزیاں ہیں طرارے براق کے

سینہ کشادہ تنگ کمر چست جوڑ بند
گردن میں خم ہلال کا اور اس پہ سربلند
جاندار۔ بردبار عدو کش ظفر پسند
بجلی کسی جگہ کہیں آہو کہیں پرند
سرعت ہی ابر کی تو لطافت ہوا کی ہی
اتنے ہنر فرس میں یہ قدرت خدا کی ہی

دونوں کنوتیاں جو بہم ہیں بشکلِ لا
سوچیں تو اہلِ بزم کہ مطلب ہی اس کا کیا
ہاں بے زباں ہی گو پہ یہ کہتا ہی برملا
آقا ہی میرا صاحبِ لاسیف و لافتا
افسوس اہلِ شام کو کچھ پیش و پس نہیں
آقا حسینؑ سا نہیں مجھ سا فرس نہیں

لو اب سوار ہوتا ہی زہرا کا یادگار
تھامے رکاب کون۔ نہ یاور نہ غمگسار
رو کر فرس سے کہتے ہیں شبیرِ نامدار
ای ذوالجناح دیکھ یہ نیرنگِ روزگار
سب دوپہر میں ابنِ علیؑ سے جدا ہوئے
جو تیرے گرد رہتے تھے وہ دوست کیا ہوئے

سب دوست بے مثال تھے روؤں کسے کسے
خوشرو تھے باکمال تھے روؤں کسے کسے
حیدر کے پانچ لال تھے روؤں کسے کسے
سات آٹھ خرد سال تھے روؤں کسے کسے
خیر اُن کے پیاسے مرنے کے جب فکر ہوئیں گے
سب میرے دوست میرے عوض ان کو روئیں گے

مرتا ہے ایک دوست کسی شخص کا اگر
وہ شخص اس کے ہجر میں روتا ہے عمر بھر

ایک دن میں صاف ہو گیا میرا تو گھر کا گھر
کیا دور ہے جو مر کے بھی سیدھی نہ ہو کمر

اس گھر میں جتنے گھر ہیں سب بے چراغ ہیں
میرے تو ایک کلیجے پہ اٹھارہ داغ ہیں

پیاسے مرے ہیں ساتھ جو میرے یہ تشنہ کام
گھر گھر میں ان کی نذر کا ہوئے گا اہتمام

جاری سبیلیں رکھیں گے رستہ پہ خاص و عام
چلائیں گے یہ پانی کے بھر بھر کے سرو جام

بھولو نہ تشنگی کو شہ تشنہ کام کی
پیاسو پیو سبیل ہے نذرِ امام کی

ایسے کسے ملے ہیں رفیقانِ باوفا
پیشِ خدا جلیل ہے ان سب کا مرتبا

ہوتے جہاں میں آج جو پیغمبر خدا
کرتے ہر ایک شہید کا ماتم جدا جدا

شانہ بتولؑ بالوں میں کرتی نہ عمر بھر
چادر سیاہ سر سے اترتی نہ عمر بھر

یہ سن کے ذوالجناح تو روتا تھا زار زار
چلاتی تھی یہ زوجۂ عباسِ نامدار

صاحب اٹھو ترائی سے میں آپ پر نثار
آقا سوار ہوتے ہیں آیا ہے راہوار

یاں آکے ساتھ جاؤ امامِ غیور کے
سایہ کرو کہ دھوپ ہے سر پر حضور کے

بانو پکارتی تھی کہ اکبرؑ کدھر ہو تم
بیٹا پدر کے کوچ کے دن سے خبر ہو تم

تھامو رکاب باپ کے پیارے پسر ہو تم
اماں کا گھر تو لٹتا ہے دادی کے گھر ہو تم

بازو کو تھامو ہاتھ میں حضرت کے ہاتھ دو
بیاہ ضعیفی وقت میں حضرت کا ساتھ دو

لکھا ہے یاں لجامِ فرس پر تھا دستِ شاہ
فریاد وا حسینؑ سے ملتی تھی قتل گاہ

خیمے سے نکلی اک زنِ بالابلند آہ
رخ پر نقاب پاؤں میں موزے عبا سیاہ

حسن رسولؐ شان علیؑ کا ظہور تھا
گویا لباسِ کعبہ میں خالق کا نور تھا

پردہ ہٹا جھکی ہوئی آئی وہ دل کباب
تھامی لرزتے ہاتھوں سے رہوار کی رکاب

گھوڑے پہ جلوہ گر ہوئے شاہِ فلک جناب
بیت الشرف میں پھر گئی وہ مثلِ آفتاب

جس کا یہ ذکر تھا وہ نواسی نبیؐ کی تھی
زینبؓ بہن حسینؑ کی بیٹی علیؑ کی تھی

رن کو سواریِ شہ جن و بشر چلی ۔۔ پیچھے تمام فوج ملک ننگے سر چلی
گھوڑے کے ساتھ فاطمہؑ تھامے جگر چلی ۔۔ شبدیز کیا چلا کہ نسیمِ سحر چلی
طبقہ تمام نور سواری سے عرش تھا ۔۔ سونے کی تھی زمین تو ستاروں کا فرش تھا

ذروں سے آفتاب کی ضو آشکار تھی ۔۔ سرسبز تھے درخت زمیں لالہ زار تھی
ماتم میں اک سماں تھا خزاں میں بہار تھی ۔۔ جنگل تھا مشک بیز ہوا عطر بار تھی
غل تھا نہ دور دور چلو نہ بہم چلو ۔۔ ہاں خادمو ادب سے قدم با قدم چلو

وہ شان وہ شکوہ وہ شوکت جناب کی ۔۔ اللہ ری ضو جھپکتی تھی آنکھ آفتاب کی
تصویر تھی جنابِ رسالت مآب کی ۔۔ پیری دکھا رہی تھی لطافت شباب کی
بر میں نبی کا جامۂ عنبر شمامہ ہے ۔۔ رنگت تو پھول سی ہے گلابی عمامہ ہے

غل تھا فرس پہ سیدِ والا کو دیکھ لو ۔۔ ہاں برق و شرقِ طورِ تجلی کو دیکھ لو
پڑھ کر درود صورتِ مولا کو دیکھ لو ۔۔ بالائے رحل مصحفِ زہرا کو دیکھ لو
پایا کسی بشر نے یہ پایا ہے خلق میں ۔۔ قرآں انھیں کے واسطے آیا ہے خلق میں

حوریں ہیں گرد ساغرِ کوثر لیے ہوئے ۔۔ پریاں جلو میں ہیں طبقِ زر لیے ہوئے
جبریل ہیں نجات کا دفتر لیے ہوئے ۔۔ جھولی میں ہے نسیم گلِ تر لیے ہوئے
لٹتے ہیں پھول وادیِ عنبر سرشت میں ۔۔ دولہ برات لیکے چلا ہے بہشت میں

وہ روئے دل فروز وہ زلفوں کا پیچ و تاب ۔۔ گویا کہ نصف شب میں نمایاں ہے آفتاب
ابرو کی ذو الفقار سے زہرہ عدو کا آب ۔۔ آنکھیں وہ جن سے نرگسِ فردوس کو حجاب
پتلی کا رعب سب پہ عیاں ہے خدائی میں ۔۔ بیٹھا ہے شیر ہاتھوں کو ٹیکے ترائی میں

پہونچا جو اس شکوہ سے خیبر کشا کا لال ۔۔ کانپے جبل لرزنے لگا عرصۂ قتال
ٹوٹے جو مورچے تو پکارے یہ بدخصال ۔۔ بھاگو کہ آیا شیرِ الٰہی پئے جدال
دیکھا جو رعبِ قبلۂ عالی مقام کو ۔۔ علموں نے جھک کے ہاتھ بڑھائے سلام کو

بڑھکر صدا نقیب نے دی روبرو نگاہ
آواز دی ظفر نے کہ ای معدلت پناہ
زہرہ عدو کا آب کلیجہ لہو رہے
نیزہ زمیں پہ آپ نے گاڑا جو یک بیک
شاید قیامت آئی زمیں پر گرا فلک
غل تھا الٹ چکے ہیں حسینؑ آستین کو
دب دب کے مورچوں سے اُدھر پہلواں ہٹے
سرکی زمیں مگر نہ امامِ زماں ہٹے
سر بھی کٹے اگر تو نہ پیچھے قدم ہٹیں
لو گونجتا ہی شیر رجز خواں ہیں شاہِ دیں
روشن ہمارے نور سے ہی شاہراہِ دیں
سجدے بتوں کو کرتے تھے ساکن کنشت کے
خالی کیا علی نے بتوں سے خدا کا گھر
غل تھا علی ہیں دوشِ محمدؐ پہ جلوہ گر
سب سے نبی کا رتبۂ اعلیٰ ہی دیکھ لو
زنّار گردنوں پہ تمھارے سوار تھی
اسلام کے چمن میں کبھی یہ بہار تھی
چرچا تھا کفر و فسق و فجور و گناہ کا
کعبے میں ہم نے پہلے اذاں دی بشد و مد
ہم پر ازل سے ہیں کرم مفضلِ احد
تم لوگ جس طرح سے پھرتے ہو فرش پر

دشمن ترے ذلیل معاند ترے تباہ
تاباں رہے ستارۂ اقبال و عز و جاہ
ہر معرکہ میں تیغِ علی سُرخرو رہے
ماہی نے دب کے گاؤ زمیں سے کہا کڑک
بس یا حفیظ کہہ کے لرزنے لگی سمک
یا بوتراب آ کے بچا لو زمین کو
لشکر ہٹا نشانِ ضلالت نشاں ہٹے
سچ ہی کہ قطبِ دائرۂ دیں کہاں ہٹے
کعبہ کہیں ہٹا ہو تو شاہِ اُمم ہٹیں
نعرہ یہ ہی کہ ہیں ہمیں پشت و پناہِ دیں
دنیا میں ہم ہیں تاج سرِ عز و جاہِ دیں
ہم نے تمھیں بتا دیے رستے بہشت کے
عزّیٰ کہاں ہیں لات و ہبل آج ہیں کدھر
مصحف مصحف آج ہی اور نور نور پر
شبیرِ خدا کی شان دو بالا ہی دیکھ لو
شرکِ جلی یہ تھا کہ پرستش میں نار تھی
حق حق کی مسجدوں میں یہ کس دن پکار تھی
یہ شور کب تھا اشہد ان لا الٰہ کا
دریائے رحمتِ صمدی ہیں ہمارے جد
سب ہم پہ منکشف ہی جو کچھ ہوگا تا ابد
ہم یوں پلک جھپکتے میں جاتے ہیں عرش پر

گھر میں ہمارے وحیِ خدا لائے جبرئیل
جب آئے خادموں کی طرح آئے جبرئیل

مشہور ہم ہیں خلق میں آقائے جبرئیل
اس گھر کی خادمی ہی تمنائے جبرئیل

شاگردیِ علیؑ سے سرافراز جب ہوئے
جبریل تب مقربِ درگاہِ رب ہوئے

آٹھوں بہشت باغِ ولایت کے پھول ہیں
ہم سے ولا کرو کہ ہم آلِ رسولؐ ہیں

اعمالِ دشمنانِ علی نا قبول ہیں
روزے ہوں یا نمازیں سب بے اصول ہیں

پھر کیا ہوا زکوٰۃ بھی گر حج سمیت کی
شرطِ قبولیت ہی ولا اہلِ بیت کی

عزت جہاں میں سب کو ہماری ولا نے دی
کفار کو شکست شہِ لافتا نے دی

بیٹی نبیؐ نے تیغِ دو سر کبریا نے دی
کعبے سے بھی سوا ہمیں حرمت خدا نے دی

رتبہ بلند سب سے خدا کے ولی کا ہی
سجدے ہیں اس لیے کہ وہ مولد علی کا ہی

کیوں ظالمو رسول کا پیارا نہیں ہوں میں
کیوں عرشِ کبریا کا ستارا نہیں ہوں میں

کیوں مستحقِ لطف و مدارا نہیں ہوں میں
کیوں جاہلو امام تمہارا نہیں ہوں میں

سید پہ ظلم کونسی یہ رسم و راہ ہی
کیا میہمان کو پانی کا دینا گناہ ہی

وہ نہر جس کو خلق میں جاری کرے الٰہ
روکی ہی تم نے ظلم کی تیغوں سے اس کی راہ

پانی پہ جنگ پیاسوں سے دریا پہ بغض واہ
یہ کس ولی کا گھر تھا جسے کر دیا تباہ

سیراب گرگ و شیر ہوں اور اسپ و خر پیئیں
اولادِ فاطمہؓ نہ پیئے جانور پیئیں

کھنچ کھنچ کے جائے ساری زراعت میں آبِ نہر
محرومِ ابنِ ساقیِ کوثر یہ کیا ہی قہر

اس میں یہ نہر بھی ہی جو ہی فاطمہؓ کا مہر
شہرہ ہی ناریوں کی تواضع کا شہر شہر

امت نبی کی آہ یہ سفاک ہو گئی
بس آج آبروئے فلک خاک ہو گئی

کرتا ہی پاسداریِ مہمان ہر بشر
ملتے ہیں اس سے جھک کے جو آتا ہی اپنے گھر

عاجز بھی لا کے سامنے رکھتا ہی ماحضر
فاقہ ہی تیسرا ہمیں اور تم ہو بے خبر

بستانِ کربلا میں ہوا یہ بری چلی
پانی کیا طلب تو گلے پر چھری چلی

سُن کر بیانِ شاہ فصیحوں نے سر جھکائے
کتنوں نے پھیر پھیر کے منہ اشک بھی بہائے

اکثر صفوں میں شور یہ اُٹھا کہ ہائے ہائے
کیوں ہم رسولِ حق کے نواسے سے لڑنے آئے

خم کر کے گردنیں عمر و شمر ٹل گئے
فولاد نرم ہو گیا پتھر پگھل گئے

نوفل سے بڑھ کے یہ پسرِ سعد نے کہا
ہاں جلدی حکم دے کہ بجیں طبل جابجا

ہو سب صفوں میں نالۂ شہنا کا غل بپا
تا فوج میں سُنے نہ کوئی شاہ کی صدا

مظلومیِ حسینؑ پہ دل ٹکڑے ہوتے ہیں
انساں کا ذکر کیا ہے گھوڑے بھی روتے ہیں

تاکہ بجے جلاجل و قرنا و طبل و دف
خاموش ہو گئے شہِ مظلوم اس طرف

چلّوں میں تیر جوڑ کے بڑھنے لگی جو صف
اُگلی اُدھر نیام سے تیغِ شہِ نجف

جاگو ہٹو بچو یہ صدا دی سپاہ نے
پانی سے منہ نکالا ہے مارِ سیاہ نے

تیغ و سر کو روک کے حضرت نے یہ کہا
بیکس سے کس طرح تمہیں منظور ہے وغا

آؤ عرب کی طرح جو ہے قصد جنگ کا
سب مل کے گر لڑو تو پھر اس میں ہے دیر کیا

دنیا سے وقتِ عصر گزرنا ہے ہر طرح
حاضر میں ہر طرح ہوں کہ مرنا ہے ہر طرح

سر کو نہ سر نہ جان کو ہم جاں سمجھتے ہیں
ہاں حکمِ کردگار کو ایماں سمجھتے ہیں

مشکل ہزار ہو اُسے آساں سمجھتے ہیں
ہم ایک اور لاکھ کو یکساں سمجھتے ہیں

اس معرکے میں کھیت پڑے ہیں اسی طرح
بچّے ہمارے تم سے لڑے ہیں اسی طرح

لڑتا نکل کے ایک سے گر ایک نامدار
برسوں بھی تم سے ختم نہ ہوتی یہ کارزار

نکلا ادھر سے ایک اُدھر سے بڑھے ہزار
اس پر بھی الاماں کا غل اُٹھتا تھا بار بار

بے دیں کا ساتھ دے کے حمیت کو کھو دیا
تم نے تو آج نامِ عرب کا ڈبو دیا

یہ ذکر تھا کہ تیر چلے اُس سپاہ سے
گیتی کو زلزلہ ہوا زہرا کی آہ سے

پھر ضبط ہو سکا نہ شہِ دیں پناہ سے
بجلی گری صفوں پہ غضب کی نگاہ سے

چمکی علی کی تیغ جو دشتِ مصاف میں
پریاں چھپیں جزیروں میں سیمرغ قاف میں

کاٹھی سے اس طرح ہوئی تیغِ دو سر جدا
نصرت کا آئنہ تھا جدا اور گہر جدا
تیغِ کشیدہ دستِ شہِ بحر و بر میں ہے
ناگاہ رن میں تیغِ شہِ لافتیٰ چلی
بن میں سمومِ قہرِ عتابِ خدا چلی
آوازِ الاماں کی سپہرِ بریں پہ تھی
پہونچے جو مثلِ شیر جھپٹ کر ادھر ادھر
آیا گیا فرس جو سمٹ کر ادھر ادھر
جاروب تھی کہ سیف میانِ مصاف تھی
ملتی تھی جائے امن نہ زیرِ فلک کہیں
جنات نے حواس کہیں تھے ملک کہیں
پانی سے جل بجھا تھا کوئی کوئی نار سے
غل شش جہت میں تھا کہ نہ اس سے دوچار ہو
کون اس کے منہ پہ جائے اجل کا شکار ہو
بھاگیں کہ ان صفوں کو ہم آراستہ کریں
جب سن سے فوجِ شام پہ وہ شعلہ رو چلی
ٹھہری بڑھی چمکتی ہوئی چار سو چلی
تیزی یوں ہی زباں میں سخنور کو چاہیے
اب دم نہ لیجیو یہ اجل اس سے کہہ گئی
کاٹی زرہ کڑی بھی پڑی جو وہ سہہ گئی
غصے میں قتل برق قرار اس نے کم لیا

جیسے سوادِ شب سے بیاضِ سحر جدا
محمل جدا تھا لیلیٔ فتح و ظفر جدا
طومار ہاتھ میں ہے لفافہ کمر میں ہے
گویا صفوں پہ کھولے ہوئے منہ بلا چلی
جھونکوں سے جس کے اڑتے ہیں وہ ہوا چلی
بڑھ کر جو یوں پھرے صفِ اوّل میں پھکتی
سر گر پڑے ترائی میں کٹ کر ادھر ادھر
ڈھالوں کا ابر رہ گیا چھٹ کر ادھر ادھر
دریا کی راہ حملۂ اول میں صاف تھی
غل تھا کہ بل نہ جائے سما و سمک کہیں
سایہ کہیں تھا تیغ کہیں تھی چمک کہیں
گرتی تھیں تین بجلیاں یک ذوالفقار سے
بھاگو کہیں یہ برق نہ پھر شعلہ بار ہو
جو ایک ہے وہ دو ہو جو دو ہے وہ چار ہو
مہلت جو تیغ دے تو دم آراستہ کریں
بس سر کے بل سقر میں سپاہِ عدو چلی
آئی کس آب و تاب سے کیا سرخرو چلی
پاس آبرو کا صاحبِ جوہر کو چاہیے
ندی لہو کی دشتِ پر آفت میں بہہ گئی
بھاگا کوئی شقی تو لہو پی کے رہ گئی
لاکھوں میں ڈھونڈ کر اسے مارا جو دم لیا

پھل اسکا سپر پہ نہ جوشن پہ رہ گیا
جس پر پڑی تڑپ کے وہ توسن پہ رہ گیا
دو ٹکڑے ہو کے سر نہ فقط تن پہ رہ گیا
خوں بھی اجل گرفتہ کی گردن پہ رہ گیا
دم میں نہ وہ غرور نہ وہ خودسری رہی
مجرم وہی رہا یہ خطا سے بری رہی

یکساں برش میں جوہرِ ذاتی میں قدر میں
چمکی احد میں خیبر و خندق میں بدر میں
تیزی وہی تھی منہ کی اس آشوبِ غدر میں
بڑھکر سپر سے سر میں گئی سر سے صدر میں
کھینچے ہوئے سپر سے نیا رنگ ڈھنگ تھا
راکب تھا نہ فرس تھا نہ زیں تھا نہ تنگ تھا

مانندِ برق تیغ کا سایہ جدھر گرا
بیٹے پہ باپ باپ پہ مرکر پسر گرا
یہ ہاتھ اس طرف تو وہ بازو اُدھر گرا
پر کالے اُڑ گئے وہ سپر کے یہ سر گرا
قبضے میں اب ہے تیغ نہ دستانے ہاتھ میں
کیوں دیدیا ہے ہاتھ کو بیگانے ہاتھ میں

سرکش ہوا پہ جو تھے وہ سب گرد ہو گئے
سُرخی رخوں سے اُڑ گئی منہ زرد ہو گئے
دعوئ مردمی تھا پہ نامرد ہو گئے
ہنگامہ جن سے گرم تھا وہ سرد ہو گئے
مرنے پہ بھی نصیب کی سوزش نجائے گی
اب ناریوں کو آتشِ دوزخ جلائے گی

عاری تھے تیغِ شاہِ حجازی سے نیزہ باز
سہم الٹ کے گرتے تھے تازی سے نیزہ باز
روکے تھے ہاتھ دست درازی سے نیزہ باز
باز آئے اپنی شعبدہ بازی سے نیزہ باز
یوں جھٹ سے کھولدیتے تھے نیزے کے بند کو
آتش پہ ڈالدے کوئی جیسے سپند کو

غل تھا کہ وہ چمکتی ہوئی آئی یہ گری
برچھی سی اُڑ گئی وہ سناں یہ گرہ گری
ترکش کٹا کمانِ کیانی سے زہ گری
سر اُڑ گیا وہ خود اُڑا یہ زرہ گری
آتی ہے لشکروں پہ تباہی اسی طرح
گرتی ہے برقِ قہرِ الٰہی اسی طرح

وہ شام ہو وہ روم کے قدر انداز بے نظیر
سہوا نہ چوکتا تھا نشانوں سے جن کا تیر
ہر صف میں سہم سہم کے ہوتے تھے گوشہ گیر
چلاتے تھے کہ موت کے حلقے میں ہیں اسیر
بیجے علم کر کے گر کبھی لشکرکشی کریں
سر کاٹ ڈالیے گا جواب سرکشی کریں

مشاق ساٹھ ساٹھ برس کے وہ تیر دست
بے سر تھے وہ بھی بادۂ نخوت سے جو تھے مست
چلّا نہ سوجھتا تھا اٹھیں آنکھ سے نہ شست
غارت تھے مثل تیر ہوائی ہوا پرست
ترکش دو نیم ہو گئے زہ گیر کیا کرے
چلّا نہ ہو کماں پہ تو پھر تیر کیا کرے

وہ شہسوار دوشِ محمدؐ کی ران و باگ
تلوار کیا فرس کو بھی تھی شامیوں سے لاگ
کیا ٹھہرے دھوپ میں کہ وہ سیماب ہے یہ آگ
ایک ایک کو پکار رہا تھا کہ بھاگ بھاگ
زور اس سے چل سکے گا نہ رستم نہ گیو کا
اس پہلتن کی ٹاپ طمانچہ ہے دیو کا

پھرتا ہے کیا صفوں میں فرس جھوم جھوم کے
سرعت بلائیں لیتی تھی منہ چوم چوم کے
پامال تھے پرے سپہ شام و روم کے
غل تھا یہ غول ہیں پسرِ سعدِ شوم کے
رخش ایسا روم و ری میں نہیں شام میں نہیں
یہ شوخیاں تو گردشِ ایام میں نہیں

چار آئنہ سے یوں نکل آتی تھی ذوالفقار
عینک کے پار ہوتا ہے جیسے نگہ کا تار
چار آئنہ تو کیا تھے کہ ہوتے بھلا وہ چار
ہر دم تھا امتزاجِ عناصر کو انتشار
الٹے جہاں رن ایسا اگر ایک گھڑی پڑے
کیا ہو زرہ سے ضرب جب ایسی کڑی پڑے

خود و زرہ و دام سے آزاد یہ اسیر
تیر و کماں سخت وہ بے پر یہ گوشہ گیر
شمشیر جاں ستاں و کمند و سنان و تیر
بے آب سر بریدہ و ژولیدہ و حقیر
بے برگ و بار دشمنِ آلِ رسول ہیں
اب برچھیوں میں پھل ہیں نہ ڈھالوں میں پھول ہیں

اس تیغ کے وقار سے کوہِ گراں سبک
ڈھالوں کی شامیوں کی گھٹا ابر سے تنگ
یہ آگ اور ڈر سے ادھر دست و پا خنک
چلنے میں بس یہی دم و دعوے اُڑا برنگ
مقتل کے ہر نشیب کو لاشوں سے پاٹ دے
پر جبرئیل کے بھی سپر ہوں تو کاٹ دے

جب اٹھ کے تیغِ صفدرِ قدسی شرف گری
گویا کہ برقِ سطوتِ شاہِ نجف گری
آیا ادھر خدا کا غضب جس طرف گری
کٹ کر گرا پرے پہ پرا صف پہ صف گری
سیفی چلی کہ سیف صفِ کارزار پر
گھوڑے گرے پیادوں پہ پیدل سوار پر

اللہ ری شان واہ رے حملے جناب کے
دکھلا دیئے وغا میں چلن بوتراب کے
پتلی جدھر سوار نے پھیری یہ مڑ گیا
جم کر صفوں سے یوں فرسِ تندخو اڑا
تلوار جب چلی سرِ نحس عدو اڑا
ہر دم برش بڑھی رہی گھاٹ اس کا نام ہے

باطل کو حق سے خیر سے شر کو جدا کیا
یوں کفر دیں کو تیغ دو سر سے جدا کیا
ٹکڑے اڑائے دم میں سیاہِ شریر کے
بخشا ہے کبریا نے اصالت کو کیا وقار
یا آبرو کا اس کی جوہر ذاتی ہے انکسار
اس عز و اعتلا پہ زباں بھی رکی رہی

خالص اگر ہے مشک تو بو آشکار ہے
زرگر کی مدح قدح کا کیا اعتبار ہے
بد مغز کو کمال کی دولت خدا نہ دے
اک ذوالفقار خلق میں دو ہاتھ سے چلی
یہ مصطفےٰ کی جان وہ اللہ کا ولی
فخرِ مجاہدین پسر فاطمہؑ ہوا

ظلمت سے نور نور سے ظلمت جدا ہوئی
دینِ مبیں سے کفر کی بدعت جدا ہوئی
اس دبدبہ سے زیر کیا روم و شام کو

خاک اڑ گئی جدھر گئے گھوڑے کو داب کے
فتراک تھی کہ پر فرسِ لاجواب کے
اترا براق بن کے پری ہو کے اڑ گیا
گویا ہمائے اوجِ شرف چار سو اڑا
نکلا دم اور نہ زخم سے مطلق لہو اڑا
اس کو صفائی کہتے ہیں کاٹ اس کا نام ہے

ظلمت کو دن سے شب کو سحر سے جدا کیا
گویا کلف کو روئے قمر سے جدا کیا
قربان ذوالفقارِ جنابِ امیرؑ کے
تھی سرنگوں اس اوج پہ وہ تیغِ آبدار
واں مدح ذوالفقار کی تھی عرش پر پکار
یہ کیا فروتنی ہے کہ گردن جھکی رہی

چمکے گا آپ وہ جو دُرِ شاہوار ہے
کہہ دے گی خود مہک کے طلا خوش عیار ہے
خالی ہو جو کہ ظرف وہ کیونکر صدا نہ دے
دستِ حسینؑ و پنجۂ مشکل کشا علیؑ
دونوں کا مرتبہ بھی دو عالم پہ ہے جلی
حیدرؑ سے ابتدا ہوئی یاں خاتمہ ہوا

وحدت سے ایک ضرب میں کثرت جدا ہوئی
ایماں کے راستے سے ضلالت جدا ہوئی
حکم جہاد پھر نہ ہوا تو امام کو

خود مہر عدو تھے حباب اُس کے سامنے
موج زرہ تھی نقش بر آب اُس کے سامنے
کیا منہ تھا دے جو تیغ جواب اُس کے سامنے
بڑھنے کو تھی سپر کو نہ تاب اُس کے سامنے
اللہ کا غضب ہے نہ جانے ہوئے تھے سب
لوہے کو ذوالفقار کے مانے ہوئے تھے سب

اللہ رے تلاطمِ افواجِ روسیاہ
ٹکراتے تھے پہ ملتی نہ تھی بھاگنے کی راہ
غل تھا پناہ دے ہمیں اے آسماں پناہ
امت رسول پاک کی ہوتی ہے اب تباہ
بخشو خطا یہ کام ہے مولا ثواب کا
صدقہ محمدِ عربی کی جناب کا

اُس شور میں سنا جو رسولِ خدا کا نام
پڑھ کر درود آپ نے بس روک لی حسام
فرمایا خیر لیگا خدا تم سے انتقام
عاجز نہیں یہ بیکس و مظلوم تشنہ کام
کیا چیز سر ہے بات پہ ہم لوگ مرتے ہیں
دیکھو اس اختیار پہ یوں صبر کرتے ہیں

چرخ و نجوم و شمس و قمر شہر و دشت و در
سنگ و معادن و صدف و قطرہ و گہر
اشجار و شاخ و برگ و گل و غنچہ و ثمر
رُکن و مقام و باب و منا زمزم و حجر
جن و ملک ہیں انس ہیں غلماں و حور ہے
کہدیں یہ سب کہ ابنِ علی بے قصور ہے

میں کیا لڑونگا غم سے لہو ہے مرا جگر
آنکھوں کے آگے خاک پہ ہے لاشۂ پسر
بازو کے غم میں ٹوٹ گئی ہے مری کمر
سر ہو یہ مرحلہ جو کٹے تن سے جلد سر
حسرت ہے یہ کہ تیغوں سے تن پاش پاش ہو
جب ذبح ہوں تو پہلوئے اکبر میں لاش ہو

بھاگو نہ لو نیام میں رکھتا ہوں میں حسام
مشتاقِ قربِ حق ہے یہ مظلوم تشنہ کام
دنیا سے اب غرض ہے نہ کچھ زندگی سے کام
حاضر ہے سر فقیر کا کیا کوچ کیا مقام
بیٹھے نہیں زمیں پہ خزانے کو گاڑ کے
موت آئی اُٹھ کھڑے ہوئے دامن کو جھاڑ کے

پلٹے یہ سن کے بھاگے ہوئے روسیاہ آہ
ابرِ ستم میں گھر گیا زہرا کا ماہ آہ
اک تشنہ لب پہ ٹوٹ پڑی سب سپاہ آہ
دو لاکھ حربے ایک تن زار آہ آہ
سب کچھ تھا اختیار پہ مجبور ہو گئے
شبیر سر سے تا بقدم چور ہو گئے

باندھے تھے چار غول جفا کار بہر جنگ
نیزوں کے وار ہوتے تھے اک صف سے بیدرنگ
اک صف سے تیغیں چلتی تھیں اور ایک سے خدنگ
چلتے تھے ایک صف سے پیاپے کلوخ و سنگ
زہرا تڑپ رہی تھی علیؑ ہاتھ ملتے تھے
یہ وار سب نبی کے کلیجے پہ چلتے تھے

وہ لوں وہ آفتاب کی تابندگی وہ بن
رونے کی چار سو تھی صدا بولتا تھا رَن
جھیلوں میں شیر ہانپتے تھے دشت میں ہرن
غل تھا خدا پرستوں کے لاشے ہیں بے کفن
آندھی میں خاک اُڑتی تھی گھوڑوں کے گشت سے
آواز ہائے ہائے کی آتی تھی دشت سے

بی بی پکارتی تھی کوئی ہائے میرے لال
زہرا کی دونوں بیٹیاں کھولے ہوئے تھیں بال
حیدر کا باغ ہوتا ہے جنگل میں پائمال
ڈیوڑھی سے نکلے پڑتے تھے بچوں کا تھا یہ حال
جھکتے تھے زیں سے جب شہِ ذی شان زمین پر
غل تھا کہ ہائے گرتا ہے قرآں زمین پر

جس روز تھا یہ حشر یہ ماتم یہ شور و شر
آ پہونچا اک مسافرِ غربت زدہ ادھر
نکلا تھا گھر سے شوق نجف میں وہ خوش سیر
چھوٹے ہوئے وطن سے اُسے گذرا تھا سال بھر
بے خانماں کو عشق خدا کے ولی کا تھا
مشتاق وہ زیارتِ قبرِ علیؑ کا تھا

رُخ زرد پاؤں سوجے ہوئے جسم پر غبار
ایمان و اعتقاد قوی پر بدن نزار
طاعت گزار نیک عقیدت وفا شعار
نہ راحلہ نہ زاد نہ ہمدم نہ غم گسار
یہ آرزو کہ گوہرِ بحرِ شرف ملے
چھانوں جہاں کی خاک پہ دُرِ نجف ملے

سر کو قدم کیے وہ سعید و خجستہ پے
دو دن کی راہ کرتا تھا اک ایک دن میں طے
پیاری نہ تھی جو قطعِ مسافت سے کوئی شے
آسان تھی اُس کو دوریِ شام و عراق و رے
اُن جنگلوں میں بادیہ پیما تھا دین کا
گز بن گیا تھا راہِ خدا کی زمین کا

دیتی تھی اُس کو طاقتِ رفتار جب جواب
جھک جھک کے دونوں پاؤں سے کرتا تھا یہ خطاب
لازم ہے تم کو سعی کہ یہ ہے رہِ ثواب
احسان میرے سر پہ تمہارا چلو شتاب
کیا کیا شرف تمہاری بدولت ملے نہیں
گنج گہر ہیں زیرِ قدم آ ملے نہیں

کرتا تھا ہر قدم پہ دعا وہ بہ شک و آہ
سمجھاتے تھے اُسے جو مسافر میانِ راہ
یاری نہ دیں قدم تو ٹھہرنا ضرور ہی

پہونچا جو کربلا میں تو دیکھا یہ اُس نے حال
فوجیں ستم کی گرد ہیں آمادۂ قتال
از بس کہ اہل درد تھا بیتاب ہو گیا

تھم کر جو اُس نے غور سے لاشوں پہ کی نظر
بچّہ پڑا ہی ایک ستارا سا خاک پر
سُرخی لہو سے حلق کے سیبِ ذقن میں ہی

برپا ہی ایک سمت جو خیمہ فلک وقار
چلّا رہی ہی ڈیوڑھی پہ یوں کوئی سوگوار
کانپا کلیجہ تھم کے سُنا جب دوہائی کو

بولا وہ مَل کے ہاتھ کہ یہ ماجرا ہی کیا
بیکس پہ یہ ستم یہ تعدی ہی یہ جفا
نیزوں سے صدر تیغوں سے تن چور چور ہی

کہنے لگا لرز کے وہ ذی قدر نیک نام
دریا خدا نے خلق کیے بہرِ فیضِ عام
اُن سے بشر ڈرے جنھیں خوفِ خدا نہیں

دو چار گام بڑھ کے یہ سوچا وہ نامور
واللہ برگزیدۂ حق ہی یہ خوش سیر
تیغوں میں اس کے پاس چلو جو خدا کرے

پہونچا دے مجھ کو منزل مقصد پہ یا اِلٰہ
اک دن مقام کر کہ ترا حال ہی تباہ
کہتا تھا رو کے وہ کہ نجف کتنی دور ہی

تنہا کھڑا ہی ایک مسافر لہو میں لال
چلتے ہیں تیر پانی کا کرتا ہی جب سوال
پانی کے مانگنے پہ جگر آب ہو گیا

دیکھا ہی کوئی رشکِ شمس کوئی غیرتِ قمر
کُرتہ بھی ہنسلیاں بھی گلو کہ بھی خوں میں تر
باچھوں میں سب ہی دودھ انگوٹھا دہن میں ہی

آتی ہی پیٹنے کی صدا اُس سے بار بار
صدقے میں تیرے اے مرے بابا کے یادگار
سمجھا کہ رو رہی ہی بہن اپنے بھائی کو

لٹنے کہاں نصیب تجھے وا مصیبتا
یا رب ہوئی ہی اس ترے بندے سے کیا خطا
آئی ندائے غیب کہ یہ بے قصور ہی

اللہ کس قدر ہی پُر آشوب یہ مقام
مرتا ہی بے اجل یہ ستم کش یہ مستہام
جلدی نکل چلو یہ ٹھہرنے کی جا نہیں

مظلوم کی دعا میں ہی سب طرح کا اثر
کر لیجے التماس دعا ہاتھ باندھ کر
آساں ہوں مشکلیں جو یہ بیکس دعا کرے

باتیں یہ کر کے دل سے بڑھا یہ اسیرِ غم
لاشوں کو دیکھ دیکھ کے روتا تھا دمبدم
ہاتف نے دی ندا کہ سمجھ کر اُٹھا قدم
رُتبے میں یہ زمیں بھی نہیں کچھ نجف سے کم
آنکھیں ملک بچھاتے ہیں اس ارضِ پاک پر
یہ سب ورق ہیں مصحفِ ناطق کے خاک پر

آیا جو کانپتا ہوا وہ شاہِ دیں کے پاس
کی عرض السلام علیک اے فلک اساس
مولا جواب دے کے یہ بولے بدرد و یاس
آنا ہوا کدھر سے ترا اے خدا شناس
عرض اُس نے کی غلامِ شہِ ذوالفقار ہوں
بیکس ہوں بے نوا ہوں غریب الدیار ہوں

طے کی ہے سال بھر میں پہاڑوں کی میں نے راہ
بچے کہیں تباہ ہیں خادم کہیں تباہ
اب تک ہے مجھ سے دور درِ ضیغمِ الٰہ
مال و متاع لیکے چلا تھا یہ پُرگناہ
غارت یہیں ہوئی ہے بضاعت غلام کی
لوٹا ہے راہ میں مجھے فوجوں نے شام کی

میں دو مہینے فوجِ ستم میں رہا اسیر
مولا علیؑ کے نام کے دشمن ہیں یہ شریر
ہتھیار لیکے آ نہیں سکتا ہے راہ گیر
تب قید سے چھٹا ہوں کہ جب ہو گیا فقیر
سر پر یہی کلاہ یہی اک لباس ہے
پر ہوں غنی کہ دولتِ دیں میرے پاس ہے

دو صاحبوں کے شوق میں چھوڑا ہے میں نے گھر
حسرت یہ ہے نصیب کرے یاوری اگر
پہلے تو ہوں نجف کی زیارت سے بہرہ ور
منظور پھر وہاں سے مدینے کا ہے سفر
جاؤنگا دولتیں ہیں اگر سرنوشت میں
رستے میں موت آئی تو پہونچا بہشت میں

فرمایا آپ نے کہ مدینے میں کیا ہے کام
عرض اُس نے کی وہی تو ہے دنیا میں اک مقام
اُس سرزمیں پہ ہے مرا آقا مرا امام
برسوں سے جس کے عشق میں روتا ہوں صبح و شام
حیدر کے جان و دل ہیں شہِ مشرقین ہیں
صدقے میں اُس جگہ کے وہی تو حسین ہیں

کیا دن سعید ہوگا میں اُس روز کے نثار
جس روز اُن کے گرد پھرونگا میں سات بار
چومونگا دونوں ہاتھ بصد عجز و افتخار
آنکھیں قدم پہ جھک کے ملونگا بہ انکسار
دنیا ہو اور فاطمہؓ کا نورِ عین ہو
دیکھوں انہیں صحیح و سلامت تو چین ہو

دشمن بہت امام کے ہیں اور دوست کم
اُمت دعا کرے نہ کہیں مجھ کو ہے یہ غم
اب پنجتن میں ہے تو انھیں کا ہے ایک دم
غربت گزیں ہے قبرِ نبیؐ پر وہ ذی حشم
زندہ ہیں گر حسینؑ تو زندہ ہیں چار دم
یارب اُس ایک دم کو عطا کر ہزار دم
اک بیمار شاہزادہ ہے ہمشکلِ مصطفےٰ
شہرہ ہے جس کی شکل و شمائل کا جا بجا
ماں کامرادوں والا پسر ہے وہ مہ لقا
سائے میں شہ کے اُس کو سلامت رکھے خدا
اُس رشکِ گل سے دور خزاں کی بلا رہے
یارب چمن حسین کا پھولا پھلا رہے

یہ سُن کے آپ آکے مسافر کے متصل
پھیلا کے دونوں ہاتھ کہا آ گلے تو مل
ہاں بھائی سچ ہے صدمۂ فرقت ہے جاں گسل
اس دم بہل گیا ترے آنے سے میرا دل
طاقت کلام کی نہیں پاتا یہ ضعف ہے
چہرا ترا نظر نہیں آتا یہ ضعف ہے

ہاں مدتوں سے ہے یہی نیرنگِ روزگار
ہر گل پہ ایک دن ہے خزاں ایک دن بہار
ہمدرد ہم بھی ہیں ترے اے یارِ غمگسار
تیری طرح لٹے ہیں نہیں چھوڑ کر دیار
شکرِ خدا مسافرِ راہِ ثواب ہیں
اب دیر کوچ میں نہیں پا در رکاب ہیں

کس سے کہیں کہ ہم پہ جو صدمہ گزر گیا
خالی ہوا عزیزوں سے گھر دشت بھر گیا
دنیا سے دوپہر میں مرا گھر کا گھر گیا
بیٹا جوان قتل ہوا بھائی مر گیا
بنتی نہیں جب آتی ہے قسمت بگاڑ پر
ٹکڑے ہو گر پڑے یہ مصیبت پہاڑ پر

میرا ہے اب یہ حال کہ زخموں سے چور ہوں
جنگل میں موت آئی ہے بستی سے دور ہوں
اِک خاکسار بندۂ ربِّ غفور ہوں
عالم ہے اُس کی ذات کہ میں بے قصور ہوں
کہنے میں بات آتی ہے یہ کچھ گلا نہیں
دن تیسرا ہے آج کہ پانی ملا نہیں

مولا سے ہاتھ جوڑ کے بولا وہ دل کباب
لے آؤ دوڑ کر مرے نفریہ میں کچھ ہو آب
کیجے زبان خشک کو تر بہرِ بوتراب
بولے ہلا کے سر کو شہِ آسماں جناب
اب انتظار موت کا ہے کیا جیونگا میں
سب پیاس سے مر گئے ہیں نہ پانی پیونگا میں

درکار جو تجھے ہو وہ لے بہر کردگار
پیدل اگر ہے تو، تو یہ حاضر ہے راہوار
ناقہ بھی لے، ترا تو ہی آقا وہ نامدار
سائل کو جس نے روٹی کے اونٹوں کی دی قطار
حاضر ہے جان و مال کہ ہے میہمان تو
بھائی ہمارے گھر کو بھی گھر اپنا جان تو

اسباب بھی ہے مال بھی ہے سیم و زر بھی ہے
موجود راحلہ بھی ہے زادِ سفر بھی ہے
مغفر بھی ہے زرہ بھی ہے تیغ و سپر بھی ہے
گر تیرے کام آئے تو حاضر یہ سر بھی ہے
بیکس ہوں گو کہ آج یہ عالی مقام ہوں
شرما نہ تو کہ میں بھی علیؑ کا غلام ہوں

آقا ترا جو ہے وہی آقا مرا بھی ہے
تیرا طبیب جو وہ مسیحا مرا بھی ہے
جو ہے ولیِ حق وہی مولا مرا بھی ہے
بھائی علی کے حصے میں حصہ مرا بھی ہے
ہاں مالِ غیر کف میں تصرف نہ چاہیے
آپس میں دوستوں کو تکلف نہ چاہیے

دیکھی جو یہ عنایتِ سلطانِ بحر و بر
رونے لگا وہ مردِ مسافر جھکا کے سر
دل سے کہا خدا کا ولی ہے یہ خوش سیر
اس حال میں غریب نوازی ہے اس قدر
دیکھی نہ باپ میں یہ محبت نہ بھائی میں
اب تک ہیں اس طرح کے بھی بندے خدائی میں

عرض اس نے کی حضور سے بس ہے یہ التجا
کیجے اٹھا کے ہاتھ مرے حق میں یہ دعا
پہونچا دے مجھ کو قبرِ علی پر مرا خدا
مولا نے آسماں کی طرف دیکھ کر کہا
جس کو نہیں زوال وہ دولت نصیب ہو
یارب اسے علی کی زیارت نصیب ہو

تسلیم اس نے کی تو یہ بولے شہِ انام
قبرِ علی پہ جا کے یہ کہنا مرا پیام
آتے ہیں آپ درد و مصیبت میں سب کے کام
میں بیکس و غریب بھی ہوں آپ کا غلام
تنہا ہوں دشمنوں میں خبر آ کے لیجیے
ہنگامِ ذبح گود میں سر آ کے لیجیے

سن کر بیانِ شاہ رہی ضبط کی نہ تاب
آنسو بہا کے سر کو جھکایا بصد حجاب
دل سے کہا کہ اب ہے لبِ بامِ آفتاب
بیکس کے کام آؤ کہ اس میں بھی ہے ثواب
احساں کا یہ عوض ہے کہ احسان کیجیے
اب سر علی کے نام پہ قربان کیجیے

حضرت سے عرض کی کہ نہ جائے گا اب غلام
اب دیجیے رضا کہ بڑھوں کھینچکر حسام
دیندار ہوں نہ ترکِ رفاقت کروں گا میں
زوّار جن کا ہوں میں اُنھیں کی مجھے قسم
جلوے دکھا رہا ہی مجھے گلشنِ ارم
پردے اُٹھے ہوے ہیں نظر دور جاتی ہی
گھبرا کے بولے شاہ کہ ہاں ہاں قسم نہ کھا
بچنا محال ہی گر جان دی تو کیا
دامن کو آنسوؤں سے بھگوتی ہی رات دن
رخصت کے وقت وہ جو بلکتی تھی دم بدم
مرتی ہی انتظار میں وہ صاحبِ الم
ہجراں کشیدہ رنج و بلا و محن میں ہی
بیٹی کا ذکر سن کے یہ بولا وہ خوش خصال
آگاہ اس سے کوئی نہیں غیرِ ذوالجلال
ہر شی کا علم آپ کو اس بیکسی میں ہی
بتلائیے برائے خدا مجھ کو اپنا نام
بیکس، عزیز مردہ، اسیرِ سپاہِ شام
درد و غم و الم مرے حصے میں آئے ہیں
قدموں پہ لوٹ کر یہ پکارا وہ دردناک
بتلائیے کہ غم سے مرا دل ہی چاک چاک
یہ تو نہ کہ سکے کہ شہِ مشرقین ہوں

بس جی چکے بہت یہی مرنے کا ہی مقام
وہ کام چاہیے کہ رہے تا بہ حشر نام
اب مر کے شیرِ حق کی زیارت کروں گا میں
سر بھی کٹے گا اب تو نہ چھوڑوں گا یہ قدم
حوریں پکارتی ہیں کہ آ منتظر ہیں ہم
گردوں سے مرحبا کی صدا مجھ کو آتی ہی
رستا ہی یاں سے رات بسے کا نجف کو جا
ای بھائی تو ہی صاحبِ دختر نہ لے رضا
بیٹی تری ترے لیے روتی ہی رات دن
وعدہ کیا تھا تو نے کہ آئیں گے جلد ہم
آلودہ اس الم میں ہوں میں بھی اسیرِ غم
بیمار ایک میری بھی بیٹی وطن میں ہی
فرمائیے جناب سے کس نے کہا یہ حال
شاید ہی علم غیب میں بھی آپ کو کمال
یہ توصفت امامؑ میں ہی یا نبیؐ میں ہی
فرمایا بے نوا وطن آوارہ تشنہ کام
عاجز بلا رسیدہ ستم دیدہ ستہام
یہ سب خطاب میں نے یہاں آ کے پائے ہیں
اظہارِ اسمِ اقدس اعلیٰ میں کیا ہی باک
چپ ہو گئے تڑپنے پہ اس کے امامِ پاک
مولا نے سر جھکا کے کہا میں حسین ہوں

سر اپنا پیٹ کر وہ پکارا بشور و شین
ہے ہے یہ کیا زباں سے کہا کونسا حسین
آئی ندا فلک سے کہ زہرا کا نورِ عین
بیٹا علی کا سبطِ شہنشاہِ مشرقین
گھر فاطمہؑ کا لٹ گیا سب اس لڑائی میں
بس اک یہی حسین ہے ساری خدائی میں

کھینچی ہے تو نے جس کے لیے زحمتِ سفر
اے بے خبر یہی ہے وہ سلطانِ بحر و بر
ویراں ہے یثرب و نجف اے مردِ خوش سیر
شب سے یہاں نبی و علی ہیں برہنہ سر
زینبؓ یہ ہے جو ڈیوڑھی پہ جاں اپنی کھوتی ہے
زہرا تو ساتویں سے اسی بن میں روتی ہے

اُس بے وطن نے جبکہ مفصل سُنا یہ حال
غش کھا کے پائے شہ پہ گرا وہ نکو خصال
اُٹھا تڑپ کے جب تو پکارا بصد ملال
یہ کیا قیامت آگئی اے فاطمہؑ کے لال
کیا تھی خبر کہ آپ اس آفت میں بن میں ہیں
میں تو یہ جانتا تھا کہ حضرت وطن میں ہیں

مدت سے تھی مجھے تو زیارت کی آرزو
خوبی مرے نصیب کی یا شاہِ نیک خو
اب دیجیے رضا کہ جگر غم سے ہے لہو
مر جاؤں لڑ کے فوج سے حضرت کے روبرو
لللہ چشمِ پاک کو اب نم نہ کیجیے
اب اس غلام زادے کا کچھ غم نہ کیجیے

شہزادیاں امام کی ہوتی ہیں بے پدر
کچھ غم نہیں یتیم وہ لونڈی ہوئی اگر
میں کیا مکان کیا مرا یا شاہ بحر و بر
جب بے سبب جہاں میں لٹے فاطمہؑ کا گھر
گیتی ہے آج درہم و برہم تو خوب ہے
اُلٹے تمام دفترِ عالم تو خوب ہے

روکا بہت مگر کہیں رُکتا تھا وہ دلیر
تلوار لیکے فوج پہ جھپٹا مثالِ شیر
سیرِ جناں کے شوق میں تھا زندگی سے سیر
ایسا لڑا کہ رن میں ہوئے زخمیوں کے ڈھیر
دم بھر رہا تھا عشقِ شہِ مشرقین کے
نعرہ تھا دم بدم کہ تصدق حسینؑ کے

لگتا تھا زخم جب تو وہ کہتا تھا یا علی
بدر الدجیٰ حسین ہیں شمس الضحیٰ علیؑ
مرشد علیؑ امام علیؑ رہنما علیؑ
کشتی علیؑ جہاز علیؑ ناخدا علیؑ
عازم ہوں سیرِ گلشنِ دار السلام کا
دریائے غم سے پار ہے بیڑا غلام کا

اُس بے وطن پہ ٹوٹ پڑی جب سپاہِ شام
زخمی تھے خود پہ اُس کے سرہانے گئے امام
رو کر پکارتے تھے یہ اُس خوش نصیب کو
اے میری بیکسی کے مددگار الوداع
اے بے وطن کے یارِ وفادار الوداع
جو خوش نصیب ہیں یوں ہی جنت کو جاتے ہیں
فرما کے یہ حسین تو روتے تھے زار زار
پوچھا سبب خوشی کا تو بولا وہ دل فگار
جلوہ خدا کے نور کا ہے میرے سامنے
بالائے سر کھڑے ہیں رسولِ فلک مقام
دستِ علی میں چشمۂ کوثر کے دو ہیں جام
ناجی ہے دوست دار مرے نورِ عین کا
حقا کہ تھا ظفر کا وسیلہ سفر ترا
اب جنت النعیم میں ہوگا گزر ترا
حوریں ہیں باغِ خلد میں خدمت کے واسطے
رونے لگا یہ شاہ سے کہکر وہ تشنہ لب
کی عرض اُس نے اے خلفِ سید العرب
رخصت جو تن سے روح کی ہے بیقرار ہوں
مجھ کو ہے غم حضور کا حضرت کو غم مرا
منھ ڈھانپ دیجیے شہِ عالی ہمم مرا
کیا وقت بیکسی ہے ہمارے حضور پر

ریتی پہ ٹکڑے ہو کے گرا وہ فلک مقام
گودی میں لیکے زانو پہ رکھا سرِ غلام
اے بھائی جان چھوڑ چلے اس غریب کو
اے تشنہ لب حسین کے غمخوار الوداع
اے شیرِ ذوالجلال کے زوّار الوداع
گھبرائیو نہ ہم بھی ترے بعد آتے ہیں
ہنستا تھا دونوں آنکھوں کو کھولے وہ ذی وفا
اے نورِ چشمِ احمدِ مرسل ترے نثار
مشتاق جن کا تھا اُنھیں دیکھا غلام نے
فرزند کہکے لیتے ہیں شفقت سے میرا نام
فرماتے ہیں کہ پی اسے گر تو ہے تشنہ کام
حصہ ترا یہ ہے تو وہ حصہ حسین کا
نامِ نکو قلم نے لکھا عرش پر ترا
ہمسایۂ رسولِ خدا میں ہے گھر ترا
آیا ہوں خود میں تیری زیارت کے واسطے
فرمایا شاہ نے کہ یہ رونے کا کیا سبب
تنہائیِ حضور کا صدمہ ہے دل پہ اب
مہلت جو دے اجل تو پھر اُٹھ کر نثار ہوں
اب کوچ جلد ہے سوئے ملکِ عدم مرا
پڑھیے کوئی دعا کہ نکلتا ہے دم مرا
کس سے کہوں جو لاش کو وارے حضور پر

بہ کہتے تھے کہ آہ وہ زوّار مرگیا
شیدائے نامِ حیدرِ کرّار مرگیا
لاشے سے اُٹھ کے جا نہ سکے خیمہ گاہ میں
بس کیا کہوں انیسؔ کہ سیّد پہ کیا ہوا
برباد خاندانِ رسولِ خدا ہوا
پُرخوں قبائے سیّدِ لولاک لُٹ گئی

بیکس کا بے وطن کا مددگار مرگیا
شبیرؑ روتے رہ گئے غمخوار مرگیا
پھر گھر گئے حسینؑ عدو کی سپاہ میں
تڑپے حسینؑ شورِ قیامت بپا ہوا
سجدے میں تن سے فرقِ مبارک جدا ہوا
عریاں حسینؑ رہ گئے، پوشاک لُٹ گئی

رُباعی

جس دم نزدیک وقتِ رحلت ہوگا ❁ یارو کیا ہی مقامِ حیرت ہوگا
کوئی عملِ نیک نہ ہوگا جز یاس ❁ آخر کو وہی رفیقِ تربت ہوگا

رُباعی

پُرنور ہی سب بزم وہ تارے یہ ہیں ❁ زہراؑ و یداللہ کے پیارے یہ ہیں
روتے ہیں جو بزمِ غم میں بانالہ و آہ ❁ شہ کہتے ہیں سب دوست ہمارے یہ ہیں

مرثیہ (۲۶)

ہوتے ہیں بہت رنج مسافر کو سفر میں ۔ راحت نہیں ملتی کوئی دم آٹھ پہر میں
سو شغل ہوں پر دھیان لگا رہتا ہے گھر میں ۔ پھرتی ہے سدا شکل عزیزوں کی نظر میں
سنگِ غمِ فرقت دلِ نازک پہ گراں ہے ۔ اندوہ غریب الوطنی کاہشِ جاں ہے

گو راہ میں ہمراہ بھی ہو راحلہ و زاد ۔ جاتی نہیں افسردگیِ خاطرِ ناشاد
جب عالمِ تنہائی میں آتا ہے وطن یاد ۔ ہر گام پہ دل مثلِ جرس کرتا ہے فریاد
اک آن غم و رنج سے فرصت نہیں ہوتی ۔ منزل پہ بھی آرام کی صورت نہیں ہوتی

ہمراہ سفر میں ہوں اگر حامی و ناصر ۔ منزل پہ کمر کھول کے سوتے ہیں مسافر
جب ہو سفرِ خوف و پریشانیِ خاطر ۔ شب جاگتے ہی جاگتے ہو جاتی ہے آخر
ہر طرح مسافر کے لیے رنج و تعب ہے ۔ رہ جائے پسِ قافلہ چھٹ کے تو غضب ہے

دکھ دیتے ہیں اک ایک قدم پاؤں کے چھالے ۔ منزل پہ پہونچنے کے بھی پڑ جاتے ہیں لالے
ہاتھوں سے اگر بیٹھ کے کانٹے کو نکالے ۔ ڈر ہے کہ نہ بڑھ جائیں کہیں قافلے والے
درماندوں کے لینے کو بھی آتا نہیں کوئی ۔ تھک کر بھی جو بیٹھے تو اٹھاتا نہیں کوئی

ہر دم دلِ نازک پہ مسافر کے ہیں یہ غم ۔ تر رہتے ہیں اشکوں سے سدا دیدۂ پرنم
تھمتا ہی نہیں قافلۂ اشک کوئی دم ۔ ہوتا ہے عجب صاحبِ اولاد کا عالم
بابا کو تو فرزندوں سے چھٹنے کا الم ہے ۔ والد سے جدائی ہو تو بچوں پہ ستم ہے

ہوں ساتھ جو بابا کے تو یاد آتی ہے مادر ۔ مادر ہو تو یہ غم ہے کہ بابا نہیں سر پر
منزل میں سحر کرتے ہیں بستر پہ تڑپ کر ۔ اور دن کو تو اشک آنکھوں سے تھمتے نہیں دم بھر
پردیس میں کیونکر انھیں دشمن سے اماں ہو ۔ جن بچوں کے سر پر نہ تو بابا ہو نہ ماں ہو

بچے بھی وہ بچے جو نہ نکلے کبھی گھر سے
ماں جن کو نہ اک آن جدا کرتی تھی بر سے
نہ راہ سے آگاہ نہ ایذائے سفر سے
وہ چھٹ گئے کوفے میں پہونچتے ہی پدر سے
زخمی تبر و تیر سے جب ہوتے تھے مسلم
بیٹوں کی تباہی کے لیے روتے تھے مسلم

جب لے گئے کوٹھے پہ لعیں قتل کی خاطر
رونے لگا گردن کو جھکا کر وہ مسافر
منھ سے نہ خنجر یہی نکلا دمِ آخر
فرزندِ محمدؐ کا خدا حافظ و ناصر
روتے تھے علیؑ فاطمہؓ سر ننگے کھڑی تھی
تھا نیزے پہ سر لاش تہِ بام پڑی تھی

جب قتل ہوا ایلچیِ سیّدِ والا
بچوں پہ عجب حادثہ تقدیر نے ڈالا
کوئی نہ یتیموں کا رہا پوچھنے والا
تھے ننھے سے سینوں میں کلیجے تہ و بالا
گیسو بھی پریشان تھے کرتے بھی پھٹے تھے
خورشید سے منھ گردِ یتیمی سے اٹے تھے

پردیس میں معصوموں کا دشمن تھا زمانا
نہ بیٹھنے کی جا تھی نہ رہنے کا ٹھکانا
بن باپ کئی روز سے کھایا تھا نہ کھانا
تقدیر میں غم کھانا تھا یا اشک بہانا
سہمے ہوئے آپس میں یہی کہتے تھے رو کر
ساتھ آئے تھے افسوس چلے باپ کو کھو کر

پاس ان کے اگر ہوتے تو کچھ کام بھی آتے
ہم بنتے نشانہ جو لعیں تیر لگاتے
پانی تو بھلا منھ میں دمِ مرگ چواتے
کاندھوں پہ پسر باپ کے لاشہ کو اٹھاتے
کیا جانیے مرنے پہ بھی کیا رنج و محن ہیں
گاڑے بھی گئے یا ابھی بے گور و کفن ہیں

مظلوم کی تربت کا پتا اب بھی جو پائیں
رخصت کے لیے قبر پہ روتے ہوئے جائیں
تعویذِ مزارِ پدر آنکھوں سے لگائیں
سر پیٹ کے فریاد کریں اشک بہائیں
پالا تھا ہمیں باپ نے چھاتی پہ سُلا کر
قرآن بھی ہم پڑھ نہ سکے قبر پہ جا کر

تقدیر نے اماں کی اگر شکل دکھائی
اور قتل کی بابا کے خبر اُن کو سنائی
پوچھینگی جو سر پیٹ کے اور رو کے دہائی
بچو کہو والد کی کہاں قبر بنائی
گردن کو جھکائے ہوئے خاموش رہیں گے
تربت بھی تو دیکھی نہیں کیا ماں سے کہیں گے

ہمسایہ بھی زمانہ میں نہ ہوگا کوئی مجبور
تنہا تو کریں باپ کا اتنا نہیں مقدور
وارد ہیں وہاں رحم کا جس جا نہیں دستور
ماں دور پدر دور چچا دور وطن دور
کس سے کہیں سن چھوٹے ہیں اور رنج بڑے ہیں
بابا کے تو مرنے سے تباہی میں پڑے ہیں

ایک ایک لعیں کوفے میں دشمن ہے ہمارا
اک دوست تھا بابا سو وہ دنیا سے سدھارا
بیٹھیں کہیں چھپ کر نہیں اتنا بھی سہارا
غربت میں ہمیں باپ کے مرجانے نے مارا
اک دم میں یقیں ہے کہ تہ تیغ یہ سر ہیں
جب دوست نہ بابا کا بچا ہم تو بے پر ہیں

یہ کہتے تھے اور روتے تھے وہ ہجر پدر میں
تصویر اجل پھرتی تھی دونوں کی نظر میں
تھا شور منادی کا یہ ہر راہ گزر میں
بیٹوں کو نہ مسلم کے چھپائے کوئی گھر میں
بتلادے کسی حجرے میں گر بند ہیں دونوں
حاکم کے گنہگار کے فرزند ہیں دونوں

معصوم سمجھ کر کوئی رحم ان پہ نہ کھائے
ہاتھ آئیں تو پکڑے ہوئے دربار میں لائے
مجرم کی کوئی منت و زاری پہ نہ جائے
دانا ہے وہ جو گوہر عزت کو بچائے
جس نے انھیں پنہاں کیا گھر اُس کا لٹے گا
مرجائے گا پر قید سے جیتا نہ چھٹے گا

تھرّاتے تھے سب سُن کے منادی کا یہ مذکور
تھے شہر کے دروازے سر شام سے معمور
دشمن جو علی کے تھے وہ تھے خُرّم و مسرور
جو دوست تھے حیدرؑ کے وہ تھے عاجز و مجبور
باتیں انھیں معصوموں کی ہوتی تھیں گھروں میں
منہ ڈھانپے ہوئے بی بیاں روتی تھیں گھروں میں

کہتی تھی کوئی کیا کریں کیونکر انھیں پائیں
جاسوسوں کا خطرہ ہے کہاں ڈھونڈھنے جائیں
جلادوں سے چھپ کر وہ اگر یاں چلے آئیں
ہم دل کی طرح اُن کو کلیجوں میں چھپائیں
آقا ہیں وہ اُس کے جو غلام شہ دیں ہے
ہم لونڈیاں حاضر ہیں جو ماں سر پہ نہیں ہے

کیا روز سیہ چرخ نے بچوں کو دکھایا
ہے ہے نہ چچا سر پہ نہ ماں باپ کا سایا
سات آٹھ برس کا تو سن اور دیس پرایا
جانیں نہ بچیں گی کسی دشمن نے جو پایا
کچھ بس نہیں کس طرح کوئی آہ بچائے
بچو تمھیں پردیس میں اللہ بچائے

شیعوں کے گھروں میں تو یہ تھی گریہ وزاری
اور ڈھونڈھتے پھرتے تھے انھیں کوفہ میں ناری
ناکے پہ لعیں کہہ گئے آکر کئی باری
ہشیار خبردار اگر جان ہے پیاری
الحکام میں حاکم کے خلل آنے نہ پائے
ناکے سے کوئی چھپ کے نکل جانے نہ پائے

دو طفل حسین بھاگے ہیں کل قاضی کے گھر سے
کر لیجو گرفتار جو آنکلیں ادھر سے
خورشید سے ماتھے ہیں تو چہرے ہیں قمر سے
چھوٹے سے عمامے ہیں لپیٹے ہوئے سر سے
گوندھی ہوئی زلفیں یہ سر دوش پڑی ہیں
آنکھیں کہیں آہو کی بھی آنکھوں سے بڑی ہیں

ہے مہر درخشاں سے فزوں حسن کا پرتو
مہتاب سے روشن ہیں یہ رخساروں میں ہے ضو
کوفہ سے نکل جانے کی ہے اُن کو تگ و دو
پہنے ہوئے ہیں ہنسلیاں مانند مہِ نو
گورے ہیں گلے جلوہ نما کرتوں میں تن ہیں
لب پنکھڑیاں گل کی ہیں غنچہ سے دہن ہیں

پیشانیاں دونوں کی جو ہیں ماہِ منور
سجدوں کے چمکتے ہیں نشاں صورتِ اختر
تعویذوں کی وہ ہیکلیں ہیں سینوں کے اوپر
ہلتے ہیں ستاروں کی طرح کانوں کے گوہر
بھاگے ہیں بُرا وقت جو دونوں پہ پڑا ہے
ایک عمر میں چھوٹا ہے کچھ اور ایک بڑا ہے

ہر ناکے پہ تھا حکم یہ اُن دونوں کی خاطر
دربار میں غل تھا کہ کرو جلد انھیں حاضر
اور پھرتے تھے حیراں وہ مدینے کے مسافر
کوئی نہ مددگار تھا نہ حافظ و ناصر
پھرتی تھی اجل ساتھ جدھر جاتے تھے دونوں
پتا بھی کھڑکتا تھا تو ڈر جاتے تھے دونوں

ناکے تلک آپہونچے نہ تھے وہ جگر افگار
جو دیکھ لیا اُن کو کسی شخص نے اک بار
چلّایا کہ بس آگے قدم رکھیو نہ زنہار
جاتے ہو کہاں بھاگ کے ہم آپہونچے خبردار
سنتے ہی اس آواز کو گھبرا گئے دونوں
سر تا بہ قدم بید سے تھرا گئے دونوں

بھائی سے کہا بھائی نے اب کیا کریں بھائی
اعدا ہمیں لینے نہیں آئے اجل آئی
افسوس کہیں امن کی جا ہم نے نہ پائی
مشکل ہے بہت موت کے پنجے سے رہائی
آتے ہی بس اب برچھیاں تانیں گے ستمگر
منت بھی کرینگے تو نہ مانیں گے ستمگر

یہ کہتے تھے جو آن ہی پہونچے وہ جفا جو
اور باندھ لیے رسی سے اُن دونوں کے بازو
بچوں پہ اُٹھاتا تھا طمانچہ کوئی بد خو
کہتا تھا کوئی لے چلو کھینچے ہوئے گیسو
وہ کہتے تھے ہم دام بلا میں تو پھنسے ہیں
بازو کہو پھر کس لیے رسّی سے کسے ہیں

جاتے تھے جو روتے ہوئے وہ گیسوؤں والے
بازار میں بیتاب تھے سب دیکھنے والے
جلادوں میں معصوموں کے تھے جان کے لالے
تکتے تھے ہر اک کو کہ ہمیں کوئی چھڑا لے
حال اپنا اشارے سے جتاتے تھے کسی کو
رسی میں بندھے ہاتھ دکھاتے تھے کسی کو

پہونچے اُنھیں لیکر جو وہ ظالم سر دربار
خدّام نے کی عرض کہ حاضر ہیں گنہگار
تھا تخت مرصع پہ مکیں حاکم غدّار
دہشت سے لرزنے لگے بچوں کے تن زار
بیٹھے ہوئے سب کرسیوں پر چھوٹے بڑے تھے
رسّی سے بندھے سامنے معصوم کھڑے تھے

معصوموں سے یوں کہنے لگا حاکم ملعون
اس بھاگنے کی اب کہو کیا تم کو سزا دوں
صدمے سے یتیموں کا ہوا حال دگرگوں
تھرّا کے وہ یہ کہنے لگے بیکس و محزوں
ہاں قتل ہی کرنے کے سزاوار ہیں ہم بھی
بابا تھے گنہگار، گنہگار ہیں ہم بھی

بولا کوئی معصوم ہیں یہ بیکس و دلگیر
دہشت کے سبب کانپتے ہیں رنگ ہے تغیر
یہ پھول سے اندام نہیں لائق تعزیر
نادان ہیں کم سن ہیں کچھ ان کی نہیں تقصیر
طاقت ہی کہاں بھاگ کے جاتے یہ کدھر کو
بھولے ہیں بہت ڈھونڈتے ہوویں گے پدر کو

چپ رہ گیا وہ دشمن دیں سر کو جھکا کر
زنداں کے نگہباں سے کہا پاس بلا کر
کر قید اُنھیں حجرۂ تاریک میں جا کر
سُنیو نہ جو منت بھی کریں اشک بہا کر
آرام سے دونوں میں کوئی سونے نہ پائے
قفلِ درِ زنداں کبھی وا ہونے نہ پائے

دیکھو نہ خبردار مزے کا اُنھیں کھانا
گرمی میں بھی ٹھنڈا انھیں پانی نہ پلانا
یہ سحر بیاں ہیں کہیں باتوں پہ نہ جانا
بازو نہ کھلیں رسّی سے جب تک ہیں تم انا
دشمن کے ہیں فرزند اذیت انھیں دیجو
کپڑے بھی بدلنے کی نہ فرصت انھیں دیجو

اس طرح کے حجرے میں ہوں یہ ماہِ لقا بند
جس حجرے کے رخنے بھی ہوں بند اور ہوا بند

دن بھر تو رہیں ایک ہی زنجیر میں پابند
اور رات کو ہو ایک جدا ایک جدا بند

سر کو در و دیوار سے ٹکرا کریں دونوں
آپس میں گلے ملنے کو تڑپا کریں دونوں

یہ سن کے انھیں لے گیا زنداں کا نگہباں
ایک حجرے میں قیدی ہوئے دونوں مہِ تاباں

گھٹنے جو لگا دم تو یہ چلّائے وہ ناداں
در کھولدو واللہ نہیں تن سے چلی جاں

بھاگیں گے نہ ہرگز ہمیں حجرے سے نکالو
اک طوق جو ہلکا ہو تو دو طوق پہنا دو

دروازے سے ٹکرائے بہت سر کو وہ ناشاد
مادر کو بھی چلّائے پدر کو بھی کیا یاد

بچوں کی کسی نے نہ سنی زاری و فریاد
کب کھولتے ہیں طائرِ پربند کو صیاد

بیتاب تھے اس طرح وہ چھٹنے کی ہوس میں
جوں تازہ گرفتار پھڑکتا ہے قفس میں

تاریک وہ حجرہ تھا مثالِ شبِ ظلمات
معلوم نہ ہوتا تھا کہ کب دن ہوا کب رات

مرقد کے اندھیرے کو بھی اس گھر نے کیا مات
سہمے ہوئے روتے تھے وہ آنکھوں پہ دھرے ہات

تھی پیشِ نظر وصل میں تنہائی کی صورت
بھائی کو نہ آتی تھی نظر بھائی کی صورت

دیوار میں نہ چھید نہ دروازے میں روزن
تھے داغ چراغوں کی طرح سینے میں روشن

وہ صورتیں بھولی وہ غریبی وہ لڑکپن
چپ بیٹھتے تھے پہروں جھکائے ہوئے گردن

بوندیں بھی پسینے کی چمکتی تھیں جبیں پر
بل کھائی ہوئی زلفیں لٹکتی تھیں زمیں پر

ہر صبح یہ معمول تھا منہ اشکوں سے دھونا
اٹھ اٹھ کے نمازیں کبھی پڑھنا کبھی رونا

دیکھا نہ کبھی خواب میں بھی چین سے سونا
ہر رات کو خاک اوڑھنا اور خاک بچھونا

جز شکرِ خدا منہ سے نہ کچھ کہتے تھے دونوں
رکھ کر تہِ سر ہاتھ کو سو رہتے تھے دونوں

فاقے میں بسر کرتے تھے دن بھر وہ گل اندام
جو مالکِ زنداں تھا وہ آتا تھا ہر شام

جا بیٹھتے دروازے کے نزدیک وہ گلفام
دیتا انھیں دو روٹیاں و پانی کے دو جام

تھا خوف زبس ظالمِ اظلم کے غضب سے
اٹھ اٹھ کے سلام اس کو وہ کرتے تھے ادب سے

کھانا وہ کہاں اور کہاں نازوں کے پالے
آپس میں یہی کہتے تھے وہ گیسوؤں والے
پانی بھی تو جی بھر کے نہیں ملتا ہی بھائی
سمجھاتا تھا چھوٹے کو بڑا بھائی یہ رو کر
دیکھو تو نہ سر پر ہی پدر اور نہ مادر
نعمت سے زیادہ ہمیں یہ نان جویں ہی
ایسے بھی بہت ہیں جنھیں ملتا نہیں دانا
بھائی ہی خدا مالک و مختار و توانا
موت آئی تو اس قید میں مر جائیں گے بھائی
رزاقی معبود حقیقی پہ کرو غور
دینداری سے جو دور ہیں اُن لوگوں کا ہی دَور
ہیں قید میں جس کے وہی دے جاتا ہی کھانا
زنداں میں بھی بھوکا نہ کبھی ہم کو سلایا
خاصانِ خدا نے بھی سدا رنج اُٹھایا
عسرت رہی دنیا میں شہِ عقدہ کشا کو
یہ قید کے دن شکرِ الٰہی میں گزارو
صابر رہو شاکر رہو ہمت کو نہ ہارو
رزاقِ دو عالم کی عنایت اسے سمجھو
ظاہر ہیں رگیں تن کی بدن زرد ہی سارا
کیوں روتے ہو قسمت سے کسی کا نہیں چارا
دادا نے صدا نانِ جویں کھائی ہی بھائی

رو دیتے تھے جب حلق میں پھنسنے تھے نوالے
قسمت کبھی دشمن پہ بھی یہ وقت نہ ڈالے
یہ سخت ہی روٹی کہ گلا چھلتا ہی بھائی
جا گہ نہیں شکوے کی کرو صبر برادر
تھوڑا ہی کہ یہ بھی ہمیں ہوتا ہی میسر
منھ اپنا تو اس کھانے کے قابل بھی نہیں ہی
پینے کو جو پانی ہو تو ملتا نہیں کھانا
کچھ ایک سا رہتا نہیں دنیا میں زمانا
جیتے ہیں تو یہ دن بھی گزر جائیں گے بھائی
اِس قید میں تھا رزق پہونچنے کا کوئی طور
ہم اور مکاں اور زمیں اور ہوا اور
ہر طرح خدا بندے کو پہونچاتا ہی کھانا
دن بھر جو میسّر نہ ہوا رات کو کھایا
دُکھ فاقہ کشی کا تو ہی میراث میں آیا
فاقے تو گزر جاتے تھے محبوبِ خدا کو
جو مرضی معبود ہی دم اس میں نہ مارو
روٹی جو پھنسے پانی کے گھونٹوں سے اُتارو
گر صبر کی لذت ہی تو نعمت اسے سمجھو
کھا لو کہ عبادت کا ہے جسم میں یارا
یہ بھی نہ میسر ہو تو کیا زور ہمارا
تب فقر کی دولت اُنھیں ہاتھ آئی ہی بھائی

گھبراتے ہو کیوں روتے ہو کس واسطے ہر بار
چھٹ جاتے ہیں طائر بھی جو ہوتے ہیں گرفتار
تاریکیِ زنداں میں نہ اس طرح گھٹیں گے

محبوس ہمارے ہی طرح تھے مہِ کنعاں
زنجیر سوا تھا نہ کوئی سلسلہ جنباں
چھٹ جائیں گے زنداں میں سدا کون رہا ہی
جب چاہ سے نکلے تو اُٹھائی وہ تباہی
کیا دور ہی ہو جائے اگر فضلِ الٰہی
دنیا کی امارت ہو تو خواہش ہمیں کب ہی

چھوٹے نے کہا سب ہی بجا آپ کا ارشاد
ہم سا تو زمانہ میں نہ ہوگا کوئی ناشاد
یعقوبؑ نے چھاتی سے لگایا تھا پسر کو

گزرا جو اسی طرح اُنھیں قید میں اک سال
تن خشک ہوئے زور گھٹے سر کے بڑھے بال
تن ضعف سے فرسودہ و لاغر ہوئے دونوں

بچوں کو لڑکپن میں ضعیفی نے کیا پیر
تھی تن کو نہ پھر وہ حرکت صورتِ تصویر
رونق بھی خزاں لے گئی ہستی کے چمن کی

ہم چشمیِ نرگس سے جن آنکھوں کو رہا ننگ
رخساروں کا اُن نازوں کے پالوں کے تھا یہ ڈھنگ
جو گورے گلے مثلِ قمر نور فشاں تھے

خالق ہی اسیروں کا یتیموں کا مددگار
ماہی کے شکم میں رہے کب یونسِ دیندار
یوسف تو چھٹے قید سے کیا ہم نہ چھٹیں گے

کاہش تھی یہی اور یہی سختیِ زنداں
خالق نے رہائی کا مگر کر دیا ساماں
اُن کا جو خدا تھا تو ہمارا بھی خدا ہی
اور بعد تباہی کے ملی مصر کی شاہی
بندوں پہ ہی اُس کا کرم نامتناہی
ہم کو تو فقط اُس سے رہائی کی طلب ہی

بھائی بشریت سے یہ ہی نالہ و فریاد
چھوٹے بھی تو ہوں گے نہ کبھی رنج سے آزاد
ہم قید سے چھٹ کر بھی نہ پاویں گے پدر کو

تھا دونوں کا افراطِ نقاہت سے عجب حال
خم ہو گئے کاہش سے مہِ عید کے تمثال
رخ زرد مثالِ ورقِ زر ہوئے دونوں

سر چھاتیوں پر جھک گئے حالت ہوئی تغییر
یہ بڑھ گئیں زلفیں کہ ہوئیں پاؤں کی زنجیر
مسطر سے نمایاں تھیں رگیں صاف بدن کی

جوں مردمِ بیمار نقاہت سے وہ ہیں تنگ
جس طرح عرق کھینچے ہوئے پھول کا ہو رنگ
وہ تار سے حلقوں میں گریباں کے عیاں تھے

ناخن تھے یہ نوبت جو بالائے انامل
اعضا میں عوض خون کے حرارت ہوئی شامل
بیٹھے تھے جہاں ضعف بٹھا جاتا تھا اُن کو
کاہیدہ تھے مثلِ تنِ مدقوق تنِ زار
رُکتا تھا جو دم زیست سے دِق تھے وہ گرفتار
باقی تھا فقط تارِ نفس سینے کے اندر
تقلیل غذا قید کا دُکھ باپ کا ماتم
چھوٹا بھی کہتا تھا بڑے بھائی سے ہر دم
افسوس یوہیں عمر چلی جاتی ہی بھائی
پہونچا دیا اس غم نے ہمیں گور کنارے
جیتے ہیں مگر موت کے آثار ہیں سارے
ہمسا بھی کوئی بےکس و مغموم نہ ہو گا
کیا پہونچی نہ ہو گی خبرِ والدِ ذی جاہ
کیا ہو گیا ہی خون زمانے کا سفید آہ
کاہے کو وہ روئیں گی جو زنداں میں ہیں ہم
اماں سے تو یہ ہم کو توقع نہ تھی بھائی
جیتے ہیں کہ مرتے ہیں خبر یہ نہ منگائی
منہ چومتی تھیں صدقے کبھی ہوتی تھیں اماں
ہنگامِ سفر کہتی تھیں بابا سے یہ ہر بار
رستے میں خط آیا تو یہ لکھا تھا بہ تکرار
دونوں کی جدائی سے تڑپتی ہوں میں گھر میں

سو قید میں بڑھ بڑھ کے گھٹے وہ مہ کامل
تھے ضعف کی تصویر وہ دُکھ درد کے حامل
اُٹھنے کے تصور میں غش آجاتا تھا اُن کو
ہر موئے بدن جسم پہ تھا کوہ گرانبار
معلوم یہ ہوتا تھا کہ برسوں کے ہیں بیمار
اِک بال ہو جس طرح سے آئنہ کے اندر
گھل گھل کے برس دن میں عجب ہو گیا عالم
فریاد رسی کون کرے کس سے کہیں ہم
نہ قید سے چھٹتے ہیں نہ موت آتی ہی بھائی
مٹی نہ وطن کی تھی نصیبوں میں ہمارے
مر جائیں تو مرقد میں ہمیں کون اُتارے
مرنا بھی کسی شخص کو معلوم نہ ہو گا
دیکھو تو کہ اماں بھی ہمیں بھول گئیں واہ
اب اوروں کی اُلفت ہی ہماری نہیں کچھ چاہ
دو بیٹے تو ہیں پاس ہوئے یا نہ ہوئے ہم
گزرا ہی برس دن کہ ہوئی ہم سے جدائی
یا یہ کہ نہ ہم تک ہوئی قاصد کی رسائی
ہم گھر سے جو نکلے تو بہت روتی تھیں اماں
بے اِن کے مجھے چین نہیں پڑنے کا زنہار
صاحب مرے بچوں سے خبردار خبردار
بھجوا دو مرے پاس جو روتے ہیں سفر میں

کیوں بھائی جو گھر میں ابھی ہم چھوٹ کے جائیں
کیا دوڑ کے اماں ہمیں چھاتی سے لگائیں
رو رو کے جو ہم پاؤں پہ سر اُن کے جھکائیں
کیا پیار سے لیں سر سے قدم تک وہ بلائیں
وہ کہتا تھا جو کہتے ہو کیا دور ہے بھائی
اللہ میں سب طرح کا مقدور ہے بھائی

بالفرض چچا جان جو تشریف نہ لاتے
ہمشکل نبیؐ بھائیوں کو آکے چھڑاتے
بچھڑے ہوئے عباسِ علی شیر سے آتے
کوفے کو اُلٹ دیتے اگر ہم کو نہ پاتے
اللہ رکھے اُن کو پہ وہ ہم میں نہیں ہیں
معلوم یہ ہوتا ہے کہ عالم میں نہیں ہیں

کس طرح کہیں بھول گئی ہوئیگی مادر
سب بیٹوں سے اپنے انھیں اُلفت ہے برابر
کیا جانے کس آفت میں ہیں فرزندِ پیمبرؐ
وہ قید سے غیروں کو چھڑا دیتے ہیں اکثر
سُنتے تو مدد آن کے بھائی کی نہ کرتے
تدبیر وہ بچّوں کی رہائی کی نہ کرتے

یہ کہتے تھے جو وا ہوا قفلِ درِ زنداں
اور دینے لگا آب و غذا اُن کو نگہباں
چھوٹے نے کھڑے ہوکے کہا با تنِ لرزاں
ہم تجھ کو دعا دیتے ہیں اے مردِ مسلماں
پینے کو نہ پانی نہ غذا چاہتے ہیں ہم
کچھ حال جو سُنیے تو کہا چاہتے ہیں ہم

جو تو نے دیا شکر کیا اور وہی کھایا
جی بھر کے اگر پانی نہ پایا تو نہ پایا
بھڑکی جو بہت پیاس تو اشکوں سے بجھایا
شکوے کا مگر حرفِ زباں پر نہیں آیا
واقف ہے کہ کھانا کبھی دن بھر نہیں مانگا
سونے کے لیے رات کو بستر نہیں مانگا

گزرا ہے برس روز ہمیں خاک پہ سوتے
پانی نہ ملا اتنا کہ کرتوں کو تو دھوتے
چلّاکے ترے ڈر سے نہیں رات کو روتے
قیدی چھٹے اکثر پہ رہا ہم نہیں ہوتے
ہم سے ترا سردار عبث برسرِ کیں ہے
کچھ جرم نہیں ہے کوئی تقصیر نہیں ہے

تو رحم کر اے شخص کہ نے جرم و خطا ہیں
وارث کوئی سر پر نہیں پابندِ بلا ہیں
لڑکے ہیں ستم کش ہیں غریب الغربا ہیں
احسان کو نہ بھولیں گے کہ ہم اہلِ وفا ہیں
اب قید کی تکلیف اٹھائی نہیں جاتی
روٹی بھی کئی روز سے کھائی نہیں جاتی

رکھتا ہی بڑا اجر اسیروں کو چھڑانا — بھوکوں کو طلب کرکے سخی دیتے ہیں کھانا
رہ جاتا ہی عالم میں کریموں کا فسانا — نیکی جو کرے نیک اُسے کہتا ہی زمانا
محتاج ہیں یاں ور تو کیا دیویں گے تجھ کو — کام آ جو ہمارے تو دعا دیویں گے تجھ کو

دونوں نے فصاحت سے سخن جب یہ سنائے — زنداں کے نگہباں کے بھی آنسو نکل آئے
ہاتھ اُس کی دعا کے لیے دونوں نے اُٹھائے — پایا متوجہ تو سخن لب پہ یہ لائے
کچھ رُتبۂ محبوبِ خدا جانتا ہی تو؟ — اِی شخص محمدؐ کو بھی پہچانتا ہی تو؟

وہ کہنے لگا اُن سے میں کیونکر نہیں آگاہ — مختارِ جہاں ختمِ رسل سیدِ ذی جاہ
لڑکوں نے کہا حیدرِ صفدر سے بھی ہی راہ — بولا مری تسبیح ہی نام اسد اللہ
نائب ہی مددگار ہی یاور ہی نبیؐ کا — حیدر تو چچا زاد برادر ہی نبیؐ کا

وہ حق کا ولی ہی وہ امامِ دوجہاں ہی — وہ قبلۂ دیں ہی وہ شہِ کون و مکاں ہی
کعبے کی طرح اُس کا شرف سب پہ عیاں ہی — اللہ کا ہاتھ اور محمدؐ کی زباں ہی
جو اس سے جدا ہی وہ محمدؐ سے جدا ہی — دنیا میں علیؑ ایک ہی اور ایک خدا ہی

کون ایسا ہی حیدر سے جو آگاہ نہیں ہی — گمراہ ہی وہ اُن سے جسے راہ نہیں ہی
آفاق میں حیدرؑ سا شہنشاہ نہیں ہی — جو کہیے وہ سب کچھ ہی پہ اللہ نہیں ہی
حق سے نہ جدا وہ ہی نہ حق اس سے جدا ہی — آقا تو ہمارا ہی نصیری کا خدا ہی

یہ سُنتے ہی جان آگئی اِن دونوں کے تن میں — کم ہو گیا دہشت سے جو لرزہ تھا بدن میں
خشکیدہ زباں کرنے لگی شکر دہن میں — گویا کہ بہار آگئی ہستی کے چمن میں
حجرے سے خوشی ہو کے وہ مہرو نکل آئے — اِک بھائی ہنسا ایک کے آنسو نکل آئے

بولے کہ ہم اِی شخص محمدؐ کے جگر ہیں — جھوٹے نہیں دریائے صداقت کے گہر ہیں
جو قتل ہوئے یاں وہ ہمارے ہی پدر ہیں — واللہ ہمیں مسلمِ بیکس کے پسر ہیں
تو کہتا ہی احمدؐ کو پیمبر ہی ہمارا — جو گھر ہی محمدؐ کا وہی گھر ہی ہمارا

یہ سنتے ہی تھرا گیا وہ مردِ خوش اطوار
معصوموں کے قدموں پہ گرا دوڑ کے اک بار
کہتا تھا میں اس حال سے واقف نہ تھا زنہار
بخشو مجھے میں نے تمھیں گھُڑکا تھا کئی بار
جو آپ کے لائق تھا وہ لایا نہیں کھانا
سچ ہے کہ مزے کا کبھی کھایا نہیں کھانا

میں تم پہ فدا اے اسد اللہؑ کے پیارو
کُرتے میں نئے لاؤں یہ ملبوس اتارو
بندہ ہوں تمہارا ہوں مجھے قدموں پہ مارو
لو نادِ سفر مجھ سے جدھر چاہو سدھارو
شکوہ مرا اللہ و پیمبرؐ سے نہ کیجو
جنّت میں شکایت مری حیدرؑ سے نہ کیجو

قدموں سے اُٹھا کر وہ سخن لب پہ یہ لائے
تو خالقِ اکبر سے جزا حشر میں پائے
دُنیا کی ہر آفت سے خدا تجھ کو بچائے
حامی ہوں تری فاطمہؓ جب حشر میں جائے
واقف نہیں ہم راہ بتا دے تو رواں ہوں
بھائی ترے بچّے ترے سائے میں جواں ہوں

دینے لگا رو کر وہ اُنھیں درہم و دینار
شرما کے یہ کہنے لگے وہ بیکس و ناچار
احساں یہ ترا تھوڑا ہے اے مردِ خوش اطوار
توشہ ہے توکّل کا ہمیں کچھ نہیں درکار
بتلا دے پتہ ہم کو جگر بندِ نبیؐ کا
لشکر ہے کہاں سبطِ رسولِ عربی کا

کعبے سے ادھر بھیجا تھا بابا کو ہمارے
یاں آن کے ہم قید ہوئے وہ گئے مارے
ساتھ اُن کے تھے سب حیدرِ کرار کے پیارے
مکّے میں ابھی ہیں کہ کہیں اور سدھارے
کی راتیں ہمیں کاٹنی ہووینگی وطن تک
کی روز میں پہونچیں گے شہنشاہِ زمن تک

حضرت کی خبر کچھ جو سنی ہو تو سنا دے
جو راہ کہ نزدیک ہو وہ ہم کو بتا دے
جس سمت چچا ہوں اُسی رستے پہ لگا دے
کیا دور ہے خالق ہمیں بچھڑوں سے ملا دے
مطلوب زیارت ہے ہمیں شاہِ زمن کی
کعبے کی طرف جائیں کہ لیں راہ وطن کی

چاہا بہت اُس نے کہ یہ بچّوں سے چھپائے
مظلوم کا جو ذکر تھا آنسو نکل آئے
گھبرا کے وہ معصوم سخن لب پہ یہ لائے
کیوں خیر تو ہے آنکھوں سے کیوں اشک بہائے
وہ کہنے لگا بیکس و مجبور ہیں شبیرؑ
تم جا نہیں سکتے کہ بہت دور ہیں شبیرؑ

جب رونے لگے وہ تو کچھ اس کو نہ بن آیا
سر پیٹ کے ہاتھوں سے یہ بچوں کو سنایا
دُنیا میں کہاں ہے اسد اللہ کا جایا
گھر فاطمہؑ کا خاک میں اعدا نے ملایا
شبیرؑ کے لشکر کا جواں کوئی نہیں ہے
عابد کے سوا فاتحہ خواں کوئی نہیں ہے

عاشور کے دن ذبح ہوئے سبطِ پیمبرؐ
خیمے بھی جلائے گئے تاراج ہوا گھر
رانڈوں کا ستمگاروں نے لوٹا زر و زیور
افسوس کہ زینبؑ کی بھی چھینی گئی چادر
دیکھا حرمِ شاہ نے دربار شقی کا
کوفے میں سر آیا تھا حسینؑ ابنِ علیؑ کا

دُنیا میں نہ اکبر ہیں نہ عباس نہ شبیرؑ
سب چھوٹے بڑے ہو گئے زیرِ دمِ شمشیر
یاں تک کہ ہوئے قتل علی اصغرِ بے شیر
مٹی میں نہاں ہو گئی ایک ایک کی تصویر
کیونکر اسد اللہؑ کے پیاروں سے ملو گے
اب جا کے ملو گے تو مزاروں سے ملو گے

یہ سُنتے ہی معصوموں پہ رقت ہوئی طاری
تڑپے یہ زمیں پر کہ غش آ گیا باری
گھبرا کے وہ بولا نہ کرو گریہ و زاری
دشمن کوئی سُن لیوے نہ آواز تمھاری
ظالم ہے وہ حاکم سے نہیں زور کسی کا
یاں ڈھونڈھ کے خوں کرتے ہیں فرزندِ علیؑ کا

وہ کہتے تھے کس طرح کلیجوں کو سنبھالیں
اب چھاتیوں کو کوٹتی ہیں آہوں کی بھالیں
گھر خاک ہوا سر پہ بھی ہم خاک نہ ڈالیں
دم رُکتے ہیں کس طرح نہ آواز نکالیں
مشتاق تھے جن کے وہ قضا کر گئے ہے ہے
ہم قید میں جیتے ہیں چچا مر گئے ہے ہے

گھبرا کے وہ بولا کہ مناسب نہیں تاخیر
بہتر ہے اسی شب میں نکل جانے کی تدبیر
جلدی سے اُٹھے واں سے وہ با حالتِ تغیّر
باندھیں کمریں اور وہ بچے ہوئے رہ گیر
یوں نکلے بہ تعجیل اسیری کے محن سے
جس طرح گریزاں ہو قمر چھٹ کے گہن سے

مطلع دوم

جب مسلمِ بیکس کے پسر قید سے چھوٹے
آوارہ وطن خستہ جگر قید سے چھوٹے
دُکھ سہہ کے عزادارِ پدر قید سے چھوٹے
پردیس میں وہ شمس و قمر قید سے چھوٹے
گیسو بھی پریشان تھے کُرتے بھی پھٹے تھے
خورشید سے منہ گردِ یتیمی سے اَٹے تھے

وہ شہر پر آشوب وہ غربت وہ شب تار
ایک ایک قدم خوف نہ رہبر نہ مددگار
ہاں جاگتے رہیو یہ عسس کہتے تھے ہر بار
دل اُن کے دھڑکتے تھے لرزتے تھے تن زار
پیچھے کبھی ہٹ جاتے تھے گہ بڑھتے تھے دونوں
ڈر ڈر کے کبھی ناد علی پڑھتے تھے دونوں

پھرتے رہے قسمت نے نہ کی راہ نمائی
رستہ نہ ملا جانے کا اور نصف شب آئی
چھوٹے نے کہا چلنے کی طاقت جو نہ پائی
ابتو ہمیں نیند آئی ہے ٹھہرو کہیں بھائی
کہتا تھا بڑا ہیں ابھی دن سخت ہمارے
سوئیں گے جو بیدار ہوئے بخت ہمارے

دم لیتے کبھی گاہ قدم جلد اُٹھاتے
سہمے ہوئے مُڑ مُڑ کے کبھی دیکھتے جاتے
تنہائی پہ آنکھوں سے کبھی اشک بہاتے
گر پڑتے کبھی اور کبھی ٹھوکریں کھاتے
چڑھ جاتے نقاہت سے جو دم ہانپنے لگتے
سایہ نظر آتا تو بدن کانپنے لگتے

لب پر نفس سرد بھرے آنکھوں میں آنسو
غربت زدہ پھرتے تھے سراسیمہ وہ گلرو
تھا ہاتھ میں چھوٹے کے بڑے بھائی کا بازو
دھڑکا تھا کہیں گھیر نہ لیں آکے جفاجو
چل سکتے تھے دونوں نہ ٹھہر سکتے تھے دونوں
گھبرائے ہوئے چاروں طرف تکتے تھے دونوں

اک پیرزن اتنے میں نظر آگئی ناگاہ
داماد کے آنے کی گھڑی دیکھتی تھی راہ
یوں کہنے لگے اُس سے بصد عجز وہ ذی جاہ
اک دو پہر اُس گھر میں اماں دے ہمیں اللہ
معصوم ہیں ہم بیوطن و زار و حزیں ہیں
مظلوم ہیں سید ہیں گنہگار نہیں ہیں

اس بستی میں دیندار نظر آئی ہمیں تو
وہ بولی کہ تم دونوں ہو کس باغ کے گلرو
تم سے تو عجب طرح کی آئی مجھے خوشبو
کہنے لگے تب چپکے سے وہ دیکھ کے ہر سو
رکھتے ہیں قرابت تو رسول عربی سے
مسلم کے پسر ہیں ہمیں کہیو نہ کسی سے

وہ بولی کہ آنکھوں پہ رکھوں تم کو میں دن رات
پر صاحب خانہ ہے بڑا فاسق و بدذات
حاکم کا تو وہ دوست ہے اور دشمن سادات
گر دیکھ لیا اُس نے تو بننے کی نہیں بات
لونڈی ہوں میں زہرا کی تمہارا ہی یہ گھر ہے
گر ہے تو اُسی ظالم بدذات کا ڈر ہے

وہ بولے کہ خالق کرے رتبہ ترا عالی
واقف نہیں ہم راہ سے اور رات ہے کالی
درکار ہے نہ فرش نہ تکیہ نہ نہالی
تو ہم کو چھپا رکھ کوئی حجرہ جو ہو خالی
بن باپ کے ہیں ہم پہ مصیبت یہ نئی ہے
شاید وہ نہ آئے کہ بہت رات گئی ہے

دونوں نے بہ منت جو کہا اس سے بہ درد
تھی مومنہ معصوموں پہ رحم آگیا اس کو
کہنے لگی میں تم کو چھپا رکھوں گی کچھ ہو
میں صدقے گئی آؤ مری بی بی کے پیارو
مہماں ہوئے جا کر ستم ایجاد کے گھر میں
دونوں کو اجل لے گئی جلاد کے گھر میں

کھانا بھی نہ کھایا نہ پیا دونوں نے پانی
اور سوئے بہم مسلم مظلوم کے جانی
وہ نیند نہ تھی موت کی گویا تھی نشانی
دروازے پہ آ پہنچا اُدھر ظلم کا بانی
چلّایا ضعیفہ کو یہ زنجیر ہلا کر
کوسوں کا تھکا آیا ہوں در کھول دے آکر

یہ سُن کے ضعیفہ کا لگا کانپنے اندام
بولی یہ بھلا آنے کا ہے کونسا ہنگام
دربار سے ہر روز تو آتا تھا سرِ شام
چلّا کے وہ بولا میں کہیں تھا تجھے کیا کام
در کھول نہیں آگ لگا دیتا ہوں گھر کو
لے تو نہیں آتی تو گرا دیتا ہوں در کو

در کھولا تو کس غیظ سے آیا وہ بد افعال
پھینکا کہیں خنجر کہیں تلوار کہیں ڈھال
تھی ریش تو اُلٹی ہوئی مونچھوں کے کھڑے بال
اور دیدۂ بد بیں تھے جوں ساغرِ خوں لال
آواز بھی ایسی کہ گزرتی تھی فلک سے
ہلتی تھی زمیں پاؤں کے رکھنے کی دھمک سے

پاس آ کے ضعیفہ نے بہت باتوں میں بھلا
تیوری وہ چڑھائے رہا کچھ منہ سے نہ بولا
کھینچا کبھی خنجر کبھی تلوار کو تولا
کہتا تھا کہ دل کا کوئی پھوٹا نہ پھپھولا
ہاتھوں کو کبھی کاٹتا تھا طیش میں آکر
رہ جاتا تھا غصے سے کبھی ہونٹ چبا کر

اس طیش میں کھانا بھی نہ جلّاد نے کھایا
پھر خوابِ اجل نے اُسے بستر پہ گرایا
باقی تھی پہر رات کہ پھر ہوش اُسے آیا
ابلیس نے سوتے ہوئے فتنہ کو جگایا
پھولوں کی مہک حجرے سے دالان میں آئی
آواز بھی کچھ رونے کی پھر کان میں آئی

تاریک مثالِ دلِ کافر تھا وہ سب گھر
ظالم نے سرہانے سے لیا ہاتھ میں خنجر
واں مسلمِ مظلوم کے پیارے نظر آئے
جاگے جو کئی رات کے تھے وہ جگر افگار
تصویر سے بستر پہ کشیدہ تھے تنِ زار
اک سینے کا تھا عکس جو اک سینے کے اندر
بازو پہ جو چھوٹے کے پڑا دستِ جفا کار
جھنجلا کے کہا اس نے کہ میں گھر کا ہوں مختار
جس بات کا دھڑکا تھا وہ آفت کی گھڑی ہے
گھبرایا ہوا خوف سے اٹھا وہ دلِ آرام
وہ بولے اماں دے گا جو بتلائیں تجھے نام
کھینچے ہوئے ہی ہاتھ میں تو تیغِ جفا کو
مکّار لگا کہنے کہ سب ہے مجھے منظور
ڈر ڈر کے یہ کہنے لگے وہ بیکس و مجبور
تھا قتل کا ڈر اس لیے گھر آ کے چھپے ہیں
سنتے ہی جفا کار نے بس آنکھ کو موڑا
رسّی میں انھیں باندھ لیا عہد کو توڑا
جب کھینچتا تھا گر کے مچلتے تھے وہ بچّے
دکھلاتا تھا خنجر انھیں جب کرتے تھے فریاد
دروازے تلک کھینچتا لایا ستم ایجاد
کرتے بھی پھٹے ٹوپیاں بھی گر گئیں سر سے

ہر سو صفتِ گرگ لگا ڈھونڈھنے اٹھ کر
پکڑے ہوئے دیوار گیا حجرے کے اندر
اِک بُرج میں دو عرش کے تارے نظر آئے
سوتے تھے دھرے پیار سے رخسار پہ رخسار
باہیں جو گلے میں تھیں تو با دیدۂ خونبار
آئینہ نظر آتا تھا آئینہ کے اندر
تو کون ہے وہ کہنے لگا چونک کے اک بار
تب بھائی کو چونکا کے یہ بولا وہ دل افگار
کیا سوتے ہو اٹھو کہ اجل سر پہ کھڑی ہے
ظالم نے کہا کون ہو تم بیکس و ناکام
اُس نے کہا ہاں دونگا تو بولے وہ گل اندام
ڈر لگتا ہے تجھ سے ہمیں ضامن دے خدا کو
پیماں شکنی ہوئے یہ اپنا نہیں دستور
ای شخص ہمیں ہیں پسرِ مسلمِ مغفور
کر رحم کہ دامن میں ترے آ کے چھپے ہیں
یوں بازوؤں کو زور سے پکڑا کہ نہ چھوڑا
بچوں نے کئی بار بندھے ہاتھوں کو جوڑا
پر حجرے کے باہر نہ نکلتے تھے وہ بچّے
بچّوں پہ یہ دکھ ہائے یتیموں پہ یہ بیداد
کمزور تھے یہ اور زبردست وہ جلاد
مجرم کی طرح باندھ دیا دونوں کو در سے

جس وقت نمودار ہوئے صبح کے آثار
چلاتی چلی پیچھے ضعیفہ جگر افگار
کیوں فاطمہؑ زہرا کو رُلاتا ہے کفن میں
بچّوں سے لپٹتی تھی جو وہ کھوئے ہوئے سر
وہ کہتی تھی تو ان کے عوض قتل مجھے کر
آنکھوں سے قدم اُن کے لگانے نہیں پائی
جس وقت ہٹانے پہ بھی لپٹی کئی باری
پہلے تو کہا لو میں تصدق ہوئی واری
دوڑے کوئی معصوم گرفتار بلا ہیں
روتے تھے ضعیفہ کی محبت پہ وہ مہرو
کھینچے لیے جاتا تھا یتیموں کو جفا جو
خوں دیکھ کے دونوں جو ضعیفہ کا ڈرے تھے
بچّوں کو لیے نہر پہ پہونچا جو وہ بے پیر
دل ہل گئے ہٹ ہٹ کے یہ کی دونوں نے تقریر
مظلوم ہیں حامی کوئی مشکل میں نہیں ہے
وہ بولے کہ مطلوب ہے گر درہم و دینار
وہ جنس نہیں جس کا نہ ہو کوئی خریدار
یوسف کی طرح موتیوں میں جبکہ تُلیں گے
گر یہ نہیں مطلب تو نہ کر بدعتِ بیجا
دربار ستمگار میں جیتا ہمیں لیجا
آلودہ لہو میں رُخ انور نہیں دیکھے

دریا پہ چلا لیکے یتیموں کو جفا کار
بن باپ کے بچے ہیں یہ، ظالم نہ انھیں مار
دو پھول تو رہنے دے محمدؐ کے چمن میں
تلوار کے ہولوں سے ہٹاتا تھا ستمگر
یہ تیرے مہمان ہیں یہ بیکس و مضطر
کھانا بھی غریبوں کو کھلانے نہیں پائی
تلوار اُسے جھنجھلا کے ستمگار نے ماری
گرتے ہوئے ہاتھوں کو اُٹھا کر یہ پکاری
بچّوں کو چھڑا دے کہ یہ بے جرم و خطا ہیں
بہ بہ کے گریبان تلک آتے تھے آنسو
اک ہاتھ میں تلوار تھی اک ہاتھ میں گیسو
وحشت سے بندھے ہاتھوں کو آنکھوں پہ دھرے تھے
اور دیکھی یتیموں نے چمکتی ہوئی شمشیر
کر رحم کہ معصوم ہیں ہم بیکس و دلگیر
ظالم نے کہا رحم مرے دل میں نہیں ہے
راضی ہیں ہمیں بیچ لے چل کر سر بازار
ہم سے کوئی ملتے ہیں غلامانِ وفادار
ان لعلوں کے عقدے تجھے اُس وقت کھُلیں گے
دل آب ہے وحشت سے لرزتا ہے کلیجا
وہ بولا کہ حاکم ہی نے ہے قتل کو بھیجا
جیتا تمھیں دیکھا ہے کٹے سر نہیں دیکھے

لڑکوں نے کہا مالک و مختار خدا ہی
کر لیویں نمازیں تو ادا سر پہ قضا ہی

وہ بولا نمازوں سے بھلا فائدہ کیا ہی
جانوں کو بچا لیں یہ نمازیں تو بجا ہی

وہ بولے کہ یہ شیوہ ہی مشہور ہمارا
سر دینا عبادت میں ہی دستور ہمارا

نامرد نے حملہ کیا تلوار اُٹھا کر
سر رکھ دیا چھوٹے نے وہیں جلد بڑھا کر

تب ہاتھ سے چھوٹے کو بڑا بھائی ہٹا کر
جا بیٹھا تہِ تیغِ دو دم سر کو جھکا کر

تلوار چمکتی تھی تو ہٹ جاتا تھا بھائی
پھر دوڑ کے بھائی سے لپٹ جاتا تھا بھائی

یہ کہتا تھا تلوار بڑے پر نہ علم کر
ڈر قہر خدا سے یہ جفا کر نہ ستمگر

وہ کہتا تھا پہلے مرا سر تن سے قلم کر
مل لیویں گلے بھائی کے وقفہ کوئی دم کر

اِک وار میں سر دونوں کے تن پر سے اُتر جائیں
ہیں ساتھ ہی رستی میں بندھے ساتھ ہی جائیں

ناگاہ چلی ظلم کی تلوار بڑے پر
بالائے زمیں کٹ کے ستارا سا گرا سر

دریا میں ستمگار نے پھینکا تنِ اطہر
چلّا کے یہ چھوٹے نے کہا ہائے برادر

دیکھا جو بڑے بھائی کا سر دستِ عدو میں
وہ گر کے تڑپنے لگا بھائی کے لہو میں

آیا جو شقی تیغِ علم کر کے دوبارا
چلّانے لگا بھائی کو وہ بھائی کا پیارا

مادر کو پکارا کبھی بابا کو پُکارا
جلّاد نے تن پر سے سر اُس کا بھی اتارا

دھبا بھی نہ خوں کا لگا شمشیرِ عدو میں
بھائی کا لہو مل گیا بھائی کے لہو میں

جبتک کہ تڑپتا رہا اُس کا تنِ لاغر
ٹھہرا رہا پانی پہ بڑے کا تنِ اطہر

چھوٹے کو بھی جب ڈال دیا نہر کے اندر
جا لپٹا بصد شوق برادر سے برادر

گہ ڈوبتے تھے گاہ اُبھر آتے تھے دونوں
خورشید سے دریا میں نظر آتے تھے دونوں

خاموش انیسؔ اب کہ ہی دل پر الم و رنج
یہ مرثیہ تولیں گے جواہر میں سخن سنج

دنیا کی دورنگی سے نہ کر دل میں شش و پنج
مومن جو ہیں اُن کے لیے یاں گنج ہی واں گنج

مطلب نہ کسی سے نہ علاقہ ہی کسی سے
لیویں گے صِلا اُس کا حسینؑ ابن علیؑ سے

ختام المسک

از مولانا سید علی حیدر صاحب طباطبائی نظم لکھنوی المخاطب بہ نواب حیدر یار جنگ بہادر حیدر آباد دکن

مولف کتاب ہذا

میر انیس کا کلام اب مجلس عزا کے ساتھ مخصوص نہیں رہا آخر اُس کی خوبیاں بزم ادب میں اُسے لے آئیں اس محفل میں یگانہ و بیگانہ و آشنا و نا آشنا زباں دان و بے زباں سب اُس کے مشتاق ہیں۔ کان اُس آواز کو ڈھونڈھتے ہیں جو دل دُکھادے۔ آنکھ اُسی رنگ کو پسند کرتی ہو جو کوئی سماں دکھادے۔ خدا نے ہر انسان کو زبان اور زبان کو قوتِ بیان عطا کی ہو لیکن ہر بیان میں سحر ہر زبان میں اعجاز نہیں ہوتا۔ ہر زمین سے خزانہ نہیں نکلتا۔ ہر بدلی سے ہُن نہیں برستا۔ رونا ہنسنا کس کو نہیں آتا مگر کسی کے رونے میں موتی بکھرتے ہیں ہنسنے میں پھول جھڑتے ہیں۔ بہت لوگوں نے چو رنگ لگانے کی کباوہ کھینچنے کی مدتوں مشق کی ہوگی مگر ایک شخص ہو کہ اُس کا وار خالی ہی نہیں جاتا نشانہ کبھی خطا نہیں کرتا۔ جو زبان سے نکلتا ہو دل میں اُترتا چلا جاتا ہو۔ کلام کے مانوس بیان کے دل کش ہونے کی کوئی حد نہیں۔ ایک تذکرہ میں مولوی ذکاء اللہ مرحوم کا یہ قول مجھے نہیں بھولتا۔ انیس کو کہتے ہیں "معلوم ہوتا تھا ایک شخص منبر پر بیٹھا ہوا سحر کر رہا ہو" ایک مہندس مسطی خوان دن کو تارے دیکھ کر کیونکر حیران نہ ہو جائے بخدا میر انیس کے اس مصرع میں مجھے سحر معلوم ہوتا ہو ع

"اصغر مری آواز کو پہچان گئے تم"

یا مثلاً یہ مصرع میر صاحب کا ع

جان آگئی بھائی کو جو بھائی نظر آیا

دیکھنے میں ایک معمولی سی بات معلوم ہوتی ہو مگر اُس مقام کو دیکھیے جس مقام پر یہ بات اُن کی زبان سے نکلی ہو اور کتنے معنے اس مصرع میں بھرے ہوئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہو ہجوم فوج میں بھائیوں کا ساتھ

چھوٹ گیا تھا۔ دونوں شہید ہونے کی آرزو میں آئے تھے ایک دوسرے کو سمجھا کہ شہید ہو گیا کہ یکایک ؎

جب شبیر سا پہنچا وہ اُدھر یہ ادھر آیا
جاں آگئی بھائی کو جو بھائی نظر آیا

یہاں بھائیوں کے قلب کی کس حالت کو شاعر نے دکھایا اور کتنے بڑے مضمون کو چار لفظوں میں سمجھایا ہے۔ کیا اس کے سحر حلال ہونے میں کچھ کلام ہے؟

حر شہید کی میداں میں آمد دیکھیے ؎

برچھیوں اُڑتا ہے دب دب کے فرس رانوں سے
آنکھ لڑ جاتی ہے دریا کے نگہبانوں سے

دیکھیئے پہلے مصرع میں سوار کی تنومندی اور راں ہاگ کی صورت اور فرس کی اچپلاہٹ اور شوخی کی تصویر کھنچ جاتی ہے۔ اور دوسرا مصرع آپ کو یہ دکھلا رہا ہے کہ خیام اہل بیت سے دریا تک کتنی مسافت تھی۔ حافظ کا قول ہے انما الشعر صناعة وضرب من التصویر۔ جو شخص فن بلاغت کے لطائف سے ناواقف ہے اتنا وہ بھی سمجھ جاتا ہے کہ یہ بیان کچھ غیر معمولی ہے۔

شاعری اور فسانہ نگاری

شاعر کا کمال جسے سحر اور اعجاز کہتے ہیں اور بجا کہتے ہیں بس اسی طرز میں منحصر ہے شاعری کی جان اور شاعر کی پہچان انھیں باتوں سے ہے اور یہ میدان انھیں شعرا کو ملا ہے جنھوں نے فسانہ نگاری کی ہے۔ دنیا میں جتنے بڑے شاعر جہاں جہاں گزرے ہیں سب فسانہ نگار تھے۔ ورنہ فلسفہ و تصوف و تغزل و پند و عبرت و قومی مرثیہ وغیرہ گو قابل ستایش ہیں اور ان فنون میں بھی بڑے بڑے کارنامے اساتذہ روزگار کے موجو ہیں لیکن اُس میدان سے کوسوں دور ہیں۔ قدما کے نزدیک ان چیزوں کا شمار مقطعات میں ہے۔ غیر شاعر کا بھی اس میں حصہ ہے۔ مگر فسانہ نگاری ہر ایک کا کام نہیں ہے۔ یوں تو کہانی کہ لینا کون نہیں جانتا مگر آسمان کے تارے توڑ لانا ہر ایک کی دسترس سے باہر ہے۔ اس میدان میں شاعر اپنے پاس غیر کو نہیں آنے دیتا۔ القاص لایحب القاص۔

میر انیس کو مصوری میراث میں ملی تھی

سودا و میر قصیدہ و غزل کے اُستاد تھے۔ مگر مثنوی کہنا میر حسن کا حصہ تھا۔ انھوں نے بدر منیر و دختِ وزیر و عیش بائی کی جو تصویریں کھینچی ہیں۔ یہی مصوری میر انیس کو میراث میں ملی تھی۔ انھوں نے امام حسین اور حضرت عباس پھر حر شہید و ابن مظاہر میں جو امتیاز رکھا ہے وہ مصوری کی حدوں سے کہیں بڑھا ہوا ہے۔ ابن مظاہر کی مدح میں کہتے ہیں ؎

انداز جوانوں کے بھی پیرانہ سری بھی ۔۔۔ پروانہ جانباز بھی شمع سحری بھی

زاہد بھی مجاہد بھی نمازی بھی جری بھی"

ایک اور صورت دیکھیے۔ ابن مظاہر امام کی رکاب تھامے میدان کی طرف رواں ہیں۔ اس مقام پر میر انیس کہتے ہیں ؎

ہمراہ دو قدم جو چلے جھوم جھوم کے
رعشہ وداع ہو گیا ہاتھوں کو چوم کے

اہل بیت میں ایک بی بی دختر زہرا ہیں ایک خاتون کسریٰ کی پوتی ہیں۔ دونوں کے ماتم کرنے اور بین کرنے کی شان علی حدہ علی حدہ ہے۔ فرزند کی لاش پر کہتی ہیں۔ ع

کس نے تجھے مروڑ لیا نوجواں مرے"

انصار امام کے صبر و شکیبائی کی حالت دیکھیے ؎

پیاس ایسی تھی کہ آ گئی جاں ہونٹوں پر
صبر ایسا تھا کہ پھیری نہ زباں ہونٹوں پر

میر انیس کی اس مصوری کو لکھنؤ کے عوام الناس ان الفاظ میں ادا کرتے تھے کہ "حفظ مراتب جیسا ان کے کلام میں ہوتا ہے وہ انھیں کے ساتھ مخصوص ہے"

میر صاحب کے کلام کو مرزا دبیر کے کلام پر اس باب میں خاص امتیاز حاصل ہے کہ یہی برجستگی ہر مقام پر مرزا صاحب کے کلام میں نہیں پائی جاتی میر انیس کے ان مصرعوں کو دیکھیے

ع مارا جسے تڑپ کے وہ توسن پہ رہ گیا
ع میداں میں چاندنی ہے کلائی کے نور سے
ع جنگل کو جو دیکھا تو ہوا ہو گیا گھوڑا

اور مرزا صاحب کی اس بیت کو دیکھیے۔ حضرت ام البنین نے اپنے پوتے کو آتے ہوئے دیکھا ہے کہتی ہیں ؎

قربان ہو گئی یہ مرا پوتا آتا ہے
بابا کو اس کے قتل کیا روتا آتا ہے

ایسی ڈھیلی بندش میر انیس کے یہاں ہو ممکن نہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انیس اپنے کلام پر بار بار نظر کرتے تھے اور دبیر دوبارہ دیکھتے ہی نہ تھے۔ رو میں قلم سے چست یا سست جو نکلا بعینہٖ باقی رہا

میر انیس کی ایک اور خصوصیت	ایک اور خصوصیت ان کے کلام کی یہ مشہور ہے اور بہت صحیح ہے کہ سلسلہ نہیں ٹوٹنے پاتا

واقع میں جو مرثیہ ہے اوّل سے آخر تک ایک مسلسل افسانۂ غم ہے۔ میر صاحب مرثیوں میں سراپا اکثر کہا کرتے تھے اور زمانہ قدیم سے شعرا میں اس کا التزام چلا آتا تھا۔ سراپا کہنا شاعر کا فرض تھا سراپا سخن ایک کتاب لکھنؤ میں تالیف ہوئی جس میں ایک ایک عضو کو ردیف قرار دے کر شعرا نے جو غزلیں لکھی ہیں سب جمع کردی ہیں۔
مرثیہ کی تمہیدیں ایسی بے لطف و بے ربط جو اور لوگوں کے کلام میں پائی جاتی ہیں میر صاحب کے مرثیے اس بے عنوانی سے بالکل پاک ہیں۔ ان کی تمہیدیں نہایت پُردرد و معنی خیز ہوتی ہیں۔ یہ بات کسی کے کلام میں نہیں دیکھتا۔ میر صاحب پھر خود ہی کچھ متنبہ ہوئے۔ اور دست و بازو و چشم و ابرو و شان و شوکت و دبدبہ و شجاعت کے ذکر پر اختصار کرنے لگے۔ اور اپنے تلامذہ کو بھی روک دیا۔ سمجھ گئے کہ مرثیہ میں سراپا کہنا بے محل ہے۔ اس فن میں یہ اصلاح میر انیس نے ہی کی ہے۔ ساقی نامہ کبھی مرثیہ میں میر صاحب نے نہیں کہا۔ اُن کے بعد یہ ایجاد ہوا اور بہت ہی بے تکا ثابت ہوا۔
بعض مصرعے میر صاحب کے ایک زمانہ سے مجھے یاد ہیں۔ یاد کیا کہ دل پر نقش ہیں وہ ان مطبوعہ مرثیوں میں نہیں ملتے۔

ع اُترا ہوا چلّہ ہے یہ ابرو کی کماں کا

ع پڑتا ہے دونگڑا کبھی جیسے اساڑھ میں

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کا کلام تلف بھی ہوگیا ہے۔

میر صاحب کا مبلغ علم

میر صاحب اور مرزا صاحب کے مبلغ علم کے متعلق مشہور ہے کہ مرزا صاحب کو استعداد زیادہ تھی۔ مگر جس بنا پر یہ بات مشہور ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ مرزا صاحب بڑے زبردست شاعر تھے ہر رنگ میں ان کا کلام موجود ہے۔ مگر خاص طرز ان کا خاقانی کا سا اغلاق و اغراق اور خسرو کے سے صنائع و بدائع ہے۔ بعض مرثیوں میں کچھ بعید الفہم استعارے اور ترکیبیں بھی ہیں مثلاً یہ مرثیہ "انجیل مسیح لب شبیر ہے عباس"۔ عوام ناس کا دستور ہے اپنے قصور فہم کو شاعر کے کمال پر محمول کرتے ہیں۔ جیسے کوئی کہے کہ فردوسی سے نظامی زیادہ ذی علم معلوم ہوتا ہے دلیل اس کی یہ کہ سکندر نامہ مشکل ہے شاہ نامہ آسان ہے۔ میر صاحب کے کلام سے اتنا تو معلوم ہوتا ہے کہ علوم متعارفہ سے ناواقف بھی نہ تھے۔ تلوار کی تعریف میں کہتے ہیں ع

ہر جزو تن کو لا یتجزیٰ بنا دیا

قاسم بن حسنؑ نے ازرق کو قتل کیا ہے اس مقام پر کہتے ہیں۔ ع

لو کو فیو گرا دیا حرفِ ثقیل کو

ذوق کا یہ مصرع:- "جوہرِ فرد ہی بالفرض تو کیا بے قسمت"

یا ایک صاحب کا یہ شعر ؎

میں جزو لایتجزیٰ کو بھی کروں تقسیم
اگر کرے مری قسمت نہ طفرہ نظّام

مصنف کے باخبر ہونے کی خبر دیتا ہی۔ جزو میں اور لایتجزیٰ میں میر صاحب نے فصل کر دیا یہ ہر شخص کا کام نہ تھا۔ یا حرفِ ثقیل کے گرانے کا ذکر کوفیوں سے کس قدر پُرلطف ایہام تناسب ہی اس طرح کون کہ سکتا ہی۔

میر صاحب کے کلام میں بعض صنایع معنویہ اور لفظیہ

انگریزی کے ادبیات سے جو لوگ متاثر ہوئے اُنھوں نے آنکھ بند کر کے یہ کہنا شروع کر دیا کہ "صنائع و بدائع رخسار فصاحت کے لیے ایک بدنما دھبّہ ہی" اور اصل امر یہ ہی کہ صنائع معنویہ جان ہیں تخیل کی اور لفظیہ زیور ہیں کلام کا۔ جو لوگ خوش بیان ہوتے ہیں اُن کی تو گفتگو بھی صنائع و بدائع سے خالی نہیں ہوتی ہاں تصنع کو صنعت سمجھ لینا غلطی ہی۔ تصنع اور شی ہی صنعت اور شی ہی۔ مثلاً ایہام صورت ایک صنعت ہی۔ سُننے والے کو معلوم ہو کہ ندی کی آواز آرہی ہی یا مینہ برس رہا ہی یا مثلاً نقارہ بج رہا ہی یا دودھ پیتا بچّہ کچھ کہ رہا ہی۔

فردوسی کہتا ہی ؎

چو کودک لب از شیر مادر بشست ٭ بگہوارہ محمود گوید نخست
زنقارہ آواز آمد برون ٭ کہ دون ست دون ست گردونِ دوں

خسرو نے اس کا جواب کہا ؎

صدا طبل دادہ بر آئین او ٭ کہ دیں دینِ او دینِ او دینِ او

خسرو اور فردوسی کے دونوں شعروں میں فرق بس اتنا ہی کہ فردوسی نے نقارہ کی دوہری ضرب آخر میں رکھی اور خسرو نے اوّل میں رکھی ہی۔ اس کے علاوہ دوں اور دیں میں بڑا فرق ہی۔ میر حسن نے اردو میں یہی معنے پیدا کیے ہیں ع

کہ دوں دوں خوشی کی خبر کیوں نہ دوں

مرزا دبیر کا ایک مصرع اس طرح سُننے میں آیا ع

دوں دوں عمر کمینہ کمینہ یزید شوم

میر انیس نے بھی وہی بات دوہرائی ہی مگر آواز کا پاٹ بھی دکھا دیا ہی ع

گردونِ دوں کے پار ہوئی طبل کی صدا

شاہزادہ مرزا جہاں قدر مرحوم کہتے ہیں ؎

سُن لو یہ کہ رہے ہیں جلاجل بحرمی
لشکر جہنمی ہے یہ لشکر جہنمی

ملائکہ کے پروں کی آواز کو میں نے اس طرح باندھا ہے ؎

آتی تھی پروں سے حصحص الحق کی صدا

مہملہ کوئی صنعت نہیں ہے نہ اس سے کوئی معنوی خوبی پیدا ہو نہ لفظی محض ارتکاب تصنع ہے مگر اس میں بھی انیس نے چند بند کہ کر یہ دکھا دیا کہ ہم اس میں بھی عاجز نہیں ہیں۔ ایک مبصر یہ کہ سکتا ہے کہ آپ عاجز نہ تھے محنت تو رائگاں ہوئی۔ نقطوں کے نہ ہونے سے کیا خوبی پیدا ہوئی اور شاعر کے نازک دماغ نے کیونکر یہ زحمت گوارا کی۔ اسی طرح صنعت جناس و ایہام تناسب بھی میر صاحب کے کلام میں پایا جاتا ہے "موت ہنستی ہے،،

یہ صنعت ارسطو کے وقت سے بلکہ بہت پیشتر سے یونانی و لاطینی زبان میں بلکہ یورپ کے بیشتر داکثر اہل قلم میں رائج تھی اب اس زمانہ کے علمی انکشافات نے اس صنعت کو مہذب مجلسوں میں سے نکال دیا۔ نوبت یہ پہنچی تھی کہ واعظ سر منبر اور جسٹس حکم قتل میں ان صنعتوں کو استعمال کرنے لگے تھے اور یہ ایک ظلم تھا۔ وضع شیٔ فی غیر محلہ ہونے میں اس کے شک نہیں۔ دوسرے یہ کہ ابتذال کا خیال بھی لوگوں نے ترک کر دیا تھا۔ اگر بے محل اور مبتذل نہ ہو تو یہ صنعت بھی صنعت ہے مطلقاً اس کے ترک کا حکم نہیں ہو سکتا شاہ ایران کی مدح میں نشاط کا یہ مصرع

نقش سم سبکنگت سجدہ گہ ریکتگیں

اس امر کا شاہد ہے کہ اگر بے محل و مبتذل نہ ہو تو صنعت جناس کلام کا زیور ہو جاتی ہے ایک اردو کی مثال یہ شعر ہے ؎

چھکا کر پلا دے مجھے آج مے
جھنکا کر پلایا تو کیا لطف ہے

ساقی نامہ میں ہے اور ابتذال سے بھی پاک ہے نہ بے محل ہے نہ مبتذل اسے کیوں ترک کریں۔ اعجاز خسروی وغیرہ میں اس قسم کا التزام کہ کہیں بہار کا ضلع اختیار کیا۔ کہیں خزاں کا کہیں عروض کا کہیں منطق کا۔ میر صاحب نے بھی بعض مرثیوں میں اس التزام کی طرف قلم اُٹھایا ہے اور یہ باتیں اُنھیں مرثیوں میں پائی جاتی ہیں جو غالباً مرحوم کے زمانہ شباب کا کلام ہے۔ اس سلسلہ ترتیب کی تیسری جلد میں دیکھنا کہ اکثر مرثیے اسی زمانہ کے کہے ہوئے

معلوم ہوتے ہیں۔ شباب ہی کے زمانہ میں شاعر ہر رنگ میں ڈوب جاتا ہی۔ ہر میدان کی طرف دوڑنے
لگتا ہی۔ گو اُس کا فطری سلیقہ اور طبعی رنگ جو ودیعت صانع ہو اپنی جھلک ان صورتوں میں بھی دکھاتا رہتا
ہی۔ اب سے سو برس پہلے کوئی جانتا بھی نہ تھا کہ اُردو کے قافیوں میں بھی ایطا ہو سکتا ہی اور حرف روی و
وصل کسے کہتے ہیں۔ قدما کے کلام میں بکس و بے آس قافیہ چپ و راس و عباس دیکھنے میں آیا۔ اسے
ان لوگوں کا اجتہاد سمجھیے کہ رہست کی ت جب تقطیع میں نہیں لی جاتی تو قافیہ میں اُس کا لحاظ کرنا کیا ضرور
ہی۔ بےکس و بے آس کی ترکیب میں مجھے حیرانی تھی مگر بات سمجھ میں آگئی کہ آس یہاں اُمید کے معنی
پر ہندی لفظ نہیں ہی بلکہ آس عربی کا لفظ چارہ گر کے معنی پر ہی۔ میر صاحب مقطع میں کہتے ہیں ع

لکھنؤ کے طبقہ کو تو سدا رکھ آباد

یہاں فعلاتن کی جگہ مفعولن باندھا ہی جس طرح ناسخ کہتے ہیں ؎

ناسخ قول ہی بجا حضرت میر درد کا

مفتعلن کی جگہ مفعولن باندھا ہی۔ اسی طرح میر صاحب نے بتول عذرا کو بھی نظم کیا ہی مگر جہاں جہاں
ہی وہاں اصول عروض سے بہ عمل تسکین درست ہی۔ اور کوئی گنجایش گفتگو کی نہیں ہی۔

میر صاحب کے مرثیوں میں تصرف

اس کے علاوہ میر صاحب، و مرزا صاحب کے بستوں سے جو مرثیے
نکلنے لگے تو مرثیہ خوانوں کا ایک بڑا فرقہ پیدا ہو گیا کہ ان بزرگوں کا کلام
جابجا مجلسوں میں شہروں شہروں پڑھتے پھرتے تھے۔ بہت لوگوں کا ذریعہ معاش یہی ہو گیا تھا۔ مشکل انھیں
یہ پیش آتی تھی کہ کسی امیر کی مجلس میں بہت سے ذاکر پڑھنے والے ہیں ان کو بھی پندرہ بیس بند تک پڑھنے
کی اجازت ہی۔ اب یہ مرثیہ میں تصرّف کرنے پر آمادہ ہیں۔ چاہتے ہیں بیس ہی بند میں مطلع بھی ہو رخصت
بھی ہو رزم بھی شہادت بھی۔ اس کی صورت یہ ہی کہ اگر کچھ موزوں کرنے کا سلیقہ رکھتے ہیں تو خود ہی بند
انتخاب کر لیے۔ ربط کے لیے مصرعے بدل بدل دیے۔ ادھر کی بیت اُدھر لگا دی۔ ایک مرثیے کے بند دوسرے
مرثیہ میں لگا دیے بحر بدل ہی تو انھیں خبر نہ ہوئی۔ خود ایسا نہ کر سکے تو کسی دوست سے مشورہ کر کے مرثیہ میں
اس طرح کے تصرف کیے۔ مجھے خوب یاد ہی کہ یہ کام بعض احباب کی خاطر سے میں نے خود کیا ہی اور ایک دفعہ
نہیں بہت دفعہ ایسا ہوا ہی۔ مدتوں بڑے مرثیوں میں سے چھوٹے چھوٹے مرثیے اس ترکیب سے نکلتے
تھے اور مجلسوں میں پڑھے جاتے تھے۔ سوزخواں انھیں مرثیوں کی نقلیں لے کے اُس پر سوز رکھتے تھے۔ اس
سے ظاہر ہی کہ ان بزرگوں کا کلام شاہ نامہ کی طرح غیر کے تصرف سے پاک نہیں رہا۔

میر صاحب کی زبان

میر صاحب کے خاندان کی زبان وہ زبان ہی جو دلی سے فیض آباد میں آئی فیض آباد

سے لکھنؤ میں آئی۔ میر صاحب ایک جگہ فرماتے ہیں ؎

سچ ہے کہ یہ زبان کوئی جانتا نہیں
جو جانتا ہے اور کو وہ مانتا نہیں

ساتھ ہی اس کے فکر اور سانس کو مونث ہی وہ نظم کیا کرتے ہیں۔ ڈھکیلنے کو ڈھکیلنا ہی کہتے تھے ہتھیار سجانے کو ہتھیار سجنا ہی نظم کرتے ہیں۔ پے کو پہ بولتے تھے۔ اونتیس کو اونتیس نظم کرتے تھے۔ فرماتے ہیں ؎

باریک ہیں سمجھ گئے مطلب انیس کا
اونتیس کا وہ چاند ہے یہ چاند تیس کا

کچھ قدیم اُردو کے الفاظ میر صاحب کی زبان پر رہ گئے تھے جو اب متروک ہو گئے ہیں مثلاً جگہ کو جاگہ نہ اب دلی میں بولتے ہیں نہ لکھنؤ میں اور سچ پوچھیے تو صحیح لفظ یہی تھا۔

میر انیس کے کلام کی ترتیب و تصحیح

کتنی ہی مرتبہ میرے پاس اطراف ہندوستان سے اُردو زبان کے ہوا خواہوں نے اپنی یہ درخواست بھیجی کہ میر انیس کے کلام کی تصحیح و ترتیب اپنی زندگی میں تو کر دے۔ پھر کوئی شخص اس کام کے شایاں نہ ملے گا۔ بعض لوگوں نے یہاں تک لکھا کہ اس کے تمام مصارف بھی ہم دینے کو موجود ہیں منگا لیجیے۔ اور میرا بھی جی چاہا کہ میں ان موتیوں کی ایک لڑی گوندھ کر اُس کی آب و تاب سے بزم ادب کو روشن کر دوں۔ لیکن برا ہو اس تعطل و تن آسانی کا کچھ بھی نہ ہوا۔ خدا جزائے خیر دے نواب مسعود جنگ بہادر ناظم تعلیمات سرکار عالی کو کہ انھوں نے یہ کام مجھ سے لے لیا۔ اسی طرح نواب عماد الملک بہادر نے جس زمانہ میں وہ ناظم تعلیمات تھے مجھ سے دیوان غالب کی شرح لکھوالی ورنہ سارا یہ کلام آج تک اُلجھا ہوا رہ گیا ہوتا۔ میں خود سے کبھی نہ لکھتا شاید اردو کی اس خدمت سے محروم ہی رہتا۔

ترتیب کلام مجھے اسی طرح اچھی معلوم ہوئی کہ پہلی اور دوسری جلدیں میر صاحب کے وہ مرثیے شایع ہوں جو اُن کی اُستادی کی دلیل اُن کے کمال کی سند ہیں تیسری جلد میں زمانہ شباب کا کلام ہو اُن کے عنفوان مشق و زور قلم کی بے مثال اپنے اندازہ و تخمین پر بھروسا کر کے میں نے دکھائی ہے۔ انھیں تین جلدوں میں چند مرثیے ایسے ایسے واقعات کے نکل آئے جن کا ذکر حضرات اہل سنت و جماعت کی مجلسوں میں نہیں چاہیے مثلاً حضرت رسالت و سیدہ کے حالات وفات و واقعہ شہادت امیر المومنین و امام حسن کے علاوہ بھی بعض مرثیوں کے رجز میں اس قسم کے مضامین دیکھ کر میں نے چوتھی جلد میں یہ سب مرثیے رکھ دیے۔ پانچویں جلد میں ابتدائی مرثیے ہیں اے مومنو کہ کر اکثر شروع کرتے ہیں اور کسی

روایت کو نظم کرکے ختم کر دیتے ہیں۔ مگر میر صاحب کی زبان و طرز بیان کی شان اس میں بھی موجود ہے۔
تصحیح میں زیادہ تر بھروسا پرانے قلمی مرثیوں پر کیا گیا لیکن تعجب اس بات پر ہوتا ہے کہ منشی نول کشور کے سوا میر صاحب کے کلام کو جمع کرنے کا کسی کو خیال ہی نہیں آیا۔ منشی صاحب موصوف نے جہاں تک ممکن ہوا انخاص سے قلمی مرثیے خریدے اور کچھ مرثیے جو ذاکروں کے پاس تھے بصرف زر کثیر مول لے لیے اور چھپوا دیئے خود میر صاحب کے بستے میں سات آٹھ مرثیے مسٹر صاحب سلیس کے پاس رہ گئے تھے آخر وہ بھی چھپ گئے۔ غرض تمام مرثیوں کا قلمی ذخیرہ کسی جگہ سے ممکن نہ ہوا۔ کچھ مرثیے میرے پاس تھے کچھ اور احباب سے لیکر کام نکالا جن مطبوعہ مرثیوں کا قلمی نسخہ ملا ہی نہیں اُن کی تصحیح میں اپنی زباں دانی و سخن سنجی سے استعانت کی۔
مثلاً امام حسین نے بچپن میں روزہ رکھا ہے جناب رسالت کی خدمت میں عرض کر رہے ہیں کہ جو بچہ پہلے پہل روزہ رکھتا ہے۔ (مطبوعہ)

کچھ کچھ اُسے ماں باپ بھی بھائی بھی ہیں دیتے
حضرت بھی ہیں کچھ روزہ کشائی نہیں دیتے

دوسرے مصرع کی تصحیح اس طرح کر دی ع

حضرت نہیں کچھ روزہ کشائی بھی ہیں دیتے

یا مثلاً کسی غازی نے حریف کو نیزہ مارا اُس نے ہاتھ پر روکا نیزہ ہتھیلی میں سے گزرتا ہوا شانہ تک پہنچ گیا۔ اس مقام پر مصرع (مطبوعہ) یہ ہے۔

نیزہ تو ہاتھ میں گیا ہاتھ آستیں ہوا

اس کی تصحیح اس طرح کی گئی۔ ع

نیزہ تو ہاتھ بن گیا ہاتھ آستیں ہوا

یا مثلاً ایک مرثیہ کا مصرع (مطبوعہ) اس طرح ہے

ہے نے نیاز ذہن و قصاب سے شمع طور

اس کی تصحیح اس طرح کی گئی ع

ہے نے نیاز دامن و عُصا سے شمع طور

یا مثلاً بیر الالم کے ذکر میں میر صاحب فرماتے ہیں (مطبوعہ)

بیر الالم کی آگ کا روشن ہے سب حال ۔ وہ شخص جل کے رہ گئے تھے صورت غزال

اس کی تصحیح اس طرح کی گئی ع

دو شخص جل کے رہ گئے تھے صورت زغال

یہ سب مثالیں کاتب کی غلطیوں کی ہیں اور صاف معلوم ہوتا ہو کہ کاتب نے بھی عمداً تحریف نہیں کی ہو بلکہ رو میں کچھ کا کچھ لکھ گیا ہو۔

اس کے علاوہ اہل ادب کی مجلسوں میں میری عمر گزری ہو میں نے جس طرح کسی مصرع یا بیت کو سُنا ہو اُس کے خلاف اگر چھاپہ میں پایا تو تصحیح کر دی۔

مثلاً میر صاحب کے سلام کی ایک بیت مجھے اس طرح یاد ہو ؎

عالم پیری میں آئے کون پاس

ای عصا گرجی ہوئی دیوار ہوں

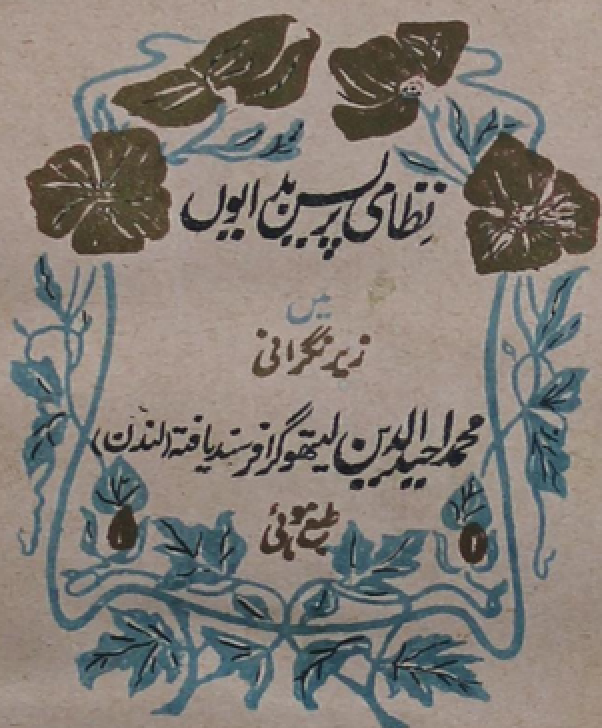
دوسرا مصرع مطبوعہ جلدوں میں اس طرح ہو ع

ای عصا گرتی ہوئی دیوار ہوں

میر رضا حسین صاحب نگین کے پاس میر صاحب کے بہت سے سندی مرثیے ہیں اُن کی عنایت سے میرے دیکھنے میں آئے مطبوعہ مرثیوں کے ساتھ مقابلہ کرنے میں بھی اُنھوں نے میرے ساتھ زحمت اُٹھائی۔ بعض مرثیے جو اُن کے پاس نہ نکلے اُن کے مقابلہ کے لیے ولایت حسین خاں صاحب برجیس اور شیخ صاحب علی صاحب کے بستہ کے مرثیے نکلوالائے۔ نگیں کے والد مرحوم میر صاحب کے خاص شاگردوں میں تھے انھیں کے ساتھ حیدرآباد میں لکھنؤ سے آئے اور یہاں اُن کا منصب ہو گیا۔ خان صاحب و شیخ صاحب میر نفیس کے خاص تلامذہ میں ہیں ان کو بھی لکھنؤ چھوڑے ہوئے عمر گزر گئی۔ میر ہادی علی صاحب کنتوری شاعر و ذاکر اور میر صاحب کا کلام پڑھنے والوں میں ہیں اُن سے بھی قلمی مرثیے میں نے لیئے اور اُن سے کام نکلا۔ نواب ضیغم جنگ بہادر میر انیس کے خاص شاگرد و مرثیہ گو ہیں جناب سید محمد حسن صاحب بلگرامی صدر محاسب سرکار عالی بڑے صاحب ذوق زبان اُردو کے ادیب ہیں۔ ان دونوں صاحبوں سے بھی چند مرثیے ملے اور مقابلہ میں کام آئے۔

خداوند عالم اس عہد عثمانی کو شوکت صاحب قرانی عطا فرمائے جس کے بذل و عطا کے صدہا مذہبی ادبی و سیاسی و اخلاقی کارنامے تاریخ ہند میں ہمیشہ یادگار رہیں گے اُسی کی فیض گستری و علم پروری کا ایک ادنیٰ کرشمہ یہ ہو کہ ادبیات زبان اُردو میں جان ڈالدی۔

۲۹ر جنوری ۱۹۲۴ء


نظامی پریس بدایوں
میں
زیر نگرانی
محمد الحمید الدین لیتھوگرافر سند یافتہ (لندن)
طبع ہوئی